تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی اَلْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

1

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ۱۹

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون نمبر: ۷۶۵۷۳۱۴

1/1

نام کتاب ——— فتاوی رضویہ جلد ۱۹
تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ
اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشرو اشاعت 〃 〃 〃 〃 〃 〃
ترجمہ عربی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
ترتیب فہرست ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
تخریج و تصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرام اللہ بٹ، مولانا محمد عبداللہ
کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)
پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ——— ۶۹۲
اشاعت ——— ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ/فروری ۲۰۰۱ء
مطبع ———
ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ———

○

ملنے کے پتے:

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰
○ مکتبۂ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہدِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کیلئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالیٰ جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں انیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی پر مشتمل اٹھارہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	جوابات اسئلہ	تعداد رسائل	سنین اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارت	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	"	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	"	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	"	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	"	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	"	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	"	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۲۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، ایمان، حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	" (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۲۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ — ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰ — فروری ۲۰۰۰	۷۱۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ — جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰

انیسویں جلد

یہ جلد فتاوی رضویہ قدیم جلد ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے شروع سے صفحہ ۲۵۵ تک ۲۹۶ سوالوں کے جوابات اور ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف

نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، سولھویں، سترھویں اور اٹھارھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ پیشِ نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) فتح الملیك فی حکم التملیك (۱۳۰۸ھ)

ہبہ اور تملیک میں فرق کا بیان

(۲) اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری (۱۳۰۲ھ)

دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین معانی

(۳) المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر (۱۳۱۱ھ)

منی آرڈر کی فیس کا شرعی حکم

ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
فروری ۲۰۰۱ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

کتاب الوکالۃ

کتاب الاقرار

کتاب الصلح

کتاب المضاربة

کتاب الامانات

کتاب العاریۃ

کتاب الھبۃ

کتاب الاجارۃ

4/4

کتاب الاکراہ

کتاب الحجر

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ

فوائد حدیثیہ

عقائد و کلام

امامت

زکوٰۃ

صدقہ وخیرات

نکاح

مہر

طلاق

بُیُوع

سُود

بیمہ

وقف

رہن

شہادت

قضاء و دعوٰی

حظر و اباحت

وصیّت

میراث

فوائد اصولیہ

ولایت

افتاء و رسم المفتی

منطق

لُغت

فوائد فقہیہ

ضمان و تاوان

ترغیب و ترہیب

فضائل و مناقب

تاریخ و تذکرہ

قرض

اسماءُ الرجال

جرح و تعدیل

قسم

حِیَل

مناظرہ و ردِّ بدمذہباں

متفرقات

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

مسئلہ ۱ از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار محلہ گھوسیاں مرسلہ شیخ غلام احمد صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

جناب مولٰنا ! بعد تقدیم سلام عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے جلد مشرف فرمائیں۔
بعض شخصوں نے کچھ روپے زید کو دیئے کہ ان کی کتابیں دینیہ لے کر طالبعلموں کو دے دو، زید کے پاس خود وہ کتابیں دینیہ موجود تھیں اس نے اپنے پاس سے حسبِ نرخ بازار کتابیں لے کر طالبعلموں کو تقسیم کردیں اور وہ روپے اپنی کتابوں کی قیمت میں آپ رکھ لئے اور یہ سمجھا کہ میں نے یہ بیع اصالۃً اور خرید وکالۃً کی ہے اور مقتضائے حال سے قطعاً معلوم ہے کہ مالکوں کو ہرگز کچھ غرض اس سے متعلق نہ تھی کہ بازار ہی سے کتابیں خریدی جائیں اسی واسطے انھوں نے معاملہ میں یہ قید نہیں لگائی ان کا اصل مقصد تقسیمِ کتب سے تھا وہ زید نے بخوبی کردیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کتب مالکوں کی طرف سے ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے؟ کتابیں واپس نہیں ہوسکتیں، بالکل یاد نہیں رہا کہ وہ طالبعلم کون کون تھے، زیادہ زمانہ گزرگیا، اور مسئلہ میں شبہہ اب پڑا اور وہ روپے بھی باقی نہیں رہے۔ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زید کو اصلاً یہ اختیار نہ تھا، نہ وہ بیع ان روپیہ دینے والوں کے ہاتھ ہوتی،

فان الواحد لایتولّٰی طرفی العقد فی البیع وامثالہ بخلاف النکاح۔

کہ بیشک ایک ہی شخص بیع جیسے عوض کے معاملات میں خرید اور فروخت دونوں کا ولی نہیں بن سکتا بخلاف نکاح کہ اس میں بن سکتا ہے۔ (ت)

تو یہ کتابیں اس کی اپنی گنیں روپے کے مالکوں کو ان کا روپیہ واپس کرے،

فی الدرالمختار لایعقد وکیل البیع والشراء والاجارۃ ونحوھا مع من ترد شہادتہ لہ الا اذا اطلق لہ الموکل کبع ممن شئت فیجوز بمثل القیمۃ وفی السراجیۃ لوصرح بھم جاز اجماعا الامن نفسہ[1] اھ مختصرًا وفی ردالمحتار عن منح الغفار عن السراج الوہاج لو امرہ بالبیع من ھؤلاء فانہ یجوز اجماعا الا ان یبیعہ من نفسہ فلایجوز قطعا وان صرح بہ الموکل[2] اھ باختصار۔ واللّٰہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے بیع، شراء اور اجارہ ان جیسے معاملات کا وکیل ایسے لوگوں سے عقد نہیں کرسکتا جن کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہیں مگر اس صورت میں جبکہ موکل نے اسے عام اختیار دیا ہو مثلاً یہ کہہ دے تُو جس سے چاہے بیع کر، تو ایسی صورت میں وُہ ان لوگوں سے بازاری قیمت پر عقد کرسکتا ہے اور سراجیہ میں ہے اگر موکل نے ایسے لوگوں سے عقد کی صراحتًا اجازت دی تو بالاجماع بیع جائز ہے لیکن خود اپنے لئے خرید نہیں کرسکتا اھ مختصرًا۔ اور ردالمحتار میں ہے منح الغفار کے حوالہ سے السراج الوہاج سے منقول ہے کہ اگر موکل نے ایسے لوگوں سے بیع کا اختیار دیا ہو تو بالاجماع ان لوگوں سے بیع جائز ہے لیکن اپنی ذات کے لئے خریدنا تو یہ قطعًا جائز نہیں اگرچہ موکل نے اس کو صراحتًا یہ اجازت بھی دی ہو، اھ مختصرًا۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲ از دولت پور ضلع بلندشہر مرسلہ بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، وکیل مطلق اگر کسی کو کچھ معاف کردے اور اس کو اختیارات کامل معاف کردینے کے حاصل ہوں تو پھر وہ رقم معاف شدہ ازرُوئے شرع شریف کے پانے کا مستحق

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۷

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۰۷

ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر صراحۃً معاف کر دینے کی اجازت موکل نے دے دی تھی جب تو اُس کا معاف کیا ہوا بعینہٖ موکل کا معاف کیا ہوا ہے جہاں خود اپنی معافی کو واپس نہیں لے سکتا وکیل کی معافی بھی واپس نہ ہو سکے گی اور شرعاً اس رقم کا مستحق نہ رہے گا، اگر صرف وکیل عام کیا یا کہہ دیا کہ اس کا جملہ ساختہ پرداختہ مثل میرے ذات کے ہے تو معاف کر دینے کا وکیل کو اختیار نہ ہوگا، موکل اگر قبول نہ کرے تو رقم معاف کردہ لے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اعلموان الوکیل وکالۃ عامۃ مطلقۃ مفوضۃ انما یملك المعاوضات لاالطلاق والعتاق والتبرعات بہ یفتی[1] زواھر الجواھر، تنویر البصائر۔

واضح رہے کہ جس وکیل کو مطلق عام وکالت تفویض کی گئی ہو وہ صرف عوض والے معاملات میں مختار ہوگا، طلاق، عتاق اور تبرعات کا اختیار اُسے نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے۔ زواہر الجواہر، تنویر البصائر۔ (ت)

اور بزازیہ میں ہے:

انت وکیلی فی کل شیئ جائز امرك ملك الحفظ والبیع والشراء الا العتق و التبرع وعلیہ الفتوی[2] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

تجھے ہر جائز معاملہ میں میری وکالت ہے، تو اس سے وکیل کو حفاظت، بیع اور شراء کا اختیار حاصل ہوگا، عتق اور تبرعات کا اختیار نہ ہوگا، اور اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳: از دفتر محکمہ زراعت پنجاب لاہور مسئولہ محمد نصراللہ صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشہ وکالت ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ سچ

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوکالۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۰-۴۵۹

بولنا چاہے تو کہتے ہیں اگر سچ کہو گے تو تمھارا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا، جھُوٹی گواہیاں دلواتے ہیں، جھُوٹے حلف اُٹھواتے ہیں، قطعی حرام ہے۔ اور ایسی ہی وکالت آج کل فروغ پا سکتی ہے، وہ جو کامل تحقیقات کے بعد جسے حق پر جان لے صرف اسی کی وکالت کرے محض بطور حق کرے، جھوٹ بولنے یا بلوانے سے پرہیز کرے اس کی وکالت اس زمانے میں اصلاً نہیں چل سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الاقرار
(اقرار کا بیان)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک امر کا پیشِ قاضی اقرار کیا اور اس اقرار کا معترف تھا، اب اس امر سے انکار کرتا ہے، آیا یہ انکار اس کا معتبر ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید اپنے اقرار پر ماخوذ اور انکار اس کا مردود ہوگا،

فی العالمگیریۃ ان کان الواھب اقربذلك عند القاضی والعبد فی یدہ اخذ باقرارہ[1] وفی الاشباہ والنظائر اذا اقربشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل کما فی الخانیۃ[2]۔ واللہ اعلم

عالمگیری میں ہے اگر ہبہ کرنے والے نے یہ اقرار کیا حالانکہ غلام اس کے قبضہ میں ہے تو وہ اپنے اقرار کی بنا پر ماخوذ اور پابند ہوگا، اور الاشباہ والنظائر میں ہے جب کوئی کسی چیز کا اقرار کرلے پھر اقرار کے خطا ہونے کا دعوٰی کرے تو یہ دعوٰی مقبول نہ ہوگا جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

7
7

مسئلہ ۵: از گورکھپور محلہ گھوسی پورہ مرسلہ مولوی حکیم محمد عبداللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مرضِ موت میں بحضور ایک جماعت معززین کے اپنی زوجہ کے مہر کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے ذمہ پچاس ہزار روپیہ دین مہر میری زوجہ کا واجب الادا ہے وہ اب تک مجھ سے ادا نہیں ہوا، اب ادا ہونا اس کا ضروری ہے، لہذا میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے، بعدہٗ زوجہ نے بنا بر ہدایت شوہر اپنے کل جائداد شوہری پر قبضہ اپنا کرلیا بعدہٗ ورثہ مقر باہم مختلف ہوئے، اکثر نے اقرار اپنے مورث کا تسلیم کیا، اور بعض کا بیان ہے کہ دعوی اقرار غلط ہے اور مہر زوجہ کا اس قدر نہیں بندھا تھا، اب استفسار یہ ہے کہ اقرار مورث جو کہ بشہادت معزز لوگوں کے ثابت ہے شرعاً قابلِ اعتبار ہے یا نہیں، اور مقدار مہر مطابق اقرار مورث کے شرعاً واجب الثبوت ہے یا نہیں، اور قبضہ زوجہ مقر کا بعوض دین مہر اپنے کے جائداد شوہری پر شرعاً قابلِ نفاذ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ مرضِ موت میں وارث کے لئے اقرار بے تصدیق دیگر ورثہ معتبر نہیں،

کما نصوا علیہ قاطبۃ وعللوہ بان حقھم تعلق بمالہ ففی تخصیص البعض بہ ابطال حق الباقین۔

جیسا کہ اس پر سب نے نص فرمائی ہے اور انھوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ تمام ورثاء کا حق میت کے تمام ترکہ سے متعلق ہے تو ترکہ سے کچھ ورثاء کی تخصیص میں باقی ورثاء کے حق کو باطل کرنا ہے (ت)

مگر جبکہ نکاح معروف ہو تو عورت کے لئے مہر مثل تک اقرار صحیح ومقبول ہے وجہ اس کی یہ کہ مہر مثل موجب اصل نکاح ہے کما صرح فی الھدایۃ وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ ت) تو خود ثبوت نکاح اس کے اثبات میں کافی، فان الشیئ اذا ثبت ثبت باحکامہ (کیونکہ جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے احکام سمیت ثابت ہوتی ہے۔ ت) ولہذا عورت کی بلا بینہ اس مقدار تک تصدیق کی جاتی ہے،

فی وصایا الخانیۃ رجل مات عن اولادہ الصغار وادعت المرأۃ مھرھا قالوا ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذلك

خانیہ کے وصایا میں ہے ایک شخص فوت ہوا نابالغ اولاد چھوڑی اور عورت نے ترکہ پر اپنے مہر کا دعوی کیا تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر عورت سے میت کا نکاح معروف ومعلوم ہے تو عورت کا مہر مثل تک دعوی قبول کیا جائے گا اور اتنا مہر عورت کو

الیها[1] اھ ملخصًا۔ دے دیا جائے گا اھ ملخصًا (ت)

تو اس قدر میں مریض کی تصدیق اُس کے اقرار سے کسی امر غیر ثابت کا ثابت کرنا نہیں، بناءً براں واجب القبول ہُوا۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے:

سأل فیما اذا اقر بحضرۃ بینۃ شرعیۃ فی مرضه بان فی ذمته لزوجته خمسۃ وعشرین دینارا ذھبا مھراً مؤجلا وصدقته فیه وصدق علی ذٰلك بعد موته بعض ورثته وکذب البعض فهل الاقرار المذکور صحیح ام لا اجاب الاقرار بالمھر صحیح حیث کانت ممن یؤجل لها مثل المقربه کما صرح به فی جامع الفصولین وغیرہ معللا بقوله اذ یقبل قولها الی تمام مھر مثلها بلا اقرار الزوج[2] اھ بتلخیص۔

ان سے سوال ہوا اس صورت کے متعلق کہ جب کوئی شخص اپنی مرضِ موت میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ اس کی بیوی کا اس کے ذمہ پچیس دینار سونا مہر مؤجل ہے اور بیوی اس اقرار کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے بعض ورثاء بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ بعض ورثاء اس کو جھوٹ قرار دیتے ہیں، تو کیا مذکورہ اقرار صحیح ہوگا یا نہیں، تو امام خیر الدین رملی نے جواب دیا کہ وہ عورت ایسی ہو کہ اس کے لئے اقرار میں بیان کردہ مہر کی مقدار مؤجل ہوتی ہے، تو مہر کا یہ اقرار صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین وغیرہ میں اس کی تصریح کرتے ہوئے یہ علت بیان فرمائی ہے کہ خاوند کے اقرار کے بغیر بھی مہر مثل کی حد تک عورت کا قول قبول کیا جائیگا اھ ملخصًا (ت)

پس اگر پچاس ہزار روپے عورت کے مہر مثل سے زائد نہیں تو اس پُوری مقدار میں مریض کا اقرار مقبول ہوگا اور زائد ہیں تو صرف مقدار مہر مثل تک معتبر اور قدر زائد میں تصدیق ورثہ یا اقامت بینۂ عادلہ شرعیہ کی حاجت ہوگی؛

فان البینة کاسمها مبینة والثابت بالشهادة کالثابت بالمشاھدۃ۔

کیونکہ بیّنہ اپنے عنوان کے مطابق واضح کرنیوالا ہے اور شہادت کے ساتھ ثابت شدہ چیز گویا وہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔ (ت)

خیریہ کے فتوٰی مذکور میں ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۰

والحاصل ان الاقرار لها بالدنانیر المذکورۃ مھرا صحیح حیث لازیادۃ فیہ علی مایؤجل لمثلھا ولایحتاج فیہ الی تصدیق الورثۃ وان کان فیہ زیادۃ لایصح بھا الابہ ویصح فیما ھو مھر مثلھا[1]۔

حاصل یہ کہ بیوی کے لئے مذکورہ دنانیر مہر کا اقرار تب صحیح ہوگا جب اس جیسی عورت کے مہر موجل کے برابر ہو زائد نہ ہو اور اس میں ورثاء کی تصدیق کی ضرورت نہیں، اور اگر اس سے زائد ہو تو پھر ورثاء کی تصدیق کے بغیر اقرار صحیح نہیں ہوگا اور یہ بھی مہر مثل کی حد تک صحیح ہوگا۔

اس قدر سے سوال کے دو۲ امر کا جواب منکشف ہوگیا۔ رہا امر ثالث یعنی زوجہ کا جائداد مورث پر بعوض مہر بے رضائے ورثہ قبضہ کرلینا۔ واضح ہو کہ دین ایک مال حکمی ہے کہ ذمہ پر ثابت ہوتا ہے کما فی الحاوی القدسی (جیسا کہ الحاوی القدسی میں ہے۔ ت) اور اس کی ادا اس کے مثل ہی سے ہوتی ہے،

فقد نصوا ان الدیون تقضٰی بامثالھا کما فی الاشباہ[2] وغیرھا۔

تو بیشک سب نے تصریح کی ہے کہ دیون کی ادائیگی اس کی مثل سے ہوگی جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور دین وعین محض متباین ہیں، نہ متماثلین، ولہٰذا باجماع ائمہ حق وارثان مالیت میں ہے نہ عین میں۔

نص علیہ فی غیر موضع من الھدایۃ وغیرھا عامۃ کتب المذھب منھا فی اقرار المریض ان حق الغرماء تعلق بالمالیۃ لابالصورۃ[3] اھ۔

اس پر ہدایہ وغیرہ کتب مذہب میں متعدد مقامات پر نص ہے ان میں ایک مقام اقرار المریض میں ہے کہ حق کا مطالبہ کرنے والوں کا تعلق مالیت سے ہوتا ہے کسی معین مال کی صورت سے نہیں ہوتا اھ (ت)

تو بطور خود اخذ عین بعوض دین تجارت بے تراضی ہے کہ بنص قطعی قرآن عظیم ممنوع وناجائز،

یایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن

ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۰
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۵
[3] الہدایہ باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴۰

تراض منکم[1] یہ کہ رضامندی پر مبنی تجارت ہو۔ (ت)

ہدایہ میں بیع مال مدیون بے رضائے مدیون کی نسبت فرمایا:

انہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص[2] کہ یہ رضامندی کے بغیر تجارت ہے تو اس کا باطل ہونا نص سے ثابت ہے۔ (ت)

اسی لئے ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دائن مال مدین[عہ] سے خلاف جنس دین بے رضائے مدین، دین میں نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

ان کان دینہ دراھم ولہ عروض لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ جبرا[3] اھ ملتقطا۔ اگر اس پر دراہم قرض ہیں جبکہ اس کے پاس موجود صرف سامان ہے تو قرض خواہ کو وہ سامان جبراً حاصل کرنا جائز نہیں اھ ملتقطاً (ت)

اور عبارت وصایائے خلاصہ:

المرأۃ تاخذ مھرھا من الترکۃ من غیر رضا الورثۃ ان کانت الترکۃ دراھم او دنانیر وان کانت شیئا مما یحتاج الی البیع تبیع ما کان اصلح وبستوفی صداقھا سواء کانت الوصیۃ من جھۃ زوجھا او لم تکن وتاخذ من غیر رضا الورثۃ[4] اگر ترکہ میں دراہم یا دینار ہیں تو بیوی ترکہ سے اپنا مہر ورثاء کی رضامندی کے بغیر حاصل کرسکتی ہے اور اگر وہ ترکہ ایسا سامان ہے جس کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے تو بیوی مناسب نقد پر فروخت کرے اور اپنا مہر پورا کرلے خواہ خاوند کی طرف سے وصیت ہو یا نہ ہو، اور بیوی ورثاء کی رضا کے بغیر حاصل کرے۔ (ت)

کہ اس قبضہ کی تجویز جو مفید زوجہ خیال کی گئی ہرگز مفید نہیں بلکہ صاف خلاف پر نص ہے،

عہ فی الاصل ھکذا ولعلہ مدیون۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۶

[3] " " " " " ۳/ ۳۵۷

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ ۴/ ۴۴۱

الا ترى انه رحمه الله تعالى خص اخذ العين
بما اذا كانت التركة دراهم او دنانير
وفى غيره انما اجاز الاستيفاء بالبيع
لا اخذ العين فى الدين ونص
انه لابد فيه من البيع حيث قال
وان كانت شيئا مما يحتاج الى
البيع[1] الخ ، فمعنى قوله و تأخذ
الثانى تأخذ المهر من الثمن
وان لم يرض الورثة بل اظن
وارجو ان اكون فى ظنى صادقا
ان "لا" سقطت من تاخذ الثانى
من قلم الناسخ وانما العبارة "و
لا تاخذ من غير رضا الورثة"
اذ به يحسن المقابلة بين هذا
وبين ما قدم من قوله
"تاخذ من غير رضا الورثة ان
كانت دراهم او دنانير" فالمعنى
تبيع وتستوفى قهرا عليهم
ولا تاخذ العين الا برضاهم
فلتراجع نسخ الخلاصة
فان النسخة التى عندى
قد تقطعت اوراقها من هذا
المقام ومن المحال ان

آپ دیکھ رہے ہیں کہ صاحبِ خلاصہ رحمہ اللہ تعالٰی
نے تخصیص کی ہے کہ اگر ترکہ دراہم و دینار ہیں تو
عین ترکہ کو لینا جائز ہے، اور اگر ترکہ دراہم و دنانیر کا
غیر ہو تو انھوں نے فروخت کرکے حق کی وصولی کو جائز
کہا ہے نہ کہ اس عین سامان کو لینے کو جائز کہا،
اور انھوں نے اس عین سامان ترکہ کو فروخت کرنے
کی ضرورت پر نص فرمائی ہے جہاں انھوں نے فرمایا
کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کو فروخت کرنے کی ضرورت
ہے الخ اور عبارت میں دوسرے "تاخذ" کا معنی
یہ ہے کہ بیوی اس چیز کے ثمن سے مہر وصول کرے
اگرچہ ورثاء کی رضا نہ ہو، بلکہ میرا ظن ہے اور مجھے
امید ہے کہ میں اس ظن میں صادق ہوں، وہ یہ کہ
یہاں "تاخذ" سے قبل "لا" نقل کرنے والے
کے قلم سے ساقط ہوگیا ہے، جبکہ اصل عبارت یوں
تھی: ولا تاخذ من غیر رضا الورثۃ ، یعنی
ورثاء کی رضا کے بغیر نہ لے، کیونکہ یوں اس عبارت
کا پہلی عبارت سے مقابلہ درست ہو جاتا ہے، پہلی
عبارت کہ اگر ترکہ دراہم و دینار ہوں تو ورثاء کی رضا
کے بغیر وصول کرلے تو اب دوسری عبارت کا معنی یہ
ہوا کہ سامان کو فروخت کرے اور حق کو اس کے ثمن
سے جبراً وصول کرے اور عین سامان کو ان کی مرضی
کے بغیر نہ لے، آپ خلاصہ کے مختلف نسخوں کی طرف
مراجعت کریں میرے پاس جو نسخہ ہے اس مقام کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۲۴۱

يكون المرأة تاخذ العين من غير رضاهم فانه على هذا لايبقى الفرق بين النقد وغيره وهو انما فتح الكلام على التفرقة فلوكان مراده هذا لقال "تاخذ التركة فى مهرها ولو عروضا وعقارا وان لم يرض الورثة" وبالجملة فهذا مما لايرضى به فقيه ثم لاغرض لنا ههنا يتعلق بنقد ما اطلق فى اجازة البيع وان لم تكن وصية من قبل الزوج والا ففيه مجال نظر فانها اذا لم تكن وصية كان بيعها بيع مال الغير من دون اذن منه ولا من الشرع بخلاف بيع الوصى فانه مختار المالك وبيع القاضى عند الصاحبين فانه ماذون له من جهة الشرع دفعا للظلم وايصالا للحق الى المستحق واذا رأينا الامام الاجل فقيه النفس استاذ صاحب الخلاصة مولٰينا القاضى الامام فخر الدين رحمهما الله تعالٰى فرض المسئلة فى الخانية

اوراق اس میں سے کٹے ہوئے ہیں، اور یہ بات محال ہے کہ بیوی ورثاء کی رضا کے بغیر عین سامان کو حاصل کرے کیونکہ اس صورت میں نقد اور غیر نقد کا فرق نہ رہے گا حالانکہ صاحبِ خلاصہ نے یہ کلام دونوں میں فرق کے لئے جاری کیا ہے، اگر ان کی مراد یہی ہوتی تو پھر کلام یُوں ہونا چاہیے تھا "ترکہ سے مہر وصول کرے اگرچہ سامان ہو یا جائداد ہو خواہ ورثاء راضی نہ بھی ہوں"، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس ظاہر عبارت پر کوئی فقیہ راضی نہ ہوگا، پھر مطلق اجازت والی عبارت جس میں بیع اگرچہ خاوند کی وصیت نہ ہو، سے ہماری غرض کا تعلق نہیں ہے ورنہ یہاں اعتراض کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ جب خاوند کی مہر کی ادائیگی کے متعلق وصیت نہیں ہے تو پھر بیوی کا سامان کو فروخت کرنا غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا اور شرع کی اجازت کے بغیر فروخت لازم آتا ہے بخلاف وصی کا ترکہ کے سامان کو فروخت کرنا کہ اس میں وہ مالک کی طرف سے مختار ہے، اور صاحبین کے نزدیک قاضی کے فروخت کرنے کا جواز بھی شرعی طور پر ماذون ہونے کی وجہ سے ہے تاکہ قاضی کے عمل سے ظلم ختم اور مستحق کو حق دیا جاسکے، اور جب ہم نے صاحبِ خلاصہ کے استاد امام اجل فقیہ النفس مولانا قاضی امام فخر الدین رحمہما اللہ تعالٰی کو دیکھا کہ انھوں نے اس مسئلہ کو خانیہ میں عورت کے وصی ہونے پر بیان فرمایا، جہاں انھوں نے خوب فائدہ مند کلام فرمایا (اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے)

فیما اذا کانت المرأۃ وصیۃ حیث افاد واجاد رحمہ الجواد میت اوصی الی امرأتہ وترك مالا وللمرأۃ علیہ مھرھا ان ترك المیت صامتا عـہ مثل مھرھا کان لھا ان تبیع ما کان اصلح للبیع وتستوفی صداقھا من الثمن[1] اھ (ملخصًا)

کہ ایک میّت نے اپنی بیوی کو وصیت کی اور مال ترکہ چھوڑا جبکہ خود اس بیوی کا میت کے مال میں مہر باقی ہو تو اگر میّت نے ترکہ میں صامت مال یعنی نقدو سامان چھوڑا جو مہر کی مثل ہو تو بیوی کو (وصی ہونے کی حیثیت سے) اختیار ہوگا کہ وہ مناسب مال کو فروخت کرے اور اپنا حق مہر اس سامان کے ثمن سے پُورا کرلے اھ (ملخصًا)۔ (ت)

اور زید کا کہنا "میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرنے" ہرگز اس معنی میں نص نہ تھا جو زوجہ نے خواہی نخواہی قرار دے لئے کہاں جائداد سے وصول کرنا اور کہاں عین جائداد اپنے دین میں لینا آخر علماء یہی تو عامہ کتب میں فرماتے ہیں کہ ترکہ سے پہلے میت کے دیون ادا کئے جائیں پھر ثلث مابقی سے وصایا کیا اس کے یہ معنی کہ عین جائداد متروکہ دائنین وموصٰی لھم کو دے دی جائے جو معنی ادا کے کلام علماء میں ہیں بعینہٖ وہی معنی وصول کرلینے کے کلام زید میں۔ مع ہذا عین لعوض دین دینا نہیں مگر بیع، لکونہ مبادلۃ مال بمال (مال کا مال سے تبادلہ ہونے کی وجہ سے۔ ت) اور مریض نہ بالفعل وارث کے ہاتھ بیع کرسکتا ہے جب تک باقی ورثہ اجازت نہ دیں۔ جامع الفصول میں ہے:

اعطاھا بیتا عوض مھر مثلھا لم یجز اذ البیع من الوارث لم یجز فی المرض ولو بثمن المثل[2] الا اذا اجازہ وارثہ)

خاوند نے مرضِ موت میں بیوی کو مہر کے عوض مکان دیا تو جائز نہیں کیونکہ مرضِ موت میں کسی وارث کو بیع کردینا ناجائز ہے اگرچہ وہ بیع مساوی ثمن کے عوض ہو، ہاں اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو جائز ہوجائے گی۔ (ت)

نہ وارث کے لئے وصیت کا اختیار رکھتا ہے کہ فلاں شئی اس کے ہاتھ بیع کی جائے یا یہ

عـہ الصامت من المال الذھب والفضۃ والناطق ھو الحیوان (منجد)۔

صامت مال سے مراد سونا چاندی اور ناطق سے مراد حیوانات ہیں (المنجد)۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الولی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

خود اپنے ہاتھ بیع کرلے الا لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ (خبردار، وارث کیلئے وصیت جائز نہیں مگر جب ورثاء جائز قرار دیں تو جائز ہوگی۔ ت) بہرحال زید کا کلام بھی کچھ بکار آمد نہیں۔ بالجملہ اگر دین ترکہ کو محیط نہیں جب تو امر نہایت ظاہر کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا۔ اشباہ کے قول فی الدین میں ہے:

قدمنا انہ لایمنع ملک الوارث للترکۃ ان لم یکن مستغرقا و یمنعہ ان کان مستغرقا۔[1]

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ جب ترکہ قرض میں مستغرق نہ ہو تو وارث کے مالک بننے کو مانع نہیں، ہاں اگر ترکہ قرض میں مستغرق ہو تو اس کی ملکیت میں رکاوٹ بنے گا۔ (ت)

تو زوجہ ملک ورثہ بے رضائے ورثہ کیونکر بطور خود بالجبر لے سکتی ہے اور اگر محیط ہے تاہم ورثہ شرعاً اختیار رکھتے ہیں کہ دین اپنے پاس سے ادا کرکے ترکہ کو خالص کرلیں۔ اشباہ کے قول فی الملک میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا۔[2]

وارث کو قرض ادا کرکے ترکہ کو خلاص کرانا جائز ہے اگرچہ ترکہ قرض میں مستغرق ہو۔ (ت)

تو ان کی بے رضا قبضہ کرلینے میں اُن کے اس حق کا ابطال ہے اور یہ جائز نہیں۔ ولہٰذا علامہ حموی نے تصریح فرمائی کہ قاضی جب ترکہ کو دین محیط میں بیچے تو بیع بحضور ورثہ ہونا چاہئے کہ وہ حق استخلاص رکھتے ہیں

قال فی الاشباہ لاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی[3] اھ فقال فی الغمز ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم[4] الخ۔

الاشباہ میں فرمایا کہ دین میں مستغرق ترکہ کو وارث کا فروخت کرنا جائز نہیں اور صرف قاضی اسے فروخت کرسکتا ہے اھ، تو غمز العیون میں فرمایا مناسب ہے کہ قاضی کی بیع ورثاء کی موجودگی میں ہو کیونکہ ورثاء کو حق ہے کہ قرض میں اپنا مال دے کر ترکہ کو روک لیں۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۵
[2] 〃 〃 〃 القول فی الملک 〃 〃 〃 ۲/ ۲۰۵
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[4] غمز عیون البصائر مع الاشباہ 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۲۰۵

پس روشن ہوگیا کہ قبضۂ زوجہ محض بے جا و بے معنی ہے،

وھٰھنا فتوی للاخصب ما انا بغافل عنھا ولا ناس لھا لکنھا محمولۃ عندی علی اموال خفیۃ یظفر بھا الدائن الاٰئس من الوصول الی حقہ دون الظاھرۃ والاسترسال فی تحقیقہ یطول فلنضرب عنھا الذکر صفحا اقتداء بجمیع ائمتنا الاقدمین وجماھیر الاجلۃ المتاخرین حیث لاتری لھا فی کلامھم عینا ولا اثرا ولا ذکرا ولا خبرا کیف وقد وقعت مخالفۃ للمذھب المجمع علیہ بین ائمتنا ومضادۃ لما اطبقت علیہ المتون قاطبۃ مع الشروح والفتاوی من کتب مذھبنا نعم لاباس بالمصیر الیھا عند الضرورۃ دفعا للحرج وذٰلک انما یکون عند الیأس مع القدرۃ علی الاستیفاء بالاخذ وقلما یجتمعان الا فی مال خفی کما لایخفی علی ذی فھم ذکی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یہاں الاخصب کا فتوٰی ہے جس سے میں غافل نہیں اور بھولا بھی نہیں لیکن میرے نزدیک اس فتوٰی کا محل وہ مخفی اموال ہیں جن پر وصولی سے مایوس قرض خواہ قابو پالے نہ کہ اموال ظاہرہ اس کی واضح تحقیق طویل ہے اس لئے متقدمین تمام ائمہ اور جلیل القدر جمہور متاخرین کی اقتداء میں اس سے پہلوتہی مناسب کیونکہ آپ ان کے کلام میں اس کا ذکر، حکایت اور خبر تک نہ پائیں گے، اور ہو بھی کیسے جبکہ یہ بات ہمارے ائمہ کے متفق علیہ مذہب کے مخالف اور تمام متون بمع شروح و فتاوٰی ہمارے مذہب کی کتب سے متضاد ہے ہاں دفع حرج کیلئے ضرورت کے وقت اس کو اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ اس وقت جب وصولی سے مایوسی ہو اور اپنے حق کو حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو، اور یہ دونوں باتیں اموال خفیہ کے بغیر بہت کم مجتمع ہوتی ہیں جیسا کہ ذکی فہم والے پر مخفی نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ (ت)

مسئلہ

۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ حسینی بیگم بریلوی نے بارادۂ حج بیت اللہ شریف کو جاتے وقت بیس روپیہ اور ایک جگنو طلائی اور ایک زنجیر نقرئی بمبئی میں پاس جمیل النساء کے باین شرط بطور امانت چھوڑی کہ جس وقت جو شَے میں طلب کروں تم بھیج دینا اور درصورت میرے مرجانے کے وہ بیت اللہ شریف میں خیرات کردینا، اس کے بعد مکہ معظمہ پہنچ کر بیس روپے حسینی بیگم نے جمیل النساء سے منگوالئے اور جگنو اور زنجیر جمیل النساء کے پاس امانت رہا، اور زنجیر کی نسبت کہا تھا کہ یہ میری ایک نواسی کی ہے

سہواً میرے ہاتھ چلی آئی ہے، اب حسینی بیگم کا مکہ شریف میں انتقال ہوگیا لہٰذا از روئے شرع شریف کے جگنو اور زنجیر کا کیا کیا جائے گا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے وارث کو مت دینا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہاں دو چیزیں ہیں، زنجیر کا نواسی کے لئے اقرار اور جگنو کی نسبت خیرات کی وصیت سائل مظہر کی حسینی بیگم کی تین نواسیاں ہیں اُن سے کہا گیا تو سب نے انکار کیا کہ وہ زنجیر ہماری نہیں پس صورت مستفسرہ میں اگرچہ بربنائے قول اصح کہ مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ مانع صحت اقرار نہیں کیا۔ نص علیہ فی الھندیۃ من التبیین (ہندیہ میں تبیین الحقائق کے حوالے سے اس پر تصریح فرمائی گئی ہے۔ ت) اقرار مذکور صحیح واقع ہوا مگر جبکہ نواسیوں نے انکار کردیا رَد ہوگیا یہاں تک کہ اب نواسیاں تصدیق بھی کردیں تاہم معتبر نہ ہوگی،

فی الدر المختار المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ لما تقرر انہ یرتد بالرد الافی ست[1] الخ وفیہ لو رد المقرلہ اقرارہ ثم قبل لا یصح[2] الخ

درمختار میں ہے کہ مقرلہ جب مقر کو جھوٹا قرار دے تو مقر کا اقرار باطل قرار پاتا ہے کیونکہ ثابت شدہ امر ہے کہ مقر کا اقرار مقرلہ کے رَد کرنے سے رَد ہوجاتا ہے ماسوائے چھ امور کے الخ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب مقرلہ اقرار کو رَد کرکے پھر بعد میں اسے صحیح قرار دے تو یہ تصحیح جائز نہیں الخ (ت)

پس وہ زنجیر تو بشرائط فرائض وارث حسینی بیگم کو ملے گی، رہا جگنو، اگر حسینی بیگم پر کوئی دین نہیں تو یہ کل متروکہ کی تہائی، اور دین ہے تو بعد ادائے دین جس قدر بچے اس کی تہائی سے زائد نہیں یا زائد ہے اور ورثہ وصیت جائز رکھتے ہیں جب تو کل جگنو تصدق کردیا جائے ورنہ اُس کا اُس قدر حصہ جو ثلث مال باقی بعد ادائے دین کے قدر ہو تصدق کریں باقی وارث کو دیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ از ریاست رامپور مرسلہ امیر احمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک مختارنامہ اس مضمون کا ایک شہر میں تصدیق کرایا کہ میں دوسرے شہر کو بوجہ پورے ہونے ایام حمل کے نہیں جاسکتی ہُوں اور اُس دوسرے شہر میں مجھ کو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تصدیق کرانا

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۹

[2] درمختار کتاب الاقرار " ۲/ ۱۳۰

منظور ہے کہ میرے شوہر نے جو زمینداری اُس شہر کی اپنے روپیہ سے خرید کر بعنا راس کا میرے نام اسم فرضی کرایا ہے میں اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں کہ وہ زمینداری میرے شوہر کی ہے، میرا شوہر اس زمینداری کا اصلی مالک ہے لہذا بدرستی جمیع حواس خمسہ برضا و رغبت خود اپنی جانب سے فلاں مختار کو مختار خاص اپنا قرار دے کر اقرار کرتی ہوں کہ مختار خاص میرا میری جانب سے اقرار نامہ مضمون مندرجہ بالا کی تصدیق کرا دے اور جملہ ساختہ وپرداختہ مختار مذکور کا مثل کردہ ذات خود قبول و منظور رہے، پس بعد تصدیق ہونے مختار نامہ کے مختار نے دوسرے شہر میں جاکر اقرار نامہ تصدیق کرا دیا اور مضمون اس اقرار نامہ کا مسماۃ کو دکھلا دیا اور پڑھ کر سُنا دیا تھا، مسماۃ نے سُن کر ثبت مہر کی اجازت دی تھی اور مسماۃ علیل نہیں تھی صحیح و سالم تھی بلکہ بہ سواری ڈولی محکمہ رجسٹری میں خود جاکر بزبانِ خود رجسٹرار صدر سے مختار نامہ تصدیق کرایا تھا تکمیل ہونے مختار نامہ مذکور کے ایک روز بعد اولاد پیدا ہوئی تھی اور اولاد کے پیدا ہونے سے ایک ہفتہ بعد اولاد کے پیدا ہونے کی وجہ سے انتقال کیا کیونکہ بہت دشواری سے اولاد ہوئی تھی ہر گاہ بعد فوت مسماۃ مذکورہ وارثان مسماۃ دعوٰی باوجود ہونے دستاویز مصدقہ کے بوراثت حقیت مذکورہ بالا کا کرتے ہیں، اس صورت میں وہ کلمات کہ جو اقرار نامہ میں اسم فرضی کے ساتھ ملکیت شوہر اپنے کی از روئے عدالت تصدیق کر چکی ہے، نسبت نہ ہونے دعوٰی کے تحریر ہیں واسطے بری ہونے شوہر مسماۃ کے دعوٰی وراثت سے کافی ہوں گے یا نہ ہوں گے احمد اللہ وعبدالرسول نظر غور فرما کر عاجز مسکین امیر احمد پر بروایت صحیح جواب باصواب تحریر فرمائیں کہ موجب ثواب اجر عظیم کا ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں جبکہ ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے یہ اقرار اپنی صحت میں کیا تو اب شرعاً کوئی دعوٰی وراثت وارثانِ زن کا اُس جائداد میں مسموع نہیں ہوسکتا اگرچہ تصدیق اقرار نامہ مختار نے دوسرے شہر میں بحالت مرض الموت زن کی ہو کہ شرعاً ملک شوہر ثابت ماننے کے لئے یہی لفظ کافی ووافی تھے جو عورت نے بحالت صحت اس مختار نامہ میں لکھے، عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اقر فی صحتہ لدی بینۃ شرعیۃ انہ اشتری المبیع لاختہ والثمن من مالہا واسمہ فی الصك عاریۃ وصدقتہ اختہ علی ذٰلك فہل یعمل باقرارہ المزبور، الجواب: نعم، سئل فی رجل اقر

ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی تندرستی میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ فلاں چیز میں نے اپنی بہن کے لئے اسی کی رقم سے خریدی ہے جبکہ رسید میں میرا نام عاریۃً ہے اور اس کی بہن نے اس بات کی تصدیق کر دی ہو تو کیا اس کے مذکورہ اقرار پر عمل کیا جائے گا، تو انھوں نے جواب

فی صحتہ ان المبلغ المکتتب باسمہ بذمۃ فلان بموجب صك لفلانۃ واسمہ فی صك الدین عاریۃ فھل یکون اقرارہ المذکور صحیحا، الجواب نعم[1] (ملخصا)۔

میں فرمایا) ہاں عمل ہوگا ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی تندرستی میں اقرار کیا کہ میرے نام کی لکھی ہوئی رسید کہ اتنی رقم فلاں کے ذمہ ہے وہ رقم فلاں عورت کی ہے میرا نام رسید میں عاریۃً ہے تو کیا اس کا مذکورہ اقرار صحیح ہوگا؟ الجواب: ہاں صحیح ہے (ملخصا)۔ (ت)

شوہر جانتا ہے کہ واقع میں بھی یہ اقرار زن سچا ہے فی الحقیقۃ اس کا نام فرضی تھا جب تو عنداللہ بھی وہ اس جائداد کا مالک ہے اور ورثہ زن کا دعوٰی باطل، اور اگر اسے معلوم ہے کہ فی الواقع عورت ہی اس جائداد کی مالکہ تھی، یہ اقرار اس نے غلط لکھ دیا اگرچہ اپنی صحت ونفاذ تصرف کی حالت میں برضا ورغبت ہی لکھا تو عنداللہ اس کے لئے اپنے حصہ سے زیادہ حلال نہیں اس پر فرض ہے کہ وارثانِ شرعی کا حصہ نہ روکے مگر بحالتِ اقرار مذکور قاضی وحاکم دعوٰی وارثان کو اصلاً نہ سُنے گا واقع کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔ خانیہ و خلاصہ وبزازیہ والفرویہ وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

اقر فی صحتہ وکمال عقلہ ان جمیع ماھو داخل منزلہ لامرأتہ غیر ما علیہ من الثیاب ثم مات الرجل وترك ابنا فادعی الابن ان ذلك ترکۃ ابیہ قال ابو القاسم الصفار ان علمت المرأۃ ان جمیع ما اقربہ الزوج کان لھا ببیع او ھبۃ کان لھا ان تمنع ذلك عن الابن بحکم اقرار الزوج وان علمت انہ لم یکن بینھما بیع ولا ھبۃ لایصیر ملکا لھا بھذا الاقرار[2]۔

ایک شخص نے اپنی تندرستی اور کامل عقل میں اقرار کیا کہ میرے لباس کے ماسوا میرے گھر میں موجود تمام سامان میری بیوی کی ملکیت ہے پھر اقرار کے بعد فوت ہوگیا اور اپنا ایک بیٹا چھوڑا جس نے دعوٰی کیا کہ گھر کا سامان میرے والد کا ترکہ ہے، اس پر ابوالقاسم صفار نے فرمایا کہ اگر بیوی اس یقین کا اظہار کرے کہ گھر کا تمام سامان بیع یا ہبہ کے طور میری ملکیت ہے تو بیوی کو حق ہوگا کہ خاوند کے اقرار کی بنا پر اس سامان کو بیٹے سے روک لے اور اگر وہ مذکورہ یقین کا اظہار نہ کرپائے تو پھر وہ خاوند کے مذکورہ اقرار کی بناء پر بیوی کی ملکیت نہ بنے گا۔ (ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں " نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۶

خلاصۃ الفتاوٰی " الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۴۴

فتاوٰی ہندیۃ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۶۳

درمختار میں ہے:

لواقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملک[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کوئی جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے حلال نہ ہوگا کیونکہ محض اقرار کسی کی ملکیت کا سبب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از رام پور متصل شفاخانہ کلاں سرکاری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید وغیرہ نے کرایہ کی زمین میں مکان تعمیر کیا اور زمین آبچک نہیں چھوڑی، مسمّی عمرو جار کہ جس کے مکان کی زمین میں اولتی ٹپکتی مزاحم و مانع ہوا تو زید نے بمعیت مالک زمین میر محلہ کہ جس کی زمین میں زید نے مکان تعمیر کیا تھا سات گرہ زمین واسطے آبچک بجہت عاریت کے استدعا کی چونکہ عمرو کی زمین زرخرید تھی اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ تعدادی ہفت گرہ زمین عمرو سے واسطے آبچک بجہت عاریت کے مستعار لی ہم نے، اور جس وقت عمرو یا وارثانِ عمرو چاہیں زمینِ آبچک مذکور رجوع کرکے بیدخل کردیں ہم مستعیران یا وارثان مستعیران دعوٰی ملکیت زمین و باحق آبچک یا بیدخل ہونے میں کوئی عذر و حیلہ کریں تو عندالشرع نامسموع و باطل ہوگا اور اقرار نامہ مع گواہی ومواہیر اہل ثقہ ومیر محلہ یعنی مالک زمین مکان زید مذکور ثبت ہیں اور اقرار نامہ کو تخمیناً ساٹھ باسٹھ برس کا زمانہ گزرا ہوگا حتی کہ معیر و مستعیران فوت ہوگئے زمین کرایہ مذکور کہ جس میں زید وغیرہ نے مکان تعمیر کیا تھا وارثانِ زید نے اب وہ زمین خرید لی باوصف ہمسائیگی وجار کے بیعنامہ پر گواہی وارثان عمرو معیر مذکور نہیں ہے فی الحال وارثان مستعیر نے جو مکان منہدم ہوگیا ہے ازسرِ نو تعمیر کرنا چاہا تو وارثان معیر نے کہا کہ زمین آبچک بجہت[ع] چھوڑ کے تعمیر کردیا اولتی ہمارے مکان کی طرف نہ ٹپکاؤ، تم کو خوب معلوم ہے کہ ہمارے مورث نے عاریت زمین آبچک تمہارے مورث کو دی تھی بناءِ اول سے بھی ہم کو بہت ضرر تھا اب بناءِ نو سے نہایت ضرر ہوگا اور پاخانہ کا راستہ تمام گھر کے آدمیوں کا ہے اور اولتی پاخانہ میں بیٹھنے سے سر پر گرتی ہے ہم آبچک مذکور کو رجوع کرتے ہیں اور ہمارا اس طرف مکان بنانے کا بھی ارادہ ہے وارثان مستعیر نے بمعائنہ اقرار نامہ مذکور بالا کے چند اشخاص کے رُوبرو اقبال و اقرار کیا کہ ہم بموجب اقرار نامہ یعنی مورث مستعیر کی اولتی وارثان معیر

ع فی الاصل ھکذا اظنہ پچھیت ای خلف الدار۔

اصل میں اسی طرح ہے میرے گمان میں یہ لفظ پچھیت ہے یعنی گھر کے پیچھے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

کے مکان کی طرف نہ ٹپکائیں گے اور اپنا مکان بالکل پختہ بنا دیں گے بعد تیاری مکان وارثان مستعیر اغوائے بعض کسان اولتی طرف مکان وارثان معیر ٹپکانا چاہتے ہیں اور اپنے اقرار سے کہ چند آدمی ثقہ کے روبرو کیا تھا کہ اولتی طرف مکان وارثان معیر نہ ٹپکاویں گے اب منحرف ہوتے ہیں اقرار چند آدمیوں کے سامنے کر کے انکار کرنا مقبول ہے یا مردود۔ پس عندالشرع شریف دخل رجوع عاریت کا وارثان معیر کو حاصل ہے یا نہیں ؟

الجواب

وارثانِ معیر کو بلاشبہہ عاریت میں رجوع کا اختیار ہے اور وارثانِ مستعیر پر واپس دینا فرض ہے جبکہ عاریت ثابت ہے۔

قال اللہ تعالٰی ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا۔[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کردو(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تردھا۔[2] ہاتھ نے جو لیا وہ اس کا ذمہ دار ہے جب تک واپس نہ کرے۔(ت)

باقی ان کا کہنا کہ اس طرف اولتی نہ ٹپکائیں گے اقرار نہیں وعدہ ہے اور وعدہ کے ایفاء پر حکماً جبر نہیں۔ اشباہ وعالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد۔[3] وعدہ کے ایفاء پر جبر نہیں۔(ت)

ہاں اگر تسلیم کیا ہو کہ واقعی یہ زمین زمان مورث سے ہمارے اور ہمارے مورث کے ہاتھ میں عاریت ہے اس کا مالک عمرو ہے تو یہ اقرار ہے اور اس سے پھرنا کسی طرح جائز نہیں، اگر بشہادت شرعیہ ان کا اقرار ثابت ہوگا وُہ ضرور اُس کی پابندی پر مجبور کیے جائیں گے لان المرء مؤاخذ باقرارہ (کیونکہ اقرار کرنیوالا اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الصدقات باب العاریۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۴۱ و ۲۲۷
العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

مسئلہ ۹۱ ازبریلی شہر کہنہ مسئولہ صفدر علی خاں و مبارک علی خاں ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں :

(۱) زید نے ۱۶ اپریل ۱۸۱۸ء میں ایک ہبہ نامہ بحق اپنے بیٹے عمرو کے کیا اور دستاویز میں یہ اقرار کیا کہ وہ مالک ومختار جائداد ہے ہبہ پورا موہوب لہ کو کر دیا اور قابض و دخیل کرکے دخل اپنا مطلقاً اٹھالیا، لہذا اقرار یہ ہے کہ بعد تحریر ہبہ ہذا کے کچھ حق میرا یا قائم مقامان میرے کا اس جائداد موہوبہ میں جزءً وکلًا باقی نہیں رہا بعدہٗ ۲۱ جون ۱۹۱۲ء میں بعد انتقال عمرو پسر مذکور زید واہب نے دوسرا ہبہ نامہ اُس ایک جزو جائداد موہوبہ کا اپنی مان کر اور ہبہ نامہ مذکور کو فرضی ٹھہرا کر بنام اپنے نبیرگان پسران متوفی کے کیا اُس میں اقرار اول سے رجوع کیا کہ اس جزو جائداد کا میں مالک و قابض ہوں اور ہبہ نامہ اگرچہ بنام عمرو متوفی تحریر کیا تھا مگر قبضہ نہیں دیا اس لئے وُہ انتقال شرعاً باطل وکالعدم ہے، آیا یہ رجوع زید صحیح ہے یا نہیں ؟

(۲) دوسرے ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو عمرو نے ایک بیعنامہ چند مواضع کا بنام اپنے والد زید کے کیا جس کے متعلق ۱۱ جنوری ۱۹۰۸ء کو زید نے ایک اقرار نامہ بایں الفاظ تحریر کیا کہ بیعنامہ مذکور محض فرضی تھا اور اس کے ذریعہ سے کوئی انتقال ملکیت بحق میرے وقوع میں نہیں آیا اور کل جائداد مندرجہ بیعنامہ مذکور کا مالک و قابض واقعی میرا لڑکا عمرو ہے مجھے کوئی دعوٰی ملکیت ذاتی نہیں ہے اور نہ آئندہ ہوگا پھر بعد وفات عمرو زید نے ایک ہبہ نامہ بنام اپنے نبیرگان کے بوجہ مساوی بالاشتراک کیا اور اس میں بیعنامہ عمرو مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو اصلی و واقعی مانا ہے، لہذا اس صورت میں بیعنامہ عمرو فرضی متصور ہوگا یا واقعی وہ جائداد ورثائے عمرو کی ملک ٹھہرے گی یا ورثائے زید متوفی کی، اور یہ ہبہ زید کا مشاع ہونے کے باعث باطل ہوگا یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شریعتِ مطہرہ کا قاعدہ مقررہ ہے کہ کوئی مقر اقرار کرکے اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتا، نہ اس کے خلاف اس کی بات تسلیم ہو سکے۔ ہدایہ و اشباہ و درمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے : لاعذر لمن اقر[1] (اقرار کرنے والے کو عذر کا حق نہیں۔ ت) دستاویز اول میں جبکہ صاف اقرار کیا کہ میں نے موہوب لہ کو قابض و دخیل کرکے اپنا دخل مطلقاً اٹھالیا تو اب بعد موت موہوب لہ یہ کہنا کہ میں نے قبضہ نہیں دیا تھا محض باطل و نامسموع ہے اور پہلی دستاویز ہبہ تام و نافذ و ناقابل رجوع ہے۔ درمختار میں ہے : الخ رجوع

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

میں ہے: المیم موت احد المتعاقدین[1] (م سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے۔ ت) اُسی میں ہے: القاف قرابۃ[2] (ق سے مراد اس کی قرابت ہے۔ ت) یونہی جب اُس بیع کی نسبت زید صحیح اقرار کرچکا کہ وہ محض فرضی تھی اور اس کے سبب مجھے کوئی ملک حاصل نہ ہوئی تو وہ بیعنامہ اس کے اقرار سے باطل ہوگیا اب اسے اُس سے رجوع کا کچھ اختیار نہیں اور یہ ہبہ بنام نبیرگان کیا ہے محض باطل ہے کہ یہ جائداد بوجہ ظہور بطلان بیع ملک عمرو متوفی پسر زید ہے زید اس میں سے صرف سُدس کا مالک ہے اور اس نے کل کا ہبہ کیا اور اس کا سدس منقسم المتاز نہ تھا تو یہ مشاع ہوا اور اس سدس میں بھی تمام نہ ہوا اور انتقال زید بلاتقسیم وتسلیم سدس سے باطل ہوگیا، درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطاری فیفسد الکل[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

استحقاق غیر منقسم قارن ہے بعد میں لاحق و طاری نہیں ہے تو کل کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ محمد علی خاں ومظہر حسین خاں وسید ضیاء الحق ومسماۃ نجم النساء بیگم[عہ] چار شخصوں نے اوّلاً بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک جائداد کے دو سہام منجملہ سات سہام کے مسمّی امداد الرحمن بائع سے مشترکاً بحصہ مساوی خرید ے، پھر ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء کو اشخاص مذکورہ نے چار سہام اسی جائداد کے منجملہ سات سہام کے مسمّی عبدالرحمن بائع سے بحصہ مساوی مول لئے اور ایک سہم منجملہ سات سہام کے سید سکندر علی نے بلقیس بیگم سے ۱۳ اگست ۱۹۰۸ء کو خرید کیا پھر باہم ہر چہار مشتریان چھ سہام کے جو ذریعہ بیعنامہ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء، ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء خریدی گئی تھی ایک تقسیم نامہ لکھا گیا جس میں ہر ایک شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام قائم ہوکر چار قطعہ معین ہوگئے جو محمد علی خاں ومظہر حسین خاں وسید ضیاء الحق نے تو محکمہ رجسٹری میں تصدیق کرادیا لیکن مسماۃ احد الشرکاء نے تقسیم نامہ مذکورہ کسی وجہ

عہ اصل میں قلم ناسخ سے نجم النساء کا لفظ چھوٹ گیا ہے ۱۲

---

[1] درمختار	کتاب الہبہ	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۱۶۱
[2] "	"	"	۲/ ۱۶۳
[3] "	"	"	۲/ ۱۶۰

سے تصدیق نہیں کرایا جس کی وجہ سے ہر ایک شریک کا حصہ جدا جدا تقسیم نہ ہوسکا، بعدہٗ احمد علی خاں برادر محمد علی خاں نے بیعنامہ دوسہام کا منجملہ چار سہام فروخت شدہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء کے ایک شخص مسمّٰی فیض الرحمان سے بنام اپنے لکھالیا بعدہٗ احمد علی خاں برادر محمد علی خاں مرگیا، اب محمد علی خاں یہ کہتا ہے کہ بیعنامہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء بابت چار سہام کے بنام چاروں مشتریان ناجائز ہوا۔ عباد الرحمٰن خاں نے ہم کو دھوکا دے کر چار سہام کا بیعنامہ کیا ہے در حقیقت وہ مالک دو سہام کا تھا اس لئے میں ایک سہام کا ذریعہ شرا اور دو سہام کا ذریعہ ارث برادری کے مالک ہوں اور باقی تینوں شرکا ءبھی ایک ایک سہم کے مالک ہیں ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کے مالک نہیں ہیں ہر سہ شرکاء بقیہ یہ کہتے ہیں کہ جب محمد علی خاں نے چار سہام بشرکت باقی تین مشتریان کے بحصہ مساوی خریدے تو اس خرید کے ذریعہ سے عباد الرحمٰن بائع کی ملکیت محمد علی خاں نے تسلیم کرلی اور سب شرکاء کا مساوی حصہ بھی تسلیم کرلیا اور یہ اقرار نامہ بھی ڈیڑھ ڈیڑھ سہام ہر ایک شریک کا تسلیم کرلیا اور ہر ایک شریک کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کا اقرار کرلیا، اب ہر ایک شریک کے ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے محمد علی خاں کا انکار جائز نہیں ہے، مظہر حسین خاں احد الشرکاء نے جو نالش تقسیم ڈیڑھ سہام بنام بقیہ تین شریکوں کے عدالت دیوانی میں دائر کی تو محمد علی خاں احد الشریک نے وہی عذرات پیش کئے بالآخر عدالت دیوانی سے یہ تجویز فرمایا گیا، بیعنامہ مصدقہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء اقراری عباد الرحمٰن میں خود محمد علی خاں مدعا علیہ زمرہ مشتریان میں داخل ہے اور شرعًا بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اس لئے وہ محمد علی خاں مذکور پر بھی حجت ہے پس جس طرح محمد علی خاں مدعا علیہ نے بذریعہ بیعنامہ عباد الرحمٰن خاں بائع کی چار سہام مملوک ہونا تسلیم کیا اسی طرح ان چار سہام میں سے ہر ہر مشتری کی ملک بقدر ایک ایک سہم تسلیم کرلیا اور اب اس سے انحراف کا مدعا علیہ مذکور کو کوئی حق نہیں، انکار بعد الاقرار شرعًا معتبر (نہیں[عہ]) ہے اسی کے ساتھ تقسیم نامہ مصدقہ ۱۶ اگست ۱۹۰۸ء مشمولہ مثل میں محمد علی خاں مذکور نے ہر ہر شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام بالتصریح تسلیم کرلیا اب اس کا مدعی کو صرف ایک سہم کا مالک بتانا محض اتلافِ حق پر مبنی ہے اس لئے دعوی مدعی نسبت دخلیابی ڈیڑھ سہام منجملہ سات سہام کے بذریعہ تقسیم علیحدگی حصہ مدعی از چار سہام مشترک بنام مدعا علیہم ڈگری ہو، خرچہ مدعی ذمہ محمد علی خاں مدعا علیہ عائد ہو، بعد قائم و ثابت ہوجانے ڈیڑھ سہام ہر ایک شرکاء اربعہ عدالت دیوانی کے فیصلہ سے پونے دو سال بعد محمد علی خاں احد الشریک نے ہر ایک شرکاء ثلثہ کا ایک ایک سہم اور اپنے تین سہام قائم کرکے نالش تقسیم خلاف بیعنامہ جات و اقرار نامہ و فیصلہ عدالت دیوانی دائر کی اس لئے استفسار

عہ یہاں بھی قلم ناسخ سے لفظ "معتبر نہیں" چھوٹ گیا ۱۲

امور ذیل کا مطلوب ہے :

(۱) انکار ملکیت کسی شخص کا بعد اقرار ملکیت شخص مذکور کے شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) بیعنامہ عاقدین پر شرعاً حجت ہوتا ہے یا نہیں ؟

(۳) محمد علی خاں کو شرعاً یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ اس بیعنامہ کو جس میں وہ خود ہی مشتری ہے اور اقرارنامہ تقسیم کو جو بحق ہر سہ مشتریان وہ تحریر و تکمیل و تصدیق کرا چکا ہے باطل و ناجائز قرار دے کر ہر سہ مشتریان دیگر کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے بعد اقرار کے انکار کر سکے۔

الجواب

مدت ہوئی کہ یہ سوال آیا تھا اور سائلوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ جو فیاض الرحمٰن نے احمد علی خاں کے نام بیع کی آیا اس کا کوئی مقدمہ دار القضاء تک پہنچا اور بحکم قاضی وہ سہام ملک فیاض الرحمٰن قرار پا کر ملک احمد علی خاں ٹھہری یا یونہی خانگی طور پر محمد علی خاں نے اس بیع کو مان لیا مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اب ملاحظہ تجویز سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ استحقاق احمد علی خاں بذریعہ قضا ثابت نہ کیا گیا کہ محمد علی خاں شرعاً مکذب ہو جاتا بلکہ اس نے بطور خود اپنے نفع کے لئے یہ استحقاق تسلیم کر لیا اگر ایسا ہے تو تجویز کہ ذی علم مفتی صاحب نے دی بالکل حق و بجا ہے محمد علی خاں کو اپنے اقرار سے پھرنے کا کوئی اختیار نہیں،

لاعذر لمن اقر[1]، من سعی فی نقض ماتم من جہتہ فسعیہ مردود علیہ[2]۔

جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر مقبول نہیں، جو شخص اپنی طرف سے تام کئے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی سعی کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے :

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب کسی چیز کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو خطا قرار دے تو خطا قرار دینا قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴۰

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ کتاب الاقرار ۲/ ۲۰

مسئلہ ۱۲

۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بکر کے ہاتھ بیع کیا اور قبضہ مبیعہ پر مشتری کا کرادیا اور بیعنامہ تصدیق و رجسٹری کرادیا، بیعنامہ میں مبیعہ کی حد غربی میں زید نے دیوار عمرو تسلیم کی بعد بیع وقبضہ بکر مشتری نے جب عمرو کی دیوار مذکور میں تصرفات ناجائز شروع کئے اور عمرو مانع آیا تب بکر نے زید بائع سے ایک اقرار نامہ بطور تصحیح نامہ اس مضمون سے لکھایا کہ (بیع کے وقت دیوار غربی کا مشترک ہونا تحریر سے رہ گیا تھا دیوار مذکور مکان مبیعہ ومکان عمرو میں مشترک ہے) سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میں عمرو کی دیوار لکھنے سے اقرار نسبت ملکیت عمرو کی ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور بیعنامہ مذکور شرعاً عاقدین پر حجت ہے یا نہیں اور اقرار نامہ مابعد جو بطور تصحیح نامہ کے مرتب ہوا ہے اس سے کل دیوار مذکور کی بابت عمرو کا زوالِ ملکیت لازم آتا ہے یا نہیں اور شرعاً یہ انکار بعد الاقرار ہے یا نہیں؟

الجواب

تحریر بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اور اس سے پھرنے کا اُن کو کچھ اختیار نہیں جس سے وہ شخص ثالث کو ضرر پہنچا سکیں، قاعدۂ شرعیہ ہے:

المرء مواخذ باقرارہ ولا عذر لمن اقر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اقرار کرنے والا شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا اور اقرار کرنیوالے کو عذر کا حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳

از شہر بریلی محلہ ملوکپور مسئولہ احمد حسین صاحب ۱۵ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک قطعہ جائداد خریدی اور مسماۃ کے چار بیٹے تھے، کچھ دنوں کے بعد وہ مسماۃ انتقال کرگئیں اور ان چاروں بھائیوں میں آپس میں مقدمہ داری ہوئی اسی جائداد پر جو کہ مسماۃ نے خریدی تھی، اُس میں کسی وجہ سے ایک بھائی نے کچہری کے رُوبرو بیان کیا کہ میں اس جائداد میں حقدار نہیں ہوں میرا حق نہیں ہے، تو شرعاً یہ بیان اُس کا لغو ہے یا جائز ہے وہ حقدار اس جائداد میں ہے یا نہیں؟

الجواب

وہ اس میں حقدار نہ مانا جائے گا کہ لاعذر لمن اقر[2] (جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر مقبول نہیں۔ ت)

[1،2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

اگر یہ قول کسی مدعی کے مقابل ہوتا، یہاں یہ صورت نہیں، سائل نے بیان کیا کہ چاروں بھائی اُس مکان پر قابض تھے، ایک نے صرف اپنا حصہ تقسیم کرانے کا دعوٰی کیا تھا نہ کہ اوروں کے حصوں کا، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا اس مکان میں ہمارا حق نہیں یعنی چاروں بھائیوں کا نہیں تاکہ وہ تقسیم نہ کراسکے۔ اس صورت میں اس کا یہ کہنا محض لغو ہے اور اس کا حق بدستور باقی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال ذوالید لیس ھذا لی اولیس ملکی اولاحق لی اولیس لی فیہ حق او ماکان لی او نحو ذٰلک ولامنازع حیثما قال ثم ادعی ذٰلک احد فقال ذوالید ھو لی صح ذٰلک منہ والقول قولہ[1] الخ۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔

جب قابض خود کہے کہ یہ میری ملکیت نہیں یا میرا نہیں یا میرا حق نہیں یا میرا نہ ہے اس قسم کے الفاظ کہے، اور یہ الفاظ کہتے وقت کوئی دعویدار نہ تھا، پھر بعد میں ایک شخص نے اس چیز پر دعوٰی کیا تو اس کے جواب میں اب قابض کہے کہ یہ چیز میری اپنی ہے تو قابض کی بات صحیح قرار پائے گی اور اس کی وضاحت مان لی جائیگی الخ۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴: از مراد آباد محلہ کٹھگر کی مرسلہ سید شرافت حسین صاحب ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعوض مبلغ یکصد روپے کے اپنا حصہ واقعہ مکان بدست مسمّاۃ ہندہ رہن کیا، رہن نامہ میں بوقت تصدیق روبرو رجسٹرار صاحب ﷲ نقد وصول پاکر مبلغ ﷲ کا رجسٹری سے پہلے وصول پانے کا اقرار کیا ہے، اسی تفصیل سے وصول زرِ رہن کی کیفیت عبارت تصدیق میں درج ہے ہندہ نے واپسی زرِ رہن کا دعوٰی کیا ہے، زید مدعا علیہ نے جواب داخل کیا ہے کہ رہن نامہ فرضی ہے، وجہ تحریر کی یہ ہے کہ مدعا علیہ کے خسرال والے مُصر تھے کہ زید اپنا حصہ واقعہ مکان مذکور بحق اپنی زوجہ کے تحریر کردیں، اس اندیشہ کی وجہ سے بمشورت باہمی فرضی رہن نامہ بنام ہندہ تحریر کردیا گیا تھا ﷲ جو رجسٹری میں بذریعہ عمرو وصول پائے تھے وہ روپیہ بیرون رجسٹری عمرو کو مدعا علیہ نے واپس کردئے تھے اور دستاویز مذکورہ کے فرضی ہونے کا مدعا علیہ کو بس بیرون کچہری اقرار ہے اس پر کچہری نے صرف ایک تنقیح قائم کی ہے آیا مبلغ ﷲ منجملہ سو روپیہ زرِ رہن کے جو مدعا علیہ کو ذریعہ عمرو روبرو رجسٹرار صاحب مدعیہ سے وصول ہوئے تھے وہ اُسی وقت بیرون رجسٹری عمرو مذکور کو واپس دے دئے تھے ثبوت ذمہ مدعا علیہ۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۲

تردید ذمہ مدعیہ۔ اور روبکار تنقیح مذکورہ میں یہ عبارت بھی درج ہے (مدعا علیہ بہ نسبت وصولیابی مبلغ عہ ر منجملہ زرِ رہن کے اقرار کاذبہ کرنا بیان کرتا ہے اُس کی نسبت مدعا علیہ چاہے تو مدعیہ سے حلف لے سکتا ہے) سوال یہ ہے کہ بحالتِ مذکورہ مدعیہ پر شرعاً حلف عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہاں ہو سکتا ہے کہ اب مدعا علیہ حقیقۃً مدعی اور مدعیہ مدعا علیہ ہے والیمین علی من انکر (قسم منکر پر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اقر ثم ادعی المقر انہ کاذب فی الاقرار یحلف المقرلہ ان المقر لم یکن کاذبا فی اقرارہ عند الثانی وبہ یفتی[1] واللہ تعالٰی اعلم

اقرار کرنے کے بعد اپنے اقرار میں جھوٹا ہونے کا دعوٰی کرے تو مقرلہ سے قسم لی جائے کہ اقرار کرنے والا اپنے اقرار میں جھُوٹا نہیں ہے، یہ حکم امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۳۳

کتاب الصُّلح

(صلح کا بیان)

مسئلہ ۱۵: ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلّو نے دو زوجہ ریناو منّی اور بطن منّی سے دختر صغریٰ اور دو بھائی چھُٹن، عبداللہ۔ اور تین بہنیں چھوٹی، ملوکی، سینا۔ اور چودہ سو روپے نقد اور کچھ غلّہ اور پونے دو سو روپے ایک شخص پر قرض چھوڑ کر انتقال کیا، عبداللہ نے مال متروکہ میں سے سو روپے نقد لے کر باقی وارثوں سے فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے ترکہ سے کچھ تعلق نہیں، پھر ملوکی نے دو پسر امام بخش و یار محمد اور دو دختر کہ ان کا نام بھی ریناو منّی ہے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ کلّو کا کس طرح منقسم ہوگا اور کلّو نے اپنا ایک بھتیجا بیٹا کرکے پالا تھا وہ بھی وارث ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ فیصلہ کہ عبداللہ نے کیا دو وجہ سے باطل ہے،

اما اولاً فلکان الدین فی الترکۃ وقد صالح علی ان لایکون لہ حق فی شیئ ممابقی فینتظم العین والدین جمیعا والصلح عن دین

لیکن اولاً اس لئے کہ ترکہ میں قرض ہے اور اس نے صلح باقی تمام ترکہ سے لاتعلق پر کی ہے تو یہ موجود مال اور قرض دونوں کو شامل ہے جبکہ قرض پر قرضخواہ اور مقروض کے بغیر ہر ایک کی صلح

باطل الا بین الدائن و مدیونہ، فی الدرالمختار بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون الدین لبقیتہم لان تملیك الدین من غیر من علیہ الدین باطل[1] اھ اقول ولا یقتصر الفساد علی التصریح بھذا الشرط کما یوھمہ ظاھر تقیید التنویر بل ھو ومایؤدی مؤداہ سواء، فان المدار علی وقوع تملیك الدیون من غیر المدیون وھو حاصل فیما لوصالح بشیئ عن کل ما بقی من الترکۃ کما قررنا ویرشدك الیہ ما فی ردالمحتار لو ظھر فیھا دین ان کان الصلح وقع علی غیر الدین لا یفسد، وان وقع علی جمیع الترکۃ یفسد کما لو کان الدین ظاھرا وقت الصلح[2] اھ ملخصًا فقد جعل الصلح علی جمیع الترکۃ کالصلح بتصریح الشرط المذکور وبالجملۃ فالفساد لا یتوقف علی التنصیص بادخال الدین فی الصلح بل الجواز متوقف علی الافصاح باخراجہ ولہذا قال البزازی کما فی الشامی ان کان مخرجا من الصلح لا یفسد والا یفسد[3] اھ علق الصحۃ علی

باطل ہے، درمختار میں ہے جب ترکہ میں قرض شامل ہوں تو کسی ایک وارث کو بقیہ ترکہ سے لاتعلق کرکے باقی وارثوں کے لئے کرنے کی صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے[1]۔ **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) فساد کا انحصار اس تصریح کردہ شرط پر نہیں جیسا کہ تنویر الابصار کے قید کے بیان پر ظاہرًا وہم ہوتا ہے بلکہ یہ اور جو اس کا ہم معنی ہو متساوی الحکم ہیں کیونکہ فساد کا دارومدار غیر مقروض کو قرض کا مالک بنانا ہے اور وہ باقی وارثوں کو ترکہ کی کسی شیئ پر صلح میں حاصل ہے جیسا کہ ہم نے تقریر کی ہے اور اس میں ردالمحتار کا بیان تیری رہنمائی کرے گا کہ اگر ترکہ میں دین معلوم ہے اور صلح دین کے غیر پر ہوئی تو فاسد نہ ہوگی اور اگر تمام ترکہ پر صلح ہوئی تو فاسد ہوگی جیسا کہ صلح کے وقت دین ظاہر ہونے پر وہ فاسد ہوتی ہے اھ ملخصًا، تو ردالمحتار نے جمیع ترکہ پر صلح کو شرط مذکور پر صریحًا صلح جیسا قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ صراحتًا قرض کو صلح میں شامل کرنے پر فساد موقوف نہیں بلکہ صلح کا جواز صراحتًا قرض کو صلح سے خارج کرنے پر موقوف ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں البزازی کا قول ہے کہ قرض کو صلح سے خارج کیا تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہوگی اھ، انہوں نے جواز کو صراحتًا

---

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۵

[2] و [3] ردالمحتار ؍؍ ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۸۳

الاخراج وعمم فی الباقی الفساد ثم رأیت التصریح بہ فی الھندیۃ عن الظھیریۃ حیث قال ان کان فی الترکۃ دین علی الناس فصولحت (یعنی المرأۃ) علی الکل علی ان یکون نصیبھا من الدین للورثۃ اوصولحت عن الترکۃ ولم ینطقوا بشیئ اٰخر کان الصلح باطلا[1] اھ وامّا ثانیا فلان نصیب عبداللہ من نقود الترکۃ اکثر مما صالح علیہ وذٰلک لان حصتہ من الف وار بعمائۃ مثلاً وھی سبعا الباقی بعد اخراج الفرضین مائۃ وخمسون درھما وانما اعطی مائۃ فکان البقیۃ شروا مائۃ وخمسین درھما وزیادۃ بمائۃ درھم وھذا ھو الربا المحرم قال فی الدر المختار اخرجت الورثۃ احدھم عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لایصح الا ان یکون ما اعطی لہ اکثر من حصتہ من ذٰلک الجنس تحرزا عن الربا[2] اھ ملخصا، وھذا اظھر اذا المدیکن للازواج مھر علی المورث فان

قرض کے خارج ہونے پر معلق فرمایا اور باقی تمام صورتوں کو فساد میں شامل فرمایا، پھر میں نے ظہیریہ کے حوالہ سے ہندیہ میں اس پر تصریح دیکھی جہاں انھوں نے فرمایا کہ اگر ترکہ میں لوگوں پر قرض بھی شامل ہے اور بیوی سے یہ صلح ہُوئی کہ باقی تمام ترکہ حتی کہ قرض میں بیوی کا حصہ یہ سب ورثاء کا ہوگا یا ورثائنے بیوی کی باقی تمام ترکہ سے لاتعلقی پر صلح کی اور اس سے زائد کوئی وضاحت نہ کی تو صلح باطل ہوگی اھ لیکن ثانیاً اس لئے کہ عبداللہ کا نقد ترکہ میں صلح کی مقدار کے مقابلہ میں حصہ زیادہ بنتا ہے، یہ اس لئے کہ مثلاً چودہ سو نقد میں سے بیوی اور بیٹی کے دو فرض (حصّے) نکالنے کے بعد عبداللہ کا حصہ سوا سو یعنی ڈیڑھ سو درہم ہیں جبکہ عبداللہ کو صرف ایک سو دیا گیا تو باقی ورثائنے گویا ڈیڑھ سو اور کچھ زائد کو ایک سو درہم کے بدلہ میں خریدا اور یہ حرام و سُود ہے۔ درمختار میں فرمایا کہ ورثاء نے ایک وارث کو سونا وچاندی (نقدین) اور دیگر ترکہ سے سونا یا چاندی میں سے ایک پر صلح کرکے خارج کیا تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی مگر اس صورت میں جبکہ جس نقد پر صلح کی ہو اس میں اس کے حصہ سے زائد اس کو دیا گیا ہوتا کہ ربا سے بچاؤ ہو سکے اھ ملخصاً، یہ بیان اس صورت میں ظاہر ہے جب مورث کے ذمہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۶۹

[2] درمختار 〃 فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۳۵

كان وكان بحيث يكون حصة عبد الله
مما يبقى بعد اداء الدين اقل
من مائة تكون التركة مشغولة بالدين
مانع بنفسه عن صحة الصلح الا
اذا عزل مقدار ما بقى به و
اجرى الصلح فى ما بقى، فى
الشامية عن البزازية عن شمس الاسلام
التخارج لا يصح اذا كان على الميت
دين اى يطلبه رب الدين لان
حكم الشرع ان يكون الدين على جميع
الورثة اهـ[1] وقد كنت اوضحت معنى قوله
اى يطلبه رب الدين فيما علقته
على هوامش رد المحتار ثم رأيت التصريح
بعينه فى الهندية عن الظهيرية و
نصها ان كان عليه دين فصولحت
المرأة عن ثمنها على شئ لا يجوز
هذا الصلح لان الدين فى التركة و
ان قل يمنع جواز التصرف فان طلبوا
الجواز فطريق ذلك ان يضمن
الوارث دين الميت بشرط ان لا يرجع
فى التركة او يضمن اجنبى بشرط
براءة الميت او يؤدوا دين الميت
من مال آخر ثم يصالحوها

بیویوں کا مہر نہ ہو، اگر اس کے ذمّہ مہر باقی ہو تو
اب ترکہ میں سے یہ دین ادا کرنے کے بعد عبد اللہ
کا ترکہ میں حصّہ ایک سو درہم سے کم ہو جائے تو
بھی ترکہ کا دین میں مشغول ہونا صلح کی صحت سے
مانع ہے الّا یہ کہ قرض و دین کو منہا کرنے کے بعد
مابقی پر صلح ہو تو جائز ہوگی، فتاوٰی شامیہ میں
بزازیہ سے شمس الاسلام کے حوالے سے ہے کہ کسی
وارث کو صلح کے طور پر وراثت سے خارج کرنا صحیح
نہیں جبکہ میت پر کوئی دین ہو یعنی قرضخواہ کا مطالبہ ہو
کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ میت پر دین تمام ورثاء
کے ذمہ ہوتا ہے اھ، حالانکہ میں نے ان کے قول
کہ "قرض خواہ طالب ہو" کا معنٰی ردالمحتار پر اپنے
حاشیہ میں واضح کر دیا تھا، پھر میں نے بعینہٖ اس
کی تصریح ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالہ سے دیکھی جس
کی عبارت یہ ہے اگر میت پر قرض ہو اور بیوی سے
کسی چیز کے بدلے اس کے مہر کی رقم پر صلح کر لی گئی ہو
یہ صلح جائز نہ ہوگی کیونکہ ترکہ پر قرض کم بھی ہو تو وہ تصرف
کے جواز سے مانع ہے، اگر ورثاء جواز کے طالب ہوں
تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وارث میت کے قرض
کا ضامن بن جائے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس
ضمان میں ترکہ سے کچھ نہ لے گا، یا کوئی اجنبی شخص
اس شرط پر ضامن ہو جائے کہ ضمان سے میت
بَری ہے یا ورثاء میت کا دین اپنے کسی اور مال

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۸۱

عن ثمنها اوصداقها علی نحو ماقلنا وان لم یضمن الوارث ولکن عزلوا عینا فیها لدین المیت وفاء ثم صالحوها فی الباقی علی نحو ما قلنا جاز[1] اھ۔

سے ادا کرکے پھر بیوی سے اس کی رقم کے بدلے صلح کرلیں جیسا کہ ہم نے بتایا اور اگر کوئی وارث ضامن نہ بنے لیکن پہلے عین ترکہ میں سے میت پر قرض کی مقدار علیحدہ کرلیں پھر باقی میں بیوی سے صلح کا عمل کریں جیسے ہم نے بتایا ہے، تو جائز ہے اھ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات اگر زنان کلّو دونوں خواہ ایک کا مہر یا اس کے سوا اور کچھ دَین ذمہ کلّو ہو تو پہلے اُسے ادا کریں جو بچے اس کے تہائی سے کلّو کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کو ایک سو بارہ سہام پر تقسیم کریں سات سات کلّو کی ہر زوجہ اور چھپن صغرٰی اور بارہ بارہ چھجّن و عبداللہ اور چھ چھ چھوٹی سینا اور دو دو امام بخش و یار محمد اور ایک ایک دختران ملّو کی کو دیں اگر عبداللہ کو اس تقسیم میں سَو روپے سے زیادہ پہنچیں تو اس کا حصہ پُورا کردیں اور کم ملیں تو جتنا زیادہ پہنچ گیا ہے واپس لیں اور کلّو کا بھتیجا جسے اس نے بیٹا کرکے پالا اصلاً وارث نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زوجہ شہزادی بیگم اور نظام بیگم پدر حیدر علی دختر اعجاز فاطمہ وارث اور چار ہزار دوسَو باون روپیہ نقد اور ایک مکان قیمتی ڈیڑھ ہزار روپیہ کا چھوڑ کر انتقال کیا شہزادی بیگم کا مہر پانچ ہزار روپے تھا اس کے سوا کوئی قرضہ زید پر نہ تھا، اور نہ کچھ متروکہ زید ہے، باہم جملہ ورثاء مذکورین میں یہ فیصلہ و قرار داد ہوا کہ نظام بیگم وحیدر علی ساڑھے سات سو روپیہ لے لیں اور بقیہ زرِ نقد و مکان دختر و زوجہ کے حصص شرعی میں اور زوجہ کے مہر میں کردیں زوجہ بھی اس پر راضی ہوئی اب دعوٰی مہر نہ رہا، پس صورتِ مستفسرہ میں وُہ مکان اور بقیہ روپیہ تین ہزار پانسو دو زوجہ و دختر میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زوجہ و دختر کا مہر و حصتین کے عوض مکان و بقیہ زر پر راضی ہونا تین احتمال رکھتا ہے:

(۱) زوجہ مہر سے دست بردار ہوئی اور اس بقیہ کو اپنی اور دختر پر حسبِ وراثت تقسیم ہونے پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۶۹

رضا دی، اس صورت میں اس باقی کے ۵ سہام ہو کر ایک زوجہ اور چار دختر کو ملیں۔

(۲) یہ قرار پایا کہ اس بقیہ سے زوجہ اپنا کل مہر لے لے جو بچے زن و دختر میں وراثۃً تقسیم ہو اس صورت میں بقیہ سے پانچ ہزار مہر کے زوجہ لے گی اور دو ایک روپے کی جو مالیت بچی زن و دختر میں انھیں پانچ سہام پر تقسیم ہو جائیگی لیکن اس تقدیر پر دختر کا وقت فیصلہ بالغہ اور اس معنی پر راضی ہونا ضرور ہوگا۔

(۳) یہ ٹھہرا کہ باقی مذکور مہر و حصۂ زوجہ و حصۂ دختر سب پر حصۂ رسد منقسم ہو، اس صورت میں مکان و زر بقیہ سب کے ۸۵۹۵ سہام ہو کر ۵۷۱۹ زوجہ کو ملیں اور ۲۸۷۶ دختر کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ریاست رامپور پیش کردہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب حاکم ریاست

۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کی دو زوجہ ہندہ اور زبیدہ تھیں، زبیدہ کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر چند اولادیں اُس کے بطن سے تھیں اور ہندہ اس کی بیوہ اب تک موجود ہے اور اُس سے بھی چند اولادیں ہیں، زبیدہ اور ہندہ کی اولادوں میں بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ، پس بعد فوت زید کے اُس کی بیوہ ہندہ نے بوجہ نا اتفاقی جملہ وارثان کے اپنے دین مہر کی نالش دائر کرکے عدالت سے متروکہ زید پر ڈگری حاصل کرلی، لیکن ابھی تک ڈگری کا اجرا نہیں ہوا تھا کہ جملہ وارثان میں اتفاق ہوگیا اور ہندہ نے ایک اقرارنامہ متروکہ زید کے بابت رجسٹری میں تصدیق کرادیا جس کی نقل شامل سوال ہذا ہے، اُس کے بموجب عملدرآمد ہوگیا اور اپنے تین سہام میں سے ہندہ نے دو سہام بدست بکر کے بالعوض ڈھائی سو روپیہ کے رہن بھی کردیئے، اس کے ایک سال کے بعد اب ہندہ اُسی متروکہ پر جس کے بابت اقرارنامہ تصدیق کراکر رجسٹری کراچکی ہے اور عمل درآمد بھی ہوچکا ہے اپنی وہی ڈگری دین مہر کی جاری کرانا چاہتی ہے جس میں سراسر حق تلفی نابالغان متصور ہے اور خلاف اس اقرارنامہ کے اس متروکہ پر اس کا اثر پڑتا ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں ہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ڈگری جس کا تصفیہ کرچکی ہے جاری کراکر اسی متروکہ کو نیلام کراکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

چند ہفتے ہوئے یہ سوال اور اُس پر محبنا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب کا لکھا ہوا جواب سائل نے پیش کیا اُس کے ساتھ کوئی نقل اقرارنامہ نہ تھی عبارت سوال سے کہ اُسی متروکہ کو نیلام کراکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے واضح تھا کہ متروکہ جائداد ہے سائل سے مقدار مہر ڈگری شدہ و مقدار جائداد متروکہ دریافت کی، اُس نے بیان کی اُسی کے بیان کے حوالہ سے یہ عبارت اُس جواب پر لکھ دی گئی:

بیان سائل سے معلوم ہُوا کہ مہر کی ڈگری تین ہزار کی ہُوئی اور جائداد تقریباً چار ہزار کی ہے لہذا ہندہ کا تین سہام پر فیصلہ کرلینا حق نابالغان پر کچھ بُرا اثر نہیں ڈالتا بلکہ اُن کو مفید ہے لہذا صلح نافذ ہے اور اب ہندہ کو اُس سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں۔" واللہ تعالٰی اعلم

کاغذِ فتوٰی میں جگہ نہ تھی یہ عبارت حاشیہ پر لکھی گئی، سائل نے کہا یہ کچہری میں پیش ہوگا، حسبِ دستور لکھ کر مُہر ہوجاتی، کہا گیا نقل کرلاؤ، نقل آئی جس میں سائل نے جواب نواب صاحب بھی باقی نہ رکھا سوال اور صرف یہاں کی تحریر نقل کردی مُہر کردی گئی، اب یہ سوال مع نقل تقسیم نامہ پیش ہوا جس میں مقدارِ مہر کا کوئی ذکر نہیں اور جائداد متروکہ تین ہزار کی مالیت بتائی ہے اور اس کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ متروکہ صرف جائداد نہیں بلکہ پانسو روپیہ متوفی کا یافتنی ایک عورت کے ذمہ دین ہے وہ بھی شامل ترکہ ہے اور تقسیم میں یہ تحریر ہے کہ:

"باہم منمقرہ و دیگر وارثان اس طرح رضامند ہوگئے کہ کُل متروکہ متوفی مالیتی تین ہزار پانچ سو روپے کی تقسیم اس طور پر ہُوئی کہ زرِ ثمن پانسو روپے مذکور برائے صرف شادی وحیدن بیگم بنت متوفی لبطنی زوجہ اولٰی کو دیے گئے اور بقیہ تین ہزار دس سہام ہوکر تین سہام منمقرہ کے حصے میں آئے الٰی آخرہ۔"

باقی سات سہام میں دو سہام متوفی کے پسر کو دیے ہیں اور ایک ایک اس کی چار دختران موجودہ کو جن میں دو کہ لبطنِ ہندہ مقرہ سے ہیں نابالغہ ہیں اور ایک سہام متوفی کی پانچویں دختر متوفیہ کے وارثوں کو، ظاہر ہے کہ اس صلح سے ہر نابالغہ کو اپنے حق سے کئی حصے زائد پہنچا تو صلح ان کے حق میں بہت نافع تھی اس کا حکم وہی تھا کہ نافذ ہے اور ہندہ کو رجوع کا اختیار نہیں اس لئے سوال میں ذکرِ دین نہ تھا بلکہ جائداد و نیلام کے الفاظ تھے کہ دین سے علاقہ نہیں رکھتے، ایسی صورت میں مفتی عقد صحیح ہی پر حمل کرے گا۔ درمختار میں ہے:

لولم یذکر فی صك التخارج ان فی الترکۃ دینا ام لا فالصك صحیح وکذا لولم یذکر فی الفتوی فیفتی بالصحۃ ویحمل علٰی وجود شرائطھا، مجمع الفتاوٰی[1]

اگر لاتعلقی کے صلح نامہ میں ترکہ میں قرض ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو صلح نامہ صحیح ہے اور یُوں ہی اگر فتوٰی میں اس کا ذکر نہ ہو تو صحت کا فتوٰی ہوگا اور اس کو صحت کی شرائط کے وجود پر محمول کیا جائے گا، مجمع الفتاوٰی۔ (ت)

مگر اب ملاحظہ تقسیم نامہ سے ظاہر ہُوا کہ ترکہ میں دَین بھی ہے اور وُہ صلح سے جُدا نہ کیا گیا بلکہ یُوں داخل کیا گیا کہ

---

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

احد الورثہ وحیدن بیگم کو اُس کا مالک ٹھہرایا تو یہ غیر مدیون کو دَین کا مالک کرنا ہُوا اور وُہ باطل ہے تو صلح کا یہ حصّہ باطل ہُوا، اور جبکہ عقد واحد ہے تو اس کے بطلان نے بقیہ صلح کی طرف سرایت کی اور تمام صلح وتقسیم باطل ہوگئی۔

درمختار میں ہے:

بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون الدیون لبقیتھم لان تملیک الدین من غیر من علیہ الدین باطل[1]۔

ترکہ میں دَین ہوں تو کسی وارث کی لاتعلقی کی صلح اس شرط پر دین باقی وارثوں کے حصہ میں ہیں تو یہ صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم یتعدی البطلان الی الکل لان الصفقۃ واحدۃ[2]۔

پھر یہ بطلان تمام میں سرایت کرے گا کیونکہ معاملہ ایک ہے (ت)

اور جب صلح باطل ہُوئی تو اُس کی بناء پر جو باہمی ابراء ٹھہرا تھا کہ "بعد تقسیم مذکورہ بالا ایک وارث کو دوسرے کے حصّے سے کوئی تعلق نہ رہا اگر بعد تقسیم ایک شخص دوسرے پر دعوٰی کرے تو ناجائز ہوگا" یہ بھی باطل ہوگیا،

لما فی الاشباہ اذا بطل الشیئ بطل مافی ضمنہ وھو معنی قولھم اذا بطل المتضمن بالکسر بطل المتضمن بالفتح قالوا لو ابراہ او اقرلہ ضمن عقد فاسد فسد الابراء کما فی البزازیۃ[3] اھ لان ھذا الابراء یکتب فی الصک عادۃ بعد ماجری بینھم الصلح فلم یثبت کونہ فی صلب

الاشباہ میں مذکور کی وجہ سے نہیں کہ جب کوئی چیز باطل ہوتی ہے تو اس کے ضمن والے امور بھی باطل ہوتے ہیں، فقہاء کے قول کہ جب متضمن (کسرہ کے ساتھ) باطل ہو تو متضمن (فتح کے ساتھ) بھی باطل ہوتا ہے، انھوں نے فرمایا (اگر معاملہ میں فریقین نے معاہدہ کیا) کہ اگر اس کو مالک نے بری کر دیا یا اس کے حق میں اقرار کیا تو یہ ضامن ہوگا، تو یہ عقد فاسد ہوگا، براءت بھی فاسد ہوگی جیسا کہ بزازیہ میں ہے اھ، کیونکہ ایسی براءت صلح نامہ میں عقد صلح

---

[1] درمختار | کتاب الصلح | فصل فی التخارج | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۱۴۵

[2] ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/۴۸۱

[3] الاشباہ والنظائر | الفن الثالث | قواعد وفوائد شتی الخ | ادارۃ القرآن کراچی | ۲/۲۷۰

عقد الصلح حتی یکون متضمنا بالفتح ولا لما فی غمز العیون عن الزاھدی عن استاذہ بدیع الدین انہ اختار ان الاقرار وان لم یکن فی صلب عقد الصلح لکنہ بناء علی الصلح الفاسد لایمنع الدعوی بعد ذلک[1] اھ لان حکم الاقرار لایجب ان یکون حکم الابراء فان الاقرار تملیك من وجہ فیحتمل الارتفاع والابراء اسقاط والساقط لایعود بل لما فی الاشباہ من قولھم المبنی علی الفاسد فاسد[2] اھ حتی لو اقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی الاشباہ[3] والدر وغیرھا، **اقول** ولا یرد علیہ ما فی الحموی عن القنیۃ ان ابراءہ بعد الصلح عن جمیع دعواہ وخصوماتہ صحیح وان لم یحکم بصحۃ الصلح[4] اھ لان الابراء

کے بعد لکھنے کی عادت ہے تو صلب عقد میں اس کا پایا جانا ثابت نہ ہوگا تاکہ اس کے ضمن میں پائی جانے والی متضمن (بالفتح) ہوسکے، اور نہ ہی غمز العیون میں مذکور کی وجہ سے انھوں نے زاہدی سے ان کے استاد بدیع الدین کے حوالے سے ذکر کیا کہ ان کا مختار یہ ہے کہ اقرار اگرچہ عقد صلح کے صلب میں نہ ہو تو بھی بعد میں دعوٰی کے لئے مانع نہیں کیونکہ اس کی بناء فاسد صلح پر ہے اھ، کیونکہ ضروری نہیں کہ جو اقرار کا حکم ہے وُہ بری کرنے کا حکم ہو، کیونکہ اقرار من وجہ تملیک ہے جو کہ ختم ہوسکتی ہے جبکہ ابراء وہ تو اسقاط کا نام ہے جو بحال نہیں ہوسکتا، بلکہ اشباہ میں مذکور فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ "فاسد پر مبنی چیز بھی فاسد ہوتی ہے اھ" حتی کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار اس گمان پر کیا کہ مفتی کے فتوٰی سے طلاق ہوگئی جبکہ بعد میں واضح ہوگیا کہ ایسا نہیں ہے تو اس اقرار سے طلاق نہ ہوگی جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس پر حموی میں قنیہ کے حوالے سے مذکور بطور اعتراض وارد نہ ہوگا کہ صلح کے بعد اس کا تمام دعاوی اور خصومات سے بری کرنا صحیح ہے اگرچہ صلح کے صحیح ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا اھ، یہ اعتراض اس لئے

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۰
[2] الاشباہ والنظائر " " " " " ۲/ ۲۴۱
[3] " " الفن الثانی کتاب الاقرار " " " ۲/ ۲۱
[4] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی " " " ۲/ ۲۴۰

عن جمیع الدعاوی و الخصومات شیٔ زائدا علی مفاد الصلح فانه انما یقطع نزاعا خاصا لا کل خصومة بل اذا ادعی دارا ثم صالح مثلا علی نصفها او قیمته فانما تجاوز عن نصف دعواه لا عن جمیعها لوصول بعضها الیه عینا او بدلا فاذا کان ھذا زائدا علی قضیة الصلح کان کلاما مستقلا غیر مبتنی علی الصلح فلا یضرہ بطلان الصلح ونظیرہ اذا زاد فی الکلام علی قدر الجواب لم یجعل مجیبا بل صار مبتدئا فلا یعاد السؤل فیه کما نصوا علیه۔

نہ ہوگا کہ تمام دعاوی اور خصومات سے ابراء صلح کے مفاد سے زائد چیز ہے کیونکہ صلح ایک خاص نزاع کو قطع کرتی ہے نہ کہ تمام خصومات کو بلکہ جب کوئی شخص پورے مکان کا دعوٰی کرکے پھر نصف مکان یا نصف کی قیمت پر صلح کرے تو اس نے اس صلح میں اپنے نصف دعوٰی سے اعراض کیا نہ کہ تمام دعوٰی سے، کیونکہ اس سے اس کو بعض عین یا اس کے بدل کی وصولی ہوئی، تو جب یہ ابراء صلح سے زائد امر ہے تو یہ ایک مستقل کلام ہوگا جو کہ صلح پر مبنی نہ ہُوا تو اس لئے صلح کا بطلان اس ابراء کو مضر نہ ہوگا، اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی کلام قدر جواب سے زائد ہو تو اس کلام والے کو مجیب نہیں بلکہ ایک مستقل ابتداء والا قرار دیا جاتا ہے، لہذا اس کلام میں سوال کا اعادہ متصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ اس پر فقہاء نے نص فرمائی ہے۔(ت)

لہذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اجراء ڈگری سے کوئی مانع نہیں ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی (یہ میرے فہم میں ہے جبکہ حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸: از راما تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی، مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

جو کہ صلح ہے وہ واقع منازعہ حق انسان میں ہے یا حق خدائے تعالٰی میں بھی ہے؟

الجواب

صلح اگر برضا ہے تو عنداللہ بھی ہوگئی اور دب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

كتاب المُضاربَة

(مضاربت کا بیان)

مسئلہ ۱۹ از میراں پور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لئے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے، اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

الجواب

یہ طریقہ مضاربت کا ہے، مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے، مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے، اور ہندو کے ساتھ شرطِ نقصان بھی کرلینا جائز،

لانه من عقد فاسد وھم لیسوا باھل ذمة ولا مستأمنین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور یہ ہندو نہ تو ذمّی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰ از موضع مخدوم پور ڈیہہ ڈاکخانہ مخدوم پور گیا ضلع گیا مرسلہ سید مخدوم بخش صاحب حنفی ۲۹ رشوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے دوسرے لوگوں کے روپے سے اس طریق پر کہ ہر سال بعد تمام اخراجات کے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے ایک رُبع خود اجرِ محنت

لیتا ہے اور بقیہ تین رُبع میں جن لوگوں کا روپیہ ہے انھیں دیتا ہے، اگر یہ شخص شرکا سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم کو ہر سال ایک معین مقدار مثلاً بارہ ۱۲ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا تو اُس کمی کو ہم پُورا کردیں گے اور اس سے زیادہ جو کچھ نفع ہو وُہ بھی تمھارا ہے، آیا اس معاہدے کے سبب سے نفع تجارت داخلِ ربا ہوجائے گا یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب مسئلہ کے بحوالہ کُتب فقہیہ بقید ابواب وفصول وصفحہ ومطبع سرفراز فرمائیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ معاہدہ حرام ہے، مال والے اور یہ تاجر سب گنہگار ہوں گے اگرچہ کبھی کمی نہ واقع ہو اور کمی جو یہ پوری کرے گا اُس کا پُورا کرنا اُسے حرام ہے اور اُس زیادت کا لینا ان مال والوں کو حرام و ربا ہے۔ درمختار صدر کتاب المضاربہ، جلد چہارم و ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ ص ۴۲، ذکر شرائط مضاربت میں ہے:

وکون الربح بینھما شائعاً فلو عین قدراً فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد[1]	نفع میں شائع ہونا (مقدار عین نہ ہونا) اگر کوئی مقدار معین ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم ہونا (ت)

ہندیہ کتاب المضاربہ باب اول مطبع قاہرہ ملک مصر جلد چہارم ص ۲۸۷ میں ہے:

فان قال علی ان لك من الربح مائۃ درھم اوشرط مع النصف اوالثلث عشرۃ دراھم لاتصح المضاربۃ کذا فی محیط السرخسی[2]	اگر ایک نے دوسرے کو کہا نفع میں ایک سو درہم تیرے ہونگے یا نصف یا ثلث کے ساتھ مزید دس درھم کی شرط لگائی تو مضاربت صحیح نہ ہوگی، محیط سرخسی میں ایسے ہے۔ (ت)

ہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع مصطفائی جلد دوم ص ۴۳ میں ہے:

الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سود یہ ہے کہ عقد معاوضہ میں کسی فریق کیلئے ایسی زیادتی کی شرط ٹھہرانا جو عوض سے خالی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶-۱۴۷
[2] فتاوٰی ہندیۃ ؍؍ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۷
[3] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

مسئلہ ۲۱-۹ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھا اور زید وبکر کے درمیان یہ قرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصّہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گا اور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چونکہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے از روئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہُوئے سے مال کم آیا، اب جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمہ رہ گیا ہے تو اس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہوسکے تو زید بکر سے تیسرے حصّہ کے نقصان لینے کا از روئے شریعت کے مستحق ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہورہا ہے، کچھ اس کا بدلہ زید پر ہے یا نہیں؟

تیسرے بکر نے باجازت زید ان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی، روپیہ وصول نہ ہوا تو جو خرچہ نالش میں صرف ہوا زید بکر سے اُس خرچہ کے بھی تیسرے حصّہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تعدّی و دست درازی وتضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں جو نقصان واقع ہو سب صاحبِ مال کی طرف رہے گا، نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحبِ مال سے پانے کا مستحق ہے اُس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہو تو حسبِ قرار داد اس میں شریک ہوگا، پس صورتِ مستفسرہ میں جو روپیہ وصول نہ ہوا یا نالش میں جو خرچہ ہوا زید اس کا کوئی حصہ بکر سے نہیں لے سکتا اور جو محنت بکر پر پڑے وہ اس کا بدلہ زید سے نہیں پا سکتا۔

ہندیہ میں ہے:

اما الشروط الفاسدة فمنها ما تبطل المضاربة ومنها مالا تبطلها وتبطل بنفسها کذا فی النہایۃ قال القدوری فی کتابہ کل شرط یوجب جہالۃ الربح او قطع الشرکۃ فی الربح یوجب فساد المضاربۃ وما

فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں بلکہ یہ خود باطل ہوجاتی ہیں، نہایہ میں یوں ہے۔ قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی، اور

لا یوجب شیئا من ذٰلک لا یوجب فسادھا نحو ان یشترطا ان تکون الوضیعۃ علیھا کذا فی الذخیرۃ۔[1]

جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلاً دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

کل شرط یوجب جھالۃ فی الربح یفسدہ لاختلال مقصودہ وغیر ذٰلک من الشروط الفاسدۃ لایفسدھا ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعۃ علی المضارب۔[2]

ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کردے گی کیونکہ یہ مقصود میں اختلال ہے اور جو شرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گی بلکہ خود باطل ہوجائینگی مثلاً یہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا (ت)

عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا خسر المضارب فھل یکون الخسران علی رب المال، الجواب نعم۔[3]

ان سے سوال ہوا کہ جب مضارب کو خسارہ ہوا ہو تو کیا رب المال خسارہ میں شریک ہوگا؟ الجواب: ہاں! (ت)

درمختار میں ہے:

المضاربۃ ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفہ بامرہ وشرکۃ ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعدہ واجارۃ فاسدۃ ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل لہ اجر مثل عملہ[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

مضاربت ابتداء میں امانت کی کاروائی ہے اور عمل کے بعد وکیل بنانے کا معاملہ بن جاتا ہے کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہوجائے تو شراکت بن جاتی ہے اور اگر مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے خواہ بعد میں رب المال اس کاروائی کو جائز بھی کردے، اور مضاربت فاسد ہوجائے تو اجارہ فاسدہ بن جاتا ہے، اس

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربہ باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۷-۲۸۶

[2] الہدایہ کتاب المضاربہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۶

[3] العقود الدریۃ 〃 ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴۲

[4] درمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

صورت میں مضارب نفع کا حقدار نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا حقدار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱-ب

۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص کے کارخانۂ تجارت میں تھوڑے روپے دے کر شریک ہونا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چھتیس روپے سال مجھ کو اس کے منافع میں سے دیا کرو اور اس سے زیادہ جو کچھ ہو تم لے لیا کرو یعنی مضاربت، اور اگر کم ہو تو اس کے بھی تم متحمل ہو۔ شرعًا یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ناجائز اور گناہ ہے

لقطع الشرکۃ فی الربح ولالزام ما نقص منه علی المضارب وکل ذٰلک شرط فاسد والاول مفسد ایضًا کما نصوا علیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نفع میں شرکت ختم ہو جانے کی بنا پر، اور نقصان مضارب پر لازم کرنے کی بنا پر جبکہ دونوں صورتیں شرط فاسد ہیں اور پہلی تو مضاربت کے لئے مفسد بھی ہے، جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲

۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دیئے کیونکہ بکر میز کرسی کا تاجر تھا اس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیت خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار دیتا رہا، اس عرصہ میں بیت بکر نے بھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا، بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی، ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکور اپنے ذمّہ لے کر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیئے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہواری جائز نہیں، لہٰذا جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں، چونکہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے، اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اُس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم وبیش ملے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایک رقم تعین کر دینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد، ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زرِ زید کو تجارت میں لگائے زید نفع ونقصان دونوں کا متحمل رہے، نفع ہو تو جس قدر ہو

اتنا ہی زید کو دیا جائے اُس سے زیادہ اصلاً نہ لے، یہ بھی اُس صورت میں جبکہ وارثِ بکر محض احساناً اس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اُس کے نفع میں اپنا حصّہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرارداد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳

کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ ربُّ المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی چاہئے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کرلیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں، رب المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اس نے وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے، رب المال کے پاس واپس جائے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے، یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے مال بچ رہا تو مابقی کو لوٹا لائے یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کردے، اگر رب المال وقت عقد کے توسیع کردے کہ جہاں مناسب سمجھے بیچے اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے اختیارات وسیع ہو جائیں گے یا نہیں، رب المال کے ذمہ سفر خرچ خوراک وغیرہ مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیاء بھی مثلاً اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شئی کھالی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اس نے پلاؤ زردہ کھایا یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلاً ٹوپی کافی ہوسکتی تھی کہ اس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب

نفع میں حصّہ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے، اگر عقد بلا تعیین حصہ شائعہ کیا مثلاً تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد و حرام ہے، بلکہ اگر یوں کہا کہ زید و عمرو میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں، عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہو جائے تو جائز ہو جائے لان المجلس یجمع الکلمات (کیونکہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ ت) تبدل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہو جائے گا والمسائل کلھا معلومۃ من الفقۃ (یہ تمام مسائل فقہ میں واضح

ہیں۔ ت) درمختار میں ہے:

شرطها كون الربح بينهما شائعا فلو عين قدرا فسدت وكون نصيب كل منهما معلوما عند العقد[1]

مضاربت میں نفع غیر معین مقدار ہونا شرط ہے اور اگر کوئی معین مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم بھی شرط ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

دفع الى غيره الف درهم مضاربة على مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان علم رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربة وان لم يعلما لا تجوز وكذا اذا علم احدهما وجهل الاٰخر هكذا فی المحيط، ولو دفع اليه مضاربة على ان يعطى المضارب رب المال ما شاء من الربح فهذه مضاربة فاسدة كذا فی المبسوط[2]

کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت کے طور پر دیا کہ جیسے جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کیا اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے تو اگر رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور ان کو فلاں فلاں کی شرط معلوم نہ تھی تو جائز نہ ہوگی اور یونہی اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو معلوم نہ تھی، محیط میں یوں ہے، اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لئے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے نفع میں سے رب المال کو دے تو یہ مضاربت فاسد ہوگی جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ (ت)

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اذنِ رب المال کی حاجت نہیں جبکہ رب المال اُسے مقید نہ کرے، ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہوجائیگا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا اگرچہ رب المال نے عقد مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہوں، جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اُس سے مال نہ خریدا، خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق ومقید نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷-۱۴۶

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۸

يملك المضارب فی المطلقة التی لم تقید بمکان او زمان او نوع (ای او شخص ش) البیع بنقد ونسیئة متعارفة و الشراء والتوکیل بهما والسفر برا و بحرا لا تجاوز بلد او سلعة او وقت او شخص عینه المالك لان المضاربة تقبل التقیید المفید ولو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانه حینئذ لایملك عزله فلا یملك تخصیصه فان فعل ضمن بالمخالفة[۱] اھ ملتقطا۔

مضاربہ مطلقہ جو کسی مکان، زمان، قسم (یا شخص ش) سے مقید نہ ہو تو اس میں مضارب کو ہر طرح بیع نقد، ادھار معروف اور خریدنے اور بیع و شراء میں وکیل بنانے اور بری وبحری سفر کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مالک نے علاقہ، سامان، وقت یا شخص کو معین کردیا تو مضارب اس پابندی سے تجاوز نہیں کرسکتا، کیونکہ مال کے سامان تجارت بننے سے قبل مضاربت مفید پابندی کے قابل ہے اگرچہ یہ پابندی عقد کے بعد لگائی ہو مگر مال جب سامان تجارت میں بدل جائے تو اس وقت پابندی موثر نہ ہوگی کیونکہ اس موقعہ پر مالک مضارب کو معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی تخصیص و پابندی کا مالک بھی نہ ہوگا، اگر مالک نے قیود کا پابند کیا ہو تو مضارب مخالفت کرنے پر مال کا ضامن ہوگا اھ ملتقطا(ت)

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلاً مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہوجائیگا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔ درمختار میں ہے:

لایملك المضاربة والشرکة والخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برایك اذا الشیئ لایتضمن مثله ولا الاقراض والاستدانة وان قیل له اعمل برایك لانهما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالك علیهما

مضارب مالک کی اجازت کے بغیر آگے مضاربہ، شرکت اور اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے کا مالک نہ بنے گا، اجازت یا اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے سے مالک بن سکے گا، کیونکہ کوئی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی اور اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے کے باوجود مضارب قرض دینے

---

[۱] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

فیملکہما[1] (ملخصاً)۔ اور ادھار دینے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں عمل تجار کا طریقہ نہیں تو دی ہوئی تعمیم میں یہ چیزیں شامل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں کی تصریح نہ کردے، اگر ان کی تصریح کردی تو ان کا مجاز بنے گا (ملخصاً)۔ (ت)

مضاربت صحیحہ میں جبکہ مضارب مال مضاربت لے کر بغرضِ مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایامِ سفر کا نفقہ، کھانا، پینا، پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دُھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی و دوامی حاجت حسبِ عادت تجار بقدر معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائیگا جو اُسے مجرادے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔ درمختار میں ہے:

واذا سافر ولو یوماً فطعامہ وشرابہ وکسوتہ ورکوبہ ولو بکراء وکل مایحتاج فی عادۃ التجار بالمعروف فی مالہا لو صحیحۃ لا فاسدۃ لانہ اجیر فلا نفقۃ لہ وان عمل فی المصر فنفقتہ فی مالہ کدوائہ علی الظاہر اما اذا نوی الاقامۃ بمصر ولم یتخذہ دارا فلہ النفقۃ ابن ملک[ع] ویاخذ المالک قدر ما انفقہ المضارب من راس المال ان کان ثمہ ربح فلا شیئ علی المضارب[2] (ملخصاً)

جب مضارب سفر کرے خواہ ایک دن کا ہو تو خوراک، شراب، لباس، سواری جب کرایہ کی ہو، اور تمام اخراجات جو تجار کی عادت معروفہ ہوں وہ سب مضاربت کے مال سے ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہو تو مضارب اجیر ہے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا اور اگر وہاں شہر میں ہی کام کیا تو اپنے مال سے نفقہ برداشت کریگا جیسا کہ علاج کی صورت میں ظاہر قول کی بناء پر خود کرے گا، اور سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہ بنایا تب بھی نفقہ مضاربہ پر ہوگا (ابن ملک) اور اگر مضاربت میں نفع حاصل ہوا اور مضارب نے راس المال (اصل مال) سے نفقہ کیا تو مالک اتنا خرچہ نفع سے وصول کرلے گا تو مضارب کے ذمہ کچھ نہ آئے گا، ملخصاً۔ (ت)

ع لعل المراد منہ عبداللطیف ابن عبدالعزیز الشہیر بابن ملک۔

---

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

[2] " " فصل فی المتفرقات " ۲/ ۱۵۰

مگر بقدر معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں، ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے برف کی قلفیاں، مٹھائی کے دونے، سوڈے کی بوتلیں یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیئے، مال مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔ اسی طرح کنگھی، سُرمہ، پھلیل، دوا مالِ مضاربت سے نہ کرے گا۔ عالمگیری میں ہے:

النفقۃ ھی مایصرف الی الحاجۃ الراتبۃ وھی الطعام والشراب والکسوۃ وفراش ینام علیہ والرکوب وعلف دابتہ، محیط السرخسی، وغسل ثیابہ والدھن فی موضع یحتاج الیہ واجرۃ الحمام والحلاق وانما یطلق فی جمیع ذٰلک بالمعروف حتی یضمن الفضل ان جاوزہ ھکذا فی الکافی وروی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ سئل عن اللحم فقال کما کان یاکل ذخیرۃ واما الدواء والحجامۃ والکحل ونحو ذٰلک فی مالہ خاصۃ دون مال المضاربۃ ولو استاجر اجیرا یخدمہ فی سفرہ احتسب بذٰلک علی المضاربۃ، مبسوط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نفقہ وہ عام حاجت کے مصارف ہیں اور وہ کھانا، پینا، لباس، بستر زیر استعمال، سواری، جانور کی خوراک ہے، محیط سرخسی۔ اور کپڑوں کی دھلائی، ضرورت کے مقام پر تیل، حجام کی اُجرت ان تمام امور کی معروف اجازت ہوگی حتی کہ اگر معروف مقدار سے زائد خرچ کیا تو ضامن ہوگا، کافی میں یوں ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ان سے خوراک میں گوشت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں جو کھانے کی اسے عادت ہو، ذخیرہ۔ لیکن ذاتی دوائی، سینگی لگانے اور سُرمہ وغیرہ جیسی چیزیں مضارب کے اپنے ذاتی مال سے ہونگی مضاربت سے نہ ہونگی، اور اگر سفر کے دوران خدمت کیلئے اجیر کرایہ پر رکھا تو یہ مضاربت کے حساب میں ہوگا، مبسوط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴: از موضع سابق

جواب کی بعض عبارات کی تشریح مطلوب ہے:

(۱) جبکہ مضارب کو اختیار دے دیا کہ جہاں چاہے کام کر، اور اُس نے شہر ہی میں فروخت کرنا شروع کیا اور مضارب فقیر ہے یعنی اپنے پاس سے خرچ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں اس کا نفقہ رب المال

---

[۱] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳-۳۱۲

کے ذمہ ہوگا یا نہیں **قال** بخرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائیگا **اقول** اس کی دو صورتیں اس وقت خیال میں آتی ہیں ایک یہ کہ رب المال نے ایک مجمل رقم مضارب کو دی تھی اس نے اس میں سے اکثر کا مال خریدا اور قلیل اپنے خرچ کے واسطے رکھ لی، جب یہ خرچ ہوگئی مال کی آمدنی میں سے صرف میں لایا، دوسرے یہ کہ رب المال نے ایک رقم معین مال خریدنے کے واسطے دی، مضارب نے اس سب کا مال خریدا اور سفر خرچ وغیرہ اپنے گھر سے کیا، ان دو صورتوں میں تو بیشک مضارب مصارف مجرا کر کے نفع کی تقسیم کرے۔ تیسری صورت یہ کہ رب المال نے ایک رقم خاص واسطے خرید اموال کے معین کر دی اور ایک رقم خاص واسطے نفع و سفر خرچ وغیرہ کے دے دی تو اب یہ مصارف مال مضاربت پر کیوں پڑیں گے بلکہ اس رقم صرف میں سے بعد خرچ کے جتنا بچ رہے گا وہ واپس دینا ہوگا ہاں اگر رقم سب صرف میں آگئی اور کچھ زائد خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی تو اب جو کچھ خرچ ہو وہ مال مضاربت پر پڑے روپیہ بدستور رہنے کی صورت میں جیسے اختیار مطلق کو مقید کر سکتا ہے یوں ہی مقید کو مطلق بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب

(۱) جب تک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگرچہ خرید و فروخت و کارِ مضاربت کرتا رہے اگرچہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقدِ مضاربت کیا ہو، اسے سفر خرچ دیا جاتا ہے اور یہ جب تک وطن میں ہے مسافر نہیں، اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطورِ مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جب تک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائیگا اگرچہ کارِ مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لئے نہ تھا بلکہ قبل عقد مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرض مضاربت وہاں آئے گا تو سفر خرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرض مضاربت ہے بخلاف وطن مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کرکے خاص کارِ مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے جب تک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا۔ بدائع و محیط و فتاوٰی ظہیریہ و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے:

لو اخذ مالاً بالکوفۃ وھو من اھل البصرۃ وکان قدم الکوفۃ مسافرا فلا نفقۃ لہ فی المال مادام فی الکوفۃ

اگر مضارب نے مالک سے کوفہ میں مال وصول کیا جبکہ مضارب بصرہ کا رہنے والا ہے وہ کوفہ میں بطور مسافر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں قیام پذیر رہے گا اس وقت تک مال مضاربت پر اس کا نفقہ نہ آئیگا

فاذا خرج منها مسافرا فله النفقة حتی یاتی البصرۃ لان خروجہ لاجل المال ولا ینفق من المال مادام بالبصرۃ لان البصرۃ وطن اصلی لہ فکانت اقامتہ فیہ لاجل الوطن لا لاجل المال فاذا خرج من البصرۃ لہ ان ینفق ایضًا ما اقام بالکوفۃ حتی یعود الی البصرۃ لان وطنہ بالکوفۃ کان وطن اقامۃ یبطل بالسفر فاذا عاد الیہا ولیس لہ بہا وطن کانت اقامتہ فیہا لاجل المال[1]

توجب وہاں سے سفر کرتے ہوئے نکلے گا تو بصرہ پہنچنے تک اس کا نفقہ ہوگا کیونکہ اس کا اب کوفہ سے نکلنا مضارب کے طور پر ہے اور پھر جب تک بصرہ میں رہے گا وہ خرچہ نہ پائے گا کیونکہ بصرہ اس کا وطن اصلی ہے تو یہاں اس کی اقامت وطن کی وجہ سے ہے مضاربت کیلئے نہیں، تو اب اگر وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ آیا تو واپس بصرہ پہنچنے تک نفقہ اس کا حق ہے کیونکہ پہلے کوفہ میں اس کا قیام وطن اقامت کے طور پر تھا تو وہاں سے سفر کرنے پر وہ وطن باطل ہوگیا تو اب دوبارہ اس کا کوفہ آنا مضاربت کے لئے ہے کیونکہ کوفہ اس کا وطن نہیں تو وہاں اس کا قیام صرف مال کے لئے ہے۔ (ت)

(۲) مجمل رقم دینا بےمعنی ہے مضاربت میں راس المال کا معلوم ہونا شرط ہے ورنہ عقد فاسد و گناہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

اما شرائطہا الصحیحۃ، فمنہا ان یکون راس المال معلوما عند العقد حتی لا یقعان فی المنازعۃ فی الثانی الخ۔[2]

مضاربت کے صحیح شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عقد کے وقت راس المال کا معلوم ہونا ہے تاکہ بعد میں دونوں کا اختلاف نہ ہو الخ (ت)

(۳) مضارب اگر اپنے پاس سے خرچ کرے گا جب بھی مال مضاربت سے مجرا پائے گا مگر رب المال سے مجرا لینے کا حق نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر مالِ مضاربت تلف ہوجائے تو اس کا خرچ بھی گیا۔ رب المال سے اس کا مطالبہ نہ کرسکے گا۔ عالمگیری میں ہے:

ان انفق المضارب من مال نفسہ او استدان علی المضاربۃ

اگر مضارب نے اپنے ذاتی مال سے نفقہ لیا یا اس نے مضاربت کے معاملہ میں قرض لیا تو وہ اسے

---

[1] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۹۰
[2] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۶-۲۸۵

يرجع فی مال المضاربة بذٰلك و يبدأ براس المال ثم يثنى بالنفقة ثم يثلث بالربح وان هلك مال المضاربة لم يرجع علٰی رب المال بشیئ کذا فی الذخیرة۔[1]

مضاربت کے مال سے وصول کرے گا یہ مجرائی اوّلاً راس المال سے پھر ثانیاً نفقہ سے اور پھر ثالثاً نفع سے ہوگی اور اگر مضاربت کا تمام مال ہلاک ہوجائے تو مضارب کچھ بھی رب المال سے وصول نہ کرسکے گا، ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

(۴) رقم خاص جو سفر خرچ کے لئے اسی عقد مضاربت کی بناء پر دی وہ مضاربت ہی میں شامل ہے، ہاں اگر جُدا رقم دے کر تصریح کردی کہ میں تیرا سفر خرچ تبرعاً اپنے پاس سے دیتا ہوں، جو کچھ راس المال پر بڑھے گا وہ تمام و کمال نفع سمجھا جائے گا اور رقم اس سے جُدا پائے گا تو یہ اُس کا احسان ہے اُسے اختیار ہے پھر اگر وُہ منع کردے تو اس پر جبر نہیں مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ۔

(۵) مقید کو ہر وقت مطلق کرسکتا ہے کہ منع رب المال ہی کے حق کے لئے تھا، صاحب حق کو اپنے حق سے درگزر کرنے کا اختیار ہے،

یاحق یاصاحب کل حق بغناك و فقرنا تجاوز عما لك من الحقوق علینا و بکرمك تحمل عنا ما لعبیدك فانك اکرم الاکرمین وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی اکرم الخلق محمد و اٰله الکرماء اجمعین اٰمین والحمد للّٰه رب العٰلمین۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

یاذات حق، اے ہر حق کے مالک، اپنے غنا اور ہمارے فقر کے وسیلہ سے ہمارے ذمہ جو بھی تیرے حقوق ہیں معاف فرما، اور اپنے کرم کے ذریعہ اپنے بندوں کے حقوق کو ہم سے ختم فرما، کیونکہ تو تمام کریموں سے بڑا کریم ہے اور اللہ تعالٰی کی رحمتیں مخلوق کے بڑے کریم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی کرم والی سب آل پر، آمین، الحمدللہ رب العٰلمین، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵: از الٰہ آباد محلہ حمام حکیم سید قنبر علی صاحب ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے خالد کو جو کہ سوداگر ہے پانچ سو روپے بدیں معاہدہ قرض دیا کہ اس پانسو روپے سے خالد جو کاروبار تجارت مناسب جانے کرے اور جو منافعۂ تجارت ہو اس میں سے صرف ایک آنہ فی روپیہ زید کو دے باقی کل رقم منافع خالد اپنے حق المحنت میں لے اور جو نقصان تجارت میں ہو اس میں بعد فہمید حساب و کتاب زید صرف فی روپیہ کے حساب سے اصل میں مجرا دے گا، باقی کل تاوان خالد ادا کرے گا،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۱۳

ایسا معاہدہ داخلِ سُود و ناجائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایسا معاہدہ بلاشبہہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶ از پاٹن شمالی گجرات مرسلہ عبدالقادر محمد فضل صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا وشرع عمرو فی العمل فانتخب التجارۃ بالربح اولا عقب الحساب بینھما اقتسما علی موجب شرطھما ثم اضاف ما نابہ من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکۃ علی نفسہ ماکلہ ومشربہ وکسوتہ ویھب ویتصدق ویزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویحج کل ذٰلک بغیر اذن شریکہ ولم یظھر الربح بل لحق راس المال خسارۃ فھل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوہ المذکورۃ حیث کان ذٰلک بغیر اذن الشریک یکون الضمان فی مالہ خاصۃ ام یکون دینا اذا بقی کما فتونا ماجورین۔

آپ کا کیا ارشاد ہے (اللہ تعالٰی آپ کے ذریعہ مخلوق کو نفع دے) اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے تجارت کرنے پر بایں طور اتفاق کیا کہ اصل رقم زید کی ہوگی اور عمرو مضارب ہوگا اور عمرو نے کام شروع کردیا تو اس نے تجارت میں نفع کمایا حساب کے بعد طے شدہ شرط کے مطابق دونوں نے نفع کو تسلیم کرلیا پھر عمرو نے اپنے حاصل شدہ نفع کو زید کے مال (راس المال) میں شامل کردیا اور کاروباری ذرائع میں مشغول ہوگیا اور مشترکہ مال سے اپنے مصارف کھانے، پینے، لباس، ہبہ، صدقہ اور حج وزیارت پر صرف کیا اور یہ تمام اخراجات اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کئے جبکہ نفع نہ ہوا بلکہ راس المال میں خسارہ ہوگیا، تو کیا مذکورہ مصارف پر اپنے شریک کی اجازت کے بغیر خرچ شدہ مال کا عمرو ضامن ہوگا اور یہ ضمان خاص عمرو کے اپنے مال سے ادا ہوگا یا بقایا ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ دین ہوگا۔ اجر پاتے ہوئے ہمیں فتوٰی دیں۔ (ت)

الجواب

کل ما انفق فی الھبات والصدقات والحج والزیارۃ الشریفۃ یحسب علیہ من مال

عمرو نے ہبہ، صدقہ، حج وزیارت پر جو کچھ صرف کیا وہ عمرو کے ذاتی مال سے شمار ہوگا اس میں سے

نفسه لاشئ منه علیٰ صاحبه، وکذا اما انفق
علیٰ نفسه وھو مقیم بمصر المضاربة
ای البلد الذی اخذ فیه المال مضاربة او بوطنه
سواء کان مولدہ او اتخذہ دارا، وکذا اما انفق فی الخروج
الیٰ موضع یغد والیه ثم یروح و یبیت
باھله وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان
کانت المضاربة فاسدة فانه لیس فیھا للمضارب
الا اجر مثل عمله نعم اذا کانت صحیحة وخرج
المضارب للتجارة الیٰ حیث لا یؤویه اللیل
بمنزله ان قفل فنفقته بالمعروف طعامه
وشرابه ولباسه وفراشه ورکوبه وخادمه
ونفقة خادمه کل ذلک فی مال المضاربة
حتی یؤب الا الزائد علی المعروف فانه مضمون
علیه ثم ان عمرا اضاف الیه شیئا من مال
نفسه فیقسم النفقات المعروفة علی کلا
المالین بحسبھما فما اصاب مال
المضاربة فذلک وما اصاب مال عمرو
حسب علیه من مال نفسه وکل
ما ذکرنا انه یحسب علیه ان کفاہ
ماله فیھا وما فضل و تعدی
الی مال المضاربة یضمنه و
ھو دین علیه یؤخذ منه حیث
لا ربح، ھذا کله اذا لم یخلط
او خلط و کان زید قال
له ان اعمل فیه کما

کچھ بھی دوسرے ساتھی پر نہ ہوگا اور یونہی جو کچھ
اس نے مضاربہ والے شہر یعنی جس شہر میں اس
نے مضاربت کا مال وصول کیا، یا اپنے وطن خواہ
اس کا مولد ہو یا وہاں گھر بنالیا ہو، میں اپنی ذات
پر خرچ کیا اور یونہی تمام اخراجات علی الاطلاق
اگر مضاربہ فاسدہ ہو کیونکہ فساد کی صورت میں
مضارب مثلی اجر کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا
ہاں جب مضاربہ صحیح ہو اور مضارب نے تجارت کی
غرض سے ایسی جگہ سفر کیا جہاں سے وہ صبح وشام
واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا، تو اس کا معروف
نفقہ بطور خوراک ولباس، بستر، سواری، خادم،
خادم کا نفقہ یہ سب مضاربت کے مال پر ہوگا حتی کہ
واپس گھر پہنچ جائے، معروف سے زائد نفقہ نہ ہو
کیونکہ زائد ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا،
علاوہ ازیں عمرو نے اپنا مال چونکہ تجارت میں شامل
کرلیا تو اب تمام معروف اخراجات دونوں مالوں پر
علی الحساب منقسم ہوں گے جو مضاربت کے حصہ میں آیا
وہ مضاربت پر اور اس کے اپنے مال کے حصہ آئے
وہ اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا کہ حساب سے اخراجات
اس کے مال پر اگر اس کا مال ان اخراجات کو
کفایت کرتا ہے فبہا ورنہ اخراجات زائد ہونے کی
صورت میں جو مضاربت پر پڑے ہیں ان کا وہ ضامن
ہوگا اور اس کے ذمہ وہ دین ہوں گے اور اس سے
وصول کیے جائیں گے جبکہ نفع کا مال نہ ہو، یہ تمام
بیان اس صورت میں ہے جبکہ اس نے اپنا ذاتی

ترى او كان الخلط هناك معروفاً بين التجار اما اذا عرى عن هذه الوجوه ضمن مال زيد تماماً لانه استهلكه بالخلط بغير اذن ولاعرف فصار غاصباً بعد ما كان مضاربا فعليه وضيعة وله ربحه ولايطهر له ربح مال المضاربة عند الامام و محمد رضي الله تعالیٰ عنهما فيتصدق به الا اذا اختلف الجنس فان الربح لايظهر الاعند اتحاده (في الدر المختار اذا سافر ولو يوماً (المراد ان لا يمكنه المبيت في منزله فان امكن ان يعود اليه في ليلة فهو كالمصر لا نفقة له بحر اه شامي) فطعامه وشرابه و كسوته وركوبه ولو بكراء وكل مايحتاجه في عادة التجار بالمعروف في مالها لو صحيحة لا فاسدة لانه اجير فلا نفقة له وان عمل في المصر سواء ولد فيه او اتخذه دارا فنفقته في ماله كدوائه، اما اذا نوى الاقامة بمصر ولم يتخذه دارا فله

مال مضاربت کے مال میں خلط نہ کیا ہو یا اس نے خلط کر دیا اور زید نے اسے کہہ رکھا تھا کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو یا وہاں تجار میں اس طرح خلط کرنا معروف ہے، ورنہ اس کے بغیر خلط سے عمرو زید کے تمام مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اجازت اور عرف کے بغیر خلط کر کے اس نے مضاربت کے مال کو ہلاک کر دیا اور مضارب کی بجائے وہ غاصب بن گیا اب نفع ونقصان اس کا ہے اور مضاربت سے حاصل شدہ نفع اس کیلئے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک مال مضاربت کا نفع اس کیلئے پاک نہ ہوگا اور صدقہ کرے گا ہاں اگر نفع اور راس المال کی جنس مختلف تو پاک ہوگا، کیونکہ نفع اتحاد جنس میں ظاہر ہوتا ہے، درمختار میں ہے جب مضارب سفر خواہ ایک دن کا کرے (اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا سفر ہو کہ واپس گھر رات گزارنا ممکن نہ ہو، اگر رات گھر آنا ممکن ہو تو یہ اپنے شہر کی طرح ہوگا لہذا وہ نفقہ کا مستحق نہ ہوگا بحر، اھ شامی) تو کھانا، پینا، لباس، سواری اگر کرایہ کی ہو اور تجار میں معروف تمام اخراجات مضاربت پر ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہونے کی صورت میں مضارب اجیر بن جاتا ہے اس کا نفقہ نہیں، اور اگر اس نے اپنے وطن جس میں پیدا ہوا یا جس کو اس نے گھر بنا لیا وہاں کے اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے جیسا کہ علاج معالجہ ذاتی ہوتا ہے، اگر سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت

النفقة ماله یاخذ مالا (یعنی اما اذا کان قد اخذ مال المضاربة فی ذلك المصر فلا نفقة له ما دام فیه ولا یخفی ما فیه من الایجاز الملحق بالالغاز اھ شامی، اقول مثله لیس من الایجاز فی شیئ بل وقع من القلم اقتصارا مخلا) ولو سافر بماله ومالها او خلط باذن انفق بالحصة واذا قدم رد ما بقی "مجمع" ویضمن الزائد علی المعروف، ویأخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال (متعلق بانفق اھ ش) ان کان ثمة ربح فان استوفاه وفضل شیئ اقتسماه علی الشرط لان ما انفقه یجعل کالهالك والهالك یصرف الی الربح وان لم یظهر ربح فلا شیئ علی المضارب[1] اھ (باختصار) وفیه لا یملك الخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برأیك[2] اھ (باختصار) قال ش وھذا اذا لم یغلب التعارف بین التجار فی مثله کما

کی نیت ہو اور وہاں گھر نہ بنایا ہو تو وہاں نفقہ کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس شہر میں اس نے مالِ مضاربت وصول نہ کیا ہو، یعنی اس شہر میں اگر مال وصول کیا تو وہاں بھی نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا جب تک وہاں رہے گا" اس کلام میں جو ایجاز ہے مخفی نہیں اھ شامی، (اقول: میں کہتا ہوں ایسا کلام کسی طرح ایجاز نہیں بلکہ یہ مخل قسم کا اقتصار قلم سے صادر ہوا) اگر مضارب نے مضاربت کے مال اور اپنے مال سمیت سفر کیا اور رب المال کی اجازت سے خلط کیا ہو تو خرچہ حصہ کے مطابق ہوگا جب واپس پہنچے تو بقیہ نفقہ واپس کرے، مجمع۔ اور معروف سے زائد خرچہ کا ضامن ہوگا اور راس المال سے زائد خرچہ کو رب المال وصول کرے گا (راس المال کا تعلق انفق سے ہے اھ شامی) اگر اس میں نفع ہو تو اور خرچہ اس سے پورا کر لینے کے بعد کچھ بچا تو دونوں شرط کے مطابق تسلیم کر لیں کیونکہ خرچ شدہ کو ہلاک شدہ قرار دیا جاتا ہے اور ہلاک شدہ کو نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اگر وہاں نفع نہ ہو تو مضارب پر کوئی ذمہ نہیں (باختصار) اور اسی میں ہے کہ مضارب کو اپنے مال کے ساتھ خلط کا اختیار نہیں الا یہ کہ اجازت صریح ہو یا کہا گیا ہو "اپنی رائے سے عمل کرو" اھ (باختصار) شامی نے فرمایا یہ جب ہے کہ وہاں تجار کا غالب عرف ایسا نہ ہو جیسا کہ

[1] درمختار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۰
ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۹۱-۴۹۰
[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

في التاتارخانية[1] اھ ثم ذكر عنها ما اذا دفع
الی رجل الفا بالنصف ثم الفا اخری
كذلك فخلط المضارب المالين[2] وفصل
صورها واحكامها وھی ستة
عشر وجها قد بسطها في الھندية
عن المحيط باوضح لما[ع] اقول
واستخرجت لها ضابطة ھی ان
الخلط اذا وقع علی مال له فيه
اذن ولو عرفا او ربح فيه خاصة
اولا ربح في شیئ من مالی
المضاربة لم يضمنه والا
ضمن تمت الضابطة ای اذا
وقع علی مالیس له فيه
اذن ولا ربح يختص به
ولا عدم ربح يعمهما بان
ربح في المال الآخر خاصة
او فيهما معا فانه يضمنه
فان كان كلا المالين علی الوجه
الاول لم يضمن شيئا منهما
او علی الثاني ضمنهما معا او
احدھما علی الاول و

تاتارخانیہ میں ہے اھ پھر علامہ شامی نے تاتارخانیہ
سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نے کسی کو
نصف نفع کی شرط پر ہزار بطور مضاربت دیا پھر ایک اور
ہزار اسی شرط پر دیا تو مضارب نے ان دونوں مالوں کو
خلط کردیا، یہاں انھوں نے صورتوں اور ان کے احکام
کی تفصیل بیان کی اور یہ سولہ وجوہ ہیں جن کو ہندیہ نے
محیط کے حوالے سے مبسوط طور پر بیان کیا اور ہمارے
بیان کردہ سے زیادہ واضح ہے، میں کہتا ہوں
میں نے اس کے لئے ایک ضابطہ بنایا ہے وہ یہ
کہ اگر خلط اس مال میں کیا جس میں یہ اجازت
تھی اگرچہ عرفاً ہو یا خاص طور پر اس مال میں ہی نفع
ہوا مضاربت کے دونوں مالوں میں کوئی نفع نہ ہو
تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا، ضابطہ مکمل ہوا ورنہ
ضامن ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ خلط ایسے مال میں کیا
جس میں یہ اجازت نہ تھی اور نہ ہی اس مال سے مختص
نفع تھا اور نہ ہی دونوں مالوں کو شامل نفع ہو بلکہ یوں
ہو کہ دوسرے مال سے مختص نفع ہو یا دونوں کو شامل
نفع ہو تو ضامن ہوگا، اور اگر دونوں مال پہلی وجہ والے
یعنی عدم ضمان والی صورت پر تھے تو دونوں کا کوئی
ضمان نہیں یا دونوں دوسری وجہ پر تھے یعنی ضمان والی
صورت پر تھے تو دونوں کا ضامن ہوگا، یا ایک مال

ع في الاصل ھكذا ولعله مما بيناه ۔

اصل میں اسی طرح ہے غالباً یہ لفظ مما بیّناہ ہے (ت)

[1] و [2] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

الاٰخر علی الثانی لم یضمن الاول
وضمن الاٰخر، ھذا اذا خلط احد مالی
زید بالاٰخر فکیف اذا خلط بمال نفسه
وفی البحر لیس له ان
یخلط مال المضاربة بماله و
لامال غیرہ الا ان یقول له
اعمل برأیك[1] اھ، وقال بعد ثلثة
اوراق انما لایضمن لان رب
المال قال له اعمل برأیك
فیملك الخلط بخلاف ما اذا
لم یقل فانه لایکون شریکا
بل یضمن کالغاصب[2] اھ، وفی الهدایة
مایفعله المضارب انواع، نوع لایملکه
بمطلق العقد ویملکه اذا قال له
اعمل برأیك مثل خلط مال
المضاربة بماله او مال غیرہ[3] اھ
(باختصار) وفیها انتظم قوله اعمل
برأیك الخلط فلا یضمنه[4] اھ (باختصار)
وفی العنایة اعمل برأیك یتناول
الخلط فصار شریکا

پہلی وجہ پر اور دوسرا دوسری وجہ پر تھا تو پہلے میں
ضامن نہ ہوگا دوسرے میں ضامن ہوگا، یہ تمام
صورتیں زید کے دونوں مالوں کو آپس میں خلط کرنے
میں ہیں تو مضارب کے اپنے ذاتی مال کو اس
میں خلط کرنے سے کیونکر نہ ہوں، بحر میں ہے مضارب
کو جائز نہیں کہ مضاربۃ کے مال کو اپنے مال یا غیر
کے مال سے خلط کرے الایہ کہ اس کو "جو چاہے کر"
کہہ کر عام اجازت دی گئی ہو اھ، اور تین ورق کے
بعد فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ رب المال نے اسے
کہہ رکھا ہے کہ "جو چاہے کر" تو وہ خلط کا مالک ہوگا
بخلاف جب یہ نہ کہا تو پھر خلط سے شریک نہ بنے گا
بلکہ غاصب کی طرح ضامن ہوگا، اھ، ہدایہ میں ہے
کہ مضارب کی کاروائی مختلف اقسام پر ہے بعض
وہ جن کا عقد کے مطلق ہونے سے مالک بن جاتا
ہے اور بعض وہ کہ "جو چاہے کر" کہنے سے ان کا مالک
بن جاتا ہے مثلاً مضاربت کے مال کو اپنے یا غیر
کے مال میں خلط کرنا اھ، اور ہدایہ میں ہی ہے کہ
مالک کا "جو چاہے کر" کہنا خلط کو شامل ہے لہذا
ضامن نہ ہوگا اھ (ملخصاً) اور عنایہ میں ہے "جو چاہے کر"
خلط کو شامل ہے تو خلط کرنے پر شریک بن جائیگا

[1] بحر الرائق کتاب المضاربۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۲۶۴-۶۵
[2] ″ باب المضارب یضارب ″ ″ ″ ۷/۲۷۱
[3] الهدایة کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۶۵
[4] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۳/۲۶۸

فلم یکن غاصبا فلا یضمن[1] اھ (ملخصا) وثمہ قال فی الخانیۃ لیس لہ ان یخلط مال المضاربۃ بمالہ او مال غیرہ و لوکان رب المال قال لہ اعمل فیہ برأیك کان لہ ان یخلط[2] اھ (ملخصا) وفیھا لو لم یقل اعمل برأیك الا ان معاملۃ التجار فی تلك البلدان المضاربین یخلطون المال و لاینھاھم رب المال قالوا ان غلب التعارف بینھم فی مثلہ نرجوان لایضمن وتکون المضاربۃ بینھما علی العرف[3] اھ وفیھا وفی وجیز الکردری واللفظ لھا، رجل دفع الی غیرہ مالا مضاربۃ، ثم ان المضارب شارك رجلا اٰخر بدراھم من غیر مال المضاربۃ ثم اشتری المضارب وشریکہ عصیرا من شرکتھما ثم جاء المضارب بدقیق من المضاربۃ فاتخذ منہ و من العصیر فلاتج[عہ] قالوا ان اتخذ الفلاتج باذن

غاصب نہ ہوگا تو ضمان نہ دے گا اھ (ملخصاً) اور خانیہ کے اسی مقام پر فرمایا مضارب کو اختیار نہیں کہ وہ مضاربہ کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرے، اور اگر رب المال نے اسے "جو چاہے کر" کہہ دیا تھا تو اس کو خلط کا اختیار ہوگا اھ (ملخصاً) اور اسی میں ہے اگر مالک نے "جو چاہے کر" نہ کہا ہو مگر اس علاقہ کے تجار کا معاملہ یوں ہے کہ مضاربت والے لوگ مال کو خلط کرتے ہیں اس کے باوجود رب المال لوگ ان پر اعتراض نہیں کرتے، فقہاءِ کرام نے فرمایا اگر اس معاملہ میں عرف غالب ہوچکا ہے تو ہمیں امید ہے کہ مضارب ضامن نہ ہوگا اور عرف کے مطابق مضاربت دونوں میں باقی رہے گی اھ، خانیہ اور وجیز کردری میں ہے جبکہ عبارت خانیہ کی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مضاربہ پر مال دیا پھر مضارب نے دوسرے شخص کو اس کے کچھ دراہم لے کر شریک بنالیا جبکہ یہ دراہم مضاربہ میں شامل نہیں کئے، پھر مضارب اور اس کے ہم شریک نے اپنی شراکت کے مال سے مُجوس خریدا پھر مضارب مضاربۃ کے مال سے آٹا لایا اور آٹے اور مُجوس سے پیڑے بنائے تو فقہاءِ کرام نے فرمایا اگر یہ پیڑے شریک کی اجازت

عہ الذی فی البزازیۃ فلاتج بالتاء

عہ بزازیہ میں جو مذکور ہے وہ فلاتج (ت کے

(باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۴۳

[2] و [3] فتاوٰی قاضیخان " فصل فیما یجوز للمضارب الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۷-۶۳۶

الشريك ينظر الى قيمة الدقيق قبل ان تتخذ منه الفلايج والى قيمة العصير فما اصاب حصة الدقيق فهو على المضاربة

سے بنے تو پیڑے بنانے سے قبل آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور یوں جوس کی قیمت کا بھی اندازہ کیا جائے تو جتنا حصہ آٹے کا بنے وُہ مضاربہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الفوقانية وذكر فيها ما نصه اعطاه الفا وقال اعمل برأيك ثم اشترى المضارب مع شريكه عصيرا على الشركة فاتخذ المضارب من دقيق المضاربة والعصير المشترك فلاتج باذن الشريك فالفلاتج على المضاربة وضمن المضارب لشريكه قيمة العصير ما يخصه[ط] الخ وكتبت عليه ما نصه اقول هذا سبق قلم وانما هو حكم ما اذا فعل باذن رب المال دون الشريك كما سيذكره بقوله وان ياذن رب المال لا الشريك فالفلاتج على المضاربة ويضمن حصة العصير لشريكه[ط] الخ اما حكم هذا فما ذكر في الخانية انه ينظر الى قيمة الدقيق الخ ۱۲ منه غفر له۔

کے ساتھ ہے اور انھوں نے جو ذکر کیا عبارت یہ ہے، مالک نے مضارب کو ہزار دے کر کہا "جو چاہے کر" پھر مضارب نے اپنے شریک سے مل کر جوس خریدا شراکت کے طور پر، تو مضارب نے مضاربہ کا آٹا اور شراکت کا جوس ملا کر شریک کی اجازت سے پیڑے بنائے، تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور مضارب جوس کی قیمت کے برابر شریک کو ضمان دے گا الخ اور میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے میں کہتا ہوں یہ قلم کی سبقت ہے، حالانکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب مضارب نے یہ کارروائی ربّ المال کی اجازت اور شریک کی اجازت کے بغیر کی ہو جیسا کہ وُہ خود اس کو قریب ہی ذکر کریں گے اپنے اس قول میں، کہ اگر ربّ المال نے اجازت دی اور شریک نے نہ دی تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور جُوس کے حصے میں برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، لیکن اس مذکور صورت کا حکم وُہ ہے جو خانیہ نے ذکر کیا ہے کہ آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے الخ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[۱] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۶

[۲] " " " " " " " " "

وما اصاب حصة العصير فهو بين المضارب
وبين الشريك لكن هذا اذا كان رب المال
قال له اعمل فيه برأيك فان لم يكن
قال ذلك و فعل المضارب ذلك بغير
اذن الشريك فالفلايج تكون للمضارب
وهو ضامن مثل الدقيق لرب
المال ومثل حصة الشريك من
العصير للشريك فان كان رب
المال اذن له في ذلك والشريك
لم يأذن فالفلايج تكون للمضاربة
والمضارب ضامن حصة شريكه من
العصير وان كان الشريك اذن له بذلك
ورب المال لم يأذن له فالفلايج تكون
بينه وبين الشريك وهو ضامن
لرب المال مثل الدقيق[1] اھ فلا ادری
ما فیها من قوله المضارب اذا سافر بمال
المضاربة ومال نفسه توزع النفقة على المالين
سواء خلط المالين اولم يخلط او قال له رب
المال اعمل فيه برأيك اولم يقل له ذلك
والسفر ومادون السفر في ذلك سواء اذا كان
لايبيت في اهله[2] اھ لانه هذا حكم المضاربة
واذا خلط بغير اذن ضمن والضمان والمضاربة

ہوگا جو حصہ جوس کا ہے وہ مضارب اور اس کے
شریک کا ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب
رب المال نے مضارب کو "جو چاہے کر" کہا ہو
اور اگر اس نے یہ نہ کہا ہو اور مضارب نے یہ
کارروائی اس کی اجازت کے بغیر کی ہو تو اس
صورت میں پیڑے مضارب کے ہوں گے اور وہ آٹے
کی مثل رب المال کا ضامن ہوگا، اور جوس کے
حصہ کا شریک کو ضمان دے گا اور اگر رب المال
کی اجازت تھی اور شریک کی اجازت نہ تھی تو پیڑے
مضاربت میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ کے
برابر شریک کو ضمان دے گا، اور اجازت کا معاملہ
بالعکس ہو تو پیڑے مضارب اور اس کے شریک
کے ہوں گے اور آٹے برابر رب المال کو ضمان دیگا اھ
اور خانیہ میں جو یہ ہے کہ مضارب جب مضاربہ
اور ذاتی مال کے ہمراہ سفر کرے گا تو نفقہ دونوں
مالوں پر منقسم ہوگا خواہ دونوں مالوں کو خلط کیا یا
نہ کیا، رب المال نے اس کو "جو چاہے کر" کہا ہو
یا نہ کہا ہو، حد سفر ہو یا کم ہو جب وہ رات کو
واپس گھر نہ لوٹ سکتا ہو، الخ، یہ میری سمجھ سے
بالا ہے کیونکہ یہ حکم تو مضاربت کا ہے حالانکہ
اگر رب المال کی اجازت کے بغیر خلط کیا ہو تو
ضامن ہوتا ہے جبکہ ضمان اور مضاربت اپنے حال

---

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۳۷

[2] " " " " " " ۴/ ۶۳۸

لایجتمعان کما فی البزازیۃ[1] من نوع فی ھلاک مالھا فلیحرر وبقیۃ الاحکام واضحۃ دائرۃ فی الکتب کالخیریۃ والھندیۃ وغیرھما وذکرت غیرمرۃ فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

پر جمع نہیں ہوسکتے جیسا کہ بزازیہ میں مضاربت کے مال کی ہلاکت کی نوعیت کے بیان میں ہے، اس کی تحقیق ہونی چاہیے، اور باقی احکام واضح ہیں، اور کتب فقہ خیریہ، ہندیہ وغیرہما میں مذکور ہیں اور متعدد بار میں نے ان کو اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: از بازار جام تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد سعید صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شرکت کرنا اس طرح سے روزگار میں کہ زید نے عمرو کو سو روپے دئے اور کہا کہ اس سے جو چاہو روزگار، جو چاہو کر' یا فلاں، لیکن مجھ کو دس روپے تم فیصدی دینا، یا یُوں کہا کہ جو تیری طبیعت میں آئے وُہ دینا یا آنہ روپیہ کا نفع تعین کر دیا، آیا عمرو کو بیشی ہو کہ کمی، خالد کہتا ہے کہ تعین کرنا سُود ہے۔ فقط

الجواب

یہ کہ جو طبیعت میں آئے دینا' ناجائز ہے کہ تعین نہ ہوا اور یہ کہ دس فیصدی یا آنہ روپیہ دینا' اگر اس سے مراد ہے کہ جتنے روپے اس کو تجارت کے لئے دئے ہیں ان پر فیصدی دس یا فی روپیہ ایک آنہ مانگتا ہے تو حرام قطعی اور سُود ہے، اور اگر یہ مراد کہ جو نفع ہو اس میں سے دسواں یا سولھواں حصہ دینا' تو یہ حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۳

کتاب الامانات

(امانت کا بیان)

مسئلہ ۲۸: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یعقوب خاں کے مبلغ چھ روپے نیاز احمد کے ذمہ عرصہ کے چاہئے تھے، نیاز احمد کے پاس یعقوب خاں نے مبلغ بیس روپے دیکھ کر مبلغ چھ روپے اپنے لے لئے، نیاز احمد نے کہا کہ یہ روپے میرے نہیں ہیں عنایت اللہ کے ہیں، یہ کہنا نیاز احمد کا یعقوب خاں نے کچھ نہ سُنا، روپے اپنے لے لئے، پھر عنایت اللہ یعقوب خاں کے پاس آئے کہ روپے میرے مجھے واپس کردو، یعقوب خاں نے جواب دیا کہ میں نے نیاز احمد سے روپے لئے ہیں تم نیاز احمد سے طلب کرو مجھ سے کیا واسطہ، پس موافق شرع شریف کے یعقوب خاں کو روپے لینا جائز ہوئے یا نہیں اور عنایت اللہ اپنے روپے کا نیاز احمد سے تقاضا کرے یا یعقوب خاں سے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر یعقوب خاں کو معلوم تھا یا ثابت ہوگیا تھا کہ فی الواقع یہ روپے نیاز احمد کے نہیں دوسرے شخص کے ہیں، تو لینا ناجائز وگناہ ہوا، ورنہ قبضہ دلیلِ ملک ہے اور دائن جب مدیون کا مال اپنے حق کی جنس سے پائے اور وہ دین از قبیل قرض یا معجّل یا اجل گزشتہ ہو تو ہر طرح لے لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

وذٰلك بالاجماع وانما النزاع فی خلاف الجنس کما فی الدرالمختار[1] وغیرہ۔ یہ بالاجماع ہے اور اختلاف صرف جنس کے خلاف میں ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

رہا عنایت اللہ کا مطالبہ، اگر نیاز احمد نے یعقوب خاں کو خود روپے نہ دیے بلکہ یعقوب خاں نے بالجبر چھین لئے تو نیاز احمد سے مطالبہ نہیں یعقوب خاں سے ہے فانہ امین ولاضمان علی الامین الا بالتعدی ولاتعدی من المقھور المغلوب (کیونکہ یہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا ماسوائے تعدی کے جبکہ مجبور ومغلوب تعدی کرنے والا نہیں ہوتا۔ ت) اور اگر یعقوب خاں کے مانگنے پر یا زبانی اصرار پر دے دیئے اگرچہ کتنا ہی اصرار کیا ہو یا یعقوب خاں نے چھیننے چاہے یہ اگر چاہتا تو بچا لیتا مگر نہ بچائے بلکہ دے دئے تو نیاز احمد و یعقوب خاں دونوں ضامن ہیں عنایت اللہ جس سے چاہے مطالبہ کرے فان الثانی غاصب بالاخذ والاول بالدفع وترك الحفظ (کیونکہ دوسرا لینے کی بناء پر غاصب اور پہلا دینے اور حفاظت نہ کرنے پر۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

ماقولکم دام فضلکم ایھا العلماء العظام والفقھاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیما و تکریما فی ھٰذہ (اے علماء کرام اور فقہاء عظام! اللہ تعالٰی آپ کو اپنے دربار میں زیادہ تعظیم و تکریم دے، آپ کا کیا ارشاد ہے۔ ت) اس صورت میں کہ مثلاً زید کو ہندہ نے پانچ گنی فروخت کرنے کو دیں زید نے وہ گنی لے کر اپنے پیسے کی تھیلی میں کہ چار آنیاں اور دو آنیاں جس میں رکھی تھیں کپڑے میں باندھ کر رکھ دئے اور ہنوز ان گنیوں کو فروخت کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید مذکور کہتا ہے کہ ایک شخص کو روپیہ دینے کو تھیلی مذکور میں نے صندوق سے نکال کر بالکل خالی کردی اور اُلٹ دی اور شخص مذکور کو روپیہ دے کر اس خالی تھیلی کو اُسی صندوق میں ڈال دیا اور صندوق کو بند کرکے میں دوسرے کام میں مشغول ہوگیا اور ان گنیوں کا میں نے کچھ خیال نہ کیا اور میں باہر صندوق کے اُن کو بھول گیا، جب بعد چند روز کے ہندہ مجھ سے وہ گنیاں یا اس کے روپے طلب کرنے کو آئی تو میں نے تلاش گنیوں کی کی لیکن اب وہ گنیاں مجھے نہیں پاتی ہیں، اور مجھے نہیں یاد ہے کہ وہ گنیاں باہر رہ گئیں یا اور کوئی اٹھالے گیا یا میرے کم خیالی سے اُس روپیہ طلب کرنے والے کو دے دی، یہ مقولہ زید مذکور وکیل کا ہے، لہذا صورت مذکور مسئولۃ الصدر میں گنیاں متوکلہ ہندہ مذکورہ کی جائینگی یا وکیل زید مذکور کے ذمہ ضمانت دینی لازم آئے گی بیّنوا ابیانًا شافیا توجروا اجرکم اللہ اجرًا وافیا (شافی بیان فرماؤ، اپنا اجر کامل اللہ تعالٰی سے پاؤ۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زید پر ضمان لازم ہے کہ ضائع ہونا اس کی تقصیر سے ہے،

فی الھندیۃ رجل دفع الی دلال ثوبا لیبیعہ ثم قال الدلال نسیت ولا ادری فی ای حانوت وضعت یکون ضامنا کذا فی فتاوٰی قاضیخان، ولوقال وضعت بین یدی فی داری ثم قمت ونسیتھا فضاعت ینظر ان کانت الودیعۃ ما لا یحفظ فی عرصۃ الدار ولا تعد حرزا لہ کصرۃ الدراھم و الذھب ونحوھما یضمن والا فلا کذا فی محیط السرخسی[1] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دلال کو فروخت کرنے کے لئے کپڑا دیا بعد میں دلال نے کہہ دیا کہ میں بھول گیا مجھے یاد نہیں کہ میں نے وُہ کپڑا کس دکان میں رکھا ہے تو دلال ضامن ہوگا، فتاوٰی قاضیخان میں یونہی ہے، اور اگر دلال نے یُوں کہا کہ میں نے کپڑا اپنے گھر اپنی نگرانی میں رکھا پھر میں چلا گیا اور بھول گیا تو ضائع ہوگیا تو غور کیا جائے گا کہ وہ امانت ایسی ہے جس کی حفاظت کھلے گھر میں نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کو حفاظت کہا جاسکتا ہے، مثلاً دراہم کی تھیلی اور سونے اور اس کی مثل چیز، تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰ از کیمپ بریلی لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۷ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک نوٹ بکر کو اس غرض سے دیا کہ اس کا روپیہ اپنے آقا کی دکان سے لے کر بھیج دینا اور بکر سے کوئی اُجرت کسی قسم کی نہیں ٹھہری تھی اور وہ نوٹ راستہ میں گر کر گم گیا ہے تو روپیہ اس کا بکر کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ اور نیز آقا سے اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

آقا سے اُس کا کچھ تعلق نہیں، نہ بکر پر تاوان آسکتا ہے جبکہ اس نے اپنی بے احتیاطی سے نہ گمایا ہو کما ھو معلوم من حکم الامین (جیسا کہ امین کے حکم سے معلوم ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱ مسئولہ کرامت خاں بریلی غرہ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے اور وُہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۳-۳۴۲

زیورات گُم ہوگئے اب وہ اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنا دینا چاہتے ہیں، وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وہ زیور بغیر اس شخص کے تقصیر کے گُم ہوگئے تو اس کے بدلے میں اس سے کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی و ناخوشی کو دخل نہیں، بہت لوگ سُود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اُس کا لینا حلال ہوجائے گا،

اتاخذونہ بھتانا واثما مبینا[1] لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] — کیا جھوٹ اور گناہ سے لیتے ہو، آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ (ت)

لہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر باہم شرط قرار پائی ہو کہ جاتا رہے تو تاوان دیں گے تو یہ شرط بھی مردود و باطل ہے، درمختار میں ہے:

لاتضمن بالھلاك من غیر تعد و شرط الضمان باطل[3] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ — تعدی کے بغیر ہلاکت پر ضامن نہ ہوں گے اور ضمان کی شرط باطل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲

۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ کسی شخص نے کسی شخص کو کہا کہ تم مجھ کو پچاس روپیہ کی ہُنڈی منگادو، انھوں نے اقرار کیا کہ میں منگادوں گا، اس نے جاکر اُن کے ملازم کو پچاس روپیہ دے دیا، ان کے ملازم نے یہ کہا کہ ہنڈی اس وقت نہیں ملی صبح کو لادوں گا، اُس نے یہ کہا کہ اچھا روپیہ تمھارے پاس رہے، اس نے کہا کہ میں نہیں رکھ سکتا ہوں کیونکہ دکان کا کچھ اعتبار نہیں، اُس نے جواب دیا کہ میں نہیں لے سکتا ہوں کیونکہ میں جن کے واسطے ہُنڈی منگاتا ہوں ان کا نام دفتر میں لکھ چکا، اُس نے یعنی ملازم نے جاکر اپنے مالک کو روپیہ سپرد کردیا کہ میں صبح کر ہُنڈی لادوں گا، مالک نے اپنے روپیہ کی صندوقچی میں وہ روپیہ بھی رکھ دیا اور اس صندوقچی کو کھُلا چھوڑ کر دکان بند کرکے چلا گیا، رات دکان قفل بے شکستہ کھُلا پایا اور روپیہ جاتا رہا اور کسی چیز میں نقصان نہیں پہنچا اور رات کو

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۰ — [2] القرآن الکریم ۲/۱۸۸

[3] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۶

پہرہ والا پھرتا تھا انھوں نے دیکھا کہ دکان کا قفل کھلا ہُوا ہے، اُس نے چوکیدار سے دریافت کیا کہ اس دکان کا مالک کون ہے اور اس کا گھر کہاں پر ہے، ان کا گھر دُور ہونے کی وجہ سے چوکیدار نے ملازم کا گھر بتادیا، پہرہ والا نے ملازم سے کہا کہ تمھاری دکان کا قفل کُھلا ہے، اُس نے کہا کہ میں تو دکان بند کر کے آیا تھا، غرض کہ وہ ملازم پہرہ والا کے ساتھ آیا اور پہرہ والا نے پوچھا کہ کچھ مال وغیرہ تو نہیں گیا، پھر اس نے دکان بند کرنا چاہا، پہرہ والا نے منع کیا کہ جب تک کوتوالی میں یہ احوال نہ لکھا لو بند نہ کرو، اس نے کوتوالی میں بھی لکھوادیا کہ دکان بے نقصان کُھلا ہُوا پایا اور صبح انھوں نے کہا کہ روپیہ جاتا رہا اور اکثر دکان کا ایسا اتفاق ہوا کہ دکان بند رہا روپیہ جاتا رہا، اور اسی روز کی صبح کو مالکِ دکان نے دُو ملازموں کو موقوف کیا، ایک ان میں روپیہ لے جانے والا تھا اور دوسرا اور کوئی تھا، بعد اس کے ہُنڈی کے روپیہ والے کو نہ ملازم نے اطلاع دی نہ مالک نے، کوئی بیس روز کے عرصہ کے بعد یہ عذر پیش کیا کہ روپیہ جاتا رہا، اب اس صورت پر از رُوئے شرع شریف کے روپیہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ روپیہ ملازم پر عائد ہوتا ہے اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے کہ جب اس نے اُس شب صراحۃً کہا کہ کچھ نہیں گیا تو یہ اقرار ہوا کہ زرِ امانت موجود ہے پھر بعد کو یہ دعوٰی کہ اس وقت روپیہ جاچکا تھا اگلے قول کا صریح خلاف ہے جو ہرگز مسموع نہ ہوگا، اور اگر اس کے بعد جانے کا دعوٰی کرے جب بھی اس پر تاوان لازم ہے کہ جب زرِ امانت اس وقت تک موجود تھا رات کے وقت ایسی حالت میں کہ بازار بند ہے، کھُلی دکان چھوڑ کر کوتوالی کو چلا جانا حفاظت میں تقصیر ہے، ہاں اگر اس کا یہ بیان ہو کہ اس وقت تک روپیہ نہ گیا تھا اور وُہ جب کوتوالی لکھوانے کے لئے گیا تو دکان کا مالک یا اور کوئی محافظ جو اُس کا اور ملازم کا اجنبی نہ ہو بیٹھا رہا حفاظت کرتا رہا پھر اس نے دکان بند کردی اور اس کے بعد صبح تک میں کسی وقت جاتا رہا تو تاوان نہ آتا،

في الهندية عن الفصول العمادية اذا طلب الوديعة فقال اطلبها غدًا ثم قال في الغد ضاعت فانه يسئل ان قال ضاعت قبل قول اطلبها غدًا يضمن وان قال ضاعت بعده

ہندیہ میں فصول العمادیہ کے حوالے سے ہے جب مالک نے اپنی امانت طلب کی تو رکھنے والے نے کہا کل لینا، پھر کل کو کہا وہ ضائع ہوگئی ہے تو اس سے پُوچھا جائے گا کہ کب ضائع ہوئی، اگر کہے میرے جواب کہ کل لے جانا سے پہلے ضائع ہُوئی، تو ضامن ہوگا، اور اگر کہے اس سے بعد ضائع ہوئی تو ضامن

لاللتناقض فی الاول دون الثانی[1] و فیہا من التتارخانیۃ قال لفلان عندی الف درھم ودیعۃ ثم قال بعد ذلک قد ضاعت قبل اقراری فھو ضامن ولو قال کانت لہ عندی الف درھم وضاع فالقول قولہ ولاضمان[2]، وفی العقود الدریۃ عن الخلاصۃ والبزازیۃ یلزمہ الضمان للتناقض لان قولہ اطلبہا غدًا اقرار منہ انہا ماضاعت فاذا قال ضاعت کان تناقضا[3] وفی الھندیۃ عن الخانیۃ اذا سرقت الودیعۃ من دار المودع وباب الدار مفتوح والمودع غائب عن الدار قال محمد بن سلمۃ رحمۃ اللہ تعالٰی کان ضامنا و قال ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن اغلق الباب فسرق منہ الودیعۃ لایضمن یعنی اذا کان فی الدار حافظ[4]، وفیہا عن التاتارخانیۃ عن النہایۃ استحفظ المودع الودیعۃ فی بیتہ بغیرہ بان ترك الودیعۃ والغیر فی بیتہ وخرج ھو بنفسہ ضمن اھ

نہ ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں تناقض ہے اور دوسری صورت میں نہیں ہے، اور اسی میں تاتارخانیہ سے ہے کہ اس نے کہا میرے پاس فلاں کے ہزار درہم امانت ہیں، پھر اس کے بعد کہتا ہے وہ ضائع ہوگئے اور میرے اقرار سے قبل ضائع ہوئے تو وہ ضامن ہوگا، اور اگر یُوں کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہزار امانت تھے جو ضائع ہوگئے تو اس کی بات مان لی جائیگی اور ضمان نہ ہوگا۔ عقود الدریہ میں خلاصہ اور بزازیہ سے منقول ہے کہ تناقض کی صورت میں ضمان ہوگا کیونکہ اس کا کہنا مجھ سے کل لے لینا، یہ ضائع نہ ہونے کا اقرار ہے تو اب کہنا ضائع ہوگئے، دونوں باتوں میں تناقض ہے، اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ جب مودع (جس کے پاس امانت رکھی) کے گھر سے امانت چوری ہوگئی درانحالیکہ دروازہ کھلا رہا اور مودع غائب تھا تو محمد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا، اور ابونصر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب دروازہ کھلا رہتا ہو تو چوری ہونے پر ضامن نہ ہوگا، یعنی اس صورت میں کہ گھر پر محافظ موجود رہتا ہو، اور اسی میں تاتارخانیہ سے بحوالہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۵۲

[2] " " " " الباب التاسع " " " ۴/ ۳۵۶

[3] العقود الدریۃ " ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۷۴

[4] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۴۴

[5] " " " الباب الثانی " " " ۴/ ۳۴۱

واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

نہایہ منقول ہے کہ گھر میں امانت کی حفاظت کیلئے دوسرے کو مقرر کیا اور پھر امانت اس کے سپرد کرکے خود چلا گیا تو ضامن ہوگا اھ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بتقریب نیاز جناب پیران پیر غوث الاعظم دستگیر علیہ السلام عمرو سے دیگ کرایہ پر لی، وہ دیگ اسی شب کو زید کے مکان سے چوری ہوگئی، اب عمرو اس کی قیمت مانگتا ہے، بموجب حکم شرع شریف زید کو اس کی قیمت واجب الادا ہے یا نہیں؟ زید نے چوری جانے کے دیگ کی اطلاع سرکار میں کردی اور اس کی تحقیقات بھی ہوئی لیکن ابھی تک دیگ نہیں ملی، فقط۔

الجواب

اگر زید نے دیگ حفاظت کے مکان میں رکھی ہے جہاں وہ اپنے برتن وغیرہ رکھتا ہے تو اس پر الزام نہیں اور اس سے تاوان لینا جرم ہے، ہاں اگر بے خیالی بے پروائی کی ہو غیر محفوظ مکان میں رکھی باہر چھوڑ دی ہو تو اس صورت میں زید کو ضرور اس کی قیمت دینی آئے گی اور "علیہ السلام" لفظ بالاستقلال حضرات انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہے ان کے غیر کے لئے استقلالاً جائز نہیں۔ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: از بدایوں مسئولہ سید حسین علی صاحب بدایونی ۱۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کچھ فقیر سید حسین کا جمع کیا ہوا پاس حاجی ذاکر علی صاحب کے موجود ہے جو بغرض اخراجات حج بیت اللہ شریف وبصورت بقائے حیات بنابر خورد ونوش بھائی مولوی سید اشفاق علی حقیقی چچا اہلیہ سید حسین مذکور بایں بیان جمع کیا گیا ہے کہ بھائی صاحب موصوف کو کسی قسم کی تاحیات تکلیف نہ ہو اگر ضرورت ہوگی تو میں سید حسین اور بھیجوں گا اور حسب بیان حاجی ذاکر علی صاحب کے سید حسین نے حاجی صاحب سے کہا کہ اگر خدا نخواستہ سید اشفاق علی ممدوح کا انتقال ہوجائے اور زر مجتمعہ مذکور سے کچھ بچ رہے تو بچا ہوا روپیہ سید حسین مذکور کو دیا جائے۔ اس کے بعد سید اشفاق علی صاحب بہمراہی حاجی ذاکر علی صاحب حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے اور تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب موصوف کے حاجی ذاکر علی صاحب اسی رقم مجتمعہ سے کرتے رہے بقضائے الٰہی بعد ادائے حج شریف

بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ بھائی سید اشفاق علی صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا، مرحوم کی تجہیز و تکفین و تدفین میں بھی جو کچھ صرف ہوا وُہ بھی رقم مجتمعہ مذکور سے ہُوا اس کے بعد جبہ اخراجات سید اشفاق علی صاحب مرحوم ازیوم روانگی ہندوستان تا یوم تدفین سید اشفاق علی صاحب مجرا ہو کر پاس حاجی ذاکر علی صاحب حسب تحریر بیان حاجی صاحب موصوف مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے باقی بچے وہ بھائی سید لیاقت علی صاحب نے واسطے دینے سید حسین مذکور کے حاجی صاحب موصوف سے طلب کئے، حاجی ذاکر علی صاحب نے فرمایا کہ یہ روپیہ مجھ کو سوائے سید حسین کسی کو نہیں دینا چاہئے وُہ مجھ سے کہہ گئے ہیں سوائے میرے کسی کو نہ دیجئے گا میں ذاکر علی سوائے سید حسین مذکور کے کسی کو نہیں دُوں گا، اس گفتگو میں کچھ طول ہوا کہ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی جنھوں نے بذریعہ ہجرت سکونت متصل مکہ معظمہ میں کرلی ہے، فرمایا جھگڑا ہر گز مت کرو میں بھی بدایوں کا رہنے والا ہُوں اور اب یہاں رہتا ہوں بدایوں کی سخت ذلت ہوگی، نزاع تو صرف اس بات پر ہے کہ روپیہ سید حسین نے جمع کیا ان کو ملنا چاہئے سو آپ سید لیاقت علی صاحب اطمینان فرماتے، ابھی حاجی ذاکر علی صاحب کا مال فروخت نہیں ہوا جس وقت حاجی صاحب ممدوح کا مال فروخت ہو گیا میں عزیز بخش ذمہ دار رہتا ہوں اور آپ سید لیاقت علی صاحب سے وعدہ کرتا ہُوں کہ یہ مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے سید حسین مذکور کے نام سے دہلی والوں کی دکان پر جو یہاں ہے جمع کرادوں گا، ہندوستان میں یہ روپیہ سید حسین مذکور کو مل جائے گا، چنانچہ مطمئن ہوکر بھائی سید لیاقت علی صاحب مکہ معظمہ سے بشوق دیدار روضۂ مبارک حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات روانہ مدینہ منورہ ہو گئے اور جو تحریر حضور والا کے پاس مرسلۂ حاجی ذاکر علی صاحب موصوف معرفت حاجی عبدالرزاق صاحب آئی اس میں تحریر تھا کہ سید حسین مذکور کے جمع کئے ہوئے روپے میں سے بعد تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب ذمہ حاجی ذاکر علی کے پاس ۱ ما طے بچا ہے اور جمع ہے تحریر ہذا کی صداقت میں حاجی لیاقت علی شہادت دیتا ہُوں کہ میں نے اپنا نام شروع تحریر میں بھی لکھ دیا ہے فقط راقم سید حسین قادری۔ دستخط گواہ بیان تحریر ہذا سید لیاقت علی ۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ۔

الجواب

اگر بیان مذکور واقعی ہے تو اس روپیہ کا مستحق سوائے سید حسین کے کوئی نہیں ہے۔ وارثانِ سید اشفاق علی کا اُس میں کُچھ حق نہیں، حاجی ذاکر علی امین پر فرض ہے کہ بقیہ چار سو پچیس روپیہ دو آنہ تمام و کمال سید حسین کو ادا کرے، ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ روپیہ سید حسین نے سید اشفاق علی کو قرض نہ دیا کہ بحال انتقال بقیہ کو واپسی کو کہا تھا، قرض ہوتا تو بہرحال تمام و کمال واپس ہونا لازم ہوتا

لاجرم یہ روپیہ ایک امرِ خیر میں اعانت کے لئے دیا جس طرح مصارفِ خیر کے چندے ہوتے ہیں ایسی حالت میں وہ روپیہ مِلکِ مالک پر رہتا ہے اور اُس کی اجازت سے اُسی مصرفِ خیر میں صرف ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کچھ باقی بچے تو اسے واپس دینا یا اس کی اجازت و رضا سے کسی اور مصرف میں صرف کرنا لازم ہوتا ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے :

رجل مات فی مسجد قوم فقام احدھم وجمع الدراھم ففضل من ذٰلک شیئ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ[1]

اگر کسی قوم کی مسجد میں مسافر فوت ہوگیا اور ایک شخص نے اس کے کفن دفن کے لئے چندہ سے کچھ دراہم جمع کئے اور کچھ بچ گئے تو اس کو معلوم ہے کہ بچے ہوئے دراہم فلاں کا چندہ ہے تو اس کو واپس کر دے۔ (ت)

درمختار میں ہے :

ان فضل شیئ رد للمتصدق[2]

اگر بچ جائیں تو جس کا چندہ ہو اسے واپس کرے۔ (ت)

بلکہ جو کچھ سید اشفاق علی کی موت و تجہیز و تکفین میں صرف کیا اُس کا بھی ضمان حاجی ذاکر علی پر لازم ہے کہ سید حسین نے صرف حیاتِ سید اشفاق علی تک اجازت دی اور باقی کی واپسی کو کہا تھا بلکہ مولوی عزیز بخش کا جواب کہ حاجی ذاکر علی کا مال بک جائے تو دیگے دلالت کر رہا ہے کہ وہ مال حاجی مذکور نے خرچ کر دیا جس کی نسبت بیان سائل ہے کہ بمبئی میں اُس کا کُل مال حاجی ذاکر علی نے خرید لیا پھر اپنے پاس سے مصارف سید اشفاق علی میں صرف کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو سارا زرِ ضمانت جس قدر سپرد کیا تھا سب کا تاوان حاجی ذاکر علی پر حسین کے لئے لازم ہے پورا واپس دے اور جو کچھ مصارف حیات و وفاتِ سید اشفاق علی میں اٹھایا وہ حاجی ذاکر علی کا تبرع و احسان تھا جس کے عوض وہ کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ عالمگیریہ میں ہے :

رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق من تلک الدراھم فی حاجتہ ثم رد بدلہا فی نفقۃ المسجد

ایک شخص نے لوگوں سے چندہ جمع کیا تاکہ مسجد تعمیر کی جائے تو اس نے چندہ کی کچھ رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرلی اور اس کے بدلے رقم چندہ میں دے دی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

[2] درمختار " باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال ردّ علیه او سألہ تجدید الاذن فیه (الی قوله) لکن ھذا یجب ان یکون فی رفع الوبال اما الضمان فواجب کذا فی الذخیرۃ۔[1] واللّٰہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔

تو یہ جائز نہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ رقم دینے والے کو واپس کرے اگر اس کا علم ہو یا پھر اس سے دوبارہ مسجد میں صرف کی اجازت لے' اس کے آخر میں فرمایا، لیکن یہ مذکور حکم گناہ کے وبال کو ختم کرنے کے لئے ہے تاہم ضمان تو وہ اس پر بہرصورت واجب ہے، یُوں ذخیرہ میں ہے۔ واللہ سبحانہٗ تعالٰے اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵: مستفسرہ مظہر حسین بہاری پور بریلی روز دوشنبہ ۲۲ رجب ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ کے پاس مبلغ پچیس عدد اشرفی بطور امانت کے رکھ دی تھی، بعد چند روز کے جب اس سے وہ اشرفی طلب کی تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں جاکر لادُوں گی، یہ کہہ کر لینے کو گئی، جب اپنی ماں کے مکان سے واپس آئی تو کہا کہ میری والدہ نے کہا کہ وہ اشرفیاں تیرے باپ نے مجھ سے لے کر تیرے بھائی کے مقدمہ میں صرف کر دی ہیں اور یہ کہا ہے کہ بہت جلدی ان کی فکر کر دی جائے گی اطمینان رکھو پھر دوبارہ چند روز کے بعد لینے کو گئی تو پندرہ یوم کے بعد واپس آئی تو جو زیور کہ خود پہنے ہُوئے تھی اور اس کے خاوند کا بنوایا ہوا تھا قریب دو سو روپے کے وہ بھی وہ اپنے والدین میں چھوڑ آئی، جب اس سے دریافت کیا کہ تُو نے زیور کس کو دیا، تو کہا کہ ایک عورت قرابت کی ہے اور وہ شادی میں گئی ہے مجھ سے مانگ کر لے گئی، اس کے خاوند نے اس سے کہا کہ تُو نے بلا اجازت میری اپنا زیور بھی دے دیا اور اشرفیاں بھی دے دیں اور اکثر کام تو میری بلا اجازت کرتی ہے تو میرے کام کی نہیں میں تم کو طلاق دیتا ہُوں یہ کہہ کر طلاق دے دی اور وُہ عورت اپنے والدین میں مع اپنے اسباب کے چلی گئی تو اب وُہ اشرفی کا روپیہ اور وُہ زیور خاوند اس کا کس سے پا سکتا ہے، آیا اس عورت یا اس کی ماں سے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زیور کا مطالبہ خاص عورت سے ہے اس کی ماں سے تعلق نہیں، اشرفیوں کے بارے میں سائل نے بیان کیا کہ جب عورت سے مانگیں تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں' اس

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۰

پر زید ناراض ہوا کہ کیوں بے اجازت اسے دیں اور ماں باپ کے پاس دوسرے کی امانت رکھ دینے میں اکثر علماء کا اختلاف ہے، فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی خلاصہ وغیرہما میں اس کا جواز اس شرط پر ہے کہ وُہ اور یہ ایک ہی ساتھ رہتے ہوں ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الابوان کالاجنبی حتی یشترط کونھما فی عیالہ کذا فی الخلاصۃ[1]

امانت کی حفاظت کے معاملہ میں والدین اجنبی کے حکم میں ہیں جب تک کہ وہ اس کی عیال میں نہ ہوں عیال میں ہونا شرط ہے، یوں خلاصہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وتفسیر من فی عیالہ فی ھذا الحکم ان یساکن معہ سواء کان فی نفقتہ اولا کذا فی الفتاوی الصغرٰی وھکذا فی فتاوی قاضی خان[2]

اس حکم میں عیال کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ سکونت پذیر ہوں اس کے نفقہ میں شامل ہوں یا نہ ہوں، فتاوی صغرٰی اور فتاوی قاضیخان میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اور علامہ مقدسی نے فتوٰی اس پر نقل کیا کہ اس کا ساتھ رہنا شرط نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

وفیہ ای فی المقدسی لایشترط فی الابوین کونھما فی عیالہ وبہ یفتی[3]

اس میں یعنی مقدسی میں ہے والدین کے معاملہ میں ان کا اس کی عیال میں ہونا شرط نہیں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امین جس کے پاس امانت رکھی اس کا اس مال کی نسبت قابلِ اطمینان ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے فقط اس امین کے ذاتی مال پر امین ہونا کافی نہیں کہ یہ امر باختلافِ مالکِ مال بدلتا ہے مثلاً اکثر زنانِ زمانہ اپنی دختر کے مال میں ضرور قابلِ وثوق ہیں مگر اس سے داماد کے مال پر اطمینان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ بارہا ماں بیٹی دونوں اس کے تلف میں ہم زبان ہوجاتی ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

للمودع ان یدفع الودیعۃ الی من کان فی عیالہ کان المدفوع

مودع کو جائز ہے کہ امانت اپنے عیال کو سپرد کردے اور عیال میں سے بیوی یا اولاد یا والدین ہوں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹

[2] " " " " " ۴/ ۳۳۹

[3] ردالمحتار کتاب الایداع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۵۱

الیہ کزوجتہ او ولدہ او والدیہ اذالم یکن منھما یخاف منہ علی الودیعۃ ھکذا فی فتاوٰی قاضیخان[1]۔ بشرطیکہ ان کے پاس امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ فتاوٰی قاضی خان میں یوں ہے۔ (ت)

لہذا عورت کا یہ فعل کہ اشرفیاں اپنی ماں کو دے آنا بتاتی ہے مسلّم نہ ہوگا، عورت پر اشرفیوں کا تاوان ہے اگر معلوم ہو کہ واقعی اپنی ماں کو دے آئی تھی اور ماں نے اس کے باپ کو دیں اس نے مقدمہ میں صرف کیں، گو زید کو اختیار ہے کہ عورت یا اس کی ماں یا اس کے باپ جس سے چاہے اس کا تاوان لے لانھما کالغاصب الغاصب فلما لک ان یضمن من شاء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ کیونکہ وہ دونوں غاصب کے غاصب کی طرح ہیں تو مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: مرسلہ عبدالرحیم و ابوالفضل محمد مظہر از ضلع ہگلی دانمباڑی ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ

ایک شخص نے زید کو دو سو روپے دئے کہ اس کا سونا خرید کر زیور بنوا دینا، اس نے سونا خرید کر جیب میں رکھا، سُنار کو دینے جا رہا تھا کہ جیب سے نکل گیا یا کسی نے جیب کتر لی تو یہ نقصان کس کا ہوا؟

الجواب

وہ شخص امین ہے جبکہ اس نے حفظ میں قصور نہ کیا اور جاتا رہا اس پر تاوان نہیں، ہاں اگر اس نے غفلت کی مثلاً جیب پھٹی ہوئی تھی اس میں سے نکل جانے کا احتمال تھا اس نے ڈال لیا اور وہ نکل گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے لانہ متعد والمتعدی ضامن (کیونکہ یہ تعدی کرنے والا ہوا اور تعدی کرنے والا ضامن ہوتا ہے) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷: از مقام چتوڑگڑھ علاقہ اودے پور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب روز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کافر مرگیا اور کوئی وارث قریب و بعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دے دے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے، تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو؟

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹

الجواب

جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اُس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنیٰ نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر و ثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مرگیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع مِلک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہوجواب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص مِلکِ خدا ہے لہٰذا فقراء کو دیا جائیگا یا مساجد یا مصارفِ دینیہ میں صرف کیا جائے، اور اگر فقیر ہے تو اُسکیا فیصل ہوگیا۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۳۸ مسئولہ حافظ تعین صاحب ملوکپور بریلی روز یکشنبہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کی بھاوج ہندہ نے دو ہزار روپیہ جمع کر دیا ہے زید دس روپے ماہوار اپنی بھاوج ہندہ کو دیتا ہے، زید نے کئی مرتبہ ہندہ سے اجازت چاہی کہ روپیہ تجارت میں لگا دے مگر ہندہ نے اس وجہ سے کہ تجارت میں روپیہ لگا دینے سے ہر وقت نہیں مل سکتا ہے اجازت نہ دی، زید نے یہ روپیہ تجارت ہی میں لگا دیا ہے مگر ہندہ اپنا روپیہ جس وقت طلب کرے زید دے سکتا ہے نفع زیادہ ہونے کی حالت میں دس روپے کے علاوہ بھی زید دیتا رہتا ہے مگر کبھی حساب کر کے روپیہ نہیں دیا، زید کا قصد ہے اگر اُس کی بھاوج اپنا روپیہ لے لے تب بھی کچھ خدمت کرنے کا ہے، ایسی حالت میں یہ دس روپیہ ماہوار کیا سود ہوگا؟ اگر سود ہوگا تو بچنے کی کیا صورت ہے؟ فقط

الجواب

جبکہ ہندہ نے تجارت کی اجازت نہ دی تو یہ مضاربت نہیں ہوسکتی، ہندہ نے اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کیا تھا تو یہ قرض نہ تھا ودیعت تھا اُس وقت تک زید اگر بطور خود اسے کچھ دیتا رہا تو وہ نہ قرض کا نفع تھا نہ کسی عقد معاوضہ میں زیادتی، لہٰذا سود نہیں ہوسکتا تھا بلکہ زید کی طرف سے ایک تبرع و احسان تھا، اب کہ زید نے بلا اجازت ہندہ اُسے تجارت میں لگا دیا تو زید غاصب ہوگیا اس پر تاوان آیا اب وُہ ہندہ کا مدیون ہوا اگرچہ اُس دین کی وجہ سے دیتا ہے تو دینا اور لینا حرام اور سود ہے، اور اگر تصریح کر دے کہ اس کی وجہ سے نہیں بلکہ خود ایک خدمت کرتا ہے اور اگر روپیہ ادا بھی ہوجائے گا تب بھی کرتا رہے گا تو سود نہیں مگر احتیاط اولیٰ ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

ع اصل میں اسی طرح ہے لیکن سیاق عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبارت یہ ہوگی کہ "اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے"۔

مسئلہ ۳۹ مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ
۲۶ صفر ۱۳۳۵ھ

روپیہ مدرسہ اسلامیہ کا اگر کسی مسلمان سیٹھ کے یہاں پر امانت اس کے کاغذان میں جمع کردیا جائے اور وہ رقم بشمول اس کے دیگر کے صرف میں آگئی مگر کاغذان میں امانت ہی جمع ہے اور جب اس کے محافظ اُس رقم کو طلب کریں تو فوراً دے سکتا ہے تو ایسا استعمال رقم مذکورہ میں سیٹھ مذکور پر شریعت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے یا کہ اس رقم کو وہ سیٹھ علیحدہ شمار کرکے رکھ چھوڑے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زرِ امانت میں اس کو تصرف حرام ہے، یہ اُن مواضع میں ہے جن میں دراہم و دنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اُس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا والمسئلۃ منصوص علیہ فی الدرالمختار وکثیر من الاسفار (یہ مسئلہ درمختار اور بہت سی کتابوں میں منصوص ہے۔ ت) مہتمانِ انجمن نے اگر صراحۃً بھی اجازت دے دی ہو کہ تم جب چاہو صرف کرلینا پھر اس کا عوض دے دینا، جب بھی نہ سیٹھ کو تصرف جائز نہ مہتموں کو اجازت دینے کی اجازت کہ مہتمم مالک نہیں، اور قرض تبرع ہے اور غیر مالک کو تبرع کا اختیار نہیں، ہاں چندہ دہندہ اجازت دے جائیں تو حرج نہیں، اُس حالت میں جب سیٹھ تصرف کرے گا روپیہ امانت سے نکل کر اس پر قرض ہوجائے گا جو عند الطلب دینا آئے گا اگرچہ کوئی میعاد مقرر کردی ہو،

فان التاجیل فی القرض باطل کما فی الدرالمختار[1] وغیرہ۔	کیونکہ قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنا باطل ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۰ از جبلپور چھاؤنی مرسلہ عبدالوحید خاں صاحب اسسٹنٹ ماسٹر اسکول لعیس نائک نمبر ۳۴۳ پلاٹون نمبر ۸ کمپنی بی پلٹن ۲/۹۱ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو چند قطعات نوٹ پانچ پانچ روپیہ کے اور دس دس روپیہ کے بطور امانت کے رکھنے کو دیئے اور یہ بھی اجازت دے دی کہ تو اس امانت

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹

میں سے حسب ضرورت اپنی خرچ کرسکتا ہے لیکن آئندہ ماہ میں یہ سب امانت مجھ کو واپس دینا ہوگی بکر نے وہ سب نوٹ اپنی جیب میں رکھ لئے حالانکہ سوائے اس امانت کے بکر کی جیب میں اور کچھ نوٹ یا نقدی بالکل نہیں تھی بکر بموجب اجازت زید کے ڈاکخانہ کو واسطے کرنے منی آرڈر اپنے مکان کو گیا اور اُسی امانتی نوٹوں میں سے منی آرڈر اپنے مکان کو گیا، وہاں پر آدمیوں کا اژدحام زیادہ تھا یقیناً کسی چور نے ایک نوٹ دس روپیہ والا جیب سے نکال لیا کیونکہ اُسی وقت ڈاکخانہ پر ہی حساب کرنے سے معلوم ہوگیا کہ نوٹ چوری گیا، ایسی حالت میں بکر نوٹ مسروقہ کا تاوان کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اور زید بکر سے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ حالانکہ زید کو بھی یقین ہے کہ نوٹ ضروری چوری گیا۔

الجواب

وہ روپیہ امانت تھا اور زید نے بکر کو وقت حاجت صرف کرنے کی اجازت دی تھی تو جس قدر کا اس نے منی آرڈر اپنے گھر کو بھیجا وہ امانت سے نکل کر قرض ہوگیا اور جتنے نوٹ باقی رہے وہ بدستور امانت رہے ان میں سے جو نوٹ جاتا رہا اگر بکر کی بے احتیاطی سے گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے ورنہ ہرگز نہیں۔

مسئلہ

۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایک ضرورت سے بانکی پور جانا ہے، ۹ ربیع الاول شریف کو گیا سے اُس کے پاس ایک شخص آیا اور ایک خط دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ گریڈیہہ میں ۱۰، ۱۱ ربیع الاول کو وعظ و میلاد کا جلسہ ہے، متعدد علماء کے پاس خطوط گئے ہیں مگر کسی کے آنے کی امید نہیں، آپ ضرور تشریف لائیے ورنہ ہماری سخت ذلت ہوگی، زید نے عذر کیا کہ مجھے مجبوری ہے میں جس کا نوکر ہوں وہ یہاں نہیں ہیں بغیر ان کی اجازت کے میں نہیں جا سکتا، اس پر عمرو نے رائے دی کہ وہ تو کوئی دُور جگہ نہیں ہے، یہ صاحب وہاں جا کر اجازت لا سکتے ہیں چنانچہ وہ شخص وہاں گیا اور اجازت لے آیا، عمرو یہاں جانے آنے کا کرایہ یکہ کا ہوا، اس کے بعد ۹ بجے شب کی گاڑی سے دونوں روانہ ہوکر گیا پہنچے عمرو سہسرام سے گیا تک کرایہ ہوا، جب وہ شخص اجازت لینے کے لئے گیا تو زید نے ٹائم ٹیبل دیکھا معلوم ہوا کہ یہاں سے گریڈیہہ جانے کیلئے تین راستہ ہے، ایک براہ کیول، دوم براہ بانکی پور، سوم براہ آسنسول۔ زید نے خیال کیا کہ اچھا موقع ہے اسی ضمن میں بانکی پور ہوتے چلیں گے، گیا سے ۹ بجے دن کو ایک گاڑی چھوٹتی ہے جو براہ کیول ۸ بج کر ۴۳ منٹ شب کو گریڈیہہ پہنچتی ہے، زید نے گیا میں یہ رائے قائم کی اگر اس گاڑی سے

جاتا ہوں تو ۹ بجے شب کو پہنچوں گا اس وقت میں تکان سفر کی وجہ سے آج تقریر نہ کرسکوں گا سوا اس کے کہ جو کچھ کہنا ہو کل کہوں مجھے ضرورت بانکی پور کی بھی ہے بہتر ہے کہ اس وقت ۸ بجے روانہ ہو جاؤں اور بانکی پور پہنچ کر دن بھر ٹھہروں پھر شب کی گاڑی سے روانہ ہو کر صبح گرِیدِیہہ پہنچوں پھر خیال کیا کہ شب کی گاڑی سے روانگی میں وہاں ۵ بجے صبح کو گاڑی پہنچے گی وہ وقت تکلیف کا ہے لوگ اسٹیشن تک آئیں یا نہ آئیں بہتر ہے کہ بانکی پور سے صبح کی گاڑی سے روانہ ہوں تاکہ وہاں ایک بجے پہنچنا ہو، چنانچہ اسی مضمون کا تار ۱۲ کا وہاں دینے کو کہہ دیا کہ زید کل ایک بجے پہنچے گا اس کے بعد صبح ۷ بجے زید بانکی پور روانہ ہوا عہ ۱۵/۰ اس کو سفرخرچ دیا گیا اُس کا مصمم قصد تھا کہ حسبِ قرارداد میں صبح کو ضرور روانہ ہو جاؤں گا مگر ایک ضرورت کی وجہ سے نہ جاسکا پھر بھی قصد کیا کہ ۱۰ بجے دن کو ایک گاڑی جاتی ہے اس سے جائیں جو وہاں ۸ بج کر ۴۲ منٹ کو پہنچے گی مگر جس کے یہاں جانا تھا نہ اس کا محلہ معلوم نہ نام ہی معلوم ہے، تار کے اعتماد اور استقبال کے خیال پر زید نے یہ دریافت نہ کیا تھا اب سخت پریشان ہوا کہ کیا کروں کہ اب آگے جانا مفت میں پریشانی اٹھانا ہے یا اگر منزلِ مقصود تک رسائی ہوگی تو تھکا ہوا ہوں تقریر نہ کرسکوں گا مفت میں بلانے والے کا روپیہ صرف کرنا ہے اسی ہیص بیص میں اس گاڑی کا وقت بھی نکل گیا اس لئے وہ واپس سہسرام آگیا اس عہ ۱۵/۰ میں سے ۲/ گیا سے بانکی پور اور بانکی پور سے سہسرام تک صرف ہوا، اب سوال یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں زید کو کس قدر روپیہ واپس کرنا ہوگا ۱۲/ جو بچا ہے یا پورے عہ ۱۵/۰ یا عہ ۴/ جس میں کل خرچ اجازت لینے والے کا یکہ و تار و ٹکٹ تا سہسرام تا گیا و قلی کی اجرت ہے اور جو کچھ واپس دے گا اُس کی فیس منی آرڈر کس پر ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بانکی پور سے سہسرام تک واپسی میں جو صَرف ہوا وہ ضرور ذمّہ زید ہے کہ روپیہ اُسے جس سفر کیلئے دیا گیا یہ وُہ سفر نہیں بلکہ اُس کا نقض ہے اور موضعِ مقصود کی راہ معہود میں اگر بانکی پور نہیں پڑتا بلکہ اس میں پھیر اور صرف زائد ہے جسے زید نے گیا سے اپنی حاجت کے لئے اختیار کیا تو قدر زیادت کا واپس دینا تو ہوگا ہی، اور اظہر یہ ہے کہ گیا سے بانکی پور تک کا کل کرایہ واپس دے کہ یہ سفر اس کا اپنی غرض کے لئے تھا،

فی الدرالمختار من متفرقات البیوع المرأۃ اذا کفنت بلا اذن الورثۃ

تو درمختار کے متفرقات البیوع میں ہے، بیوی نے ورثاء کی اجازت کے بغیر خاوند کو کفن دیا اور وُہ

كفن مثله رجعت فی الترکة ولو اکثر لاترجع بشیئ قال رحمه الله تعالٰی ولو قیل ترجع بقیمة کفن المثل لایبعد[1] اھ وفی وجیز الکردری لاترجع وان قیل ترجع بقدر کفن المثل فله وجه[2] اھ وفی الخلاصة لاترجع بقدر کفن المثل ایضا فان قال قائل ترجع بقدر کفن المثل فله وجه اھ[3] وفی وصایا التنویر والدر لو زاد الوصی علی کفن مثله فی العدد ضمن الزیادة وفی القیمة وقع الشراء له وحینئذ ضمن مادفعه من مال الیتیم ولوالجیة[4] اھ وفی العقود الدریة فی معین المفتی اذا زاد فی عدد الکفن ضمن الزیادة فان زاد فی قیمة الکفن ضمن الکل کذا فی السراجیة

کفن بازاری قیمت کے مساوی تھا تو ترکہ سے اس کی قیمت واپس لے سکے گی، اور اگر بازاری قیمت سے زائد کیا تو کچھ بھی واپس نہ لے سکے گی' اور اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے انھوں نے فرمایا اگر کہا جائے کہ مثلی قیمت میں رجوع کرسکتی ہے تو بعید نہ ہوگا، اھ۔ اور وجیز الکردری میں ہے کہ زائد قیمت کی صورت میں رجوع نہیں کرسکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ مثلی قیمت تک رجوع کرسکتا ہے تو اس کی وجہ ہوسکتی ہے اھ، اور خلاصہ میں ہے کہ مثلی کفن تک بھی رجوع نہیں کرسکتی، اور اگر کوئی یہ کہے کہ مثلی کفن تک رجوع کرسکتی ہے تو اس کی وجہ ہے اھ، اور تنویر الابصار اور درمختار کے وصایا کے بیان میں ہے کہ اگر وصی نے کفن کی تعداد میں زیادتی کی تو زائد کا ضامن ہوگا اور یہ عدد مثلی کفن کی قیمت میں خریدہوا تو خرید اسکی ہوگی اور اس وقت اس کی خرید میں یتیم کا جتنا مال خرچ ہوا اس کا ضامن ہوگا، ولوالجیہ اھ۔ اور عقود الدریہ میں ہے کہ معین المفتی میں فرمایا اگر کفن کے عدد میں زیادتی کی ہو تو صرف زیادتی کا ضامن ہوگا اور اگر قیمت زائد دی ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا، ایسے ہی سراجیہ میں ہے۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۲۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۳۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

قلت وقد علله بانه اذا زاد فی القیمة یکون مشتریا لنفسه وھو ضامن لمال المیت اھ نھج النجاة من الوصایا، ووجه کونه مشتریا لنفسه ان الوصی اذا زاد فی القیمة صار متعدیا فی الزیادة وھی غیر متمیزة فیکون مشتریا لنفسه متبرعا فی تکفینه بخلاف ما اذا زاد فی عدد الکفن فانه یضمن الزیادة فقط لانھا متمیزة[1]

میں کہتا ہوں اس کی علت انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ قیمت جب زائد دی تو وہ خریدار اپنے لئے ہوا اور میّت کے مال کا ضامن ہوا، اھ نہج النجاۃ من الوصایا۔ اس کے ذاتی خریدار بننے کی وجہ یہ ہے کہ وصی نے جب قیمت زائد دی تو اس مقدار میں وہ متعدی ہوا جبکہ اس مقدار کا قیمت میں امتیاز نہیں تو تمام قیمت اس کی ذاتی خریداری میں صرف ہوئی، اور یہ کفن اس کی طرف سے بطور تبرع ہوگا بخلاف کہ جب عدد میں زیادتی کرے تو صرف زائد عدد کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ زائد ممتاز ہے۔ (ت)

واپسی کے ٹکٹوں اور قلیوں کا کرایہ زید پر ہے، یونہی گیا سے بانکی پور جانے میں جو یکہ اسٹیشن تک آیا اسٹیشن سے بانکی پور تک گیا یا قلی کو دیا ہو کہ یہ اس کا اپنا ذاتی سفر ہے سہسرام سے گیا تک جانا جبکہ موضع مقصود تک جانے میں بہرحال تھا اور اس تک وہ موضع مقصود کی نیت سے گیا اور ضرورت جو مانع سفر و موجب رجوع ہوئی صحیح ضرورت و مجبوری تھی تو اتنا کرایہ واپس نہ دے گا ریل، یکہ، قلی، کسی کا۔ کہ یہاں تک ان کے اذن سے ان کے کام میں صرف ہوا، اور اگر اپنا کوئی کام پیش آیا جو قطع سفر کے لئے عذر شرعی نہ ہو سکتا ہو اس کے لئے چھوڑ دیا تو اس کے مناسب کوئی جزئیہ اس وقت خیال میں نہیں اور ظاہر یہ کہ اب بھی سہسرام سے گیا تک کا کرایہ واپس کرنا نہ ہوگا کہ جس وقت صرف ہوا جائز طور پر ہوا اور وہ اجیر نہ تھا کہ کام نہ ہونے سے اجرت نہ پائے کہ اتمام سفر اس پر واجب نہ تھا تو قطع جائز سے وہ صرف کہ جائز واقع ہوا ناجائز و مضمون نہ ہو جائے گا، بلکہ جس پر بلانے والا اجازت لینے گیا اور تارکہ اس نے دیا اگرچہ زید کے کہنے سے دیا، یہ زید پر نہیں، جتنا روپیہ واپس کرنا ہو اس کی فیس منی آرڈر اسی روپیہ سے دے کہ وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور ردِّ امانت کی مؤنت امین پر نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

مؤنة رد الودیعة علی المالك لا علی المودع کذا فی السراجیة[2]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

امانت واپس کرنے کا خرچہ مالک پر ہے نہ کہ مودع پر۔ سراجیہ میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۶۲

مسئلہ ۴۲ خادم نعمت خاں کی بوڑا ہااز پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ
کسی سے ہم نے کوئی چیز لی کہ لاؤ ہم بطور امانت رکھیں گے اور پھر بعد کو دے دیں گے اس میں سے کچھ غائب ہوگئی اور وہ شخص دینے والا طلب بھی نہیں کرتا ہے اب اس کے لئے قیامت میں نہ دینے پر جوابدہ ہوں گے یا نہیں، ہاں اس شئے پر اس کا پتہ نشان مرقوم ہے۔

الجواب

اگر اس کی بے احتیاطی سے اُس میں سے کچھ غائب ہوگیا تو اس پر اُس کا تاوان لازم ہے بے اُس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا اور اگر اس نے پوری احتیاط کی اور وہ شئے کُل یا بعض جاتی رہی تو اس پر لازم نہیں بلکہ اُس کا تاوان لینا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳ از شہر بانسمنڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کی شئے گُم ہوجائے تو اُس چیز کے دام لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ شئی اس کے پاس امانت تھی اور اُس نے پوری احتیاط کی اور اتفاقاً گُم ہوگئی تو اس کا تاوان لینا حرام ہے، اور اس کی بے احتیاطی سے گُم ہوئی تو جائز ہے، اور اگر امانت محض نہ تھی مثلاً کوئی چیز خریدنی چاہی اور مول چکا کر اُسے دکھانے کے لئے لے گیا اور وہ گُم ہوگئی اُس کے دام دے گا اگرچہ بے احتیاطی نہ کی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب العاریۃ

(عاریت کا بیان)

مسئلہ ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین بکر سے مول لی اور اسی زمین میں سے کچھ بکر کی باقی رہی، ایک مکان زید کی زمین میں برضامندی زید کے بکر نے بنالیا جو زمین باقی رہی وہ صحن بکر کا ہے، جب زید نے اپنی زمین کو طلب کیا تو بکر قیمت دیتا ہے زمین نہیں دیتا ہے زید اس کے مکان کی قیمت دینے پر بھی آمادہ ہے اور پنچ بھی چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت زید کو دلادی جائے۔ اس مسئلہ کی بابت عرض کیا جاتا ہے زید اپنی زمین لینا چاہتا ہے قیمت نہیں لینا چاہتا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں زید پر جبر نہیں ہوسکتا کہ وہ خواہی نخواہی اپنی زمین بیچ ڈالے اور قیمت لے لے پنچ اگر اس کا جبر اس پر کریں گے خلافِ شرع اور ظلم ہوگا بلکہ حکم یہی ہے کہ زید کی زمین زید کو دے دی جائے، رہا وہ مکان کہ بکر نے برضائے زید زمینِ زید میں بنایا اگر اس کے عملہ اکھیڑ لینے میں زمین زید کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو بکر مجبور کیا جائے گا کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے اور زید کی زمین خالی کردے یا زید راضی ہو تو اپنا عملہ اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اگر عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہوکر بکر کو جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ کر زمین خالی کردے یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے

اور اُس کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے اکھڑنے کی حالت میں ہوتی ہو وہ بکر کو دے دے، جس حالت میں عملہ اکھڑوا دیا جائے جو نقصان اس اکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں مگر اس حالت میں کہ زید نے ایک مدت معین تک مکان بنانے کی اجازت دی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے اکھڑوانا چاہے تو عملے کا نقصان دے گا۔ ہدایہ میں ہے:

اذا استعار ارضا لیبنی فیھا او لیغرس جاز وللمعیر ان یرجع فیھا ویکلفہ قلع البناء والغرس ثم ان لم یکن وقت العاریۃ فلا ضمان علیہ وان وقت ورجع قبل الوقت صح رجوعہ ویکرہ وضمن المعیر ما نقص البناء والغرس بالقلع وذکر الحاکم الشھید انہ یضمن رب الارض للمستعیر قیمۃ غرسہ وبنائہ ویکونان لہ الا ان یشاء المستعیر ان یرفعھما ولا یضمنہ قیمتھما فیکون لہ ذٰلک لانہ ملکہ، قالوا اذا کان فی القلع ضرر بالارض فالخیار الی رب الارض لانہ صاحب الاصل اھ باختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب تعمیر یا پودے لگانے کے لئے زمین عاریۃً لی تو جائز ہے تو عاریۃً دینے والے مالک کو واپس لینے کا اختیار ہوگا اور عمارت اور پودے اکھاڑنے کی تکلیف دے سکتا ہے پھر عاریۃ کی مدت مقرر نہ کی ہو تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اور اگر وقت مقرر کیا تھا اور وقت سے پہلے اس نے رجوع کیا تو رجوع صحیح ہے اور مکروہ ہے اور مکان و درخت اکھاڑنے کے نقصان کا ضامن ہوگا، اور حاکم الشہید نے ذکر فرمایا کہ زمین کا مالک اس صورت میں مستعیر کی عمارت اور درختوں کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ اس کی ملکیت قرار پائیں گے، ہاں اگر مستعیر خود رکھنا چاہے تو اکھاڑ لے اور زمین والے کو ضامن نہ بنائے تو ایسا کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود نقصان کا ذمہ دار بنا ہے فقہاء کرام نے فرمایا اگر ان کے اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو پھر اختیار زمین والے کو ہوگا کیونکہ وہی اصل کا مالک ہے، اھ، مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵: از شہر محلہ بہاری پور مرسلہ رضا علی صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک چادر جو منگنی لی تھی یعنی بطور عاریت

---

[1] الہدایۃ کتاب العاریۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۰ - ۲۷۹

چند روز کے لئے لی تھی اس کو زید نے بعد انقضاء مدت عاریت ایک امین آدمی کے ہاتھ چادر مذکور کو اصل مالک کے پاس بھجوادیا بعد کو معلوم ہُوا کہ وُہ چادر جو زید نے امین آدمی کے ہاتھ بھجوادی تھی اصل مالک کو نہیں ملی اس پر زید نے امین اول سے پُوچھا کہ وُہ چادر اصل مالک کو کیوں نہیں ملی' امین نے جواب دیا کہ میں اصل مالک کے مکان پر دے آیا ہوں اصل مالک تو مجھ کو نہ ملا تھا اُس کے مکان کے اندر سے ایک لڑکا چھوٹا نکلا تب میں نے اس سے اصل مالک کو پوچھ کر کہ گھر میں ہے، اُس کے ہاتھ وہ چادر بھجوادی ہے۔ اس بیان پر مالک نے اپنے لڑکوں کو امین کے روبرو پیش کیا کہ ان لڑکوں میں کس لڑکے کو دیا، میں نے سب لڑکوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ ان میں وُہ لڑکا نہیں ہے جس کو میں نے چادر دی ہے اصل مالک تو کہتا ہے کہ چادر میرے پاس نہیں پہنچی، اور امین کہتا ہے کہ چادر میں دے آیا، اور امین کے پاس اس امر کا ثبوت محض ایک طالب علم بالغ کی شہادت ہے۔ اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ چادر کا شرعی فیصلہ کیا ہے یعنی اس کا تاوان امین پر ہے یا زید پر جس نے چادر عاریت لی تھی یا کسی پر نہیں، مالک کو صبر کرنا چاہئے۔

الجواب

شخص متوسط جبکہ ایک چھوٹے لڑکے کو چادر دے آیا جسے یہ بھی نہ جانا کہ مالک چادر کا بیٹا ہے، نوکر ہے، اسی گھر میں رہتا بھی ہے یا دوسری جگہ سے آیا ہوا، یا راہ چلتا ہے، تو بیشک چادر ضائع کرنے کا اس پر الزام ہے اور اس پر بہرحال تاوان لازم، اگر وہ چادر اشیائے نفیسہ میں سے تھی جب تو ظاہر کہ ایسی چیز خاص مالک کے ہاتھ میں دینے سے صحیح واپسی ہوتی ہے، تنویر الابصار میں ہے:

ان رد المستعیر الدابۃ مع عبدہ او اجیرہ مشاھرۃ او مع عبد ربھا او اجیرہ برئ بخلاف نفیس[1] (ملخصًا)

اگر مستعیر نے جانور اپنے غلام یا ماہانہ اجیر کے ہاتھ واپس کیا یا مالک کے غلام اور اجیر کے ہاتھ واپس دیا تو بری ہوگا بخلاف کسی نفیس چیز کے (ملخصًا)۔ (ت)

اور اگر ایسی نہ بھی تھی تو غیر نفیس اشیاء کی واپسی بھی اس وقت معتبر ہے کہ اُس کے غلام یا نوکر یا اہل وعیال میں سے کسی کو دے یا اس کے گھر میں حفاظت کی جگہ رکھ دے' ناواقف انجان صغیر السن کو دے دینا کسی عاریت میں متعارف نہیں۔ غایۃ البیان میں ہے:

قال الحاکم الشھید فی الکافی رد المستعیر الدابۃ فلم یجد صاحبھا

حاکم الشہید نے کافی میں فرمایا: مستعیر نے جانور واپس کیا تو مالک کو وہاں نہ پاکر مالک کی حویلی میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

فربطها فی دار صاحبها الی معلفها فضاعت قال ھو ضامن لھا فی القیاس ولکن استحسن ان لا اضمنہ الی ھذا لفظ الحاکم وجہ القیاس انہ لم یوجد الرد الی المالك وجہ الاستحسان انہ اتی بالتسلیم للمعتاد بہ بین الناس لان الناس یستعیرون الدواب فیردونھا الی اصطبل المالك والجیران یستعیرون اٰلۃ البیوت ویردونھا الی دار صاحبھا ویسلمونھا الی من فیہ دون صاحب الدار فلو ردالی المالك کان المالك ایضا یحفظھا بھذا المکان فقد اسقط عنہ[عہ] المستعیر کلفۃ زائدۃ، فترك القیاس بالعادۃ ولھذا قال مشائخنا لوکانت العاریۃ عقد الجوھر لم یجز ان یردھا الا الی المعیر لان العادۃ لم تجر بطرحہ فی الدار ولا دفعہ الی الغلام[1]۔

گھرلی پر باندھ دیا تو ضائع ہوگیا تو انھوں نے فرمایا قیاس میں توضامن ہوگا ولیکن میں استحسان کرتے ہوئے ضامن نہ بناؤں گا، یہاں تک حاکم کے الفاظ ہیں، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کو جانور واپس نہیں پہنچا، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت کے اعتبار سے واپس کردیا ہے کیونکہ لوگوں میں عادت ہے کہ جانوروں کو عاریۃً لے جاتے ہیں اور واپس مالک کے اصطبل میں چھوڑ جاتے ہیں اور پڑوسی حضرات گھر کے آلات مانگ کرلے جاتے ہیں اور مالک کے گھر واپس چھوڑجاتے ہیں اور مالک کا غیر جو بھی گھر میں ہو اس کو دے جاتے ہیں اور اگر مالک کو دیا جائے تو بھی اسی مکان میں حفاظت کے طور پر رکھتا ہے توگھر میں واپس کرنے پر مستعیر نے مالک کو مزید تکلیف سے بچایا، تو حاکم شہید نے قیاس کو عادت کی وجہ سے ترک کردیا، اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر عاریۃ جواہر کا ہار ہو تو پھر مالک کے بغیر کسی اور کو واپسی جائز نہیں کیونکہ ایسی چیز کے متعلق گھر میں چھوڑ جانے یا غلام کو دی جانے کی عادت جاری نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وذلك لان العبد صالح

یہ اس لئے کہ غلام حفاظت کا اہل ہے

عہ فی الاصل ھکذا واظنہ عنہ (اصل میں اسی طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ "عنہ" ہے۔ت)

---

[1] غایۃ البیان

للفظ[عہ] کالمربوط اذا ردھا الی المربط لایضمن کذا ھذا بخلاف ما اذا ردھا الی الارض لان الارض لیست بصالحۃ للحفظ[1]۔

جیسا کہ اصطبل ہے تو جب اصطبل میں باندھ جائے تو ضیاع پر ضامن نہ ہوگا اور یہاں بھی ایسے ہے بخلاف جب اس کی زمین پر چھوڑ جائے کیونکہ زمین حفاظت کی اہل نہیں ہے۔ (ت)

رہا زید، اگر یہ متوسط اُس کا نوکر یا اس کی عیال میں تھا اور اس نے ایسی بے احتیاطی کو اس سے نہ کہہ دیا تھا کہ مالک یا اس کا معتمد ملے نہ ملے کوئی بھی پاؤ پھینک کر چلے آنا بلکہ یہ بے احتیاطی اُس متوسط نے خود کی تو زید پر کوئی تاوان نہیں اور اگر تم مدت عاریت کے بعد اجنبی کے ہاتھ بھیجی تو بیشک یہ بھی زیر مطالبہ تاوان ہے یونہی اگر اس کے کہے سے وہ بے احتیاطی ہرئی اگرچہ وہ متوسط اُس کا بیٹا یا نوکر ہی ہو، ان دونوں صورتوں میں مالک چادر کو اختیار ہے چاہے زید سے تاوان لے چاہے اس متوسط سے۔ تنویر الابصار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

بخلاف الردمع الاجنبی بان کانت العاریۃ موقتۃ فمضت مدتھا ثم بعثھا مع الاجنبی[2]۔

بخلاف جبکہ اجنبی کے ہاتھ واپس کرے اس طرح کہ عاریۃ مقرر وقت کے لئے ہو تو وقت گزر جانے پر عاریہ کو اجنبی کے ہاتھ بھیج دے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

ستورے عاریت خواست وکس فرستاد تا از نزد معیر بیارد مامور ستور را در راہ بگذاشت وھلک یضمن المامور ولا یرجع علی الآمر اذا لم یکن مامورا من جھتہ وھذا اذا کانت تنقاد من غیر رکوب

کچھ پردے کسی سے مانگے اور ایک شخص کو مالک کے پاس پردے لینے بھیج دیا تو اس شخص نے پردے راستہ میں رکھ دئے وہ ضائع ہوگئے تو مامور شخص ضامن ہوگا اور وہ ضمان میں آمر پر رجوع نہ کرے گا جبکہ مستعیر کی طرف سے یہ راستہ میں رکھنے پر مامور نہ تھا یہ صورت وہ ہے کہ

عہ فی الاصل ھکذا واظنہ للحفظ (اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ "للحفظ" ہے۔ ت)

---

[1] غایۃ البیان

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

فان کانت لاتنقاد الا بالرکوب لا یضمن کما فی الفصول العمادیۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

پردوں کو اٹھانے میں سواری کی ضرورت نہ ہو، اگر وہ ایسے ہیں کہ سواری کے بغیر منتقل نہیں ہوسکتے تو پھر مامور شخص ضامن نہ ہوگا۔ فصول العمادیہ میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

12/12

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۶۷

کتاب الھبۃ

(ہبہ کا بیان)

مسئلہ ۴۶: از ریاست رامپور محلہ موتی خاں مرسلہ طوطا رام ۲۷ شوال ۱۳۲۶ھ

زید نے اپنی کل جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنے بھتیجے کے نام تملیک کرا کر اُس کو مالک وقابض کرادیا اور دستاویز میں لکھ دیا کہ جائداد تملیک شدہ کو میں نے اپنی ملکیت سے خارج کردیا اور مجھے اور میرے کسی وارث کو اُس میں دعوٰی نہ رہا، جس وقت زید نے یہ دستاویز لکھی تھی اس وقت سے اُس کے مرنے کے وقت تک زید کی کوئی اولاد ذکور یا اناث موجود نہ تھی بس چار بھتیجے اور ایک نواسہ تھا اب بعد وفات زید نواسہ دعوٰی کرتا ہے کہ دستاویز تملیک نامہ کے ذریعہ سے جو جائداد زید نے ایک بھتیجے کے نام منتقل کی تھی وہ قابل جواز ونفاذ کے نہیں ہے اور وہ جائداد مندرجہ دستاویز تملیک نامہ ملکیت زید قرار دی جائے اور متروکہ قائم ہوکر اس میں وراثت جاری کی جائے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب زید اپنی زندگی میں اس کو بذریعہ دستاویز تملیک منتقل کرگیا اور لکھ گیا کہ اس میں میری ملکیت باقی نہیں رہی تو وہ زید کی ملکیت قرار پاکر اس کا متروکہ قائم نہیں ہوگا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، شریعت اسلام کے بموجب ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تملیک عین بلا عوض ہبہ ہے اور ہبہ بعد قبضہ تام پھر بعد موت احد العاقدین مطلقاً لازم اگرچہ

موہوب لہ اجنبی ہو اور بھتیجے کے نام تو فی الحال لازم، لہٰذا وہ جائداد بشرط قبضہ تامہ ملک موہوب لہ ہے، وارثان واہب کا اس پر دعوٰی باطل ہے۔

ولنا رسالۃ فی تحقیق ھذا المرام سمیناھا فتح الملیك فی حکم التملیك من اختلج فی صدرہ شیئ فلیطالعھا۔

اس مقصد کی تحقیق میں ہمارا ایک رسالہ ہے اس کا نام ہم نے فتح الملیك فی حکم التملیك رکھا ہے، اس مسئلہ میں کسی کو شُبہ ہو تو وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

الھبۃ ھی تملیك العین مجانا۔[1]

ہبہ، مفت میں عین چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے۔(ت)

اسی میں ہے: وتتم بالقبض[2] (اور قبضہ دینے پر تام ہوجاتا ہے (ت)) اسی میں ہے:

ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ ولو ذمیا اومستامنا لا یرجع[3] (باختصار)۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔

ہبہ کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی موت اور قرابت ہونا، ہبہ میں رجوع (واپس لینے) کے لئے مانع ہے، تو اگر اپنے ذی محرم کو ہبہ کیا اگرچہ وہ محرم ذمی یا مستامن ہو تو رجوع نہ کرسکے گا (باختصار)۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۷: از مارہرہ منورہ مرسلہ سیدنا سید ابوالحسین نوری میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مالک اصلی نے اپنے پسر عمرو کو دو باغ دیئے پھر بعد چند روز کے عمرو سے واپس لے کر بکر اور خالد پسر عمرو کو دیئے یعنی پہلے خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام عمرو کا قائم کرایا اور عمرو باذن واہب اس پر قابض ہوا اور محاصل اُس کا لیتا رہا اور احداث اشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتا رہا پھر عمرو سے واپس کرکے یعنی عمرو کا خانہ ملکیت دفتر حاکم

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

[2] " " " " " ۲/ ۱۵۹

[3] " " " باب الرجوع فی الہبۃ " ۲/ ۶۳-۱۶۱

سے علیحدہ کراکے بکر اور خالد کا نام اُس خانہ میں قائم کرایا اور وہ باغ ان دونوں کو عطا کئے اور عمرو نے جو یہ فعل اُس کی غیبت میں ہُوا تھا وقت اپنی حاضری کے بطوع و رغبت جائز رکھا اور کچھ تعرض نہ کیا مگر اُس کے محاصل پر عمرو بدستور متصرف رہا اور تمتع ہر نوع کا اُن باغات سے اٹھاتا رہا، اور بکر و خالد نے بربنا اس انبساط و اتحاد کے کہ انھیں عمرو کے ساتھ تھا اس امر کا تعرض عمرو سے نہ کیا اور پٹہ جات اُن باغات کے بکر اور خالد کے نام سے ہوتے رہے، گاہے بکر پٹہ کر دیتا ہے گاہے خالد، گاہے دونوں کی طرف سے عمرو بقلمِ خود لکھ دیتا ہے، گاہے عمرو خود اپنے نام سے لکھ دیتا تھا، ان امور میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے معترض نہ ہوتا اور اسی طرح مختلف طور سے رسیدات پٹہ داروں کو بابت زر اقساط محاصل ملا کرتے تھے، اگرچہ زر اقساط صرف عمرو تحصیل کرتا اور اسی کے تصرف میں آتا، پھر بعد چند روز وقت بندوبست حال جو منجانب حکام ہوا بدستور خانۂ ملکیت دفترِ حاکم میں نام بکر و خالد قائم رہا یعنی انھیں دونوں کے نام سے زید مالک اصلی نے وہ باغات دفتر بندوبست میں قائم کرائے اور اس امر کو عمرو نے بھی پھر بدستور جائز رکھا بلکہ خود تصدیق بھی دفتر میں اس امر کی کردی کہ بکر و خالد ان باغات کے مالک ہیں مگر پھر بھی محاصل باغات وہی عمرو بدستورِ قدیم پاتا رہا اور باغات اسی کے زیرِ تصرف رہے اور بکر و خالد نے اُسی اتحاد و یک جہتی کے سبب سے کوئی اعتراض پھر بھی اس امر پر نہیں کیا اور نہ معترض ہوئے، اور گاہے گاہے محاصل ایک باغ کا خالد بھی لیتا رہا اور گاہ گاہ ایک باغ میں خود بھی زراعت بطور شیر کر لیتا تھا مگر بکر نے کبھی نہ محاصل پایا اور نہ کبھی زراعت بطور شیر کی بلکہ خود ہی کبھی قصد بھی نہ کیا اور اگر اس امر کا کبھی ذکر بھی آیا تو عمرو نے جواب دیا مالک تم ہو مگر تمھیں چنداں حاجت نہیں ہے اور میرا خرچ زائد ہے اور معاش کم، یہ محاصل میری ہی تصرف میں رہنے دو، بکر نے اسے یکجہتی کی بنا پر منظور رکھا پھر بعد چند مدت کے بکر نے محاصل نصفی ان باغات کا لینا چاہا اور عمرو سے تعرض کیا تو عمرو مانع آیا غرضکہ بعد گفتگوئے بسیار عمرو نے یہ استدعا کی کہ بکر نصف سے ثلث لے لے یعنی کل میں جو نصف اس کا ہے اس میں وہ ثلث پر اقتصار کرے اور باقی اپنے طور پر خالد کیلئے چھوڑ دے، بکر نے بغرض قطع نزاع اپنے حق سے اس قدر نقصان گوارا کیا اور عمرو سے کہا ہم دونوں یعنی بکر و خالد کہ مالک باغات ہیں آپس میں فیصلہ کرلیں گے، چنانچہ اس امر پر باہم رضامند ہو کر تصفیہ ہوگیا یعنی درمیان بکر و خالد کے یہ صلح باستدعائے عمرو واقع ہوئی کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد فرزند عمرو کو چھوڑ دے چنانچہ اس صلح کا اقرارنامہ بکر و خالد کی طرف سے بہ ثبت گواہی عمرو بنام ایک حکم ثالث کے تحریر ہوا اور ثالث نے بموجب اقرارنامۂ فریقین فیصلہ لکھ دیا کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد اور اسے بموجب سوالات داخل خارج حکامِ وقت کے یہاں گزر گئے اور بربنا اس صلح کے فصل ربیع و خریف گزشتہ

کا ایک ثلث بکر نے پایا، ہنوز معاملہ داخل خارج ختم نہ ہُوا تھا کہ پھر بعد چند روز کے عمرو مع خالد پسر اپنے کے اس سے اعراض کرکے بکر کو اخذ محاصل ثلث سے مانع آئے اور دربارہ داخل خارج کے عمرو نے سوال دے دیا کہ مالک اصل میں ہوں ہمیشہ سے محاصل میں پاتا رہا ہوں بکر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ خالد نام میرا خانہ ملکیت میں بجائے دونوں کے داخل ہوجائے اور اپنے بیٹے خالد کو راضی کرکے اُس سے سوال دلادیا کہ واقع میں عمرو مالک ہے میں برائے نام ہوں چنانچہ حکام وقت نے نام دونوں کا خانہ ملکیت سے اپنے دفتر میں سے خارج کرکے نام عمرو کا قائم کردیا، پس اس صورت میں بکر کا یہ سوال ہے کہ آیا حق میرا قائم رہا یا نہ رہا، اور اگر رہا تو کس حساب سے؟ آیا نصفی بموجب عطائے قدیم زید مورث اصلی یا ثلث بموجب صلح حال کے یا دونوں صورت کا حق نہ رہا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، جبکہ حضرت مالک اصلی نے وہ باغ عمرو کو عطا فرمادیے تھے اور عمرو نے ان پر قبضہ کامل پایا تھا کہ احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتے اور اس کی تحصیل وتشخیص فرماتے رہے تو وُہ باغ مِلکِ مالکِ اصلی سے نکل کر مِلکِ عمرو میں آئے اور اب مالک حقیقی عمرو قرار پائے بعدہٗ جب غَیبتِ عمرو میں مالک اول نے نام عمرو خانہ ملکیت سے خارج کرکے نام بکر وخالد داخل فرمایا اور وہ باغ انھیں عطا فرمادیے تو یہ ہبہ ہبہ ملک غیر ٹھہرا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، پھر جب عمرو نے بعد حضور اس امر کو بطوع ورغبت جائز رکھا ہبہ اگرچہ صحیح ہوگیا ہو مگر اس کے تمامی اور بکر وخالد کے ثبوت ملک محل کلام ہے اگر ہبہ ان دونوں حضرات کو مشاعاً تھا یعنی ہر باغ دونوں صاحبوں کو مشترکہ عطا فرمایا گیا جب تو ناتمامی ہبہ وعدم ثبوت ملک موہوب لہما ظاہر ہے کہ واہب حقیقی یعنی عمرو نے اب تک تقسیم کرکے مجوزاً ممیزاً تسلیم نہ کی،

فی تنویر الابصار وتتم بالقبض فی یدہ محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیمایقسم فان قسمہ وسلمہ صح اھ ملخصا،[1] وقلت وھبۃ المشاع قیل فاسدۃ فیثبت بھا الملک

تنویر الابصار میں ہے ہبہ ایسے قبضہ سے تام ہوتا ہے جو تقسیم ہوکر محفوظ ہوجائے، اور غیر منقسم جس کی تقسیم کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ غیر منقسم ہے جس کی تقسیم کرنی ہو وہ قبضہ سے تام نہ ہوگا ہاں اگر اس کی تقسیم کردی اور قبضہ میں دے دیا تو صحیح ہے اھ ملخصاً۔ میں کہتا ہوں مشاع یعنی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

للموهوب له اذا قبضه كذلك شائعا لكن ملكا خبيثا واجب الرد قائما والضمان هالكا وبه افتى البعض والحق انه لايثبت بها الملك اصلا مالم يسلم مقسوما هو الصحيح المعتمد كما حققه فی رد المحتار وبه افتی الجم الغفیر وهو ظاهر الرواية عن ائمتنا الثلثة فعليه التعويل۔ والله تعالٰی اعلم۔

غیر منقسم کا ہبہ بعض کے نزدیک فاسدہ ہے لہذا اس پر قبضہ سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہوجائیگی جبکہ اس نے اسی مشاعی حالت میں قبضہ کیا ہو تاہم یہ ملکیت خبیثہ ہوگی موجود رہنے کی صورت میں واجب الرد اور ہلاک ہونے کی صورت میں قابلِ ضمان ہوگی، اسی قول پر بعض نے فتوٰی دیا ہے جبکہ حق یہ ہے اس پر قبضہ سے ملکیت ہرگز ثابت نہ ہوگی جب تک اس کو تقسیم کرکے نہ دیا جائے یہی صحیح اور قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تحقیق فرمائی اور اسی پر جم غفیر نے فتوٰی دیا ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کرام سے یہی ظاہر الروایت ہے تو اسی پر اعتماد ہے۔ (ت)

اور اگر ایک ایک باغ ہر موہوب لہ کو جداگانہ دیا گیا تھا تاہم اس قدر تقریر سوال سے ظاہر کہ جس طرح وہ باغ اس ہبہ سے پہلے قبض و تصرف عمرو میں تھے یونہی بعد ہبہ رہے اور آج تک عمرو نے اپنا ہاتھ اُن پر سے نہ اٹھایا اور کسی دن بکر و خالد کے قبضہ میں تسلیم نہ کیا اگرچہ رسید و پٹہ جات گاہے بکر و خالد بھی اپنی طرف سے تحریر فرمایا کرتے رہے ہوں کہ جب تک عمرو کا رفع ید اور قبضہ حضرات موہوب لہما میں تسلیم ثابت نہ ہو ہبہ ہرگز تمام اور تملک موہوب لہما ثابت نہیں ہوسکتا۔

فی الهندية ومنها ان یکون الموهوب مقبوضا حتی لایثبت الملك للموهوب له قبل القبض[1] انتهی ومثله فی الهداية وغيرها۔

ہندیہ میں ہے ایک صورت ان میں سے یہ ہے کہ موہوب کسی کے قبضہ میں ہو تو اس پر موہوب لہ کی ملکیت نہ ہوگی جب تک قبضہ نہ کرلے اھ، اسی کی مثل ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مانا کہ کسی وقت حضرات موہوب لہما یا ان میں سے ایک کا وضع ید ثابت بھی ہوجائے مگر عمرو کا رفع ید ہرگز پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا، اور یہ شرط اول ہے۔

الاتری لو وهب دارا وسلمها حتی وضع الموهوب له یده علیها

آپ دیکھیں کہ اگر مکان ہبہ کیا اور سونپ بھی دیا اور موہوب لہ نے قبضہ میں لے لیا حالانکہ مکان ابھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۴/۴

وکانت الدار مشغولۃ بمتاع الواھب لم تتم الھبۃ لعدم ارتفاع ید الواھب فلم یکمل القبض وفی رد المحتار ان کان الموھوب مشغولا بحق الواھب لم یجز کما اذا وھب السرج علی الدابۃ لان استعمال السرج انما یکون للدابۃ فکانت للواھب علیہ ید مستعملۃ فتوجب نقصانا فی القبض[1]

واہب کے سامان میں مشغول ہے تو ہبہ تام نہ ہوگا کیونکہ واہب کا قبضہ ابھی ختم نہیں ہوا، تو موہوب لہ کا قبضہ تام نہ ہوا، ردالمحتار میں ہے اگر موہوب ابھی واہب کے حق میں مشغول ہے تو جائز نہ ہوگا مثلاً کوئی شخص گھوڑے پر لگی کاٹھی کسی کو ہبہ کرے کیونکہ کاٹھی کا استعمال جانور پر ہوتا ہے تو واہب کا ابھی قبضہ باقی اور زیر استعمال ہے تو اس سے قبضہ میں ابھی نقص باقی ہے۔(ت)

بالجملہ عمرو جب تک اپنا قبضہ بالکلیہ اٹھا کر موہوب لہا کو قبض کامل نہ کرا دے ہبہ ہرگز تام نہ ہوگا اور موہوب ملک عمرو سے باہر نہ آئے گا، اسی طرح عمرو کا متعدد پیرایوں میں ملکیت بکر و خالد کا اقرار دیانۃً کچھ مفید نہیں کہ یہ اقرار صرف بربنائے ہبہ ہے کما لایخفیٰ (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) اور بہ سبب ناتمامی یہ ہبہ شرعاً مثبت ملک نہ ہوا تو عنداللہ اقرار غلط کہ شرعاً وجہِ صحت نہیں رکھتا اثبات ملک کے لئے کافی نہ ہوگا،

فی الدرالمختار لواقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملک نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ھبۃ وھو الاوجہ[2] بزازیۃ اھ فی حاشیۃ الطحطاویۃ قولہ لم یحل لہ ای لایجوز لہ اخذہ جبرا دیانۃ کاقرارہ لامرأتہ بجمیع ما فی منزلہ ولیس لھا علیہ شیئ[3] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر مالک کسی کے لئے ہبہ کا جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے وہ حلال نہیں ہوگا کیونکہ اقرار دوسرے کی ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر بعد میں اپنی رضا سے اس کو قبضہ دے دے تو یہ نیا ہبہ ہوگا، یہی وجہ قابلِ اعتبار ہے"بزازیہ"، حاشیہ طحطاوی میں ہے ماتن کا قول"مقرلہ کیلئے حلال نہیں" یعنی اس کو دیانۃً جبراً قبضہ کا حق نہیں ہے، جیسے کوئی شخص گھر کے تمام سامان کا بیوی کے حق میں اقرار کرے حالانکہ بیوی کا کوئی حق خاوند کے ذمہ نہیں ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰
[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۲۷

مسئلہ ۴۸ از بڑودہ مرسلہ جناب نواب سید نورالدین حسن خاں بہادر ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نے اپنے بیٹے محمود بن حمید کی شادی رشیدہ بنت سعید سے کی اور ۲۷ محرم الحرام ۱۲۷۸ھ کو محمود کی طرف سے بدعوی ولایت ایک دستاویز میں جائداد موروثی محمود کا تملیک نامہ بنام رشیدہ مع دیگر چند شروط لکھ دیا، جب محمود بالغ ہوا ۲۵ ذیلقعدہ ۱۲۸۵ھ کو اس نے دستاویز نوشتہ حمیدہ کی تسلیم وقبول کے ساتھ ازسرنو ایک وثیقہ انھیں شروط پر متضمن تحریر کیا جس کے عنوان میں خلاصہ عبارت یہ ہے:

"اقرار صحیح شرعی می نمایم بریں معنی کہ والدہ ماجدہ عقد بمن بارشیدہ بنت سعید بستند و دستاویز از طرف منمقر وکالۃً نوشتہ داد دراں حین بحد بلوغ نہ رسیدہ بودم اکنوں دستاویز مذکور را مسلم و قبول داشتہ باز اصالۃً شروط چند نوشتہ میدہم۔"

میں صحیح شرعی اقرار کرتا ہوں کہ میری والدہ ماجدہ نے میرا نکاح رشیدہ بنت سعید سے کیا اور مجھ مقر کی طرف سے وکالۃً انھوں نے ایک دستاویز لکھ کر دی جبکہ میں ابھی بلوغ کی حد کو نہ پہنچا تھا، اب اس دستاویز مذکورہ کو تسلیم اور قبول کرتا ہوں نیز اصالۃً چند شرائط لکھ کر دے رہا ہوں۔ (ت)

پھر شرط سوم میں خلاصہ مضمون ان الفاظ سے ہے:

"از آمدنی موضع پوناگاؤں وغیرہ واقع بندر سورت بعد اخراج سہم شرعی والدہ صاحبہ کہ ثمن است باقی انچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ بمن می رسد مالکش مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطناً بعد بطنٍ است از روز عقد نکاح از آمدنی حصہ موروثیم مسماۃ مذکورہ در قبض وتصرف خود در آرد و دراں منمقر و وارثانم را دعوٰی وحقے نیست و نماندہ است۔"

سورت بندرگاہ میں واقع موضع پوناگاؤں وغیرہ کی آمدنی سے اپنی والدہ کے شرعی حصہ جو کہ آٹھواں ہے کو نکال کر باقی اپنے موروثی جاگیر کے حصہ مبلغ پانچ ہزار اندازاً جو مجھے آتا ہے اس کی مالک مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطن در بطن ہے میرے موروثی حصہ کی آمدن پر مسماۃ مذکورہ نکاح کے روز سے قابض اور متصرف ہے اور اس میں مجھ مقر اور میرے ورثاء کا کوئی دعوٰی اور حق نہیں ہے اور نہ باقی ہے۔ (ت)

بعدہ یکم جولائی ۱۸۶۹ء کو اسی شرط کی توثیق وتاکید کے لئے دوسری تحریر جداگانہ لکھی جس کی تلخیص ان کلمات سے ہے:

"از شرائط مذکورہ ایں یک شرط علیحدہ نوشتہ میدہم

مذکورہ شرائط میں سے ایک علیحدہ شرط لکھ کر دے رہا ہوں

کہ در دیہات جاگیر موروثی محدودہ ذیل کہ شرعاً از
ترکہ پدری خالصاً بہ من مقر رسیدہ منجملہ آں مبلغ چہار ہزار
روپیہ من مقر اہل خانہ خود مسماۃ رشیدہ بنت سعید را
بطوع و رغبت بلا اکراہ و اجبار بطناً بعد بطن و نسلاً
بعد نسل علی سبیل الدوام و الاستمرار ملک گردانیدم
چوں و ہیوٹ و مختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من
است و حصہ داراں دیگر کہ دریں جاگیر شریک اند
باوشاں زر نقد موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا
ہموارہ می رسانم ہمیں طور از آمدنی مملوکہ و اہل خانہ
خود مثل دیگر حصہ داراں بہ اہل خانہ موصوفہ و اولادش
ہمیشہ بلا عذر و تکرار خواہم رسانید اگر از جانب من مقر
مسماۃ مذکورہ در وصول حق خود کہ معین و مقرر
کردہ شد فتورے و تہاونے بیند لیس اوشاں را
اختیار کلی ست بہ ہیچگہ خواہند از من مقر حق خود بگیرند
و مسماۃ مذکورہ را در صرف زر مذکور اختیار کلی ست
من مقر و وارثانم را در آں حقے و دخلے و دعوی و
نزاعے نیست و نماندہ ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ
وثیقہ و تملیک نامہ نوشتہ شد کہ عند الحاجۃ سند
باشد۔

کہ دیہات میں موروثی جاگیر جس کی حدود ذیل ہیں میں
جو مجھے شرعی طور پر والد کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہے
اس میں سے مبلغ چار ہزار روپیہ کا میں مقر اپنے اہل خانہ
مسماۃ رشیدہ بنت سعید کو اپنی خوشی اور رغبت سے
بلا جبر و اکراہ بطن در بطن، نسلاً بعد نسل دائمی اور استمرار
کے طور پر مالک بناتا ہوں جس طرح قدیم ایام سے
اپنے کھاتہ اور مختاری جو میرے قبضہ میں ہے اور
اس جاگیر میں دیگر حصہ دار شریک حضرات کو مساوی
نقد زر کے موافق حصہ پہنچاتا ہوں اسی طرح اپنی
مملوکہ اور اپنے اہل خانہ کے دوسرے حصہ داروں
کی طرح موصوفہ اہل خانہ اور اس کی اولاد کو ہمیشہ
بلا عذر و تکرار حصہ پہنچاتا رہوں گا اگر من مقر کی طرف
سے معین و مقرر حصہ کی وصولی میں مسماۃ مذکورہ کوئی
کوتاہی اور سستی دیکھے تو اس پر اس کو کلی اختیار
ہوگا کہ جس طرح چاہے مجھ مقر سے اپنا حق وصول
کرے اور مسماۃ مذکورہ کو زر مذکور کے صرف میں
کلی اختیار رہے من مقر اور میرے ورثاء کو اس
میں کوئی دخل، حق، دعوٰی اور نزاع نہیں ہے
اور نہ ہوگا۔ یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ، وثیقہ
اور تملیک نامہ لکھا ہے کہ عند الضرورت سند رہے (ت)

اور یہ جائداد جس کا ان دستاویزوں میں تذکرہ ہے محمود و دیگر ورثائے حمیدہ میں مشترک و غیر منقسم ہے، اب شرع مطہر سے استفسار ہے کہ یہ تحریرات شرعاً مقبول و بکار آمد ہیں یا نہیں اور اُن کی رُو سے رشیدہ اُس جائداد یا اُس کی آمدنی کی مالک ہوئی یا نہیں اور یہ عقد کہ محمود سے بہ تکرار واقع ہوا بدیں لحاظ کہ اُس کی والدہ نے جائداد موروثی کا تملیک نامہ لکھا تھا اور اس نے اُسے منظور و مسلّم رکھا اور خود اُس کی تحریر اول کے بعض الفاظ سے رشیدہ کو خاص حصہ جاگیر کا مالک کرنا نکلتا ہے داصل رقبہ دیہات کی تملیک ہے یا بلحاظ دیگر

الفاظ تحریر اول و تصریحات تحریر دوم) صرف آمدنی و زر توفیر کا دینا اور عطا کرنا ہے اور اس عقد کو ہبہ کہا جائیگا اور اسی کے شرائط اس کی صحت میں درکار ہونگے (یا اس خیال سے کہ محمود نے صرف رشیدہ ہی کو مالک نہ کیا بلکہ بطناً بعد بطنٍ ونسلاً بعد نسلٍ اس کی اولاد کے نام بھی تملیک کی) وصیت قرار پائے گا وبہر تقدیر شرعاً صحیح رہے گا یا باطل، اگر باطل ٹھہرے تو محمود کے یہ الفاظ (کہ منمقر و وارثانم را درآں دخلے و حقے ونزاعے نیست و نماندہ) اس کے یا اس کے ورثہ کے حق کو زائل کریں گے یا نہیں؟ اور ان تحریرات کا شرعاً کیا نام ہے؟ ہبہ نامہ یا اقرار نامہ یا تملیک نامہ یا کچھ اور؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب انک انت العزیز الوھاب، یہ تو ظاہر ہے کہ ابتداءً حمیدہ والدۂ محمودہ کا بنام رشیدہ جائداد محمود نابالغ کا تملیک نامہ لکھ دینا کوئی شے نہ تھا کہ نہ ماں درباره مال ولی نہ خود ولی حتی کہ باپ کو مال صغیر سے ایک ذرہ کسی کو ڈالنے کا اختیار نہیں۔

فی الدرالمختار ولیہ ابوہ دون الام فی المال اھ[1] ملخصا، وفیہ من الھبۃ لایجوز ان یھب شیئا من مال طفلہ ولو بعوض لانھا تبرع ابتداءً[2] اھ۔

درمختار میں ہے کہ مال میں نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے ماں نہیں ہے اھ ملخصاً، اور اسی میں ہبہ کے متعلق ہے، والد کو حق نہیں کہ وہ بچے کے مال سے کوئی چیز ہبہ کرے خواہ بالعوض کیوں نہ ہو کیونکہ ہبہ ابتداءً تبرع ہوتا ہے اھ (ت)

تو وہ عقد محض باطل واقع ہوا یہاں تک کہ خود محمود کے بعد بلوغ جائز و مسلّم رکھنے سے بھی اس کی اصلاح ممکن نہیں،

لانہ عقد فضولی صدر ولا مجیز، فی حجر العقود الدریۃ عن جامع الفصولین لوطلق الصبی امرأتہ او وھب مالہ او عقد عقدا مما لوفعلہ ولیہ فی صباہ

کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جس کو جائز کرنے والا کوئی نہیں، اور عقود الدریہ کے باب الحجر میں جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر بچہ بیوی کو طلاق دے یا کوئی ہبہ کرے یا کوئی ایسا عقد کرے کہ اگر وہ عقد اس کا ولی اس کے بچپن میں

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳
[2] " کتاب الہبۃ " ۲/ ۱۶۰

لو یجز علیه فھذہ کلھا باطلۃ، وان اجازھا الصبی بعد بلوغہ لم تجز لانہ لامجیز لھا وقت العقد فلم تتوقف علی الاجازۃ الا اذا کان لفظ اجازتہ بعد البلوغ مایصلح لابتداء العقد فیصح ابتداء لا اجازۃ کقولہ اوقعت ذٰلک الطلاق فیقع لانہ یصلح للابتداء[1] اھ ملتقطا۔

کرتا تو بچے پر لاگو نہ ہوتا، تو بچے کے یہ تمام امور باطل ہیں، اور بلوغ کے بعد اگر وہ ان امور کو جائز کرے تو بھی جائز نہ ہونگے کیونکہ عقد کے وقت ان کو جائز کرنے والا کوئی نہ تھا لہذا وہ اجازت پر موقوف نہ ہوئے، ہاں اگر بلوغ کے بعد ایسے لفظ سے جائز کرے جس سے ابتداءً عقد ہوسکے تو ابتداء عقد کے طور پر یہ صحیح ہوجائے گی تاہم اجازت نہ کہیں گے، مثلاً بلوغ کے بعد یوں کہے میں نے وہ طلاق واقع کی، تو طلاق اب ہوگی کیونکہ یہ لفظ ابتدائے طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے اھ ملتقطاً۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ محمود کا بعد بلوغ دستاویز نوشتہ حمیدہ کو مسلم مقبول رکھنا بھی محض مہمل و بے سُود اور شرعاً نامقبول و مردود۔ اب اس نے جو خود ابتداء دوبارہ تملیک نامہ لکھا وہ عبارتیں صراحۃً نص ہیں کہ محمود نے صرف زر آمدنی توفیر رشیدہ کو دینا چاہا اصل رقبہ جائداد کی ہبہ و تملیک کا اُن میں کہیں ذکر نہیں، تحریر اوّل میں کہ ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوا "آنچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم بمن میرسد مالکش رشیدہ است" وہاں بھی حصہ سے مراد صرف حصہ توفیر ہے کہ اُس سے پہلے تصریحاً لفظ آمدنی مذکور اور یہاں بھی باندازہ مبلغ پنجہزار روپیہ کا لفظ اسی طرف ناظر، اور یہ عقد وصیت تو کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ وصیت میں فی الحال مالک نہیں کیا جاتا،

لانھا تملیک مضاف الٰی ما بعد الموت کما فی التنویر[2] وغیرھا۔

کیونکہ یہ تملیک مابعد الموت کی طرف منسوب ہوتی ہے جیسا کہ تنویر الابصار وغیرہ میں ہے (ت)

اور عبارات زید صریح ہیں کہ رشیدہ فی الحال مالک ٹھہرائی گئی کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) نہ یہ ممکن کہ بلحاظ لفظ نسلاً بعد نسلٍ جو لوگ نسل رشیدہ سے بعد کو پیدا ہوں ان کے حق میں وصیت قرار دی جائے کہ وہ وقت عقد معدوم تھی اور معدوم کے لئے وصیت باطل،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الحجر حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب قندھار ۲/۱۹۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۷

فی الدر المختار شرائطہا کون الموصی اھلاً للتملیک وکون الموصٰی لہ حیا وقتہا[1] اھ ملخصاً۔

درمختار میں ہے اس کی شرائط میں سے ہے کہ وصیت کرنے والا اس تملیک کا اہل ہو، اور وصیت کے وقت جس کے لئے وصیت کی ہے وہ زندہ ہو اھ ملخصاً (ت)

تو لاجرم ہبہ ہی ہوگا، اور یوں ہبہ کرنا کہ اس گاؤں کی آمدنی جو ہوا کرے گی میں نے تجھے ہبہ کی، شرعاً صحیح نہیں،

فی الفتاوی الخیریۃ بھٰذا اعُلِمَ عدم صحۃ ھبۃ ماسیتحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاھر اھ[2]۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے اس سے معلوم ہُوا کہ جس کو دونوں قریوں سے حاصل کرے گا اس کا ہبہ صحیح نہیں کیونکہ ہبہ کرنے والا ابھی تک خود اس پر قابض نہیں تو دوسرے کو کیسے مالک بنائیگا، یہ ظاہر بات ہے اھ (ت)

اور اگر بالفرض اصل جائداد ہی کا ہبہ ہوتا جب بھی نرا باطل تھا کہ وُہ جائداد حسب بیان سائل مشاع وغیر منقسم ہے اور اسی طرح مشیر ہے محمود کا وہ بیان کہ چوں وہیوٹ مختاری آں از قدیم الایام بقبضۂ من است اھ کہ پٹے بانٹ کے بعد تو ہر ایک شریک اپنے حصہ کا مختار ہو جاتا ہے اور ہبہ مشاع مذہب صحیح پر محض باطل،

فی الفتاوی الخیریۃ (سئل) فی رجل وھب ابنا لہ بالغا نصف مایملک (اجاب) الھبۃ باطلۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی قال فی مشتمل الاحکام نقلا عن تتمۃ الفتاوی[ع] ان ھبۃ

فتاوٰی خیریہ میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنے بالغ بیٹے کو اپنی نصف ملکیت ہبہ کی ہے تو جواب دیا کہ یہ ہبہ باطل ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، اور مشتمل الاحکام میں انھوں نے تتمۃ الفتاوٰی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ

ع فی الاصل ھکذا واظنہ اسی طرف، بدر۔

---

[1] درمختار | کتاب الوصایا | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۳۱۷

[2] فتاوٰی خیریۃ | کتاب الہبہ | دار المعرفۃ بیروت | ۲/ ۱۱۱

المشاع باطلة وھو الصحیح انتھی[1] اھ۔

غیر منقسم حصہ کا ہبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے انتہی اھ (ت)

اسی لئے اگر موہوب لہ اسی حالت سے قبضہ بھی پالے تاہم وہ اس کا مالک نہیں ہو جاتا نہ اس کے تصرفات اس میں روا ہوں اور واہب کے تصرف سراسر نافذ رہتے ہیں،

کما صرح بہ فی تنویر الابصار و مغنی المستفتی والفتاوی التاجیۃ والمبتغی والجوھرۃ والبحر الرائق و نقلہ الامام الزیلعی[2] عن الامام الھمام ابی جعفر الطحاوی و الامام فخر الملۃ والدین قاضیخان والامام ابن رستم و فی نور العین عن الوجیز نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف و مذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القھستانی ھو الصحیح، وعن المضمرات ھو المختار وکذا صححہ فی العمادیۃ[3]، قال فی رد المحتار فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی ورواہ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ظھر انہ الذی علیہ العمل[4] الخ وتمامہ فیہ۔

جیسا کہ اس کی تصریح تنویر الابصار، مغنی المستفتی فتاوٰی تاجیہ، المبتغی، جوہرہ اور بحر الرائق میں ہے اور اس کو امام زیلعی نے امام ہمام ابو جعفر طحاوی، اور امام فخر الملۃ والدین قاضیخان اور امام ابن رستم سے نقل کیا، اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اس پر نص فرمائی ہے اور یہی امام ابو یوسف کا قول اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، اور قہستانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے، اور مضمرات میں اس کا مختار ہونا منقول ہے اور ایسے ہی عمادیہ میں اس کی تصحیح کی ہے، رد المحتار میں فرمایا جہاں تک میرا علم ہے یہ ظاہر الروایۃ ہے اور بیشک اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے نص فرمائی ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے اس کو روایت کیا ہے تو ظاہر ہوا کہ اسی پر عمل ہے الخ اس کا مکمل بیان رد المحتار میں ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ | کتاب الہبہ | دار المعرفۃ بیروت | ۲/ ۱۱۳
[2] تبیین الحقائق | " | المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر | ۵/ ۹۴
[3] رد المحتار بحوالہ نور العین | " | دار احیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۵۱۱
[4] رد المحتار | " | " " " | ۴/ ۵۱۱

بلکہ اس قدر تو بالاجماع ثابت ہے کہ اس قسم کے ہبہ میں خود واہب اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو اختیار رجوع رہتا ہے اگرچہ موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہو اگرچہ ہبہ زوجہ یا ذو رحم محرم کے نام ہو باوجودیکہ زوجیت و رحم موانع رجوع سے ہیں،

فی الخیریۃ اجمع الکل علٰی ان للواہب استردادھا من الموھوب لہ ولوکان ذارحم محرم من الواھب وکما یکون للواھب الرجوع فیہا یکون لوارثہ بعد موتہ[1] اھ ملتقطا۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ واہب کو موہوب لہٗ سے واپس لینے کا حق ہے اگرچہ وہ واہب کا ذی محرم ہو، اور جس طرح واہب کو رجوع کا حق ہے ایسے ہی اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو حق ہے اھ ملتقطا (ت)

اور اگر صورت مستفسرہ میں شیوع نہ بھی پایا جائے (جیساکہ محمود کا لفظ "خالصا بمن مقرر شدہ" اور لفظ "موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا" اس کا ایہام کرتا ہے) تاہم ہبہ محض ناتمام ہے اور رشیدہ کی ملک اُس میں ہرگز ثابت نہ ہوگی کہ ان دستاویزوں کی عبارت خود صریح نص ہے کہ محمود نے رشیدہ کو جائداد پر قبضہ نہ دلایا بلکہ صراحۃً قبضہ دینے سے انکار کیا حیث قال "حوں واہب و مختاری آن الی قولہ ہیں طور از آمدنی مملوکہ اہل خانہ خود الخ" اور ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل[2] اھ۔

درمختار میں ہے مکمل قبضہ کے بعد ہبہ تمام ہوتا ہے اھ۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر ہبہ صحیحہ میں واہب بے قبضہ دیئے مرجائے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے اور فرائض اللہ پر تقسیم پاتی ہے،

فی موانع الرجوع من شرح التنویر والمیم[عـہ] موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل[3]۔

شرح تنویر الابصار میں 'رجوع سے موانع' میں ذکر کیا 'م' فریقین میں سے سونپ دینے کے بعد کسی کی موت ہو اور موت اس سے پہلے ہو تو پھر باطل ہے (ت)

عـہ اشارۃ الی قول صاحب التنویر "دمع خزقہ" ۔ عبدالمنان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[2] درمختار ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۶۱

غرض جہاں تک نگاہ کی جائے اس عقد کے لئے کوئی وجہ صحت نہیں، نہ جائداد کا ہبہ ٹھیک آتا ہے نہ توفیر کا، نہ وصیت نہ کوئی صورت، پھر محمود کے یہ الفاظ کہ "منقر و وارثانم را الخ" کیا کام دے سکتے ہیں، آخر جس بنا پر اس نے یہ لفظ لکھے تھے جب راسا وہی منعدم ہے تو یہ جو اس پر مبنی تھے خود منعدم ہو گئے، بھلا یہ عقد تو شرعاً کچھ اصل ہی نہیں رکھتا خاص ہبہ صحیحہ میں شرع مطہر کا حکم ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہو جائے واہب کو ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے اور اس پر قبضہ دلانے کا جبر نہیں ہو سکتا،

لانہ متبرع والمتبرع لاجبر علیہ فی الدر المختار صح الرجوع فیہا بعد القبض اما قبلہ فلم تتم الہبۃ[1] اھ ای والرجوع انما یکون عن شیئ وقع و تم و قبل[ع] التمام دفع لارفع۔

کیونکہ وہ متبرع (بھلائی کے طور پر مفت دینے والا) ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے ہبہ میں قبضہ دینے کے بعد رجوع صحیح ہے جبکہ قبضہ سے قبل تو ہبہ تام ہی نہیں ہے اھ، یعنی شئی کے وقوع اور تام ہونے کے بعد رجوع ہوتا ہے جبکہ تام ہونے سے قبل دفاع ہوتا ہے رفع نہیں ہوتا۔ (ت)

اور کوئی شخص اپنی کسی تحریر خواہ تقریر سے احکام شرع مطہر کو نہیں بدل سکتا

دیکھو جہاں موانع نہ ہوں تو شرع نے واہب کو بعد قبضہ بھی رجوع کا اختیار دیا اگرچہ وہ ہزار بار کہے میں نے اپنا حق رجوع ساقط کیا، مجھے رجوع کا اختیار نہ رہا اگر رجوع کروں تو نامقبول ہو کچھ مسموع نہیں اور حق رجوع بدستور باقی۔

فی فتاوی الامام قاضیخان رجل وہب لرجل شیئا ثم قال الواہب اسقطت حقی فی الرجوع لایسقط حقہ[2] اھ ومثلہ فی البزازیۃ وغیرہا۔

امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے ایک شخص دوسرے کو ہبہ کرکے کہے میں نے اس کے رجوع کا ساقط کر دیا ہے تو اس کا یہ حق ساقط نہ ہوگا اھ، اور اسی طرح بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور جب اس کے کہنے سے خود اس کا حق زائل نہیں ہوتا تو ورثہ کو نزاع و دعوٰی سے کون مانع ہو سکتا ہے فان الرجل اقدر علٰی نفسہ منہ علی غیرہ کما لایخفٰی (کیونکہ دوسرے کی نسبت انسان کو اپنی ذات پر قدرت زیادہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت)

بالجملہ صورتِ مستفسرہ میں خلاصہ حکم یہ ہے کہ محمود و حمیدہ کی یہ سب دستاویزیں محض لغو و مہمل و

ع: لیس فی الاصل الواو قبل قبل ولابد منہ ۱۲ عبد المنان (اصل میں قبل سے پہلے واو نہیں ہے حالانکہ یہاں واو ضروری ہے)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الہبہ فصل فی الرجوع فی الہبہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۴

بیکار ہیں اور اس کاغذ کا نام شرع میں کچھ نہیں کہ جب شرعاً یہ کوئی عقد ہی نہ ہوا تو اس کا نام کیا رکھا جائے اور رشیدہ اور اس کی اولاد کو ان تحریرات کی رُو سے مطلق کسی طرح کا استحقاق نہ اصل جائداد میں حاصل ہوا نہ زرِ توفیر میں، نہ انھیں دعویٰ کرنا شرعاً جائز بلکہ حرام وممنوع۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۹ ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے بحالت نوکری سرکاری اپنے بیٹے بکر کے نام جو کہ اُس وقت محض نابالغ تھا اپنے روپیہ سے کچھ جائداد خریدی اور کچھ جائداد اپنی بی بی منکوحہ کے نام خریدی اور اُس وقت ایک بیٹی نابالغ بھی تھی اس کے نام نہیں خریدی پھر زید کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا اُس کے نام بھی کچھ جائداد خریدی مگر وہ لڑکا بحالت نابالغی ہی میں فوت ہوگیا، جب اس فوت شدہ لڑکے نابالغ کی جائداد کے کرایہ دار کو بیدخل عدالت سے زید نے کرایا تو عدالت میں تو زید نے بیان کیا کہ جائداد میری ہے اور میرے روپیہ سے خریدی گئی ہے لڑکے کا نام اسم فرضی تھا، جب زید نوکری سے علیحدہ ہو کر اپنے مکان پر رہا تو اس وقت زید کی دو اور لڑکیاں بھی نابالغ تھیں اُن کے نام بھی جائداد نہیں خریدی اُس وقت اپنے نام جائداد خریدی اور کچھ بیٹے بکر کے نام سے بھی (جو کہ اُس وقت قریب بلوغیت کے تھا) خریدی مگر زید کل جائداد کی آمدنی جو اپنے نام اور بکر کے نام اور بیٹے متوفی کے نام اور اپنی بی بی کے نام تھی از خود وصول کرتا تھا اور اپنے تحت اور اختیار میں رکھتا تھا کسی کو اس میں مداخلت نہ تھی اور زید کی زندگی میں بکر کو جو کہ اس وقت بالغ تھا یہ اختیار نہ تھا کہ جائداد یا جائداد کی آمدنی سے کچھ کسی صرف روٹی کپڑے سے جیسا کہ دنیا میں باپ بیٹوں کو کھلاتے ہیں کھائے اور پہنے گو زید نے بکر کی شادی بھی کر دی تھی مگر اس حالت میں بھی بکر کو آمدنی جائداد سے کچھ سروکار نہ تھا جو جائداد بکر کے نام سے خریدی تھی اس کے نالشات کی پیروی میں بکر ہمراہ زید کے جایا کرتا تھا کہ بکر کے نام سے ہوتی تھی چنانچہ زید کی زندگی میں حالت مذکورہ بالا رہی، جب زید نے وفات پائی تو اس وقت یہ کل جائداد اور اسباب اور نقدی بکر اور والدۂ بکر کے پاس رہی اور بکر تحصیل آمدنی کرنے لگا، جب والدۂ بکر نے بھی انتقال کیا تو سب جائداد وجنس ونقد بکر کے ہاتھ آئی اس وقت سے آج تک بکر قابض ومتصرف ہے، بکر نے اب کل جائداد کی آمدنی کی توفیر اور اس روپیہ سے جو کہ زید چھوڑ کر مرا اور جائداد اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام خریدی، اب اگر تقسیم جائداد کی ہو اور بہنیں اپنا حصہ طلب کریں تو از رُوئے شرع شریف آیا کل جائداد میں سے جو کہ بکر کے نام پہلے تھی اور اب بکر نے زید کے روپیہ اور کل جائداد کی آمدنی کی توفیر سے اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام سے خریدی تھی حصہ مل سکتا ہے یا صرف اُس

جائداد میں سے جوکہ زید کے نام اور زید کی بی بی کے نام اور عمرو متوفی کے نام تھی مل سکتا ہے،
لہذا التماس ہے کہ فتوٰی بموجب حکم خدا و رسول دیا جائے تاکہ اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

3/3

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، وہ جائداد کہ زید نے نابالغ بیٹے بکر کے نام بدفعات اپنے روپیہ سے خریدی خاص ملک بکر کی ہے جس میں دیگر وارثان زید کا اصلاً کچھ حق نہیں۔ عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لا تملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ[1] اھ مافی العقود **اقول** فشراء الاب باسم الولد یقع رأسا للولد لان الاب یملک ذٰلک فالولد ملک العقار ابتداء والاب متبرع باداء الثمن حیث لم یظھر قصد الرجوع۔

ذخیرہ اور تجنیس میں ہے، عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی زمین اپنے مال سے خریدی تو یہ خریداری ماں کی اپنی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کی مالک نہیں، تو یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں نے اسے ہبہ کیا ہے عقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی، **اقول** (میں کہتا ہوں) تو باپ کی ایسی خریداری ابتداء سے بیٹے کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ہی ہوگی کیونکہ باپ کو نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کا اختیار ہے اور باپ رقم کی ادائیگی میں بیٹے کے حق میں متبرع ہوگا کیونکہ اس نے رجوع کا اظہار نہیں کیا (ت)

اور جائداد کا تاحیات زید قبضہ بکر میں نہ آنا کچھ مضر نہیں کہ اوّل تو زید کی ملک بربنائے ہبہ نہیں بلکہ بربنائے خرید پدر ہے کما علمت اٰنفا (جیسا کہ تُو نے ابھی جانا۔ ت) اور ملک بذریعہ شراء قبضہ پر موقوف نہیں، اور بالفرض ہبہ ہی ٹھہرایئے تو قبضہ پدر بعینہٖ قبضہ پسر نابالغ ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

ھبۃ الاب لطفلہ تتم بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الصغیر

نابالغ بچّے کے لئے باپ کا ہبہ صرف عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے کیونکہ وہ ہبہ باپ کے قبضہ میں بیٹے کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

لانہ ولیہ[1]۔ کیونکہ یہ اس کا ولی ہے۔(ت)

اور آمدنی جائداد سے بکر کو سروکار نہ ہونا بھی ملکِ بکر کے منافی نہیں کہ نابالغ کی خود اپنی جائداد خاص غیر عطائے پدر ہوتی تو اس پر اور اس کی آمدنی پر بھی باپ ہی کا تصرف واختیار ہوتا نابالغ کو اس سے بھی کچھ سروکار نہ ہوتا اور بعد بلوغ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو جائدادیں لوگ اپنے بیٹوں کو لکھ دیتے اور تکمیلِ ہبہ کے لئے بھی قبضہ کرادیتے بلکہ درپردہ بیع صحیح شرعی وہبہ ثمن تملیک بلاعوض کی تکمیل کرتے ہیں ان پر بھی تاحیات آباء ان مالکان واقعی کا کچھ اختیار اور باپ کی دست نگری کے ساتھ روٹی کپڑے کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا اور اتفاقاً جو حیاتِ پدر میں اپنا مستقل اختیار رکھنا چاہتا ہے بدوضع و آوارہ ناسعادتمند گنا جاتا ہے۔ نظیر اس کی اس کا عکس ہے کہ جب بیٹے لائق وہوشیار وقابل کار ہوتے اور باپ اپنا فارغ البال رہنا چاہتے ہیں تمام املاک پدر بقبضہ وتصرف ابناء میں رہتے ہیں، مالکوں کو روٹی کپڑے کے سوا کچھ تعلق نہیں ہوتا جبکہ اس سے بیٹوں کا مالک ہونا لازم نہیں آتا اس سے باپ کا مالک ہونا ہی کچھ جائے گا بلکہ بدرجہ اولٰی کہ بیٹوں کا قبضہ نہ ہونا تو کراہت قلبی سے بھی ہوسکتا ہے کہ دل میں قبضہ پدر سے راضی نہ ہوں مگر لحاظ کے باعث مانع نہیں آتے خصوصاً نابالغ کہ اس کی رضا بھی کوئی شے نہیں بخلاف آباء کہ ان کی املاک پر تصرفاتِ ابناء ان کی رضا ہی سے ہوتے ہیں باوجود اس کے یہ قبضہ واختیار وتصرف واقتدار دلیلِ ملک نہیں ہوتا،

کما فی الخیریۃ وفی القنیۃ فعم (ای فتاوی العصر للامام علی السندی) عن (ای الامام عمر النسفی) امر اولادہ ان یقسموا ارضہ التی فی ناحیۃ کذا بینھم ففعلوا لایثبت الملک لھم، ظم (ای الامام ظھیر الدین المرغینانی) مثلہ بخ (ای الامام بکر خواھر زادہ) قال لولدہ تصرف ھذہ الارض فاخذ یتصرفھا

جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں ہے، اور قنیہ میں "فع" یعنی فتاوی العصر امام علی سندی عن یعنی امام عمر النسفی، باپ نے بیٹوں سے کہا کہ فلاں علاقہ میں واقع میری زمین کو آپس میں تقسیم کرلو، انھوں نے ایسا کیا تو بیٹوں کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ "ظم" یعنی امام ظہیر الدین المرغینانی، اسی کی مثل "بخ" یعنی امام بکر خواہر زادہ، ایک شخص نے اپنے بیٹے سے کہا اس زمین میں تصرف کرلو، تو بیٹے نے تصرف شروع

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الہبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

لا تصیر ملکا لہ[1] | کردیا اس سے بیٹے کی ملکیت نہ بنے گی (ت)

یونہی زید کا جائداد عمرو پسر دوم کی نسبت اس کی مرگ کے بعد یہ ظاہر کرنا کہ جائداد میری ہے میرے روپیہ سے خریدی گئی، عمرو کا نام فرضی تھا کچھ مضرت نہیں کرتا کہ اول تو یہ صرف اس کا زبانی دعوٰی تھا ملکِ عمرو شرعًا ثابت ہوئی صرف اس کے اسم فرضی بتانے سے کیونکر زائل ہوسکتی تھی، نہ اس کے روپیہ سے خریدا جانا اس کے مِلک پر دلیل تھا جبکہ صراحۃً اس نے پسر نابالغ کے نام خریدی۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2] | باپ کے مال سے خریداری کرنے سے لازم نہیں کہ وہ مبیع باپ کی ملک ہو۔ (ت)

اور بالفرض ہو بھی تو اس سے بکر کا نام بھی فرضی ہونا لازم نہیں، تو بلاوجہ دلیلِ شرعی سے کیونکر عدول ہوسکتا ہے، پس لاجرم یہ جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام خریدیں ہرگز محلِ توریث نہیں۔ اسی طرح وُہ بھی جو بکر نے اپنے یا اپنے نابالغ بیٹوں کے نام مول لیں اگرچہ قیمت زرِ مشترک سے ادا کی ہو،

فان الشراء متی وجد نفاذًا علی عاقد نفذ کما فی الھدایۃ والدرالمختار[3] وغیرھما من الاسفار۔ | کیونکہ خریداری جب خریدار پر نافذ ہو تو وہ نافذ ہی قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ، درمختار وغیرہا کتب میں ہے (ت)

خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی[4] | بیٹے کے یہ کہنے سے کہ میں نے یہ گھر باپ کے مال سے خریدا ہے، باپ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

غایت یہ کہ اگر ثابت ہوجائے کہ زرِ ثمن مال مشترک سے دیا گیا تو باقی ورثہ کا اس قدر روپیہ بقدر اپنے حصص کے بکر پر قرض رہے گا جس کے مطالبہ کے وہ مستحق ہیں نہ کہ جائداد کا کوئی پارہ ان کی ملک ٹھہرے۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الہبۃ باب فی الفاظ التی ینعقد بہا الہبۃ کلکتہ بھارت ص ۲۱۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الوکالۃ فصل لایعقد وکیل البیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

ما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک[1]

ان میں سے جو بھی اپنی ذات کے لئے خریدے گا وہ اسی کی ہوگی، اور اس کے شرکا حضرات اتنے ثمن کا اس کو ضامن بنائیں بشرطیکہ اس نے مشترکہ مال سے ادائیگی کی ہو۔ (ت)

پس ثابت ہُوا کہ زید نے جو نقد روپیہ چھوڑا یا زید و عمرو و زوجہ زید کے نام جو جائدادیں تھیں بس وہی متروکہ زید و زوجہ زید ہیں باقی جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام یا بکر نے خود اپنے یا اپنے بیٹوں کے نام خریدیں ملک بکر و پسرانِ بکر ہیں جن میں باقی ورثہ زید کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ

۶ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ جائداد موروثی اور خود خرید مقبوضہ مملوکہ اپنے کے بنظر حق تلفی دیگر ورثاء شرعی کے نصف جائداد بطریق ساز اور مصلحت وقت اپنی زوجہ مدخولہ نومسلم شیعہ کے نام تاحینِ حیات اس کے ہبہ کردی اور اختیار انتقال اور قبضہ جائداد موہوبہ پر موہوب الیہا کو نہ دیا اور تحصیل و تشخیص و مصارف ضروری و غیر ضروری اپنے اختیار میں رکھی اور یہ شرط ہبہ نامہ میں لکھی کہ بالعوض حق الخدمت یہ جائداد ہبہ کی جاتی ہے تاحینِ حیات اپنے موہوب الیہا مالک اس جائداد کی گردانی جائے اس کے بعد دختر متوفیہ کی اولاد کہ محجوب الارث ہے مالک ہوگی اور وہ شیعہ مذہب ہے، بعد تملیک ہبہ نامہ کے زید نے ایک جزء موہوبہ کا بیع کر ڈالا اور بقیہ موہوبہ کو لبشمول جزء منجملہ نصف جائداد غیر موہوبہ کے اپنی اور زوجہ مدخولہ کی طرف سے اس نواسہ شیعہ محجوب الارث کے نام بلا کسی استحقاق ہبہ مکرر کیا اور تاحینِ حیات اپنے خود قابض و متصرف رہا اور مرگیا، ایسی صورت میں یہ ہبہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ دونوں ہبہ محض باطل و بے اثر ہیں اور جائداد میں اُس عورت خواہ نواسے کا کوئی استحقاق بذریعہ ہبہ نہیں بلکہ تمام و کمال وُہ جائداد خاص متروکہ زید قرار پاکر بحکم فرائض اُس کے وارثوں پر تقسیم کی جائے گی یہاں بطلان ہبہ کے لئے اگر اور کوئی وجہ نہ ہو تو اسی قدر بس ہے کہ حیاتِ واہب میں قبضہ نہ ملا۔ عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

لا یثبت الملك للموهوب له قبل القبض[1]

قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی (ت)

درمختار میں ہے :

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

"م" فریقین میں سے کسی ایک کی سونپ دینے کے بعد موت ہے اور سونپنے سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵ : ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ ! بعد تسلیم نیاز کے گزارش ہے اگر زید نے عمرو کو کوئی چیز ہبہ بلا عوض کی اور اس کو دس بارہ برس کا عرصہ بھی گزر گیا کہ وُہ جب سے قابض ودخیل ہے تو زید اس کو واپس کرسکتا ہے یا نہیں ؟ فقط راقم خاکسار عزیز اللہ

الجواب

اگر وُہ شخص اس کا ذی رحم محرم نہیں یعنی نسب کے رُو سے ان میں باہم وُہ رشتہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرمتِ نکاح کا موجب ہوتا ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، نہ یہ واہب وموہوب لہ وقتِ ہبہ باہم زوج وزوجہ تھے، نہ موہوب لہ وقتِ ہبہ فقیر تھا، نہ اب تک موہوب لہ اس ہبہ کے عوض میں کوئی چیز یہ جتا کر واہب کو دے چکا ہے کہ یہ تیرے ہبہ کا معاوضہ ہے، نہ اس عین شیئ موہوب میں کوئی ایسی زیادت موہوب لہ کے پاس حاصل ہوئی اور اب تک باقی ہے جس سے قیمت بڑھ جائے جیسے زمین میں عمارت یا پیڑ یا کپڑے میں رنگ یا جاندار میں فربہی یا کنیز میں حُسن یا اسے کوئی صنعت یا علم آجانا تو ان سب شرائط کے ساتھ جب تک وُہ شے موہوب اس موہوب لہ کی ملک میں باقی وقائم اور واہب وموہوب لہ دونوں زندہ ہیں اگرچہ ہبہ کو سو برس گزر چکے ہوں واپس لینے کا اختیار ہے بایں معنی کہ یا تو موہوب لہ خود واپسی پر راضی ہوجائے یا بحکم حاکم شرع واپس کرالے ورنہ آپ جبراً لے لینے یا کسی غیر حاکم شرع کے حکم سے واپس کرانے کا اصلاً اختیار نہیں، یونہی اگر ان آٹھ شرطوں سے کوئی بھی کم ہے تو واپسی کا مطلقاً اختیار نہ ہوگا، پھر یہاں اختیار کا صرف اتنا حاصل کہ واپسی صحیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] درمختار " باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ہوجائے گی لیکن گناہ ہر طرح ہوگا کہ دے کر پھیرنا شرعاً منع ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی مثال ایسی فرمائی جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی والمسائل کلہا مبسوطۃ فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار (اللہ تعالٰی کی پناہ، اور یہ تمام مسائل درمختار وغیرہ کتب میں بسط سے مذکور ہیں۔ ت) صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ہبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء[1]، رواہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ہبہ دے کر رجوع کرنیوالا اپنی قے میں عود کرنے والے کتے کی طرح ہے، بُری مثال ہمارے شایانِ شان نہیں۔ دونوں نے اسے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

سُنن اربعہ میں ہے حضور اقدس سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل الذی یعطی العطیۃ ثم یرجع فیہا کمثل الکلب اکل حتی اذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ[2] رواہ عن ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم و صححہ الترمذی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس شخص کی مثال جو عطیہ دے کر پھر اس میں رجوع کرتا ہے اُس کتے کی طرح ہے جو سیر ہو کر کھاتا ہے پھر سیر ہوجانے پر قے کرتا ہے اور اپنی قے میں رجوع کرتا ہے یعنی چاٹتا ہے۔ انھوں نے اس کو ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے روایت کیا اور ترمذی نے اسکی تصحیح کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] جامع ترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراہیۃ الرجوع من الہبۃ امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۵
صحیح البخاری کتاب الہبۃ ۱/۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم کتاب الہبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ 〃 〃 〃 ۲/۳۶

[2] سُنن ابی داؤد کتاب البیوع باب الرجوع فی الھبۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۴۳
سُنن النسائی کتاب الھبۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۶
سُنن ابن ماجہ ابواب الہبات باب الرجوع فی الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۴
جامع الترمذی ابواب الولاء والھبۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الرجوع فی الھبۃ امین کمپنی دہلی ۲/۳۵

مسئلہ ۵۲

۴ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک بھائی حقیقی اور تین حقیقی بھتیجوں کو ایک مکان ہبہ بلا عوض کیا اور ہبہ نامہ رجسٹری کرا کر اُن کے حوالے کیا جس کو عرصہ دس بارہ برس کا گزر گیا کہ یوم ہبہ سے وہ ہر طرح اب تک اس پر قابض اور دخیل ہیں اور مرمت اور شکست و ریخت وغیرہ سب انھیں کے اختیار او رہاتھ سے ہوتے رہے اور اس درمیان تین بھتیجوں میں سے دو نے قضا کی اُن کی جگہ اُن کی اولاد خورد سال اور ان کی بیویاں قائم اور قابض ہوئیں، اب زید ہبہ کو فسخ کیا چاہتا ہے تو اب اس کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ بیّنوا۔

الجواب

اگر زید نے وہ مکان تقسیم کرکے ہر موہوب لہ کو ایک محدود و معین و ممتاز ٹکڑے پر جدا جدا قبضہ کاملہ کرا دیا تھا یا وہ مکان کوئی چھوٹی سی دکان یا کوٹھری تھا کہ قابلیت تقسیم نہ رکھتا تھا یا چاروں موہوب لہم وقتِ ہبہ فقیر تھے (اور فقیر کے معنی بالغوں کے لئے یہ ہیں کہ مال بقدر نصاب کے خود مالک نہ ہوں اگرچہ اُن کے والدین غنی یعنی مالکِ نصاب ہوں اور نابالغ کے فقیر میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا غنی باپ زندہ موجود نہ ہو اگر مال غنیہ ہو کر بچہ اپنے باپ کی زندگی میں اُس کے غنا سے غنی قرار پاتا ہے یہاں تک کہ اُسے زکوٰۃ و صدقہ واجبہ دینا روا نہیں اور ماں کے غنا سے غنی نہیں ٹھہرتا) ان صورتوں میں وہ ہبہ قطعاً صحیح و تام و نافذ و لازم ہو گیا جس میں رجوع کا زید کو ہرگز اختیار نہیں کہ موہوب لہم فقیر ہیں تو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں ورنہ وہ سب واہب کے ذی رحم محرم ہیں اور ایسی قرابت میں ہبہ سے رجوع ناجائز، خصوصاً بھتیجوں کے حصہ میں تو رجوع سے ایک اور مانع بھی پیش آیا یعنی موہوب لہم کا مرجانا کہ جوازِ رجوع کے لئے زندگی عاقدین بھی شرط ہے،

فی الدر المختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل فی محوز مقسوم و مشاع لایبقی منتفعا بہ بعد ان یقسم کبیت وحمام صغیرین لانہا لاتتم بالقبض فیما یقسم لعدم تصور القبض الکامل فان قسمہ و سلمہ صح لزوال المانع وھب

درمختار میں ہے کامل قبضہ سے ہبہ تام ہوتا ہے اس میں جو تقسیم ہو کر محفوظ چیز اور ایسی غیر منقسم چیز جو تقسیم ہو کر محفوظ اور قابلِ انتفاع نہ رہے، جیسے چھوٹا کمرہ اور چھوٹا حمام، کیونکہ قابلِ تقسیم چیز میں قبضہ تام نہیں ہوتا اس لئے کہ کامل قبضہ متصور نہیں ہو سکتا ہاں اگر قابلِ تقسیم کو تقسیم کرکے سونپا تو صحیح ہے کیونکہ مانع زائل ہو گیا،

اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا لشیوع فیما یحتمل القسمۃ واذا تصدق بعشرۃ دراھم او وھبھا للفقیرین صح لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلا شیوع، ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نسبا لایرجع[1] اھ ملتقطا وفی رد المحتار عن التتارخانیۃ عن المضمرات لو قال وھبت منکما ھذہ الدار والموھوب لھما فقیران صحت الھبۃ بالاجماع[2] اھ، وفی مختصر القدوری لایصح الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض[3] اھ۔

دو حضرات نے ایک مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو صحیح ہے، اگر عکس ہو یعنی ایک نے دو کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ قابل تقسیم غیر منقسم ہوا، اور اگر دس درہم صدقہ کئے یا دو فقیروں کو ہبہ کئے صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کے لئے ہوتا ہے اور وہ ایک ہی ذات ہے، تو غیر منقسم ہونا نہ پایا گیا، اور فریقین سے ایک کا سونپ دینے کے بعد فوت ہوجانا اور قرابت رجوع کے لئے مانع ہے تو اگر اپنے کسی نسبی ذی محرم کو ہبہ کیا تو رجوع نہ کرے گا اھ ملتقطا۔ اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے مضمرات کے حوالہ سے منقول ہے اگر کہا کہ میں تم دونوں کو یہ مکان ہبہ کرتا ہوں حالانکہ موہوب لہ دونوں فقیر ہیں تو ہبہ صحیح ہے بالاجماع اھ

اور مختصر القدوری میں ہے قبضہ کے بعد صدقہ میں رجوع صحیح نہیں اھ۔ (ت)

اور اگر وہ مکان بڑا یعنی قابلِ تقسیم تھا اور زید نے مشاعًا چاروں کو ہبہ کیا اور تقسیم کرکے خاص خاص معین حصوں پر جُدا جُدا قابض نہ کردیا اور موہوب لہم سب یا بعض اُس وقت غنی بمعنی مذکور تھے (یعنی اُن میں کوئی بذاتِ خود مالکِ نصاب تھا یا ان میں کسی نابالغ کا باپ مالکِ نصاب زندہ موجود تھا) تو رجوع و واپسی درکنار یہ ہبہ صحیح ومعتمد و ظاہر الروایۃ پر سرے سے مفید ملک واقع نہ ہوا مکان بدستور ملکِ زید پر باقی ہے جس میں موہوب لہم خواہ ان کے ورثہ کا کوئی حق نہیں اُن پر لازم ہے کہ سارا مکان زید کو واپس دیں اور زید قطعًا اختیار رکھتا ہے کہ جس وقت چاہے بے اُن کی رضامندی کے بطور خود قبضہ کرلے جس سے نہ اُن کی قرابت منع کرسکے نہ بعض عاقدین کا مرجانا کہ مکان اُن کی ملک میں

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۹ تا ۱۶۳
[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۵۱۳
[3] مختصر القدوری 〃 مطبع مجیدی کانپور ص ۱۵۷

آیا ہی نہ تھا جو شرائطِ رجوع دیکھے جائیں بلکہ بعض علماء کہ ہبہ مشاع کو فاسد اور بعد قبضہ ناقصہ مفید ملکِ خبیث مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس کا رَد واجب، اور واہب کو ہمیشہ اختیارِ رجوع رہتا ہے جس سے قرابت خواہ موت احد العاقدین وغیرہما کوئی مانع اصلاً منع نہیں کرسکتا، بہرحال اس صورت میں ان لوگوں کا قبضہ اگرچہ سالہا سال سے ہے محض ناجائز و بے اثر کہ تقادم مدت سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة کالدار والارض ولو صدق الوارث علی صدورها من المورث ولا تفید الملك فی ظاهر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لا یملکه حتی لاینفذ تصرفه فیه فیکون مضمونا علیه وینفذ فیه تصرف الواهب ذکره الطحاوی و قاضی خان و روی عن ابن رستم مثله و ذکر عصام انها تفید الملك وبه اخذ بعض المشائخ انتهی، ومع افادتها للملك عند هذا البعض اجمع الکل علی ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو کان ذا رحم محرم من الواهب، وکما یکون للواهب الرجوع فیها یکون لوارثه بعد موته لکونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك[1] اھ ملخصًا۔

قابلِ تقسیم چیز کا مشاعی طور پر (غیر منقسم طور پر) ہبہ صحیح نہیں، جیسے مکان اور زمین اگرچہ مورث کے مرنے کے بعد اس کے وارث تصدیق بھی کردیں کہ مورث نے یہ ہبہ کیا تھا، اور ظاہر الروایۃ میں یہ ہبہ مفیدِ ملک نہیں ہے، امام زیلعی نے فرمایا اگر بطور شیوع ہبہ کیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا حتی کہ اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا تو وہ مضمون بنے گا جبکہ واہب تصرف کرے تو نافذ ہوگا یہ طحاوی اور قاضیخان نے ذکر کیا ہے، ابن رستم سے یہی منقول ہے جبکہ عصام نے ذکر کیا کہ مفیدِ ملک ہوگا، اسی کو بعض نے لیا ہے اھ، ان بعض حضرات کے مفیدِ ملک ہونے کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر واہب واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی محرم ہو، اور جس طرح خود واہب رجوع کرسکتا ہے اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء بھی رجوع کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ قابلِ رد ہے اور ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان دیا جائے گا اھ ملخصاً (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

قہستانی میں ہے :

وکما لایمنع الرجوع فی الھبۃ الفاسدۃ القرابۃ فکذا غیرھا من الموانع[1] اھ

جس طرح قرابت فاسد ہبہ کو واپس لینے میں مانع نہیں اسی طرح دیگر امور بھی مانع نہیں اھ ،

اقول فقد ظھر الجواب اذا کانوا جمیعا اغنیاء وکذا اذا کان بعضھم غنیا والبعض فقیرا لان الشیوع انما لایعمل فی الصدقۃ اذا تصدق بالکل علی فقیرین او فقراء لکون المراد بالکل ح ھو وجہ الواحد الاحد الفرد جل جلالہ کما مر عن الدر المختار[2] اما اذا کان بعضہ ھبۃ لغنی فلم یکن المراد بکلہ وجھہ تعالٰی فتحقق المعنی المانع عن افادۃ الملک علی المذھب الصحیح الرجیح المعتمد الاترٰی الی ما صرح بہ فی تنویر الابصار وشرحہ الدر المختار من ان الصدقۃ کالھبۃ بجامع التبرع وح لاتصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم[3] اھ قال فی البحر فان قلت تقدم ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیما یحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین قلت المراد ھنا

اقول (میں کہتا ہوں) تو جواب واضح ہو گیا کہ صدقہ کی صورت میں سب غنی ہوں یا بعض غنی اور بعض فقیر ہوں تو رجوع صحیح ہے کیونکہ شیوع صدقہ میں مؤثر نہیں اسی لئے جب کل دو یا کئی فقیروں پر صدقہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ صدقہ واحد احد جل جلالہ کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ درمختار سے گزرا، اور اگر اس کُل کا بعض حصہ کسی غنی کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ اب کُل اللہ وحدہ کے لئے نہ ہوا تو صحیح معتمد مذہب کے مطابق مفید ملک ہونے سے مانع پایا گیا، آپ نے دیکھا تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار نے جو تصریح کی کہ صدقہ ہبہ کی طرح تبرع کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے تو مفید ملک نہ ہونے کی صورت میں غیر مقبوض اور قابلِ تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ ، بحر میں فرمایا اگر اعتراض ہو کہ پہلے یہ گزرا کہ قابلِ تقسیم غیر منقسم چیز کا صدقہ دو فقیروں کو جائز ہے جو اس عبارت میں بیان کیا کہ دس دراہم دو فقیروں کو جائز ہے تو میں جواب دیتا ہوں

---

[1] جامع الرموز

[2] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار " فصل فی مسائل متفرقہ ۲/۱۶۶

من المشاع ان یھب بعضہ لواحد فقط فح ھو مشاع یحتمل القسمۃ بخلاف الفقیرین فانہ لاشیوع کما تقدم[1] اھ فما نحن فیہ عین[ع] تلک الصورۃ المصرح

کہ یہاں مشاع سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کا بعض ایک کو دیا جائے، تو یہ مشاع قابلِ تقسیم ہے بخلاف جب دو فقیروں کو ہبہ کیا جائے تو شیوع نہ ہوگا، جیسا کہ گزرا ہے اھ تو ہماری زیر بحث صورت بعینہٖ یہی ہے،

ع ثم رأیت بحمد اللہ تعالٰی نفس الجزئیۃ فی العقود الدریۃ حیث قال وجہ صحتہا اذا کانت لفقیرین ما صرحوا بہ من ان الصدقۃ یراد بہا وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلا شیوع والا فقد صرحوا فی المتون ایضا بان الصدقۃ کالھبۃ لاتصح فی مشاع یقسم ای بان یتصدق ببعضہ علی واحد والحاصل انہ لو وھب دارہ مثلا التی تحتمل القسمۃ من غنیین لایصح للشیوع خلافا لھما ولو تصدق بہا علی فقیرین یصح اتفاقا لما مر ولو وھب نصفہا لواحد وتصدق بہ علی فقیر واحد لم یصح لتحقق الشیوع[2] اھ ھکذا ھو بالواؤ فی و تصدق فی النسخۃ المطبوعۃ ببولاق مصر سنہ ۱۲۷۳ من الھجرۃ المطھرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ع پھر میں نے بحمد اللہ تعالٰی بعینہٖ یہ جزئیہ العقود الدریۃ میں دیکھا، جہاں انھوں نے فرمایا اس کی صحت دو فقیروں کی صورت میں ان کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالٰی کی رضا مطلوب ہے اور وہ ذات واحد احد ہے تو شیوع نہ ہوا، ورنہ تو خود فقہاء نے متون میں تصریح فرمائی ہے کہ صدقہ ہبہ کی طرح قابلِ تقسیم شیوع میں صحیح نہیں کہ ایک چیز کا بعض حصہ ایک کو صدقہ کرے، الحاصل اگر ایک مکان جو قابلِ تقسیم ہے دو غنی حضرات کو ہبہ کیا تو شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اس میں صاحبین کا خلاف ہے، جبکہ یہ مکان دو فقیروں کو صدقہ کیا تو بالاجماع جائز ہے جیسا کہ گزرا ہے اور اگر اس مکان کا بعض غیر منقسم حصہ ایک فقیر کو صدقہ دیا اور بعض حصہ دوسرے ایک کو ہبہ کیا تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ شیوع پایا گیا (بولاق مصر کے مطبوعہ ۱۲۷۳ھ کے نسخے میں "وتصدق" ہے، "تصدق" سے قبل واؤ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] بحرالرائق کتاب الہبۃ فصل بمنزلۃ مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۹۷

[2] العقود الدریۃ کتاب الہبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۴

ببطلانها اعنی التصدق بالبعض و ابقاء البعض علی ملک نفسه فان الهبة فی حصة الاغنیاء لما لم تفد شیئا للشیوع بقیت تلک الحصة علی ملک الواھب فلم یکن الا تصدقا بالبعض وابقاء للبعض الباقی فلم یصح ای لم یفد ملکا للفقیر ایضا و به تبین ان لیس ھذا رجوعا فی الصدقة حتی لاتجوز بعد القبض فان الرجوع انما ھو بعد ثبوت الملک للفقیر وھٰھنا لاملک فلا رجوع فلا منع ھکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق ۔ واللہ سبحٰنه تعالٰی اعلم و علمه جل مجده اتم و احکم۔

جس کے بطلان کی تصریح ہے یعنی ایک چیز کے بعض کو صدقہ کرنا اور بعض کو اپنی ذاتی ملک میں رکھنا کیونکہ اغنیاء کے حصّے کا ہبہ جب شیوع کی وجہ سے مفیدِ ملک نہ ہوا تو وہ حصہ واہب کی اپنی ملک میں رہا تو یہ صرف بعض کا صدقہ اور بعض کا اپنی ملک میں باقی رکھنا ہُوا تو صحیح نہ ہوگا، یعنی فقیر کی ملکیت کے لئے بھی مفید نہ ہُوا تو واضح ہوگیا کہ مذکورہ صورت میں صدقہ میں رجوع نہ بنا حتی کہ بعد قبضہ بھی ناجائز ہے اور رجوع تب ہوتا کہ فقیر کی ملکیت پہلے ثابت ہوتی جبکہ یہاں فقیر کی ملکیت ثابت نہ ہوئی، تو ملک نہیں ہوئی تو رجوع بھی نہ ہُوا تو ممنوع صورت نہ ہوئی، جب توفیق ساتھ دے تو تحقیق یُوں چاہیے۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ و اتم و احکم۔ (ت)

مسئلہ ۵۳

۲۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان خرید کر اپنی دختر ہندہ عاقلہ بالغہ کو ہبہ کامل مع قبضہ کردیا، زید خود دوسرے مکان میں رہتا تھا اس مکان موہوب میں ہندہ بعد ہبہ سالہا سال سے رہا کی اور رہتی ہے مگر زید نے اس ہبہ کی کوئی دستاویز نہ لکھی، ہاں کل عزیز اور چند ورثاء اور تمام اہل محلہ اس ہبہ سے آگاہ ہیں اور گواہی دینے کو موجود ہیں اس صورت میں وہ ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا نہیں اور مکان ہندہ دختر زید ہے یا ملکِ زید قرار پاکر اس کے ترکہ میں تقسیم ہوگا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ مکان خالص ملک ہندہ دختر زید ہے جس میں زید کا اصلاً کوئی استحقاق نہیں، نہ وہ زید کا ترکہ قرار پاسکے کہ شریعتِ مطہرہ میں ہبہ وغیرہ تمام عقود صرف زبان سے ہیں تحریر کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے بغیر کسی عقد کو ناتمام وغیر مکمل تصور کیا جائے

فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

اما اشتراط کونہ یکتب فی حجۃ ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحۃ ذٰلک شرعًا والزیادۃ لایحتاج الیہا[1] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔

لیکن شرط لگانا کہ اشٹام لکھا جائے اور رجسٹروں میں درج کیا تو شرعًا یہ ضروری نہیں، اور شرعی وضع کے خلاف ہے کیونکہ اکیلا لفظ ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے اور زیادہ کی ضرورت نہیں اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۴ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ایک اراضی اپنے بیٹے کے نام خریدی، بعد ایک مدت کے وہ زمین ایک طبیب کو ہبہ کی پسر زید اصل مالک زمین نے کہ عاقل بالغ تھا اس فعل کو جائز رکھا اور کہا کہ مجھے منظور ہے چنانچہ وہ طبیب ایک مدت تک برضائے واہب ومالک اُس زمین پر قابض ودخیل رہا، اب بعد انتقالِ زید وپسر زید نبیرۂ زید اُس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے، آیا وہ اسے واپس لے سکتا ہے؟ اور اس واپس لینے کا اسے شرعًا اختیار ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کا ہبہ ہبہ فضولی تھا مگر جب اصل مالک نے اس کی اجازت دی اور موہوب لہ نے برضائے مالک قبضہ پالیا تو وہ زمین اس طبیب کی مِلک تام ہوگئی اب کہ مالک نے انتقال کیا اصلاً حقِ رجوع کسی کو نہ رہا نبیرۂ زید کا ارادہ واپسی محض مہمل ہے اُسے خواہ کسی کو اُس زمین کو واپس لینے کا اصلاً اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

باب موانع الرجوع یجمعھا حروف دمع خزقہ والمیم موت احد المتعاقدین[2] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رجوع سے موانع کو یہ حروف جامع ہیں، دمع خزقہ، اور "م" سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۱۶

[2] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱

مسئلہ ۵۵ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد انتقال مورثِ اعلیٰ کے ترکہ مشترکہ سے جزء عمرو کو زبانی دیا یا بخشا یا کل حصہ خالد اور ولید کو بذریعہ تحریر ہبہ کیا اور جزء یا کل غیر منقسم پر قبضہ دیا، بعد اس کے دیگر شرکاء اور زید میں بابت ترکہ مشترکہ غیر منقسم مورثِ اعلیٰ کے نزاع ہوکر تقسیم جائداد ہوئی، زید مذکور نے از رُوئے تقسیم اپنا وہ حصہ کہ جس کا جزء یا کل ہبہ کرچکا تھا پایا اس کُل کو بیع کردیا صورت مذکورہ بالا میں دہندگی اور بخشندگی اور ہبہ زبانی و تحریری جائز اور قابلِ نفاذ ہے یا نہیں؟ بیان کرو تم اجر پاؤ تم۔

الجواب

شئے مشترک صالح تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہرگز صحیح نہیں اور اگر یونہی مشاعاً یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے تاہم وہ شئی بدستور ملکِ واہب پر رہتی ہے موہوب لہ کا اصلاً کوئی استحقاق اُس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وُہ ہرگز بذریعہ ہبہ اس کا مالک ہوسکے جب تک واہب تقسیم کرکے خاص جزء موہوب معین محدود ممتاز جداگانہ پر قبضہ کاملہ نہ دے، یہاں تک کہ ایسے قبضہ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اُس شئی میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل و ناقابل نفاذ ہے اور واہب کے سب تصرفات جیسے قبل ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام و نافذ ہیں، یہی حق و صحیح و معتمد ہے اور اسی پر تعویل و اعتماد لازم۔ پھر یہ شیوع چاہے یوں ہو کہ سرے سے خود واہب کی جائداد میں ایک حصہ غیر منقسم کا مالک ہے یہی حصہ کل یا بعض قبل تقسیم ہبہ کیا یا یہ تو اس کل چیز کا مالک تھا مگر ہبہ اس میں سے ایک جزء غیر منقسم کا کیا یا ہبہ بھی کل کا کیا مگر دو شخصوں کو دیا اور ہر موہوب لہ کا حصہ جدا و ممتاز کرکے قبضہ نہ دلایا، تینوں صورتوں کا وہی حکم ہے کہ ہبہ محض ناتمام اور ایسے قبضہ کے بعد بھی موہوب لہ کو اصلاً ملک حاصل نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض فی محوز مقسوم و مشاع لایقسم لافیما یقسم ولو لشریکہ فان قسمہ وسلمہ صح ولو سلمہ شائعًا لایملکہ فلا ینفذ تصرفہ فیہ[1] اھ ملتقطا۔

مقسوم محفوظ اور ناقابلِ تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے جبکہ مشاع قابلِ تقسیم ہو تو اگرچہ شریک کو ہی ہبہ کیا وہ صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر تقسیم کردیا اور قبضہ دے دیا تو صحیح ہوگا، اور مشاع کو ہی سونپ دیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا لہٰذا اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح و بعکسہ لا[1]۔

اگر دو حضرات نے ایک مکان ایک ہی شخص کو ہبہ کیا صحیح ہے، اگر عکس کیا تو صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ[2] میں ہے:

قال فی مشتمل الاحکام[3] نقلا عن تتمۃ[4] الفتاوی ان ھبۃ المشاع باطلۃ و ھو الصحیح[2]۔

مشتمل الاحکام میں تتمۃ الفتاوٰی سے منقول ہے کہ مشاع چیز کا ہبہ باطل ہے، یہی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار[5] میں ہے:

ولوسلمہ شائعا قال فی الفتاوی الخیریۃ لا تفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی[6] ولوسلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی[7] وقاضیخان[8] وروی عن ابن رستم[9] مثلہ وافتی بہ فی الحامدیۃ[10] والتاجیۃ[11] وبہ جزم فی الجوھرۃ[12] والبحر[13] ونقل عن المبتغی[14] انہ لو باعہ الموھوب لہ یصح وفی نورالعین[15] عن الوجیز[16] الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض و لا یثبت الملك فیھا الا عند اداء العوض، نص علیہ محمد فی المبسوط[17]

اگر مشاع کا قبضہ دیا خیریہ میں فرمایا کہ وہ ظاہر الروایۃ میں مفید ملک نہ ہوگا، امام زیلعی نے فرمایا اگر مشاع پر قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا' لہذا اس کا تصرف بھی صحیح نہ ہوگا اگر کیا تو ضمان دے گا، اس میں واہب کا تصرف نافذ رہے گا' یہ طحاوی اور قاضیخان نے ذکر کیا ہے' اور ابن قاسم سے ایسی ہی روایت ہے اور اسی پر حامدیہ اور تاجیہ میں فتوٰی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم فرمایا ہے، اور المبتغٰی سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ نے اس کو فروخت کیا تو جائز نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ باعثِ ضمان ہوگا اس پر موہوب لہ کی ملکیت عوض ادا کئے بغیر ثابت نہ ہوگی اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار — کتاب الہبۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ — " — دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۳

وھو قول ابی یوسف [18] وذکر قبلہ ھبۃ المشاع فیما یقسم لا تفید الملک عند ابی حنیفۃ [19] وفی القھستانی [20] ھو المختار کما فی المضمرات [21] وھو الصحیح فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد ورووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل ونص فی الاصل انہ لو وھب نصف دارہ من اٰخر وسلمھا الیہ فباعھا الموھوب لہ لم یجز دل انہ لایملک حیث ابطل البیع بعد القبض ونص فی الفتاوٰی انہ ھو المختار [1] اھ ملخصًا۔

اور یہی امام ابو یوسف کا قول ہے، اس سے قبل ذکر فرمایا کہ مشاع جو قابلِ تقسیم ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک وہ مفید ملک نہ ہوگا اور قہستانی میں فرمایا یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہی صحیح ہے، اور میرے علم کے مطابق یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی نص ہے اسی کو انھوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، تو واضح ہوا کہ اسی پر عمل ہے، اور مبسوط میں نص فرمائی ہے کہ اگر کسی کو نصف مکان ہبہ کیا اور سونپ دیا اور موہوب لہ نے اسے فروخت کر دیا تو یہ کارروائی جائز نہ ہوگی، یہ کلام دال ہے کہ موہوب لہ اس کا مالک نہ ہوا کیونکہ انھوں نے قبضہ کے باوجود بیع کو باطل کہا ہے، اور فتاوٰی میں منصوص ہے کہ یہی مختار ہے، اھ تلخیصا۔ (ت)

صورتِ مستفسرہ میں زید نے جو اپنے حصہ کا ایک جز عمرو کو دیا یا خالد و ولید کو کل حصہ ہبہ کیا دونوں حالتوں میں یہ نہ صرف ایک وجہ سے مشاع بلکہ ہر طرح مشاع در مشاع تھا عمرو کو دینے میں یوں کہ اصل حصہ زید ہی ہنوز مشاع تھا پھر اس مشاع میں کا ایک جز غیر منقسم عمرو کو بخشا، اور خالد و ولید کے نام ہبہ میں یُوں کہ ایک تو اصل حصہ مشاع دوسرے دو شخصوں کو بے تقسیم دینا، پس بہر حال حکم یہی ہے کہ یہ سب ہبہ تحریری ہوں خواہ زبانی محض باطل و بے اثر ہوئے اور عمرو و خالد و ولید کو کوئی استحقاق اس موہوب میں نہ ملا اور بیع کہ زید نے کی بے تامل صحیح و نافذ و تام و کامل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نصف جائداد کا اپنے پسر متوفی کی زوجہ کو اپنی حیات و صحت میں مالک کر دیا اور وُہ جائداد جب ہی منقسم ہوگئی کہ ہونے حیاتِ زید میں اس پر قبضہ کاملہ پالیا اور بعد زید بھی بدستور پچاس برس بلکہ زائد تک اُس پر قابض رہی اب عورت

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

نے اپنا بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زید کے دوسرے پسر کی اولاد اس جائداد میں دعوٰی کرتے ہیں اس صورت میں دعوٰی ان کا قابلِ سماعت ہے یا وہ صرف حق وارثان عورت ہے اولاد پسر زید کا اس میں کچھ حق نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ نصف جائداد کہ زید نے اپنی بہو کو دی اس کی مالک مستقل بہو ہوگئی وارثانِ زید کا اس میں کچھ حق نہ رہا، نہ اُن کا دعوٰی مسموع ہوسکتا ہے، وہ صرف حق وارثانِ عورت ہے

فان التملیك ان کان بیعا فظاھر وان کان ھبۃ فقد تمت بالتقسیم والقبض ولزمت بالموت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ تملیک بطور بیع ہو تو ظاہر ہے اور اگر بطور ہبہ ہو تو تقسیم اور قبضہ دینے سے تام ہوگیا اور موت سے لازم ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۰: ۲۳ رشعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ برس کا ہوا مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اور بعدا پنے دو بیٹے نام کلاں کا زید اور نام ثانی کا بکر تھا، اور بکر کا خالد نام ایک لڑکا بعمر دس سال بھی چھوڑا، جائداد متروکہ ہندہ میں بموجب ادخال فوتی نامہ پٹواری دیہہ محکمہ نظامت میں بجائے ہندہ زید پسر اور بجائے بکر خالد پوتا کا نام درج ہوگیا بکر نے بخیال مصلحت خاص بغرض حفظ جائداد کہ وہ مقروض تھا اور اپنا نام لکھوانے میں خوف تلف ہونے اس جائداد کا تھا اُس وقت سکوت اختیار کیا اور کوئی لفظ تملیک نہ کہا اور نہ تملیک منظور تھی نہ کوئی تحریر مثل ہبہ نامہ یا بیعنامہ (مثل دیگر جائداد کہ اپنے روپے سے خالد کو اور اُس کی ماں کو بذریعہ خرید و ہبہ کے لکھ چکا) اس حقیت کی کی۔ اور نہ اُس وقت تک باوجود بالغ ہونے کے خالد کو اس جائداد پر قبضہ دیا بخلاف دیگر جائداد کے جو دینا منظور تھی اس پر قابض و دخیل کردیا اور اس حقیت میں بطور فرضی نام درج رہا بکر کارکن اور قابض متصرف مالکانہ اس حقیت کا اس وقت تک ہے۔ اب خالد یعنی پسر بکر اُس پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے اور بکر چاہتا ہے کہ نام خالد کا محکمہ موصوف سے خارج ہوکر ترکہ مادری پر میرا نام درج ہو، لہذا بموجب شرع شریف بکر مستحق درج کرانے نام اپنے کا ہے یا نہیں اور بموجودگی پسر کے پوتا کو ترکہ دادی پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

محکمہ مال میں نام خالد کا اندراج جس کی بنا تحریر پٹواری پر تھی کوئی چیز نہیں کہ پٹواری خواہ

حکام مال ایک کے مال کا مالک دوسرے کو نہیں کرسکتے جبکہ جائداد ترکہ ہندہ والدۂ بکر تھی تو بلاشبہہ زید و بکر بحکمِ وراثت اُس کے مالک ہُوئے اور خالد کو کوئی استحقاق ابتدائی نہ ملا کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کا کچھ حق نہیں اب جو حصہ مِلکِ بکر ہوا دوسرا بے اُس کے تملیک کے کیونکر اس کا مالک ہوسکتا ہے،

فی ردالمحتار عن الکرمانی لان ملک الانسان لاینقل الی الغیر بدون تملیکہ[1]

ردالمحتار میں کرمانی سے منقول ہے کہ تملیک کے بغیر کسی کی ملکیت دوسرے کو منتقل نہ ہوگی۔(ت)

اور تملیک کی یہاں دو ہی صورتیں متصور، یا تو مالک آپ انشاء و ایجاب ہبہ کرے یا دوسرا شخص یعنی فضولی اس کی چیز کو ہبہ کرے اور یہ اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردے یہاں جو کچھ بکر سے صادر ہوا وہ محض سکوت ہے، اور پر ظاہر کہ سکوت خود تو کسی عقد کا ایجاب ہو نہیں سکتا کہ ایجاب کلام اول ہے اور سکوت ترکِ کلام، اور یہاں اسے اجازت قرار دینے کی بھی کوئی سبیل نہیں کہ اجازت کے لئے کوئی عقد فضولی ہونا تو درکار ہے جسے جائز کیا جائے اور بداہۃً واضح کہ صیغۂ مال والوں کا خانۂ ملکیت میں کسی کا نام لکھنا کوئی انشائے ہبہ نہیں ہوتا وہ تو صرف ایک یادداشت مالکیت ثابتہ ہے نہ احداث ملک جدید، تو یہاں سرے سے کوئی عقد فضولی پایا ہی نہ گیا کہ سکوت بکر کو اس کی اجازت قرار دیں قطع نظر اس سے کہ مجرد سکوت مطلقاً دلیل اجازت ہو بھی سکتا ہے یا نہیں خصوصاً وہ بھی ایسا کہ محض ایک مصلحت کی بناء پر ہو۔ پس ثابت ہُوا کہ یہاں اصلاً کوئی صورت تملیک متحقق نہ ہوئی اور حقیقت بدستور ملکِ بکر ہے، خالد کا دعوٰی اصلاً قابلِ سماعت نہیں، پھر اس تقریر کی حاجت بھی اُس حالت میں ہے کہ وفاتِ ہندہ کے بعد زید و بکر کا حصہ جدا جدا منقسم ہوگیا ہو اُس کے بعد بجائے بکر حصہ بکر میں نام خالد مندرج ہوا اور اگر قبل از تقسیم یونہی جائداد متروکہ غیر منقسمہ میں اندراج نام خالد ہوا (جیسا کہ ظاہر یہی ہے کہ فوتی نامہ بعد فوت معاً داخل ہوتا ہے نہ کہ جب جائداد کا ورثہ میں بٹے بانٹ ہوجائے) جب تو خالد کے لئے ملک ثابت نہ ہونا کسی بیان کا محتاج ہی نہیں اگرچہ نہ پٹواری بلکہ خود بکر نے نہ بلحاظ مصلحت بلکہ خاص بقیدِ تملیک ہی خالد کا نام درج کرایا ہو کہ اس حالت میں یہ اگر ہوگا تو غایت درجہ ہبۂ مشاع ہوگا اور ہبۂ مشاع اصلاً مفیدِ ملک نہیں اگرچہ اپنے بیٹے کے لئے ہو جب تک واہب تقسیم کرکے موہوب لہ کو قبضۂ کاملہ نہ دے یہاں کہ اب تک قبضہ نہ ہوا مِلکِ خالد کے کوئی معنٰی نہیں۔ فتاوٰی خیریہ و عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

المشاع فیما یحتمل القسمۃ وھو ما یجبر القاضی فیہ الاٰبی عن القسمۃ عند طلب الشریك لھا لاتفید الملك للموھوب لہ فی المختار مطلقا شریکا کان او غیرہ ابنا اوغیرہ[1] الخ۔

قابلِ تقسیم مشاع یعنی قاضی شریک کے مطالبہ پر اس منکر کو تقسیم پر مجبور کرے تو مختار قول میں ایسا مشاع موہوب لہ کی مِلک نہ بنے گا، یہ حکم عام ہے شریک ہو یا غیر ہو، بیٹا ہو یا غیر ہو، الخ۔ (ت)

مجموعہ علامہ القروی میں ہے:

فی المنتقی وھب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز مالم یقسمہ ویبین ماوھب لہ من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ[2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

منتقی میں ہے اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کو نصف مکان ہبہ کیا تو تقسیم کرکے دیئے اور واضح کئے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ یہ فتاوٰی تمرتاشی کی کتاب الہبہ کے آخر سے منقول ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۵

۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے حالتِ مرض الموت میں اپنی جائداد یعنی ایک دکان اور ایک مکان اپنے پسر عمرو کو اور اس کی زوجہ کو نصف نصف ہبہ بلا تقسیم کردی اس وجہ سے کہ زوجین میں نااتفاقی رہتی تھی بعد کو عمرو مذکور تا مرگ پُورا کرایہ دکان مذکور کا لیتا رہا اور تقسیم پر راضی نہ رہا اور اب عمرو نے وفات پائی ایک زوجہ اور ایک ہمشیر زادہ وارث چھوڑے اب ترکہ عمرو کا کیونکر تقسیم ہوگا یعنی دکان اور مکان پُورا پورا عمرو کا سمجھا جائے گا یا نصف نصف؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ زید نے مکان و دکان دو شخصوں کو نصف نصف ہبہ کئے اور تقسیم کرکے ہر ایک کو جدا جدا قبضہ نہ دلایا یہاں تک کہ مر گیا، تو مکان کا ہبہ تو یقیناً باطل ہُوا، یونہی دکان کا بھی، اگر وہ بعد تقسیم قابلِ انتفاع ہو یعنی اتنی گنجائش رکھتی ہو کہ اس کے دو حصے جُدا کر دئے جائیں تو ہر حصہ

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الہبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

[2] فتاوی القرویۃ " دارالاشاعت العربیہ قندھار " ۲/ ۲۸۴

تنہا بکار آمد رہے اس صورت میں وُہ مکان وُ دکان ترکہ زید رہے اور بعد زید اگر اس کا کوئی وارث سوا عمرو کے نہ تھا تو بشرط تقدیم دین ووصیت وہ دونوں صرف عمرو کے ملک ہوئے زوجۂ عمرو کا ان میں کچھ حق نہ تھا اب کہ عمرو مرا اگر اس کے وارث سے یہی دو شخص ہیں تو بعد ادائے مہر و دیگر دیون و انفاذ وصایا چار حصے کرکے ایک سہم زوجہ عمرو اور تین سہم ہمشیر زادہ عمرو کو دیں، اور اگر دکان ایسی کوتاہ وتنگ ہے کہ تقسیم کے بعد ہر حصہ جدا قابل انتفاع نہ رہے تو مکان کا ہبہ تو باطل تھا اس کی حالت تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی مگر دکان کا ہبہ ناجائز نہ ہوا، اب دیکھا جائے گا کہ زید نے اپنی حیات میں زوجۂ عمرو کو اس دکان پر قبضہ کرا دیا تھا یا نہیں، اگر نہیں تو ہبہ پھر باطل ہو گیا،

کما فی الدر المختار ان موت احد المتعاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ[1] (ملخصًا).

جیسا کہ درمختار میں ہے کہ فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ سے پہلے ہو تو وہ ہبہ کو باطل کردیتی ہے (ملخصًا)۔(ت)

اور اگر قبضہ کرا دیا تھا تو اس نصف دکان کو اندازہ کیا جائے زید کا جس قدر ترکہ بعد ادائے دیون باقی رہا یہ نصف اُس کُل ترکہ کے ثلث سے زائد تو نہیں، اگر زائد نہیں تو ہبۂ نصف بنام زوجۂ عمرو صحیح و تام ولازم ہو گیا، یہ نصف دکان خاص مِلکِ زوجہ ہے اور نصف باقی دکان و مکان و دیگر متروکات کا وہی حال ہے جو اُوپر گزرا، اور اگر ثلث سے زائد ہے تو از انجا کہ عمرو اس تقسیم پر راضی نہ تھا ثلث سے زائد کی مقدار میں ہبہ رَد ہو گیا'

فان الھبۃ فی مرض الموت فی حکم الوصیۃ من جھۃ التوقف علی اجازۃ الوارث فیما زاد علی الثلث وان لم تکن وصیۃ فی الحقیقۃ حتی بطلت فی المشاع وعند عدم القبض کما بینہ فی ردالمحتار[2]۔

کیونکہ مرض الموت میں تہائی ترکہ سے زائد ہبہ کیا تو وُہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہونے میں وصیت کے حکم میں ہے اگرچہ حقیقتاً وصیت نہ بھی ہو حتی کہ وہ مشاع ہونے اور قبضہ نہ ہونے پر باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے۔(ت)

اس تقدیر پر صرف بقدر ثلث متروکہ کے جتنا حصہ اس نصف دکان کا ہو وہی ملکِ زوجہ

---

[1] درمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۳۵

از روئے ہبہ ہے باقی دکان و مکان وغیرہا بدستور سابق تقسیم ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹ از بنارس محلہ کندیگر ٹولہ شفاخانہ مسجد بی بی راجی مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ونیز از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب ۱۴ رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین القاسم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے تھے: عمرو، بکر، خالد۔ زید نے عمرو کے نام سے ایک مکان خریدا اور قبالہ وغیرہ امور متعلقہ بیع بھی سب اُسی کے نام سے کئے، بعد اس کے عمرو اپنے باپ زید اور برادران خالد و بکر کی حیات میں قضا کر گیا تو اب عمرو کے بال بچے اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر عمرو اس وقت نابالغ تھا تو ہر طرح وہ مکان ملکِ عمرو ہوگیا، عمرو کے ورثہ پر حسبِ فرائض شرعیہ منقسم ہوگا،

فانہ ان وجدت اضافۃ العقد الٰی عمرو وقع الشراء لہ والاب یملکہ فملکہ عمرو ابتداءً والا وقع الشراء لزید ثم جعلہ باسم عمرو صار ہبۃ منہ بحکم العرف واستغنت عن القبض لان ہبۃ الاب لولدہ الصغیر تتم بمجرد الایجاب وفی الھندیۃ عن القنیۃ اشتری ثوبا فقطعہ لولدہ الصغیر صار واھبا بالقطع مسلما الیہ قبل الخیاطۃ ولو قال اشتریت ھذا لہ صار ملکا لہ[1] اھ ملخصا، وفی

کیونکہ اگر مکان کی خریداری عمرو کی طرف منسوب کی گئی تھی تو وہ عمرو کے لئے ہی ہوئی جبکہ باپ اس کارروائی کا مختار ہے تو اس مکان کا عمرو ابتداءً مالک بنا ورنہ خریداری باپ زید کی ہوئی پھر اس نے عمرو بیٹے کے نام کی تو یہ باپ کی طرف سے عرف کے لحاظ سے ہبہ ہوا اور اس ہبہ میں قبضہ دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ نابالغ بیٹے کو ہبہ کر دینے سے ہی تام ہو جاتا ہے۔ ہندیہ میں قنیہ سے مروی ہے کسی نے کپڑا خرید کر نابالغ بیٹے کے لئے اسے کاٹ دیا تو وہ واہب بن گیا اور بیٹے کو سونپا گیا اگرچہ ابھی سِلایا نہ ہو، اور اگر باپ کہہ دے کہ میں نے اپنے نابالغ بیٹے کیلئے خریدا ہے تو بیٹا مالک ہو گیا اھ ملخصًا۔ اور علامہ ستروشنی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

احکام الصغار للعلامۃ الاستروشنی عن الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لانھا تصیر واھبۃ والام تملک ذٰلک ویقع قبضھا عنہ۔[1]

کے احکام الصغار میں ذخیرہ اور تجنیس سے منقول ہے عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی تو یہ خریداری اس عورت کی اپنی ذات کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ملک ہوگی کیونکہ اس نے بیٹے کو ہبہ کردی جبکہ ماں کو یہ اختیار حاصل ہے تو ماں کا قبضہ بیٹے کے لئے ہوگا۔ (ت)

اور اگر بالغ تھا تو زید مشتری اور بائع مکان کے باہم عقد بیع وشراء میں جو لفظ زبان پر آئے اُن پر نظر کی جائے گی اگر اُن میں عمرو کی طرف اضافت عقد تھی مثلاً بائع نے کہا یہ مکان میں نے تیرے بیٹے عمرو کے ہاتھ بیچا زید نے کہا میں نے اس کے لئے خریدا یا اس کے جواب میں اتنا ہی کہا کہ میں نے خریدا' یا زید نے کہا یہ مکان میں نے اپنے بیٹے عمرو کے لئے خریدا، بائع نے کہا میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا' یا اسی قدر کہا کہ میں نے بیچا،

فان الاضافۃ فی احد الکلامین کافیۃ اذا لم یوجد فی الاٰخر خلافھا کما صححہ فی وجیز الکردری وحققناہ فیما علقناہ علٰی رد المحتار خلافا لما فھم العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی وصورۃ الخلاف ان تقع الاضافۃ فی احد الشطرین الٰی احد و فی الاٰخر کان قال اشتریت لفلان فقال بعت منک حیث یبطل العقد فی الاصح لانہ خاطب المشتری فردہ لغیرہ فلایکون جوابا فما بقی الا بشطر واحد افادہ فی فروق الکرابیسی

عقد کرنیوالے فریقین میں سے ایک کے کلام میں اضافت ہو تو کافی ہے بشرطیکہ دوسرے کا کلام اسکے منافی نہ ہو جیسا کہ وجیز کردری میں اس کی تصحیح ہے اور ہم نے اس کی تحقیق رد المحتار کے حاشیہ میں کی ہے جبکہ علامہ شامی کا فہم اس کے خلاف ہے حالانکہ خلاف کی صورت یہ ہے کہ ایجاب قبول میں سے ایک میں اضافت ایک کی طرف ہو اور دوسرے میں دوسرے شخص کی طرف اضافت ہو مثلاً خریدار کہے میں نے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی' تو اس کے جواب میں بائع یوں کہے یہ چیز میں نے تجھے فروخت کی، تو صحیح ترین قول میں یہ عقد باطل ہے کیونکہ بائع نے مشتری کو خطاب کرکے عقد دوسرے کی طرف پھیردیا۔

---

[1] جامع احکام الصغار علٰی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۷

کما نقلہ عنہا فی البحر[1]

تو مشتری کے ایجاب کے مطابق جواب نہ ہوا تو یہ عقد صرف ایک طرف ہوا، اس کا افادہ الکرابیسی کے فروق میں ہے، جیسا کہ اس کو وہاں سے بحر میں نقل کیا۔ (ت)

تو اس صورت میں یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازتِ عمرو پر موقوف رہا، اگر اس نے اجازت دی مکان ابتداءً ملک عمرو ہوا اور اسی کے ورثہ پر تقسیم ہوگا اور اگر پیش از اجازت مرگیا بیع باطل ہوکر مکان ملکِ بائع پر رہا،

فی الدر المختار لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ توقف بزازیہ وغیرہا[2] اھ مختصرا وفی البزازیۃ الصحیح وانہ اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازتہ[3] اھ وفی الدر لاتجوز اجازۃ وارثہ لبطلانہ بموتہ[4] اھ۔

درمختار میں ہے اگر کسی غیر کے لئے خریدا تو خریدار پر نافذ ہوگی بشرطیکہ اس کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا اگر خرید کو غیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے عقد کیا تو اس غیر کی اجازت پر عقد موقوف ہوگا، بزازیہ اھ مختصراً۔ اور بزازیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب فریقین میں سے کسی ایک کے کلام میں غیر کی طرف اضافت ہوگئی تو اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور درمختار میں ہے یہ موقوف عقد اس غیر کی موت کے بعد اس کے وارث کی اجازت سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کی موت سے یہ اختیار ختم ہوگیا اھ۔ (ت)

اور اگر لفظوں میں عمرو کی طرف اضافت نہ تھی اگرچہ قبالہ میں عمرو ہی کے ہاتھ بیچنا لکھا ہو

(فان العبرۃ بما تلفظ بہ لا بما کتبا ہ) کما نص علیہ فی الخیریۃ[5]

فریقین نے جو تلفظ کیا اس کا اعتبار ہوگا ان کے لکھے کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹
ردالمحتار کتاب البیوع " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶
[2] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱
[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۹۱
[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲
[5] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۹-۱۴۰

تو یہ شراء زید کے لئے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جبکہ تحریر قبالہ وغیرہا کارروائیاں بنام عمرو کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع زید کی طرف سے عمرو کے لئے ہبہ ہوا،

فان مثل ھذا یدل دلالۃ واضحۃ علی التملیک وھی المثبتۃ للھبۃ فی رد المحتار[1] التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک الخ فی احکام الصغار ان المعتبر فی الباب التعارف وفی العرف یراد بہ البر والصلۃ۔ الخ[2]۔

کیونکہ اس جیسی صورت کی تملیک پر واضح دلالت ہے اور اسی سے ہبہ کا ثبوت ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ ایجاب وقبول کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ ایسے قرائن کا وجود کافی ہے جو تملیک پر دال ہوں الخ، اور احکام الصغار میں ہے کہ اس باب میں تعارف معتبر ہے اور عرف میں ہبہ سے بھلائی اور صلہ مراد ہوتا ہے الخ۔ (ت)

پس اگر عمرو نے بربنائے ہبہ قبضہ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملکِ عمرو ہوگیا اُس کے ورثہ پر تقسیم ہوگا ورنہ ملکِ زید پر باقی ہے وارثانِ عمرو کا اس میں کچھ حق نہیں،

فی ردالمحتار عن البزازیۃ اتخذ لولدہ الصغیر ثوبا یملکہ وکذا الکبیر بالتسلیم[3] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے نابالغ بیٹے کے لئے کپڑا لیا تو بیٹا مالک ہوجائے گا اور یوں بالغ کے لئے بشرطیکہ اس کو سونپ دیا ہو اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰: از بڑونچ ملک مالوہ علاقہ دربار ٹونک مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۳۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلو بی بی مورث اعلٰی نے بذریعہ ہبہ تامہ اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ میر جعفر علی داماد خود کے قبضہ میں دے دی اور مسماۃ بگو بی بی دختر کلو بی بی مورثِ اعلٰی سے مسماۃ کنیز بانو ایک لڑکی از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئی اور وہ مسمّی نجیب شاہ کے عقد میں دی گئی اور بحیات میر جعفر علی وکلو بی بی مورث اعلٰی کے بگو بی بی وکنیز بانو لاولد ہر دونوں کا انتقال ہوگیا، میر جعفر علی حیات رہے ان کی دوسری زوجہ مسماۃ حاکم بی بی سے دو لڑکی کنیز فاطمہ وکنیز صغری

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸
[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۶
[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئیں اور بذریعہ اس ہبہ نامہ کے کہ جو کلو بی بی نے بنام میر جعفر علی کیا تھا جائداد موہوبہ و مقبوضہ میر جعفر علی پر کہ جس کو عرصہ ۵۵ سال کا ہوا بلکہ زائد قابض و متصرف ہیں اور بموجب اسی ہبہ نامہ کے احکام منظوری ریاست شرع شریف یعنی مفتی محکمہ قضا سے استخلاصہ صادر ہوئی کہ ہبہ نامہ نوشتہ کلو بی بی موسومہ میر جعفر علی صحیح و درست ہے بموجب اُس کے قبضہ کنیز فاطمہ و کنیز صغرٰی دختران میر جعفر علی مرحوم کا رہے، اب بعد مرور عرصہ مذکور کے مسمی امام شاہ برادر نجیب شاہ نے کہ نجیب شاہ شوہر کنیز بانو دختر میر جعفر علی مرحوم کا ہے عدالت شرع شریف میں دعوٰی دائر کیا کہ مسماۃ کنیز بانو نواسی کلو بی بی مورث اعلٰی میرے بھائی نجیب شاہ کے عقد میں تھی اسی وجہ سے جائداد متروکہ میر جعفر علی کے جو کلو بی بی سے بذریعہ ہبہ نامہ ان کے قبضہ میں ہے مجھ کو ملنا چاہئے دختران میر جعفر علی کا قبضہ فسخ فرمایا جائے، پس اندریں صورت جائداد موہوبہ کلو بی بی بنام میر جعفر علی عندالشرع کس کو پہنچ سکتی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وُہ جائداد بذریعہ ہبہ صحیحہ تامہ ملک جعفر علی ہوگئی کلو بی بی یا اس کے ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا، امام شاہ کا دعوٰی محض باطل و نامسموع ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اما حکمھا فثبوت الملك للموھوب لہ[1]

لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے ملکیت کا فائدہ دیتا ہے (ت)

اسی میں ہے:

اما العوارض المانعۃ من الرجوع فمنھا موت الواھب کذا فی البدائع[2] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔

رجوع سے موانع میں ایک یہ ہے کہ واہب فوت ہوجائے، جیسا کہ بدائع میں ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۱ از بیجناتھ پارہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجناتھ پارہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ایک عورت نے انتقال کیا اور ایک لڑکا چھوڑا اُس کے خاوند نے جب دوسرے نکاح کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] " " الباب الخامس " " " ۴/ ۳۸۶

قصد کیا تو عورت متوفیہ کی ماں مانع ہوئی کہ پہلے میری بیٹی کا مہر دے دو بعد میں نکاح کرو چنانچہ اس شخص نے بوقت نکاح اپنے لڑکے کے نام جائداد لکھ دی یا صرف اقرار ہی کیا اور بیان کیا کہ آئندہ جو کچھ از نقد یا جائداد حاصل کروں گا وہ اس عورت اور اس کی اولاد کا حق ہوگا۔ اس شخص نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے کے بعد انتقال کیا اور اس عورت ثانی نے بھی انتقال کیا اب ایک لڑکا پہلی بی بی کا ہے جس کے قبضہ میں کُل جائداد ہے' اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی دوسری بی بی سے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ اولاد ثانی اس ورثہ سے جو پہلے لڑکے کے تصرفات میں ہے کچھ پا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تمامی ہبہ کے لئے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقتِ ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو جیسے دیہات میں بغیر پٹہ بانٹ کے کچھ بسوے یا مکانات میں بغیر تقسیم جدائی کے کچھ سہام) اور واہب اُس تمام کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے، یا مشاع ہو تو اس قابل نہ ہو کہ اُسے دوسرے کی ملک سے جدا ممتاز کرلیں تو قابلِ انتفاع رہے جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں تو بیکار ہوئی جاتی ہے ایسی چیز کا بلا تقسیم قبضہ دلادینا بھی کافی و کامل سمجھا جاتا ہے، یا مشاع قابلِ تقسیم بھی ہو تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کرکے قبضہ دے دے کہ اب مشاع نہ رہی۔ یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں، اور پسر موہوب لہ اگر وقتِ ہبہ بالغ ہو تو خود اُس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اُسی کا قبضہ ہے کل ذلک مصرح بہ فی الکتب الفقھیۃ عن اٰخرھا (یہ تمام بحث کتبِ فقہ میں تصریح شدہ ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں اگر شخص مذکور نے وہ جائداد اپنے پسر کو تحریری خواہ زبانی ہبہ کردی اور بشرائط و معانی مذکورہ پسر کو قبضہ کاملہ دلادیا تو وہ جائداد خاص اُس پسر کی ملک ہوگئی دیگر ورثہ کا اُس میں استحقاق نہ رہا اور اگر ہبہ نہ تھا نرا اقرار ہی اقرار تھا کہ اُسے دے دُوں گا' یا ہبہ زبانی خواہ تحریری کیا مگر قبضہ نہ دیا تو وہ قبضہ کاملہ نہ تھا اگرچہ پسر نے بعد موت پدر قبضہ کاملہ کرلیا ہو تو ان صورتوں میں وہ جائداد بدستور ملکِ پدر پر باقی رہی تمام ورثہ حسب فرائض اُس سے حصہ پائیں گے فان موت الواھب قبل التسلیم یبطل الھبۃ کما فی الدر المختار[1] (کیونکہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جیسا کہ درمختار

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے۔ت)

مسئلہ ۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد قابلِ قسمت بشرکت اور تین شخصوں کے اپنے روپے سے خرید کرکے بلاتقسیم اپنی زوجہ کے نام لکھادی اور اس کی زندگی تک وہ جائداد منقسم نہ ہوئی، اب بعد وفات اس کی مالک اس جائداد کی فقط زوجہ مذکورہ ہے یا مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر تقسیم ہوجائیگی۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ جائداد مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر منقسم ہوجائے گی اور صرف زوجہ مذکورہ اس کی مالک نہیں ہوسکتی کہ یہ نام لکھا دینا ہبہ ہے اور ہبہ جائداد صالح قسمت کا بلاتقسیم صحیح و نافذ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مِلک دو بیٹوں پر منقسم تھی، ایک پٹی ہندہ اور ایک اس کے پسر زید کی تھی، ہندہ نے زید پسر اور اس کے ایک بیٹا کہ سامنے فوت ہوا تھا دو پوتے اور دو پوتیاں چھوڑ کر انتقال کیا زید نے ہندہ کی پٹی میں صرف اپنے بھتیجے عمرو کے نام جس کی عمر قریب ۲۳، ۲۴ سال کے تھی لکھوادیا مگر اب تک اُسے قبضہ نہ دیا، دونوں پٹیاں زید کے قبضہ میں ہیں، وہ پٹی بھتیجے کو دینا نہیں چاہتا، اس صورت میں ترکہ ہندہ مکان و مِلک وغیرہ کا مالک کون ہے اور پوتے پوتیوں کا بھی اس میں کچھ حق ہے یا نہیں؟ اور عمرو اس نام لکھوا دینے سے اُس پٹی کا مالک ہوگیا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں برتقدیر صدقِ مستفتی وعدم موانع ارث و وارث آخر و ادائے دیون و نفاذ وصایا کل متروکہ ہندہ کا مالک صرف اس کا بیٹا زید ہے اور نام لکھا دینا اگرچہ دلیلِ تملیک ہے اور یہ تملیک ہبہ مگر ہبہ بے قبضہ کے تمام نہیں ہوتا، نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہو ایسی [عہ] کہ زید نے اپنے بھتیجے کو قبضہ نہ دلایا وہ پٹی بھی بدستور زید کی مِلک ہے عمرو اس سے

عہ اصل میں اسی طرح ہے شاید قلم ناسخ سے لفظ "ایسی" کے بعد "صورت میں" چھوٹ گیا ۱۲۔

جبراً نہیں لے سکتا۔ ہدایہ میں ہے:

القبض لابد منہ لثبوت الملک لانہ عقد تبرع وفی اثبات الملک قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع بہ وھو التسلیم فلا یصح ولان القبض تصرف فی ملک الواھب اذ ملکہ قبل القبض باق[1] اھ قلت ومن ھھنا ظھر ان امتناعہ عن[ع] التسلیم لیس فی شیئ من الرجوع فان الرجوع فیہ بعد القبض اما قبلہ فلم تتم الھبۃ۔

ہبہ میں ملکیت کے ثبوت کے لئے قبضہ ضروری ہے کیونکہ یہ مفت عطیہ کا عقد ہے جبکہ قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت کرنا تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کو لازم کرنا جس کا ابھی اس نے تبرع نہیں کیا اور یہ قبضہ دینا تبرع ہے، تو قبل قبضہ درست نہ ہوا، دوسری وجہ یہ ہے قبضہ دینے سے قبل واہب کی ملکیت ابھی باقی ہے تو قبضہ سے قبل اس کی ملکیت میں تصرف لازم آئے گا اھ، میں کہتا ہوں، یہاں سے واضح ہوگیا کہ واہب کا قبضہ نہ دینا ہبہ سے رجوع نہ کہلائے گا، کیونکہ ہبہ میں رجوع قبضہ دینے کے بعد ہوسکتا ہے اس سے قبل تو ہبہ تام نہیں ہوا۔ (ت)

اور اب اگر عمرو بغیر اجازت زید کے خود قبضہ کرلے گا اصلاً بکار آمد نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں، زید وہندہ دونوں حیات، ان کے تین بیٹے: احمد ومحمد وحامد۔ احمد مختار عام، محمد روزگار پیشہ، حامد نابالغ۔ محمد سرمایہ روزگار اپنا معرفت زید وہندہ بالاشتراک صرف کرتا رہا زید نے منجملہ اپنی جائداد کے ایک اراضی افتادہ واسطے تعمیر مکان کے محمد کو دے دی اس نے منجملہ اپنے سرمایہ روزگار کے جو اس کے پاس جمع تھا اور اپنی زوجہ اور ماموں سے کچھ روپیہ اور چوب قرض لے کر مکان پختہ تعمیر کرایا اور یوم تعمیر سے آج تک اس پر قابض ہے، اور کسی قدر چوب متفرقہ تعمیر ہذا زید نے منجملہ تین باغات مملوکہ اپنے کے ایک قطعہ باغ از روئے تقسیم بلالحاظ کم وبیش محمد کو دیں کہ وہ صرف تعمیر ہوئے

[ع] فی الاصل بیاض بین لفظ التسلیم ولفظ فی شیئ ولفظ "کان" مرقوم بین فان الرجوع ۱۲۔

یہاں اصل میں لفظ "تسلیم" اور لفظ "فی شیئ" کے درمیان بیاض ہے اور لفظ "فان الرجوع" کے درمیان "کان" لکھا ہوا ہے ۱۲۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الہبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۲-۲۸۱

عند الضرورت واسطے انجام تعمیر مکان مذکور معرفت زید کسی قدر روپیہ قرض لیا گیا کہ محمد نے بعد تعمیر اپنے سرمایۂ روزگار سے زید کو دے دیا اب زید چاہتا ہے کہ مکان مذکور احمد و محمد و حامد سب کو تقسیم کر دے، یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تعمیرِ مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں، اگر زید نے زمین دیتے وقت کوئی لفظ ایسا جو شرعاً مفید ہبہ ہو نہ کہا تو صرف عاریت اور زمین بدستور ملک زید ہے اُسے اختیار جسے چاہے تقسیم کر دے ہاں عمارت کسی پر تقسیم نہیں ہو سکتی کہ وُہ خاص ملکِ محمد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ نے کہ زید کی خالہ ہے ایک باغ زید کو ہبہ کیا اور قابض کرادیا، آیا یہ ہبہ صحیح اور وُہ باغ زید کا قرار پائے گا یا نہیں؟ اور فاطمہ اب اسے واپس لے سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بر تقدیر وجود سائر شرائط ہبہ اگر فاطمہ نے باغ سے اپنا قبضہ بالکل اُٹھا لیا اور زید کو قابض کرا دیا تو ہبہ صحیح ہے اور وُہ باغ زید کا قرار پائے گا اور فاطمہ کو اس وجہ سے کہ وہ زید کی خالہ ہے رجوع ہبہ سے صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ انگریزی نے زید کے دیہات جاگیر ضبط کرکے کچھ روپیہ سالانہ مقرر کر دیا کہ بعد انتقال زید حسب فرائض منقسم ہوتا رہا، منجملہ اس کے ستاسٹھ روپیہ سالانہ ہندہ پاتی تھی، اس نے اپنے انتقال سے ۲۵ دن پہلے اپنا روزینہ اپنے نواسے کو ہبہ کیا اور بنام موہوب لہ اس کے منتقل ہو جانے کی درخواست دی، ہندہ کا بھتیجا یعنی اس کے چچا زاد بھائی کا بیٹا کہ اس کے سوا اور کوئی وارث نہیں، اس روپیہ پر دعوی کر رہا ہے، آیا اس صورت میں وہ ہبہ صحیح و نافذ اور بھتیجا کا دعوی باطل و ناجائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ ہبہ باطل و بے اثر، اور برادر زادہ ہبندہ کا دعوٰی صحیح و معتبر۔ اوّلاً اس ہبہ کا یہ محصل کہ وہاں سے جو روزینہ جب جب آوے اس کا مالک موہوب لہ ہے، اور وہ روزینہ ہبندہ بالفعل موجود نہیں، اور ہبہ معدوم باطل ہے۔ (جواب نامکمل ملا)

مسئلہ ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کے تین بیٹے عمرو، بکر، خالد۔ بکر نے ایک اراضی افتادہ مقبوضہ مملوکہ زید میں حسبِ اجازت زید اپنے سرمایہ روزگار سے ایک مکان پختہ تعمیر کرایا اور کچھ روپیہ اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا کسی قدر روپیہ بطورِ قرض زید نے بھی دیا کہ بکر نے اسے ادا کر دیا، اگر زید مکان معمرہ بکر کو عمرو و خالد پر بھی تقسیم کرنا چاہے تو بکر مستحق پانے اپنے سرمایہ ذاتی اور اس روپیہ کے جو اس نے اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا ہے عمرو و خالد سے ہے یا نہیں اور وہ اراضی ہبہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور اگر ہبہ تھی تو زید کا رجوع تعمیر مکان و قبضہ بکر کے بعد صحیح ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

باپ کا اپنے بیٹے کو ایک زمین افتادہ تعمیر مکان کے لئے بتا دینا تنہا مثبت ہبہ نہیں تاوقتیکہ اس کے ساتھ الفاظ ہبہ سے کوئی لفظ نہ پایا جائے مثلاً یہ زمین میں نے تجھے دے دی یا ہبہ کی یا تمھیں اس کا مالک کیا یا یہ زمین تیری ہی ہے و امثال ذٰلک ممایدل علی تملیک العین بلا عوض (اس کی مثل اور الفاظ جو بغیر عوض تملیک پر دلالت کریں۔ ت) پس اگر ان الفاظ سے کوئی لفظ پایا گیا تو بیشک صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح و تام و لازم ہو گیا زید کو رجوع کا اختیار نہیں، نہ وُہ اس مکان کو عمرو و خالد پر تقسیم کر سکتا ہے ورنہ بعد اجازت تعمیر سے صرف عاریت ثابت ہوگی زمین بدستور مملوک زید ہے بکر کا اُس میں کچھ حق نہیں اور جب وُہ اسی کی مملوک ہے تو نفس زمین میں اُسے ہر طرح کے تصرف مالکانہ کا اختیار ہے جسے چاہے دے سکتا ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور جبکہ بکر کسب و معاش مستقل رکھتا تھا تو جو عمارت اس نے اپنے زرِ خالص سے بنائی اس کا وہی مالک ہے زید کا اس میں کچھ حقِ ملک نہیں صورتِ سوال کہ زید کا کچھ روپیہ بغرض تعمیر بکر کو قرض دینا پھر اس سے وصول کرنا نص صریح ہے کہ زید بھی اس عمارت کے مملوک بکر ہونے پر متفق ہے،

فی العقود الدریۃ من کتاب العاریۃ العقود الدریۃ میں کتاب العاریہ کے بیان میں

سئل فی رجل بنی بمالہ لنفسہ قصرا فی دار ابیہ باذنہ ثم مات ابوہ عنہ و عن ورثۃ غیرہ فھل یکون القصر لبانیہ ویکون کالمستعیر الجواب نعم کما صرح بذلك فی حاشیۃ الاشباہ من الوقف عند قولہ کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہ فھو لمالکھا اھ ومسئلۃ العمارۃ کثیرۃ ذکرھا فی الفصول العمادیۃ و الفصولین وغیرھا وعبارۃ المحشی بعد قولہ ویکون کالمستعیر فیکلف قلعہ متی شاء انتھی۔[1]

مذکور ہے، ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے باپ کی اجازت سے اس کی زمین پر اپنے مال سے اپنے لئے محل بنایا پھر باپ اس سمیت دیگر ورثاء چھوڑ کر فوت ہوگیا تو کیا یہ محل اس بانی کا ہوگیا اور گویا باپ سے زمین عاریۃ لینے والا ہوا' **الجواب** 'ہاں، جیسا کہ اس کی تصریح الاشباہ کے وقف میں اس قول سے ہے جس نے غیر کی زمین میں تعمیر کی تو وہ زمین کے مالک کے اختیار میں ہوگی اھ جبکہ عمارت کا مسئلہ کثیر الوقوع ہے، فصول عمادیہ و فصولین وغیرہما میں مذکور ہے اور ماتن کے قول یکون کالمستعیر' گویا عاریۃ لینے والا ہوا' کے بعد محشی کی یہ عبارت ہے تو اس بیٹے کو مکان اکھاڑ لینے کا مکلف بنائے گا جب مالک چاہے اھ (ت)

فتاوٰی علامہ خیر الدین میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجۃ وعیال لہ کسب مستقل حصل بسببہ اموالا، اجاب ھی للابن حیث کان لہ کسب مستقل بنفسہ واما قول علمائنا اب وابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لھما شیئ ثم اجتمع لھما مال یکون کلہ للاب

ان سے بالغ شادی شدہ عیال والے بیٹے کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا اپنا مستقل کام وکسب ہے جس سے اس نے کثیر مال حاصل کیا (تو وہ خود مالک ہوگا)، انہوں نے جواب میں فرمایا: ہاں یہ اموال بیٹے کے ہیں کیونکہ اپنا مستقل کام وکسب ہے، لیکن ہمارے علماء کا یہ ارشاد کہ باپ اور بیٹا دونوں ایک صنعت میں مل کر کام کرتے ہیں اور ابتداء میں ان دونوں کا کوئی مال نہ تھا پھر دونوں مالدار ہوگئے تو تمام مال باپ کا قرار پائیگا'

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب العاریۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۸۸

اذا کان الابن فی عیالہ فھو مشروط کما یعلم من عبارتھم بشروط منھا اتحاد الصنعۃ[1] الخ اھ ملتقطاً۔

یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اپنے باپ کی عیال میں شامل ہو، یہ شرط فقہاء کی عبارت میں معلوم شدہ ہے جہاں انھوں نے فرمایا ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ صنعت میں اتحاد ہو، الخ، اھ ملتقطا (ت)

پس اس صورت میں زمین زید کی اور عمارت بکر کی زید کو اختیار ہے جس وقت چاہے بکر پر جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے جائے اور زمین خالی کردے،

کما مرمن العقود عن العلامۃ السید الحموی من قولہ یکلف قلعہ متی شاء[2]۔

جیسا کہ عقود میں علامہ سید حموی سے منقول گزرا اس کا یہ قول کہ مالک جب چاہے اس کو اکھاڑنے کا مکلف بنائے گا۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو کوئی ضرر فاحش نہ پہنچے تو بکر خود بھی اپنا عملہ اکھیڑ لینے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ زید نہ کہے،

فی حاشیۃ الطحطاویہ عن شرح الکنز للزیلعی ایھما طلب القلع اجیب[3]۔

طحطاوی کے حاشیہ میں کنز الدقائق کی شرح امام زیلعی سے منقول ہے کہ جب بھی اکھاڑنے کا مطالبہ کرے تو ماننا ہوگا۔ (ت)

اور ان دونوں صورتوں میں یعنی زید جبراً اکھڑوادے یا بکر خود اکھیڑ لے جائے زید کو عملہ کی قیمت یا اکھیڑنے سے جو اس میں نقصان آئے اس کا تاوان کچھ نہ دینا پڑے گا،

فی الھندیۃ عن البدائع اذا استعار من اخر ارضا لیبنی فیھا او یغرس فیھا ثم بدا للمالک ان یخرجہ فلہ ذٰلک سواء کانت العاریۃ مطلقۃ او موقتۃ غیر انھا

ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے جب کسی سے زمین عاریۃً لی تاکہ اس پر عمارت بنائے یا پودے لگائے تو بعد میں مالک کو زمین خالی کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ خالی کرا سکتا ہے خواہ عاریہ مطلقہ ہو یا مقررہ وقت کے لئے ہو،

---

[1] فتاوٰی خیریۃ | کتاب الدعوٰی | دارالمعرفۃ بیروت | ۲/ ۵۸

[2] العقود الدریۃ | کتاب العاریۃ | ارگ بازار قندھار افغانستان | ۲/ ۸۸

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار | 〃 | دارالمعرفۃ بیروت | ۳/ ۳۸۸

ان کانت مطلقة لہ ان یجبر المستعیر علی قلع الغرس ونقض البناء و اذا قلع ونقض لایضمن المعیر شیئا من قیمة الغرس والبناء اھ۔[1]

ہاں اگر مطلقہ ہو تو مالک کو جبراً مکان اور درخت اکھاڑنے کا حق ہے اگر عمارت اور درخت اکھاڑ دیئے تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اھ (ت)

طحطاوی میں ہے:

ولا یضمن مانقص من البناء والغرس لعدم الغرور عند عدم التوقیت افادہ الزیلعی۔[2]

عاریہ دینے والا مالک عمارت اور درختوں کے نقصان کا ضامن نہ ہوگا، کیونکہ مقررہ وقت تک عاریہ نہ ہونے کی وجہ سے عمارت اور درخت باقی رکھنے کا جواز نہیں امام زیلعی نے یہ افادہ فرمایا ہے۔ (ت)

اور اگر بکر چاہے کہ میں عملہ برقرار رہنے دوں اور زید مجھے قیمت دے دے تو یہ امر رضامندیٔ زید پر موقوف رہے گا اس پر بکر کو جبر نہیں پہنچتا،

فی الھندیة فان طلب المستعیر ان یضمن المعیر قیمة البناء والغرس مقلوعا فانہ لایجبر علی ذلك ویکلفہ علی القلع۔[3]

ہندیہ میں ہے اگر مستعیر چاہے کہ مالک عمارت اور درختوں کے ملبے کی قیمت بارِ ضمان دے تو اس پر مالک کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس کو بہرحال عمارت اور درخت اکھاڑنے ہوں گے۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو ضرر بین پہنچے تو بکر خود اختیار قلع نہیں رکھتا بلکہ اب اختیار زید کو ہے چاہے اپنے نقصان زمین پر راضی ہو اور بکر پر جبر کرے کہ عملہ اکھیڑ لے جائے یا عملہ کو اپنی ملک کرلے اور بکر کو بنائے مقلوعہ کی قیمت دے یعنی یہ عملہ اگر اکھیڑ کر بیچا جائے تو اس حالت میں خریدار اس کے کیا دام لگائیں گے، اسی قدر حوالہ زید کرے باقی زید کی لاگت کا کچھ اعتبار نہیں، نہ وہ زوجہ اور ماموں کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب العاریۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

اُس قرض کا مطالبہ زید خواہ عمرو و خالد سے کرسکتا ہے کہ مدیون یہ ہے نہ وہ۔

فی تنویر الابصار لو اعار ارضا للبناء والغرس صح ولہ ان یرجع متی شاء ویکلفہ قلعھما الا اذا کان فیہ مضرۃ بالارض فیترکان بالقیمۃ مقلوعین[1]

تنویر الابصار میں ہے اگر عمارت، اور درخت لگانے کے لئے زمین عاریۃً دی تو صحیح ہے اور اس کو جب چاہے واپس لینے کا حق ہے اور وہ مستعیر کو اکھاڑنے کا پابند بناسکے گا ہاں اگر عمارت و درخت اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو دونوں باہمی رضامندی سے ملبہ کی قیمت پر زمین پر ان کو باقی رکھ سکتے ہیں۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

وان رضی رب الارض بالنقص قلعھما ولا یجبر علی الضمان[2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر مالک زمین کے نقصان پر راضی ہے تو مستعیر کو اکھاڑنے ہوں گے، مالک کو ملبہ کی قیمت برابر ضمان پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ دس بارہ سال سے عارضہ دمہ کا تھا کبھی شدت ہوجاتی کبھی کم ہوجاتا، سوا اس کے اور کوئی مرض نہ تھا، نہ زید صاحبِ فراش ہوا بلکہ مثل تندرستوں کے چلتا پھرتا، اسی حالت میں اُس نے کل جائداد اپنی ہندہ اپنی زوجہ کو بعوض اُس کے مہر کے بحالت ثبات ہوش وحواس کے ہبہ کی اور بلغیر قابض کرائے دوسرے روز انتقال کیا، اس صورت میں یہ ہبہ صحیح و نافذ ہوگا یا نہیں، اور ایسی ہبہ میں قبضہ مشروط ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مرضِ موت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صاحبِ فراش ہونا ضرور، تجرید میں اسی مذہب کو معتمد قرار دیا اور مختار یہ ہے کہ اس مرض کا قاتل ہونا چاہئے کہ مبتلا اس کا غالباً نہ بچتا ہو جب تک خوفِ موت غالب رہے مرضِ موت ہے اگرچہ مثل تندرستوں کے چلے پھرے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

فی الدرالمختار قیل مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسہ وعلیہ اعتمد فی التجرید، بزازیۃ، والمختار انہ ماکان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش، قہستانی عن ہبۃ الذخیرۃ۔[1]

درمختار میں مرض الموت کی تفسیر میں فرمایا گیا کہ موت سے قبل اپنی ضروری بنیادی حوائج کے لئے گھر سے نکل نہ سکے۔ تجرید میں اسی پر اعتماد کیا ہے، بزازیہ۔ قہستانی نے ذخیرہ کے باب الہبہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کوئی بھی ایسا عارضہ جس سے غالباً موت واقع ہوجاتی ہو اگرچہ صاحبِ فراش نہ ہوا ہو۔ (ت)

صورتِ مسئولہ میں جبکہ زید صاحبِ فراش نہ تھا اور دمہ امراض قاتلہ سے نہیں بلکہ غالب اس میں سلامت ہے تو یہ مرض اس کا باتفاق تفسیرین مرضِ موت نہ قرار پائے گا علی الخصوص جبکہ اُسے عرصہ دس بارہ برس کا گزرچکا تھا،

فی الدرالمختار وہبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف موتہ منہ والا تطل وخیف موتہ فمن ثلثہ لانہا امراض مزمنۃ لاقاتلۃ[2] اھ ملخصًا۔

درمختار میں ہے کہ جڑا ہوا ہو، مفلوج ہو، شَل ہو اور مرض سِل والا ہو تو یہ امراض ایک سال طویل ہوں اور موت کا اندیشہ نہ ہو تو ان کا ہبہ کیا ہوا ان کے کل مال سے ادا ہوگا اور اگر یہ امراض طویل نہ ہوں موت کا اندیشہ ہو تو اس حال میں ان کا ہبہ تہائی مال سے ادا ہوگا کیونکہ یہ امراض لاچار کرتے ہیں فوری مہلک نہیں ہیں (ت)

پس یہ ہبہ بلاشُبہہ صحیح ونافذ ہوگا اور قبضہ نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ ہبہ بالعوض حقیقۃً بیع ہے اور بیع میں قبضہ غیر مشروط،

فی الدرالمختار لوقال وہبتك بکذا فہوبیع ابتداء وانتہاء[3] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر کسی نے ہبہ کرتے ہُوئے کہا فلاں چیز کے عوض تجھے ہبہ کیا تو اول آخر وہ بیع قرار پائے گا اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ۲/ ۳۲۰

[3] ″ کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ ″ ″ ″ ۲/ ۱۶۴

مسئلہ ۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان جو بلاشرکتِ غیرے اُس کا مملوک تھا اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کیا اور شرط لگائی کہ اپنی زندگی تک اُس مکان میں بطور مالکانہ سکونت رکھوں گا اور بلوغِ پسر تک اس کی مرمت میرے ذمہ رہے گی اور اس مضمون کا ہبہ نامہ لکھ دیا، آیا اس صورت میں ہبہ تام و کامل ہوگیا یا بوجہ اس کے کہ زید نے مکان خالی نہ کیا اور سکونت و مرمت کی شرطیں لگائیں فاسد و ناجائز رہا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ہبہ صحیح و نافذ و تام و کامل ہوگیا زید کا اصلاً حق مالکانہ اس میں نہ رہا، پسرِ زید مالک مستقل ہوگیا، یہاں تک کہ خود بھی اب اس ہبہ کے نقض و ابطال پر قادر نہیں فان البنوۃ من موانع الرجوع[ع] (کیونکہ بیٹا ہونا موانع رجوع سے شمار ہوتا ہے) اور زید کا مکان خالی نہ کرنا کچھ مضر نہیں کہ باپ اپنے پسر نابالغ کو جو ہبہ کرے وہ صرف ایجاب سے تمام ہوجاتا ہے باپ کا قبضہ بعینہٖ پسر کا قبضہ قرار پاتا ہے سکونت پدر تمامی ہبہ کے منافی نہیں ہوتی،

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار هبة من له ولایة علی الطفل فی الجملة تتم بالعقد (ای الایجاب فقط) لان قبض الولی ینوب عنه والاصل ان کل عقد یتولاه الواحد یکتفی فیه بالایجاب اھ[1] ملتقطا۔

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جس کو نابالغ پر ولایت حاصل ہے تو اس کا بچّے کو عقدِ ہبہ ہی ہبہ کو تام کردیتا ہے یعنی صرف ایجاب ہی کافی ہے کیونکہ ولی کا قبضہ بچّے کی نیابت سے ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص ہی فریقین کے قائم مقام ہوسکتا ہے اس میں اس کا ایجاب ہی کافی ہے اھ ملتقطات)

درمختار میں اشباہ سے ہے،

هبة المشغول لاتجوز الا اذا وهب

کسی مشغول چیز کا ہبہ صحیح نہیں الّا یہ کہ باپ نابالغ

[ع] لفظ "رجوع" اندازہ سے بنایا گیا اصل میں بیاض ہے۔

---

[1] درمختار | کتاب الہبۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۶۰

ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۵۱۲

الاب لطفلہ[1]
بچّے کو ہبہ کرے۔ (ت)

اور سکونت و مرمت کی شرطیں اگرچہ بیجا ہیں مگر ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وُہ شرطیں فاسد و بے اثر ٹھہرتی ہیں، درمختار میں ہے:

وحکمھا انھا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح و تبطل الشرط[2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا غلام کو ہبہ کرتے ہُوئے شرط لگانا کہ موہوب لہ اسے آزاد کرے گا، صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ

(نوٹ، اصل میں بیاض ہے، سوال دستیاب نہ ہوسکا)

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر قبضہ مال موہوب پر قبل موت واہب کے ہوگیا تو ہبہ تمام ہے مگر ثلث مال میں صحیح ہوگا کہ ہبہ مرض موت میں ہوا پس ثلث مال موہوب لہا کو ملے گا اور دو ثلث ورثہ کو، اور اگر قبضہ بعد موت واہب کے ہُوا تو ہبہ باطل ہے کل مال ورثہ واہب کو ملے گا۔

قال فی العالمگیریۃ قال فی الاصل ولاتجوز ہبۃ المریض ولاصدقتہ الا مقبوضۃ فاذا قبضت فجازت من الثلث واذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[3]

عالمگیری میں فرمایا کہ مبسوط میں ہے کہ مریض کا ہبہ اور اس کا صدقہ جائز نہیں الّا یہ کہ موہوب لہ کو وہ قبضہ دے دے، اگر قبضہ دیا تو تہائی مال سے شمار ہوگا اور اگر یہ واہب مریض قبضہ دینے سے قبل فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہوجائیگا۔ (ت)

پھر اگر زوجیت موہوب لہا کی ثابت ہوگئی تو وہ اور زوجہ اولٰی ثمن حق ورثہ میں خواہ دو ثلث ہو یا کل شریک ہیں ورنہ[عہ] ثمن تمامہ زوجہ اولٰی کا ہے اور رہا بقی اس کی اولاد کا اور موہوب لہا کو وارثوں

عہ فی الاصل "ورثہ" وھو زلۃ من قلم الناسخ ۱۲۔

---

[1] درمختار | کتاب الہبۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۱۵۹
[2] " " | " | " | ۲/۱۵۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ | " الباب العاشر | نورانی کتب خانہ پشاور | ۴/۴۰۰

کے حصہ میں سے کچھ نہ ملے گا البتہ برتقدیر ثبوت ہبہ ثلث مال بوجہ ہبہ کے لے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از مراد آباد ۱۰ شعبان ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو دختر اور دو پسر ہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنا مال اپنی زندگی میں بحالت صحت نفس ان چاروں کو عطا کرے، آیا برابر تقسیم کرے یا بطور فرائض للذکر مثل حظ الانثیین[1] (مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ ت)۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں مذہب مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے۔ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے اور للذکر مثل حظ الانثیین[2] (مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ ت) دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے ممنوع و ناجائز نہیں اگرچہ ترک اولٰی ہے۔ ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے:

الفتوی علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد[3]

فتوٰی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

الافضل فی ھبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وھو المختار[4]

بیٹی اور بیٹے کو ہبہ دینے میں تین حصے میراث کے طور پر افضل ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے، اور یہی مختار ہے (ت)

بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولٰی تسویہ، ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو تو اس کی ترجیح میں اصلاً باک نہیں۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا:

---

[1] و [2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الہبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

یکرہ ذٰلک عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والہندیۃ اما عند عدم التساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لا بالکسب لاباس ان یفضلہ علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولایکرہ وفی المنح روی عن الامام انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درجہ میں برابر ہونے کی صورت میں مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے لیکن مساوی نہ ہوں مثلاً ایک علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ملتقط میں ہے یعنی مکروہ نہیں ہے۔ اور منح میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دین میں فضیلت رکھتا ہو تو اس کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ مسماۃ ہندہ بحضور گواہان از زید زوج خود گفت کہ من تمام مہر خویش بشما بخشیدم زید قبول ساخت بعد ازاں زید از ہندہ زوجہ خویش گفت کہ انچہ شے من است بشما بخشیدم و دادم ہندہ گفت کہ من گرفتم جملہ شاہدان کلام طرفین مذکورہ شنیدہ رفتند وکدام کاغذ از جانب ہندہ و زید تحریر نہ گشت بعدہ زید بگذاشتن عمرو برادر خود و ہندہ زوجہ ومتروکہ مشترکہ فیما بین خواہر زادہ و برادر زادہ و بیوہ برادر خورد و برادرِ حقیقی مذکور رفت ساخت زاں بعد ہندہ فوت شد او پس مرگ خود دو

علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسماۃ ہندہ نے گواہوں کی موجودگی میں اپنے خاوند زید کو کہا میں تمھیں اپنا تمام مہر بخشتی ہوں، زید نے یہ بات قبول کرلی، اس کے بعد زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کہا کہ جو کچھ میرا حق ہے میں تمھیں بخش دیتا ہوں اس کے جواب میں ہندہ نے کہا میں نے لے لیا تمام گواہوں نے فریقین کا یہ کلام سنا اور چلے گئے اور زید اور ہندہ کی طرف سے کوئی تحریر نہ ہوئی، اس کے بعد زید فوت ہوا اور اس نے اپنے پیچھے اپنا بھائی عمرو اور ہندہ بیوی چھوڑے، اور جو ترکہ چھوڑا وہ برادر زادہ، خواہر زادہ، چھوٹے بھائی کی بیوہ اور بھائی حقیقی مذکور میں مشترکہ تھا

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الہبۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

خواہر و دو برادر گذاشت پس دادن زید شے خویش مشترکہ را بمسماۃ ہندہ زوجہ عند الشرع صحیح است یا نہ وبخشیدن مہر ہندہ بمسمی زید شوہر صحیح یا غیر صحیح وترکہ زید بر کدام کس بموجب فرائض ہبہ تقسیم خواہد شد وترکہ ہندہ بر کدام کدام تقسیم خواہد شد۔ بینوا توجروا۔

پھر اس کے بعد ہندہ فوت ہوگئی اس نے اپنے پیچھے دو بہنیں اور دو بھائی چھوڑے، تو کیا زید کا اپنا مشترکہ مال اپنی بیوہ ہندہ کو دینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہندہ کا اپنے شوہر زید کو اپنا مہر بخش دینا صحیح ہے یا نہیں، اور زید کا ترکہ کن لوگوں میں بطور وراثت ہبہ تقسیم ہوگا اور ہندہ کا ترکہ کن کن پر تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب

شرع مطہر ما اسلامیان رزقنا اللہ اتباعہ ہیچ عقدے وفسخے راموقوف بہ تحریر نداشتہ است پس ہندہ کہ مہر خود را بزید بخشید در صحت ونفاذ ایں ہبہ سخنے نیست تنہا ایجاب ہندہ ایجاب بسندمی بود اگر زید ردنہ کردے فکیف کہ تنصیص بر قبول نمود فی تنویر الابصار ھبۃ الدین ممن علیہ الدین وابراؤہ عنہ یتم من غیر قبول[1] وہبہ زید در املاک مشاعہ مشترکہ غیر منقسمہ کہ زید بے آنکہ آنہا را تقسیم وافراز کردہ بقبض ہندہ سپاردہ مرد، وہندہ برانہا دست نیافت باطل شد وبہ ہیچ وجہ ہندہ را اختیار تملک آنہا نماند فی الدر المختار فی ذکر موانع الرجوع والمیم

ہم مسلمانوں کی شریعت مطہرہ (اللہ تعالٰی ہمیں اس کی اتباع نصیب فرمائے) نے کوئی عقد یا فسخ تحریر پر موقوف نہ چھوڑا، پس ہندہ نے اپنی صحت میں مہر زید کو بخشا تو اس ہبہ کا نفاذ بلا شبہ ہوگیا، اس میں ہندہ کی طرف سے صرف ایجاب کافی تھا بشرطیکہ زید نے اس کو رَد نہ کیا ہو تو جب زید نے قبول کرنے کی تصریح کر دی تو کیا شُبہ ہوسکتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے کہ جس پر دین ہو اس کو دین ہبہ کرنا اور بری کردینا قبول کے بغیر تام ہوجاتا ہے، اور زید نے اپنا مشترکہ مشاع مال بغیر تقسیم کئے اور جُدا کئے ہبہ کیا اور جدا شدہ ہندہ کے قبضہ میں آیا اور وہ فوت ہوگیا، لہٰذا وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی صورت ہندہ کی ملکیت اس پر ثابت نہ ہوئی۔ درمختار میں رجوع کے موانع میں مذکور ہے "میم" سے مراد قبضہ

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۵

موت احد المتعاقدين بعد التسليم
فلو قبله بطل[1] و در عالمگیریہ از
کتاب الاصل می آورد اذا مات
الواھب قبل التسلیم بطلت[2]
سائل ازہمیں قدر مے پرسد اما تمام حکم و
حق انصاف دریںجا آنست کہ زید ہبہ اش
را برہمیں اشیائے مشاعہ مقصور نگذاشتہ
بود بلکہ ہر انچہ از اں وے باشد ہمہ را
ہبہ نمود و ایں چنیں ہبہ شرعاً روا ست
و بعد قبض تام و نافذ و مفید ملک شد
فی الخانیۃ لو قال جمیع مالی
او جمیع ما املك لفلان فھو
ھبۃ لایجوز الا بالتسلیم[3]
و عادت آنچناں ست کہ چیزہا از
املاک خالصہ شوہر مانند نقود و عروض
لباس و اثاث و زیور و ظروف
وغیرہا امتعہ و فرش از جانب شوہر بدست
زناں بر سبیل ودیعت یا اباحت می باشد
و درینچو مقام اگر ہبہ واقع شود حاجت
بقبض جدید نمی افتد فان قبض الودیعۃ و
الاباحۃ کل واحد منھما قبض غیر مضمون

ہوجانے کے بعد فریقین میں سے ایک کا فوت ہوجانا
اور اگر قبضہ سے پہلے فوت ہو تو ہبہ باطل ہوگا،
اور عالمگیری میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے
جب ہبہ کرنیوالا قبضہ دینے سے قبل فوت ہوجائے
ہبہ باطل ہوجاتا ہے، سائل کا سوال اسی قدر
تھا، لیکن مکمل حکم اور پورا انصاف اس میں یوں
ہے کہ زید نے اپنا ہبہ صرف مشترکہ مشاع تک
محدود نہ رکھا بلکہ اس نے اپنی ہر چیز کو ہبہ میں
شامل کردیا جبکہ ایسا ہبہ شرعاً جائز ہے اور قبضہ
دینے پر تام اور نافذ ہوکر مفید ملک ہوجاتا ہے،
خانیہ میں ہے اگر کسی نے کہا میرا تمام مال یا جس
چیز کا میں مالک ہوں، وہ فلاں کے لئے ہے تو
ہبہ ہوگا جو صرف قبضہ دینے پر جائز ہوگا اور
عادتاً شوہر کی طرف سے بیوی کے پاس امانت
یا اباحت کے طور پر بیوی کے پاس بہت سا
سامان مثلاً نقد، لباس، اثاثہ، زیور، برتن
وغیرہا ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر خاوند ان
چیزوں کا ہبہ بیوی کو کرے تو بیوی کو جدید قبضہ
کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امانت اور اباحت
کا قبضہ غیر مضمون ہوتا ہے اور ہبہ کا قبضہ بھی
ایسا ہے تو یہ قبضہ ایک دوسرے کے قائم مقام

---

[1] درمختار — کتاب الھبۃ — باب الرجوع فی الھبۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۱۶۱
[2] فتاوٰی ہندیۃ — ؍؍ — الباب العاشر — نورانی کتب خانہ پشاور — ۴/۴۰۰
[3] فتاوٰی قاضیخاں — کتاب الاقرار — نولکشور لکھنؤ — ۴/۶۱۶

وکذلك قبض الهبة فینوب احدھما عن الاٰخر من دون حاجة الیٰ قبض جدید قال فی التنویر وشرحه الدر وملك بالقبول بلا قبض جدید لو الموھوب فی ید الموھوب له ولو بقبض او امانة لانه ح عامل لنفسه والاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدھما عن الاٰخر واذا تغایرا ناب الاعلیٰ عن الادنیٰ[1] پس ازیں قسم اشیاء ہرچہ کہ بدست ہندہ بود بمجرد ایجاب و قبول از دائرۂ ملک زید بجوزۂ تملک ہندہ انتقال نمود ہمچنیں اگر زید درحیات خودش چیزے بقبض کامل ہندہ داد یا ہندہ باذن او خواہ در مجلس ہبہ بلا اذن وے بر چیزے قبضہ تام کرد آنہم مملوک ہندہ گردید وانچہ مطلقاً بے قبض مشاع باشد خواہ مفرز در آنہا ہبہ باطل شد کما ثبت من انھا لا تفید الملك الا بالقبض وتبطل بموت احدھما قبل التسلیم وگمان بزند کہ چوں عقد واحد در بعض معقود علیہ کہ اشیائے غیر مقبوضہ است بود بطلان گرفت در باقی نیز از حلہ صحت

ہوجاتا ہے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ صرف قبول کرلینے سے مالک ہوجائے گا جدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی جب وہ چیز پہلے ہی موہوب لہ کے قبضہ میں ہو اگرچہ وُہ قبضہ بطور قابض یا امانت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں اس نے خود اپنے لئے عمل کرنا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ دونوں قبضے ہم جنس ہوں یا ایک اقوی اور ایک ادنیٰ ہو، تو ہم جنس ایک دوسرے اور اقویٰ ادنیٰ کے قائم مقام ہوجاتا ہے، پس ازیں قسم اشیاء جو ہندہ کے قبضہ میں اس وقت تھیں وہ سب محض ایجاب و قبول کرلینے پر زید کی ملکیت سے نکل کر ہندہ کی ملکیت ہوگئیں اور یونہی وُہ چیزیں جن کا زید نے اپنی زندگی میں ہندہ کو مکمل قبضہ دے دیا خود ہندہ نے اس کی اجازت سے مجلس ہبہ یا اس کے بعد جس چیز کو قبضہ میں مکمل لے لیا بلکہ بلا اجازت بھی قبضہ سے وہ مالک ہوگئی، لیکن وُہ مال جو مشاع غیر منقسم خواہ منقسم ہو قبضہ نہ دیا ہو ان سب میں ہبہ باطل ہوگیا جیسا کہ ثابت ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر مفید ملک نہیں ہوتا اور قبضہ دینے سے قبل ایک فریق کے فوت ہوجانے سے باطل ہوجاتا ہے، اور یہ خیال کرنا کہ ایک عقد کی بعض غیر مقبوضہ اشیاء میں ہبہ باطل ہوجانے پر تمام اشیاء میں باطل

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

عاری و عاطل باشد زیرا کہ ہبہ ہمچو بیع نیست وبشرط فاسد فسادنمی پزیرد فی الاشباہ من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ومنہا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز[1] متروکہ زید برتقدیم عدم موانع ارث و وارث آخر وتقدیم مقتدم کالدین و الوصیۃ برچار سہم انقسام یافتہ سہمے بزن وسہ برادر مے رسد و ترکہ ہندہ از موہوبہ زید وحصہ ترکہ زید وغیرہا انچہ کہ شرعاً ملک ہندہ قرار یابد بشرائط مذکورہ شش پارہ شد پنج برادر[عہ] دو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

ہوجائے گا، یہ گمان درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ بیع کی طرح نہیں ہے کہ فاسد شرط سے فاسد ہوجائے، الاشباہ میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے اور ان میں سے ایک ہبہ ہے کہ یہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا فاسد شرط جائز پر اثر انداز نہ ہوگی اھ باقی رہا معاملہ ورثا، میں تقسیم کا، وراثت سے موانع نہ ہونے، دوسرا وارث بھی نہ ہونے کی صورت میں ادئیگی حق مثلاً قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد، زید کا ترکہ چار حصوں میں منقسم ہوگا، ایک حصہ بیوی کو، باقی تین حصے بھائی کو ملیں گے، اور ہندہ کا ترکہ جو کہ زید کا ہبہ کردہ اس کے قبضہ میں آیا اور جو اس کو زید کی وراثت میں ملا وغیرہ جو بھی اس کی ملکیت شرعی طور پر ہے وہ بھی مذکور شرائط سے چھ حصوں میں منقسم ہوگا دو دو حصے فی بھائی اور ایک ایک حصہ فی بہن ملے گا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک دستاویز میں ابومحمد وفاطمہ کا اپنی ایک جائداد مشترکہ بنام اپنے تین بیٹوں احمد وحامد بالغان ومحمود نابالغ کے اس طور پر لکھا کہ نصف جائداد بنام احمد پسر کبیر کے جو فضل دینی میں اور اولاد سے زائد ہے اور نصف باقی بنام حامد ومحمود کے،

[عہ] قد زل قلم الناسخ الصواب بہر برادر دو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید ۱۲ عبدالمنان

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۹

ابو محمد نے وفات پائی، فاطمہ زندہ ہے ان کا ان امور میں شریک ہونا اور دستاویز لکھوانا اور اس تقسیم متفاوت پر راضی ہونا یقیناً ثابت ہے، اسی طرح حامد بالغ کا بھی اپنے برادر کلاں احمد کی ترجیح پر راضی ہونا یقینی، آیا ایسی صورت میں بعد انتقال ابو محمد کے صرف اس وجہ پر کہ بیٹوں کے دینے میں باہم فرق کیا گیا اگر وہ خود دیتا تو برابر دیتا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ فعل ابو محمد کا نہیں یا اس نے دستاویز نہ لکھوائی یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا یا اُس کا فعل مانا بھی جائے تو اس بنا پر گمان کرسکیں کہ اس کی عقل میں اختلال تھا ورنہ تفاوت نہ کرتا یا ایسا نہیں ہے اور اولاد میں کسی کو بوجہ فضل دینی کے ترجیح دی جائے تو شرعاً جائز اور یہ تصرف نافذ ہے، یا اس خیال سے کہ بعض اولاد نابالغ ہیں یا کیا معلوم بقیہ اولاد سے آئندہ کوئی اور شخص فضل میں زیادہ ہو جائے اجازت نہ دیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نفاذ کے لئے تو اگر کوئی شخص غیر محجور اپنی ساری جائداد ایک ہی بیٹے کو دے دے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح و نافذ ہے اگرچہ عنداللہ گنہگار ہوگا گناہگاری کو عدم نفاذ تصرف سے کچھ علاقہ نہیں، درمختار میں ہے:

ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم[1]

اگر اپنی صحت میں تمام مال بیٹے کو ہبہ کردیا تو جائز ہے اور گنہگار ہوگا۔ (ت)

اور اگر فضل دینی کے سبب بعض اولاد کو ترجیح دی جائے تو یہ بلا کراہت جائز ہے اس میں عنداللہ بھی کچھ مواخذہ نہیں،

فی الخانیۃ روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان کانا سواء یکرہ[2]

خانیہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اگر اس کو دینی فضیلت حاصل ہو تو اس کو زیادہ دینے میں حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں پھر ایک کو زائد دینا مکروہ ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۵

لوکان الولد مشتغلا بالعلم لا بالکسب فلاباس بہ ان یفضلہ علٰی غیرہ کذا فی الملتقط[1]

اگر کوئی بیٹا علمِ دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں سے زائد دینے میں حرج نہیں ہے، جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ (ت)

اور جب یہ تفاوت شرعًا جائز ہے اور صورتِ مسئولہ میں جس بیٹے کو ترجیح دی گئی حسبِ بیانِ سائل فضل دینی میں زیادہ ہے تو اس بنا پر کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ وہ فعل ابو محمد کا نہ تھا یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا، یا تھا تو اس کی عقل میں کچھ اختلال تھا ہم بتصریح علماء نقل کر آئے کہ تمام اولاد کو محروم کرکے کل مال ایک کو دے دینا بھی صحیح و نافذ ہے پھر جب شرع ایسے مکروہ تصرف کو جس میں عنداللہ مواخذہ ہے صحیح و تمام مانتی ہے اور اس قسم کے خیالات کو گنجائش نہیں دیتی تو یہ تصرف جس میں کسی طرح حرج شرعی نہیں کیونکر مورد ان خیالات کا ہوسکتا ہے، اسی طرح یہ احتمال بھی کہ ممکن ہے کہ آئندہ بعض اولاد باقین سے کوئی شخص فضل دینی میں اس پر بڑھ جائے تو اس وقت اس کے فضل پر خیال کرکے کیونکر اسے ترجیح دیں ہرگز ٹھیک نہیں کہ شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے آخر علم غیب خدا کو ہے ایسے ہی خطرات کو جگہ دی جائے تو علماء کے اس حکم کا کوئی محل نہ ملے کہ جب اس مسئلہ پر عمل کرکے ایک ولد کو زیادہ دینا چاہیں فورًا یہ احتمال قائم ہوسکتا ہے کہ کیا معلوم آئندہ باقین میں سے اس سے کوئی بڑھ جائے، علماء نے کہ ترجیح افضل کی اجازت دی ہے حکم مطلق رکھا ہے کسی کے بلوغ و عدم بلوغ کی قید نہیں لگائی ہرگز کوئی شخص کسی ایک کتاب میں بھی نہیں دکھا سکتا کہ یہ حکم صرف اُس صورت میں ہے کہ جب بقیہ اولاد میں کوئی بالغ ہو اور وجہ اس کی نہایت ظاہر کہ حیات مورث میں ورثاء اس کی جائداد کے مالک نہیں ہوجاتے جو ایک کو زیادہ دینا نابالغ کے مال میں تصرف ٹھہرے ہر شخص اپنی صحت میں اپنے مال کا مختار ہے اگر کسی اجنبی کو دے دے تو کون ہاتھ روک سکتا ہے علی الخصوص فاطمہ کا کہ زندہ و موجود ہے اس تفاوت پر راضی ہونا بالکل ایسے خیالات کو دفع کرتا ہے کہ یہی علت بعینہٖ وہاں موجود ہے، اب کیا یہ گمان کرسکتے ہیں کہ فاطمہ اس فعل پر راضی نہیں، یا راضی ہے تو اس کی عقل میں کچھ اختلال ہے، اور جب یہاں ایسا خیال نہیں کرسکتے اور باوجودیکہ ماؤں کو اولاد صغیر کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہ اس تفاوت پر بوجہ احمد کے فضل دینی کے صریح رضامند ہے تو ابو محمد کی رضامندی بدرجہ اولٰی قابلِ تسلیم ہوسکتی ہے اور حامد پسر بالغ کا اپنے برادر کلاں کی ترجیح

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

پر رضامند ہونا اور زیادہ مؤید کہ وہ تو خاص معاملہ اس کی ذات کا تھا، جب اس نے اپنے بھائی کے فضل دینی کا خیال کیا تو اگر باپ تفاوت کرے تو کون سا محل تعجب ہو سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰

نوٹ: اصل میں سوال منقول نہیں ۱۲

الجواب

ہبہ مرض الموت میں جب غیر وارث کے نام ہو تو قطعاً صحیح و جائز ہے اور وہ حقیقۃً ہبہ ہی قرار پائے گا اور اسی کے شرائط اس میں معتبر ہوں گے نہ یہ کہ دراصل وصیت ٹھہر جائے،

فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضیخان وغیرہ ہبۃ المریض ہبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما[1] اھ وفیہ ایضا عن تبیین الامام الزیلعی حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لاحقیقۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت وھذہ التصرفات منجزۃ فی الحال[2] اھ۔

ردالمحتار میں طحطاوی سے انھوں نے مکی سے انھوں نے امام قاضیخان وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ مریض کا ہبہ کرنا حقیقتاً ہبہ ہے اور حکماً وصیت ہے اھ اور اسی میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے کہ اس کا حکم وصیت والا ہے کہ تہائی حصہ میں نافذ ہوگا، اور حقیقتاً وصیت نہیں، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہبہ کے تصرفات فوراً نافذ ہو جاتے ہیں اھ۔ (ت)

اور ہبہ کے لئے حیاتِ واہب میں موہوب لہ کا قبضہ ہونا ضرور ہے ورنہ باطل ہو جاتا ہے،

فی الدرالمختار[عہ] موت احد العاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ[3]۔

درمختار میں ہے کہ قبضہ دینے سے قبل فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کر دیتی ہے (ت)

عہ فی الاصل بیاض لکنا نقلنا ھذہ العبارۃ اعتمادا علٰی داب المصنف فی نقل ھذہ العبارۃ فی مثل ھذا المقام۔

اصل میں بیاض ہے لیکن ہم نے اس جیسے مقام میں اس عبارت کو نقل کرنے میں مصنف کے طریقہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۳۵

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۵/۴۳۵

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱

مگر صورت مسئولہ میں جبکہ موہوب لہما نابالغ ہیں تو اُن کے باپ کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے،

فی الدر المختار ان وہب لہ اجنبی تتم بقبض ولیہ وھو احد اربعۃ الاب ثم وصیہ[1] الخ۔

درمختار میں ہے اگر نابالغ کو اجنبی شخص ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے تام ہوجاتا ہے، اور چار ولیوں میں سے ایک باپ پھر وصی ہے الخ (ت)

اور پیش از ہبہ فرزند ہندہ جو از جانب ہندہ اُن دیہات و دکانات پر قبضہ رکھتا تھا اُسی قبضہ کا باقی ہونا اس قبضہ ہبہ کے لئے کافی ہے،

لان کل واحد قبض امانۃ فکانا من جنس واحد وفی الدر المختار الاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدھما عن الاخر[2] وفی رد المحتار قولہ عن الاخر کما اذا کان عندہ ودیعۃ فاعارھا صاحبہا لہ فان کلا منہما قبض امانۃ فناب احدھما عن الاخر[3] اھ۔

کیونکہ ان سب پر قبضہ بطور امانت ہے تو ایک جنس کا ہوا، اور درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب دونوں قبضے ایک جنس ہوں تو ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجاتا ہے اھ۔ اور ردالمحتار میں ہے اس کا قول کہ دوسرے کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے پہلے اس کے پاس بطور امانت تھا پھر اس نے عاریۃً لیا، تو دونوں ایک جیسی امانت کے طور پر ہیں، تو یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوئے۔ (ت)

از سرِ نو قبضہ جداگانہ حاصل کرنے کی حاجت نہیں،

فی تنویر الابصار ملك بلا قبض جدید لو الموھوب فی ید الموھوب لہ[4] اھ۔

تنویر الابصار میں ہے ہبہ شدہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے ہو تو جدید قبضہ کے بغیر مالک ہوجائے گا اھ (ت)

البتہ یہ ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس بات میں حکم وصیت پیدا کرگیا کہ بلا اجازت ورثہ فقط ایک ثلث میں نافذ ہوگا،

فی تنویر الابصار ھبتہ کوصیۃ فیعتبر

تنویر الابصار میں ہے اس کا ہبہ وصیت کی

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] " " " " " ۲/ ۱۶۰

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

من الثلث[1] اھ۔

طرح ہے لہٰذا تہائی حصہ میں معتبر ہوگا اھ (ت)

اور اس کے یہ معنٰی ہیں کہ اگر موصی پر کوئی قرض نہیں تو اس کے کل اشیائے متروکہ منقولہ وغیر منقولہ کو ملا کر اُن سب کا ثلث نکالیں گے اور اگر کچھ قرض ہے قلیل خواہ کثیر کتنا ہی ہو تو اسے مجرا دے کر باقی تمام متروکہ کا ثلث نکالیں گے اس مقدار سے موصی کی ساری وصیتیں نافذ کریں گے پس اگر یہ مقدار اور وصایا برابر ہوں فبہا، اور اگر یہ زائد اور وصایا کم ہوں جب بھی ہر موصٰی لہ کو پورا پورا بقدر ادائے وصیت کے دیں گے نہ یہ کہ ثلث کامل انھیں دے دینگے اگرچہ ان کی وصیتیں کم سے ہی پوری ہوجائیں وھذا واضح جدًا (یہ بہت واضح ہے۔ ت) اور اگر وصیتیں زائد اور مقدار ثلث کم ہو تو بلا اجازت ورثہ تہائی سے زیادہ انھیں نہ دیا جائے گا بلکہ اُسی قدر کو تمام موصٰی لہم پر بحساب اُن کے وصایا کے حصہ رسد تقسیم کردیں گے،

فی تنویر الابصار ھبتہ کوصیۃ ویزاحم اصحاب الوصایا فی الضرب[2] الخ ملخصا فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار ای الموھوب لہ یضرب فی الثلث مع اصحاب الوصایا فان وفی بالثلث بالجمیع والا تخاصموا فیہ ویعتبر فی القسمۃ قدر ما لکل من الثلث[3] اھ ملخصا، قلت ومما قررت ظھر لک المجیب

تنویر الابصار میں ہے ہبہ وصیت کی طرح ہے، تو وہ لفظوں میں وصیت والے دوسرے حضرات کے لحاظ سے ہوگا الخ ملخصا۔ اور درمختار پر طحطاوی کے حاشیہ میں ہے یعنی موہوب لہ دوسرے اصحابِ وصایا کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہوگا، اگر وہ سب وصیت والے اور موہوب لہ تہائی حصہ میں پُورے ہوجائیں تو بہتر، ورنہ تہائی میں ایک دوسرے کے مقابل ہونگے اور تہائی میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے مطابق تقسیم پائیگا اھ ملخصا، میں کہتا ہوں، میں نے جو تقریر کی ہے اس سے

عہ خط کشیدہ عبارت اندازے سے درست کی گئی ۱۲ عبدالمنان

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۲۷

[2] " " " " " " ۲/۳۲۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " باب العتق فی المرض دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۲۹

الاول اخطأ فی ایجاب القبض الجدید للموصٰی لهما بثلث المال مطلقاً و اما المجیب الثانی فقد اخطأ خطأ من وجوہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ظاہر ہوا کہ پہلے مجیب نے جدید قبضہ کو واجب کرنے میں خطا کی ہے کہ دونوں تہائی حصہ والوں کےلئے مطلقاً یہ بات کہہ دی، لیکن دوسرے مجیب نے بہت سی خطائیں کی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

16/16

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتح الملیک فی حکم التملیک ۱۳۰۸ھ

(بادشاہ کا اظہار تملیک کے حکم میں)

مسئلہ ۷۵

نزدیک علمائے حنفیہ ایدہم اللہ تعالٰی کے ہبہ وتملیک میں کیا فرق ہے اور جو احکام ہبہ مشاع اور ہبہ مرض الموت اور ہبہ غیر مقبوض کے ہیں، وہی بحالت ہائے مذکورہ تملیک سے بھی متعلق ہیں یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان ومنافع بلعوض وبے عوض ومنجز ومضاف لموت سب کو شامل ہے جس کی رُو سے بیع وہبہ واجارہ واعارہ ووصایا سب اُس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلاعوض کا نام ہے،

فی الدرالمختار الھبۃ تملیک العین مجانا[1] اھ ملخصا۔ درمختار میں ہے ہبہ مفت میں کسی چیز کا مالک بنانا ہے اھ ملخصاً (ت)

مگر عرف میں ان لفظوں سے کہ میں نے ایک شے کا تجھے مالک کیا، یا اس چیز کی تجھے تملیک کی، ظاہراً ہبہ

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

ہی متبادر ہوتا ہے حتی کہ امام اجل شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے محیط میں اسے ان الفاظ سے گنا جو بحسب وضع افادۂ ہبہ کرتے ہیں۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اما الالفاظ التی تقع بھا الھبۃ فانواع ثلثۃ نوع تقع بہ الھبۃ وضعا ونوع تقع بہ الھبۃ کنایۃ وعرفا ونوع یحتمل الھبۃ والعاریۃ مستویا اما الاول فکقولہ وھبت ھذا الشیئ لک اوملکتہ منک[1] الخ۔

لیکن جن الفاظ سے ہبہ ہوتا ہے وہ تین قسم ہیں، ایک قسم وہ ہے جن سے ہبہ کا وقوع وضعًا ہوتا ہے، اور ایک قسم وُہ جن سے کنایۃً اور عرفًا ہبہ ہوتا ہے، اور ایک قسم وہ جن سے ہبہ اور عاریہ دونوں مساوی طور پر واقع ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کی مثال "میں نے یہ چیز تجھے ہبہ کی" یا یہ کہنا "میں نے تجھے اس کا مالک بنایا" الخ (ت)

ولہذا کلمات علماء میں اکثر جگہ تملیک سے ہبہ پر استدلال پایا جاتا ہے مع ظھوران الاستدلال بالعام علی الخاص باطل لجواز وجودہ فی ضمن فرد اٰخر (باوجود ظاہر ہونے کہ عام سے خاص پر استدلال باطل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ عام کا وجود کسی دوسرے فرد میں پایا جائے۔ ت) امام علامہ فقیہ النفس قاضی خاں فرماتے ہیں:

رجل غرس کرما ولہ ابن صغیر فقال جعلتہ لابنی فلان یکون ھبۃ لان الجعل عبارۃ عن التملیک[2]۔

ایک شخص نے انگور کے پودے لگائے اُس کا نابالغ بیٹا ہے، تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو اپنے فلاں بیٹے کے لئے کیا تو یہ ہبہ ہوگا کیونکہ بنانا اور کرنا تملیک کا معنٰی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ان قال جعلتہ باسم ابنی یکون ھبۃ ظاھرا لان الناس یریدون بھذا التملیک والھبۃ[3]۔

کسی نے کہا میں نے یہ بیٹے کے نام سے بنایا، تو ظاہراً یہ ہبہ ہوگا، کیونکہ لوگ اس سے تملیک اور ہبہ مراد لیتے ہیں۔ (ت)

اور علامہ بیری شارح اشباہ والنظائر فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵
[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۷
[3] " " " ۴/ ۶۹۷

فی خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا ان دلت دلالۃ التملیک[1]

خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو یہ مال باپ کا ہوگا الّا یہ کہ کوئی دلالت تملیک پر پائی جائے۔ (ت)

محقق شامی فرماتے ہیں:

قلت فقد افادت التلفظ بالایجاب و القبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک[2] اھ۔

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت نے فائدہ دیا کہ اس میں ایجاب وقبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن کافی ہوتے ہیں اھ (ت)

فقیہ علامہ نوازل میں تصریح فرماتے ہیں جو لفظ تملیک رقبہ پر دال ہو ہبہ ہے،

فی الدر المختار اللفظ ان انبأ عن تملك الرقبۃ فھبۃ او المنافع فعاریۃ او احتمل اعتبر النیۃ، نوازل[3]

درمختار میں ہے اگر الفاظ غلام پر تملک کی خبر دیں تو ہبہ ہوگا، اگر الفاظ منافع پر دال ہوں تو عاریہ ہوگا اور لفظ محتمل فیہ ہو تو قائل کی نیت کا اعتبار ہوگا، نوازل۔ (ت)

درباب افتا جا بجا علامہ خیر الملۃ والدین رملی وغیرہ علماء رحمھم اللہ تعالٰی نے سوال تملیک پر ہبہ کا جواب عطا فرمایا اور اس پر مشاع وغیرہ کے وہی احکام جاری کئے اور تملیک نامہ کو صریحًا ہبہ نامہ ٹھہرایا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے،

سئل فیما اذا ملك زوجتہ نصف جمل و نصف بقرۃ ونصف غراس زیتون تملیکا شرعیا بایجاب منہ وقبول منھا و قبضت الزوجۃ وتسلمت ثم مات الزوج ویرید وارثہ ان یجعل المملکات

ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو نصف اونٹ، نصف بیل، نصف باغ زیتون کا شرعی تملیک کے طور پر مالک بنائے باقاعدہ ایجاب و قبول ہو اور بیوی قبضہ کرلے پھر وہ خاوند فوت ہوجائے اور ورثاء چاہیں کہ ان تمام تملیک بنائی ہوئی چیزوں کو

---

[1] ردالمحتار بحوالہ بیری | کتاب الہبۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵۰۸/۴
[2] " " | " | " " " | ۵۰۸/۴
[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱۵۹/۲

میراثاً بینه وبین الزوجة اجاب ھی ملك للزوجة بالتملیك علی الوجه المذکور وھبة المشاع الذی لایحتمل القسمة صحیحة والجمل والبقرة مما لایمکن قسمة الواحد منھا فصحت فیھا الھبة المذکورة اھ ملتقطا۔[1]

بیوی سمیت تمام ورثاء کے لئے وراثت بنالیں، تو جواب دیا کہ مذکورہ تملیک کی بنا پر بیوی کی ملک ہیں، جبکہ ناقابلِ تقسیم مشاع کا ہبہ صحیح ہوتا ہے، اور اونٹ اور بیل قابلِ تقسیم نہیں ہیں، تو ان کا ہبہ صحیح ہوا، اھ ملتقطا۔ (ت)

اسی میں ہے:

سئل فی رجل اشھد علی نفسه انه ملك اولاد ابنه وسماھم فی حجة جمیع الستة قراریط فی الدارین الفلانیتین اجاب الحنفی لایری جواز الھبة المشاع اھ ملخصاً۔[2]

ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنے پوتوں کو مالک بنایا اور فلاں دو مکانوں میں چھ قراریط سب کی حجت میں پوتوں کا نام لیا، تو جواب دیا کہ حنفی حضرات قابلِ تقسیم مشاع کا ہبہ جائز نہیں مانتے اھ ملخصاً (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ابنان واملاك تقبل القسمة وحصة فی مشاع تقبل القسمة فملك جمیع ذلك من ابنیه المذکورین سویة بینھما من غیر قسمة وکتب بذلك صك ویرید زید الرجوع عن التملیك فھل له ذلك الجواب نعم ھبة واحد من اثنین لایصح اھ بالالتقاط۔[3]

ان سے سوال ہوا کہ زید کے دو بیٹے ہیں اور کچھ املاک قابلِ تقسیم ہیں اور ایک مشاع چیز میں اس کا حصہ بھی ہے تو اپنی ملکیت ان تمام چیزوں کا دونوں بیٹوں کو مالک بنا دیا جبکہ دونوں کو مساوی طور پر بغیر تقسیم حصہ دار بنایا اور رسید بھی لکھ دی اور اب زید اس ہبہ سے رجوع کرنا چاہتا ہے، تو کیا اسے یہ حق ہے؟ الجواب ہاں حق ہے، کیونکہ ایک کا دو حضرات کو ہبہ مشترکہ بغیر تقسیم صحیح نہیں اھ ملتقطا (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۰

[2] ″ ″ ″ ۲/ ۱۱۲

[3] العقود الدریۃ ″ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۵

لیکن محلِ غور اس قدر ہے کہ مسئلہ کے خاص جُز میں ظاہراً کلماتِ علما مختلف سے نظر آتے ہیں بعض نے وہی تصریح فرمائی کہ عقدِ تملیک عین ہبہ ہے اور بعض بنظرِ عموم لفظ تعیین ہبہ کے لئے قرینہ کی حاجت اور درصورتِ انعدامِ قرینہ عقدِ تملیک کو ناجائز و غیر صحیح مانتے ہیں،

فی رد المحتار لو قال ملکتك ھذا الثوب مثلا فان قامت قرینة علی الھبة صحت والا فلا لان التملیك اعم منھا لصدقه علی البیع والوصیة والاجارة وغیرھا انظر ما کتبناہ فی اٰخر الھبة الحامدیة وفی الکازرونی انھا ھبة اھ[1]۔

ردالمحتار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس کپڑے کا مالک بنایا، مثلاً اگر ہبہ پر قرینہ ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے اس لئے کہ تملیک بیع، وصیت، اجارہ وغیرہ پر بھی صادق آتی ہے، ہم نے حامدیہ میں ہبہ کے آخر میں جو لکھا ہے اسے دیکھو، اور گازرونی میں ہے کہ یہ ہبہ ہے اھ (ت)۔

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہٗ بتصریح علماء حتماً امکن دفع تخالف و تحصیل توفیق لازم اور وجہ تطبیق کی تقریر علے الخصوص جب بے تکلف ہو متعین و محتم، اصل وضع میں تملیک کا عموم کسے نہیں معلوم اور بے قیام قرینہ احد الافراد کی تعیین کسی کا قول نہیں اور جس طرح یہ باتیں متفق علیہ ہیں یونہی یہ بھی متیقن کہ خاص جہت لفظ سے قرینہ کا ناشی ہونا ضروری نہیں بلکہ قرینہ حالیہ بھی کافی ہے،

وقد سمعت ما قال العلامة البیری و المحقق الشامی رحمھما اللہ تعالٰی۔

تو نے علامہ بیری اور محقق شامی رحمہما اللہ تعالٰی کا کلام سُن لیا۔ (ت)

اب جو ہم دیکھتے ہیں تو مقامِ اخبار میں بیشک لفظ تملیک بیع و ہبہ و وصیت وغیرہا سب جگہ بولا جاتا ہے عام ازیں کہ وُہ اخبار اپنے نفس سے ہو یا غیر سے، مثلاً زید نے ایک مکان عمرو کے ہاتھ بیع کیا تو اب وُہ کہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں مکان عمرو کی ملک کردیا بکر و خالد کہہ سکتے ہیں زید نے خود کو اپنے مکان کا مالک کیا عمرو کہہ سکتا ہے کہ مکان زید بتملیکِ زید میری ملک میں آیا اور سامع ان لفظوں سے ہرگز سوا نقل ملک کے کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر بعوض واقع ہوا یا بلاعوض، اور مکان ملکِ عمرو میں بیعاً آیا یا ہبۃً، عموم تملیک کا یہ صاف اثر واضح ہے مگر خاص انشائے عقد و ایجاب و قبول کے وقت جب ان لفظوں پر اقتصار ہوگا یعنی میں نے تجھے فلاں شے کا مالک کیا عمرو کہے میں نے قبول کیا، تو بیشک متفاہم عرف میں اس سے ہبہ ہی

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

متبادر ہوگا جب تک کوئی قرینہ اس کے خلاف پر قائم نہ ہو اور فارق یہ ہے کہ عقد واقع سے خبر دینے میں اس کے متعلقات کا استیفاء و استقصا ضرور نہیں بخلاف ایقاعِ عقد کے کہ اگر اُسے بیع منظور ہوتی ثمن کا ذکر لاتا وصیت چاہتا تو بعد موت کے تصریح کرتا اجارہ اعارہ مقصود ہوتا تو عقد کو خاص اس شیئ کی طرف اضافت نہ کرتا بلکہ منافع کا نام لیتا یا ایسی عبارت بولتا جس سے تملیک منافع مفہوم ہوتی آخر دیکھو اصل وضع کے اعتبار سے ان لفظوں میں بھی کہ یہ شئی میں نے اپنے بیٹے کے لئے کردی یا بنامِ او کردم بعینہٖ وہی احتمالات پیدا ہیں جو لفظ تملیک میں نکلتے ہیں مگر ائمہ نے تصریح فرمائی کہ یہ ہبہ ہے،

كما اسلفنا من الخانية وقد نقله عنها العلامة الغزى فى المنح وغيره فى غيرها مذعنين لها۔

جیسا کہ ہم نے پہلے خانیہ سے نقل کیا ہے اور خانیہ سے علامہ غزی نے منح میں اور دوسروں نے اپنی کتب میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے نقل کیا ہے (ت)

بلکہ امام فقیہ النفس نے جعلتہ لابنی کے ہبہ ٹھہرانے کی وجہ ہی یہ ارشاد فرمائی کہ جعل بمعنی تملیک ہے تو جب تک باقتضائے مقام تمام احتمالات منقطع ہو کر ملکت بمعنی وھبت نہ رہے گا جعلت کا بمعنی ملکت ہونا کیا فائدہ بخشے گا کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) پس اُن بعض کا یہ فرمانا کہ ارادہ ہبہ کے لئے قرینہ درکار ہے نہایت بجا و درست، بیشک کوئی عام اپنے فرد میں بلا قرینہ معین نہیں ہوسکتا، مگر یہاں طرزِ گفتگو خود ہی ہبہ کا قرینہ ہے کما بینّا (جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ت) ہاں مثلاً ایسی صورت میں کہ زید و عمرو باہم کسی شے کے خرید و فروخت پر گفتگو کرتے ہوں اب زید کہے وہ شے میں نے تیری ہی ملک میں دی یا تجھے اس کا مالک کیا ہبہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی باہمی حالت تملیک بلا عوض پر قرینہ نہیں ہوسکتی، نہ بیع درست ہو کہ وہ مبادلہ مال بمال ہے اور یہاں مال دوم کا نام نہیں ناچار عقد کو غیر صحیح مانیں گے۔ اور وہ بعض جو تملیک کو ہبہ فرماتے ہیں اس صورت میں فرماتے ہیں جب کوئی ایسی حالت واقع نہ ہو پس تمام کلمات ایک ہی طرف راجع اور سارا اختلاف بحمد اللہ مرتفع۔

قلت ومن ھٰھنا ظھر انه لایتعلق بما نحن فيه ما فى اٰخر العقود الدرية

میں کہتا ہوں یہاں سے ظاہر ہوا کہ جو عقود الدریہ کے آخر میں ہے وہ ہماری بحث سے خارج

؎ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الہبہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۰

مما نصه قال المؤلف کتبت علی صورۃ دعوی ماصورتہ حیث بین اقرارہ انہ بجھۃ التملیک فدعوی التملیک لاتسمع لما قالہ الخیر الرملی رحمہ اللہ تعالٰی ناقلا عن جامع الفصولین فی خلل المحاضر و السجلات برمز التتمۃ عرض علیّ محضر کتب فیہ ملکہ تملیکا صحیحا ولم یبین انہ ملکہ بعوض او بلا عوض قال اجبت انہ لا تصح الدعوی ثم رمز لشروط[عہ] الحاکم اکتفی بہ فی مثل ھذا بقولہ وھب لہ ھبۃ صحیحۃ و قبضہا ولکن ما افاد فی التتمۃ اجود واقرب الی الاحتیاط[۱] اھ فان ھذا نقل و اخبار لاعقد و ایجاب کما لایخفی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

ہے جس کی عبارت یہ ہے "مؤلف نے فرمایا میں نے دعوٰی کی صورت پر لکھا، کہ صورت کیا ہے جہاں اس نے اپنا اقرار کیا ہے کہ یہ تملیک کے طور پر ہے" اگر یہی ہے تو تملیک کے دعوٰی کی مانند یہ قابلِ سماعت نہیں ہے اس کی وجہ وہ جو خیر الدین رملی رحمۃ اللہ تعالٰی نے جامع الفصولین کی محاضرات اور سجلات میں خلل والی بحث سے تتمہ کے عنوان میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر ایک محضر نامہ پیش کیا گیا جس میں لکھا تھا اس کو صحیح تملیک کے ساتھ مالک بنایا' اور یہ نہ بیان کیا عوض کے ساتھ یا بلا عوض مالک بنایا تو فرماتے ہیں میں نے جواب دیا کہ دعوٰی صحیح نہیں ہے، پھر انھوں نے شروط الحاکم میں صرف اس صورت پر اکتفا فرمایا' جیسے کوئی لکھے اس کو صحیح ہبہ کرکے دے دیا، لیکن انھوں نے تتمہ میں جو فائدہ دیا وہ بہتر اور احتیاط سے اقرب ہے اھ' کیونکہ یہ حکایت اور اخبار ہیں، عقد اور ایجاب نہیں ہیں، جیسا کہ مخفی نہیں، تحقیق یُوں چاہیے۔ اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

یہ ساری بحث تملیک زبانی میں ہے دستاویز تملیک نامہ تو قطعاً تمام اقوال پر ہبہ نامہ ہے جس میں کسی طرح نزاع کا احتمال نہیں کہ بالیقین اس کا لکھنے والا تملیک عین بلا عوض کا قصد کرتا ہے اور بالتعیین یہی اس سے سمجھا جاتا ہے بیع و وصیت وغیرہا احتمالات کی بُو بھی نہیں آتی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسی دستاویز لکھ کرکے میں نے تو اس سے عقد بیع کا قصد کیا ہے تو کوئی اس کی تصدیق

عہ اسمِ کتاب ۱۲ عبدالمنان

---

[۱] العقود الدریۃ کتاب الہبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۰۰-۰۱

نہ کرے گا اور سب کے نزدیک وہ بات بدلنے والا ٹھہرے گا تو اس کے ہبہ ہونے میں کوئی شک نہیں تملیک زبانی میں مدار کار قرینہ پر ہے اگر کوئی قرینہ ایسا قائم ہو جو معنی ہبہ سے ابا کرے تو اُسے ہبہ نہ ٹھہرائیں گے اور دستاویز تملیک نامہ قطعاً ہبہ اور جو عقد عقدِ ہبہ ٹھہرے گا تمام احکام ہبہ متعلقاتِ شیوع وقبضہ ومرض وغیرہ سب بدستور اس میں جاری ہونگے فان العبرۃ للمعنی کما فی الھدایۃ وغیرھا (کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ ت) یہ ہے جو کلمات علماءِ کرام سے منقح ہوا اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جداگانہ ہبہ سے مبائن اور اس کے احکام، احکامِ ہبہ سے علیحدہ ہیں اصلاً قابلِ تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہرہ اس کی مساعدت ہرگز نہیں کرتے۔

وما وقع ھھنا من العلامۃ ط رحمہ اللہ تعالٰی حیث قال قال السید الحموی اعلم ان التملیک یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض واذا عری عن القبض والتسلیم اختلف العلماء فیہ فقیل یجوز وقیل لایجوز قیاسا علی الھبۃ واکثر المشائخ علی انہ یجوز بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ لان التملیک والھبۃ شیئان اسما وحکما اما الاسم فظاھر واما حکما فلانہ لو وھب الثمار علی رؤس الاشجار لاتجوز ولو اقر بالتملیک یجوز فثبت ان التملیک یصح بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ وعلیہ الفتوی وعمل الناس وموت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق کذا

اس مقام پر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی سے جو وقوع پذیر ہوا، جہاں انھوں نے فرمایا کہ سید حموی نے فرمایا: جاننا چاہئے کہ تملیک ہبہ کے معنٰی میں ہوتی ہے اور قبضہ سے تام ہوتی ہے اور جب یہ قبضہ اور تسلیم سے خالی ہو تو پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا ناجائز ہے ہبہ پر قیاس کی وجہ سے، اور اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ بغیر قبضہ دیئے جائز ہے اور تملیک ہبہ سے جدا چیز ہے کیونکہ تملیک اور ہبہ دو علیحدہ چیزیں، حکم اور نام کے اعتبار سے۔ نام کے لحاظ سے تو ظاہر ہے، حکم کے اعتبار سے اس لئے کہ اگر کوئی درختوں پر پھل کو ہبہ کرے تو ناجائز ہے اور اگر تملیک کے طور پر کسی کے لئے اقرار کرے تو جائز ہے، تو ثابت ہوا کہ تملیک بغیر قبضہ دیئے صحیح ہے اور ہبہ کا غیر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور لوگوں کا عمل بھی، اور اقرار کرنے والے کی موت بمنزلہ قبضہ ہے اھ، مفتاح نمیں

فی الفتاح[1] انتھی **فاقول** نقل مجھول لامعقول ولامقبول امالجھل فلان المفتاح لیس من الکتب المتداولۃ ولاالشھیرۃ و لاعلم من ھومصنفہ ومادرجتہ فی کتب المذھب واما انہ غیرمعقول فلان التملیک حالا اماللعین اوللمنافع وکل اما بعوض اومجانا ھذا انقسم حاصر عقلی لاامکان لخروج قسم عنہ و معلوم بداھۃ ان ھذا الشیئ الذی لیس تملیک المنافع وتملیک العین بعوض فاذن لیس الا تملیک العین حالا مجانا وماھو الا الھبۃ وفسرت فی المتون وقال قاضی زادہ فی نتائج الافکار الھبۃ فی الشریعۃ تملیک المال بلاعوض کذا فی عامۃ الشروح بل المتون[2]، وماعھد من الشرع المطھر ماھوعقد یکون تملیک العین فی الحال بلاعوض ولایکون ھبۃ و لوکان لوجب ان یعقد لہ کتاب او باب اوفصل او اقل شئ فی کتب المذھب کما عقدت الکتب للبیع و الھبۃ و العاریۃ و الاجارۃ

یوں ہے اھ **فاقول** (تو میں کہتا ہوں۔ ت) یہ نقل مجہول، غیر مقبول اور غیر معقول ہے، مجہول اس لئے کہ مفتاح مشہور اور متداول کتب میں نہیں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا مصنف کون ہے اور کتب مذہب میں اس کا کیا مقام ہے، غیر معقول اس لئے کہ مذکورہ تملیک عین چیز کی ہوگی یا منافع کی ہوگی پھر ہر صورت عوض کے بدلے یا بلاعوض ہوگی یہ تقسیم عقلی طور پر چار صورتوں کو حاصر ہے اور اس سے خارج کسی قسم کا احتمال نہیں ہے اور بداہۃً معلوم ہے کہ یہ چیز جو منافع اور عین چیز کی تملیک بالعوض نہیں تو لامحالہ پھر صرف تملیک العین مفت میں ہوگی تو اسی کا نام ہبہ ہے اور متون میں اس کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قاضی زادہ نے نتائج الافکار میں فرمایا: شریعت میں ہبہ مال کی بلاعوض تملیک کو کہتے ہیں، یونہی عام شروح میں مذکور ہے بلکہ تمام متون میں ہے، شرع شریف سے کوئی ایسا عقد معلوم نہیں ہوا جس میں موقعہ پر بلاعوض عین چیز کا مالک بنانا ہو اور وہ ہبہ نہ ہوگا اگر کوئی اور چیز ہوتی تو کتب فقہ میں اس کے لئے کوئی کتاب، باب یا فصل یا اور کوئی اس سے کم عنوان ضرور قائم کیا جاتا جیسا کہ کتب میں بیع، ہبہ، عاریہ اور اجارہ وغیرہ کے لئے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۹

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملۃ فتح القدیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۷۹

لکن نری کتب المذهب عن اٰخرها خالیة عن ادنی ایماء الی ذٰلک فاذن هو عقد غیر معهود من الشرع بل ولا معروف فی عرف الناس قاطبة فانك لواخبرت احدا ان زیدا ملك دارہ من عمرو مجانا فی الحال لم یفهم منه احد الا الهبة ولا یخطر ببال صبی عاقل ولا عالم فاضل شیئ غیرها وقد علل فی الهدایة وغیرها عامة الکتب المعللة اشتراط القبض فی الهبة بانه عقد تبرع وفی اثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع به وهو التسلیم فلا یصح[۱] اھ والتمسك بمسئلة الاقرار اول دلیل علی ان هذا الکلام لم یصدر عن فقه فانه انما المرء مواخذ باقرارہ الا تری ان لولم یملکه اصلا واقر اخذ باقرارہ فهل یستدل به علی ان التملیك یصح من دون ایجاب من المملك اصلا ثم لاشك

عنوان قائم ہیں لیکن ہم اول تا آخر تمام کُتبِ مذہب کو دیکھ رہے ہیں کہ تمام کی تمام اس عنوان سے خالی بلکہ اس کی طرف کسی ادنٰی اشارہ تک سے خالی ہیں تو معلوم ہوا کہ نری تملیک شرع میں کوئی عقد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے عرف تک میں کہیں موجود نہیں، کیونکہ اگر تو خبر دے کہ زید نے مفت میں عمرو کو مکان کا مالک بنا دے تو اس سے ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ یہ ہبہ ہے اور کسی بچے اور عالم فاضل تک کے دل میں ہبہ کے علاوہ کوئی چیز نہ کھٹکے گی، اور ہدایہ اور تمام ان کتب میں جو علل کو بیان کرتی ہیں انھوں نے ہبہ میں قبضہ کی شرط کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ یہ تبرع کا عقد ہے اور قبضہ سے قبل ملک کے ثبوت میں تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کا الزام ہوگا جس کا اس نے تبرع نہیں کیا اور وہ تبرع سونپ دینے کا نام ہے (جو ابھی واقع نہیں ہوا) لہذا قبضہ سے قبل ملک صحیح نہ ہوگی اھ، اور اقرار کے مسئلہ سے اس کا استدلال کرنا یہی اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ اس کا یہ کلام سمجھ کے بغیر صادر ہوا ہے کیونکہ یہ تو صرف کسی کا اپنے اقرار میں ماخوذ ہونے کی بات ہے آپ غور کریں کہ اگر کوئی شخص قطعاً کسی کو مالک نہ بنائے اس کے باوجود وہ اقرار کرے تو اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا تو کیا اس اقرار پر استدلال کیا جائے گا کہ مالک بنانے والے کی

[۱] الهدایة کتاب الهبة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۱

ان لو اقر بالبیع جاز فهل یستدل به علی ان البیع یتم من جانب البائع وحده لانه لیس ھٰھنا شیئ من جانب المشتری بل السوال الذی غفل عنه هذا المستدل ان الاقرار اخبار من وجه کما انه انشاء من وجه فلشبه الاخبار یواخذ بامثال الاقرار لا لانه انشاء عقد لا یحتاج الی القبض الا تری انه لو اقر لغیرہ بنصف دارہ مشاعاً صح کما فی الدر[1] وغیرہ وما ذلک الا لشبه الاخبار ولو کان انشاء لم یصح کما نصوا مع وجوب الصحة علی وھم ھذا الواھم وتقدم فی الاقرار متنا وشرحا جمیع مالی او ما املکه له ھبة لا اقرار فلابد من التسلیم بخلاف الاقرار[2] اھ فقد افادت لام التملیک

طرف سے ایجاب کے بغیر ہی تملیک صحیح ہو جاتی ہے (ہرگز نہیں) پھر اس میں بھی شک نہیں کہ اگر کوئی بیع کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہے تو کیا اس سے بھی یہ استدلال کیا جا سکے گا کہ بیع کا انعقاد صرف اکیلے بائع کی طرف تام ہوگا کیونکہ اس میں مشتری کے کسی عمل کا ذکر نہیں (جبکہ ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ نکتہ جس سے یہ استدلال والا غافل ہے وہ یہ ہے کہ اقرار من وجہ خبر ہے جیسا کہ وہ من وجہ انشاء ہے، تو خبر والے پہلو کے اعتبار سے اقرار کی وجہ سے وہ ماخوذ ہوتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ یہ عقد کا انشاء ہے جس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کہ اگر وہ غیر کیلئے اپنے نصف مکان کا مشاع کے طور پر اقرار کرے تو صحیح ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے تو یہ صرف اس لئے کہ اس میں خبر کا شبہ ہے حالانکہ اگر اس کو انشاء کہا جائے تو صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے حالانکہ مذکور اقرار کی صحت اس شخص کے ہاں مسلمہ ہے اور پہلے گزرا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کی ہے تمام متون اور شروح میں اس اقرار کو ہبہ قرار دیا ہے اس کو اقرار نہیں کہا، تو اس میں قبضہ

---

[1] درمختار | کتاب الاقرار | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۳۰

[2] ایضاً | ایضاً | ایضاً | ۲/ ۱۳۱

يفيد الهبة ويشترط التسليم
وان عدم اشتراطه فی الاقرار
جاء من جهة انه اخبار
من وجه لان ههنا عقدا
لایحتاج الی التسلیم والنکتة
فيه ان التمليك يعم البيع
والهبة فاذا اقر بانه ملك الثمار
وهی علی الاشجار صرف الامر
الی البیع مواخذة له
باقراره وتصحيحا للكلام
مهما امكن بخلاف ما اقربهبتها
فانه قد صرح بما لایتم
مشغولا فلم یفد وكذلك
فی کل شئ اذا اقر بانی
قد ملکته من فلان قبل
ولم يبحث عن القبض و
الشغل وغيرها لان الاقرار
بالتمليك اقرار بخروجه عن
ملكه الی ملك المقر له و
لایتم ذلك فی التبرعات
الا بالقبض للمقرله فالاقرار
به اقرار بالهبة وبالاقباض
معا بخلاف ما لو
اقر انی وهبته فان
صدور الهبة من الواهب

دینا ضروری ہے بخلاف اقرار کے اھ تو اس مسئلہ
نے فائدہ ظاہر کیا کہ اقرار میں لام تملیک کے لئے ہے
جو ہبہ کا فائدہ دیتا ہے اور تسلیم کو شرط بناتا ہے
اور اقرار بنانے کی صورت میں تسلیم کا واجب نہ ہونا
اس وجہ سے ہوا کہ من وجہ خبر ہے اس لئے نہیں
کہ اقرار ایک عقد ہے جس میں تسلیم وقبضہ دینا
ضروری نہیں ہے، اس میں نکتہ یہ ہے تملیک
کا عنوان بیع اور ہبہ دونوں کو شامل ہے، تو
جب اس نے یہ اقرار کیا کہ "درختوں پر پھل کا
مالک بنایا" تو اس کو بیع کی طرف پھیرا جائے گا
تاکہ اس کو اپنے اقرار میں ماخوذ کیا جائے اور کلام
کو حتی الامکان صحیح بنایا جائے بخلاف اس صورت
کے کہ وہ ہبہ کا اقرار کرے تو اس کا کلام درست
نہ ہوگا کیونکہ وُہ پھل اس کے درختوں کے ساتھ
مشغول ہے اور اسی طرح ہر وُہ چیز جس کے
متعلق وہ یہ اقرار کرے کہ میں نے اس کا فلاں کو
مالک بنایا اور قبضہ اور مشغول ہونے نہ ہونے کا
ذکر نہ ہو تو یہ اقرار قبول کرلیا جائے گا کیونکہ تملیک
کا اقرار اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے یہ
چیز اپنی ملکیت سے نکال کر مقرلہ کی ملکیت میں
دے دی اور تبرعات میں یہ معاملہ اس وقت تک
تام اور درست نہیں ہوتا جب تک قبضہ مقرلہ
کے لئے نہ مانا جائے تو لازماً یہ اقرار ہبہ مع قبضہ
ماننا ہوگا بخلاف جبکہ وُہ ہبہ کا اقرار کرے اور
یُوں کہے میں نے یہ چیز اس کو ہبہ کی ہے (اور

لایستلزم الاقباض فلا یکون
اقرارا بحصول الملك للموھوب
له ھذا ھو الفرق بین
الاقرارین لما زعم ان
التملیك لایحتاج الی القبض
ولولا ذکرہ من الدلیل
لایقنّا ان ھذا النقل والفتوی
مکذوب علی المشائخ ولکن
باستدلاله تبین ان الخطأ
فی الفھم وقد قدمنا نصوصا
قاضیة بان التملیك ھٰھنا
ھو الھبة وقد اعترف به ھذا
الناقل فی صدر کلامه ان
التملیك یکون فی معنی الھبة
ویتم بالقبض فاذا کان تمامه
بالقبض فکیف یجوز بدون
التسلیم ثم العجب اشد العجب ان
الاختلاف کان فی انه لو قال
ملکتك ھذا الشیئ ھل یکون
ھبة ام لایصح اصلا لان التملیك
اعم کما قدمنا من رد المحتار والاٰن
جادتنا الفتوی بانه صحیح
مطلقا حتی بلا قبض ھل ھذا
الاعجب عجاب وقد اسمعناك نص
التتمة وجامع الفصولین والخیر الرملی و

تملیک کا لفظ نہ کہا تو یہ اقرار قبضہ کو مستلزم
نہیں کیونکہ واہب کی طرف سے ہبہ کے صدور
کو یہ لازم نہیں، تو ہبہ کے اقرار سے موہوب لہ
کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی، تملیک اور ہبہ کے
اقراروں میں یہ فرق ہے نہ یہ کہ تملیک میں قبضہ
کی ضرورت نہیں جیسے اس نے گمان کرلیا، اگر یہ
اس دلیل کو ذکر نہ کرتا تو ہم یقین کرلیتے کہ نقل اور فتوی
مشائخ کی طرف غلط منسوب ہے لیکن مسئلہ اقرار
سے اس کے استدلال نے واضح کردیا کہ خطا اس
کے فہم کی ہے جبکہ نقل اور فتوی صحیح ہے، حالانکہ
ہم پہلے نصوص کے ذریعہ واضح کرچکے ہیں کہ یہاں
تملیک سے مراد ہبہ ہے جبکہ یہ ناقل بھی اپنے
کلام کی ابتداء میں اعتراف کرچکا ہے کہ تملیک
ہبہ کے معنی میں ہوتی ہے اور وہ قبضہ سے تام
ہوتی ہے تو جب یہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو
پھر تسلیم کے بغیر کیسے جائز ہوگی، پھر انتہائی
تعجب کی بات یہ ہے کہ اختلاف یہ بیان کیا
کہ اگر کوئی یوں کہے "میں نے تجھے اس چیز کا
مالک بنایا" تو یہ ہبہ ہوگا یا سرے سے کلام صحیح
نہ ہوگا اور ہبہ نہ ہوگا کیونکہ تملیک ہبہ سے عام
ہے جیسا کہ ہم ردالمحتار سے بھی ثابت کرچکے ہیں تو
اب انہوں نے فتوی ظاہر کردیا کہ یہ مطلقاً صحیح
ہے خواہ قبضہ بھی نہ ہو، تو یہ عجائب سے عجیب تر
ہے، ہم نے آپ کو تتمہ کی نص اور جامع الفصولین
خیرالدین رملی اور عقودالدریہ سے بتایا کہ وہ

العقود الدرية ان المحضر المكتوب فيه ملکه تملیکا صحیحا فاسد غیر مقبول لان وجه التملیك فیه مجهول ومن قبله قبله حملا له علی الھبة و الان صار مقبولا لانه عقد جدید، مخترع لم یعهد فی شرع ولا عرف ومن ھٰھنا عرفت ان قوله موت المقر بمنزلة التسلیم بالاتفاق[1] خرق الاجماع الناطق بان موت احد المتعاقدین قبل التسلیم مبطل فالحق ان ھذا النقل المجھول غیر المعقول مما لایحل الاعتماد علیه بل لایسوغ الالتفات الیه وباللّٰہ العصمة والتوفیق۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

محضر نامہ جس میں لکھا تھا" اس کا صحیح تملیک کے ساتھ اس کو مالک بنایا" کہ یہ تحریر فاسد ہے اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں تملیک کی وجہ مجہول ہے اور جس نے اس تحریر کو مقبول مانا تو اس نے اس کو ہبہ پر محمول کرکے مانا ہے اور اب انھوں نے اس کو مقبول مانا تو اس لئے کہ یہ جدید اور من گھڑت عقد ہے جس کا شرع اور عرف میں کوئی ثبوت نہیں ہے، اور اس سے واضح ہوگیا کہ طحطاوی کا کہنا کہ مقر کی موت بمنزلہ تسلیم ہے بالاتفاق، یہ بالکل اجماع کے منافی بات ہے کیونکہ تسلیم سے قبل بالاجماع فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے، تو ثابت ہوا کہ یہ نقل مجہول غیر معقول ہے جس پر اعتماد جائز نہیں بلکہ یہ التفات کے قابل بھی نہیں، تو توفیق اور حفاظت اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۲: از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان و محمد صاحبان ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ خالد کے پانچ پسر اور تین دختر ہیں، پسروں میں زید سب سے بڑا ہے، زید کی نابالغی اور حالت طالب علمی میں جس وقت کہ اس کو کسی قسم کی آمدنی نہ تھی، خالد نے اپنے خاص روپے سے ایک زمین پرتی زید کے نام خریدی اور اپنے ہی خاص روپے سے ایک مکان اس زمین پر تعمیر کرایا اور کرایہ پر دیا، خالد کرایہ خود تحصیل کرتا تھا اور ضرورت کے وقت مکان کی مرمت کرتا تھا، ۱۴ برس بعد خرید مکان مذکور خالد نے کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کردی مگر وہ مکان جو زید کے نام خریدا تھا ہبہ نامہ میں مندرج نہیں کیا ہبہ نامہ سے حفاظت جائداد منظور تھی، ہبہ نامہ کے لکھنے کے بعد تین برس تک خالد زندہ رہا، مگر جائداد پر جس کو

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الہبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۹

وُہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود اسی طرح پر قابض رہا جیسا کہ وہ تحریر ہبہ نامہ کے قبل تھا، خالد کے انتقال کے بعد سے زید کا قبضہ اس مکان پر جو اس کے نام سے اُس کے پدر خالد نے خریدا تھا شروع ہوا خالد کی حیات میں گو زید بالغ تھا نوکر سرکار تھا اور صاحبِ اولاد تھا مگر اس کا قبضہ اس مکان پر نہ تھا زید جب تک زندہ رہا اُس مکان کا کرایہ تحصیل کرتا رہا اور اس کی مرمّت بھی کرتا تھا اور دوبار اس کو رہن بھی رکھا تھا اس کی بیوہ سلیمہ بعد زید کے انتقال کے اُسی طور سے جیسا کہ اُس کا شوہر تھا برابر اب تک قابض ہے۔ اب وارثانِ خالد و ہندہ میں نزاع درپیش ہے موافق شرع شریف مکان مذکور زید کا ہے یا خالد کا، تا ایں دم جائداد خالد و ہندہ کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور جو صورت زید و سلیمہ کے وقت تھی اس وقت تک قائم ہے کوئی تعمیر جدید نہیں ہُوئی اگر مکان مذکور زید کا قرار نہ پایا تو جو آمدنی اس کو اور اس کی بیوی سلیمہ کو اُس مکان سے آج تک ہُوئی ہے واپس کی جائے گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ زمین کہ خالد نے اپنے پسر نابالغ زید کے نام خریدی فوراً مِلکِ زید ہوگئی، تاحیاتِ خالد اُس پر قبضۂ زید نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ باپ جو چیز اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کرے اُس میں موہوب لہ کو قبضہ دینا شرط نہیں باپ ہی کا قبضہ اس کا قبضہ قرار پاتا ہے،

فی رد المحتار عن المنح عن الولوالجیۃ ان کان الاب اشتری لہا فی صغرہا وذٰلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ۔[1]

ردالمحتار میں منح سے انھوں نے ولوالجیہ سے نقل فرمایا کہ اگر باپ نے نابالغہ بیٹی کے لئے کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں ہے اور وہ خاص اس بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ہبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ وھو کل من یعولہ فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو فی عیالھم تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ او ید

نابالغ کا ولی وہ ہے جو نابالغ کو اپنے عیال میں داخل کرے خواہ باپ کی عدم موجودگی میں بھائی ہو یا چچا ہو، تو اس کا اس نابالغ کو ہبہ عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے جب موہوب چیز معلوم اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس نے کسی کے پاس امانت رکھی ہو

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۵۰۶

مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ[1] کیونکہ ولی کا قبضہ نابالغ کے قائم مقام ہے (ت)

اسی طرح وہ عمارت کہ اس زمین پر خالد نے اپنے روپے سے بنائی اگر ظاہر کر دیا تھا کہ یہ عمارت میں اپنے پسر نابالغ زید کے لئے بناتا ہوں یا بننے کے بعد کہہ دیا کہ یہ عمارت میں نے اس کے لئے بنائی یا بنانے کے بعد مکان کا عقد اجارہ زید کی طرف سے کیا کرایہ دار سے کہا میں نے یہ مکان اپنے پسر زید کا تجھے اتنے کرایہ پر دیا یا کرایہ نامہ زید کے نام لکھوایا کہ یہ بھی عرفاً مرتفع تملیک اور قرینہ کافی ہے یا زید سمجھ وال تھا اس نے درخواست کی کہ اس زمین میں میرا مکان بنادو خالد نے قبول کیا اور اس بنا پر بنایا غرض کسی طرح دلیلِ تملیک ظاہر ہوئی تو وہ عمارت بھی ملکِ زید ہوگئی اور سارا مکان اسی کا قرار پایا

فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک[2] الخ وفی جامع الصغار للاستروشنی المعتبر فی الباب التعارف[3]۔

ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں ایجاب وقبول ضروری نہیں بلکہ اس کی تملیک پر دال قرائن ہی کافی ہیں الخ، اور جامع الصغار میں ہے اس باب میں تعارف معتبر ہے۔ (ت)

ہاں اگر کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی گئی خالد نے اس کا زید کے لئے ہونا اصلاً ظاہر نہ کیا تو نفس عمارت ملکِ خالد پر رہی کہ اپنے بچہ کے لئے ہبہ بھی صرف نیت سے تمام نہیں ہوتا جب تک اُسے ظاہر نہ کرے، نہ بے اظہار نیت پر علم کا کوئی ذریعہ ہے،

فی ردالمحتار تحت قول الدر المار"تتم بالعقد" ھذا اذا اعلمہ او اشھد علیہ والاشھاد للتحرز عن الجحود بعد موتہ والاعلام لازم لانہ بمنزلۃ القبض، بزازیۃ[4]۔

درمختار کے مذکور قول کے تحت ردالمحتار میں ہے کہ عقد کے ساتھ تام ہوجاتا ہے یہ اس وقت جبکہ ولی اس کو بتادے یا گواہ بنالے اور گواہی اس لئے تاکہ اس کی موت کے بعد انکار نہ ہو سکے اور اطلاع دینا ضروری ہے کیونکہ یہ بمنزلہ قبضہ کے ہے، بزازیہ۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/ ۱۲۶

[4] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

صرف اس قدر کہ یہ عمارت زمین مملوکہ زید میں خالد نے بنائی دلیل تملیک ہونے کے لئے کافی نہیں جبکہ تعمیر زید نے خاص اپنے مال سے کی،

كما في ردالمحتار عن جامع الفصولين عن العُدةعــه كل من بنى في دار غيره بامره فالبناء لأمره ولو لنفسه بلا امره فهولهٔ[1] الخ۔

جیسا کہ ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالہ سے عدہ سے منقول ہے جو کسی کی زمین میں مالک کے حکم سے عمارت بنائے تو عمارت مالک کی ہوگی اور اگر مالک کی اجازت کے بغیر اپنے لئے بنائی تو بنانے والے کی ہوگی الخ (ت)

اگر واقع یہ صورت ثانیہ ہے تو زمین ملکِ زید اور عمارت بعد انتقالِ خالد زید اور دیگر ورثہ میں مشترک ٹھہرے گی مگر آمدنی جو زید و سلیمہ نے حاصل کی باقی شرکاء اُس کے واپس لینے کا دعوٰی نہیں کرسکتے کہ عقد اجارہ میں جو شخص کسی شَی کو کرایہ پر چلاتا ہے اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے اگرچہ وُہ شے ملکِ غیر ہی ہو، ہاں اُس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو ملکِ غیر کی اُجرت اُس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تصدق کردے کہ اس کے حق میں وہ ملکِ خبیث ہے مگر جبکہ شرعاً مالکِ شے مالکِ اجرت نہیں اور اس اجارہ دینے والے پر خاص مالک ہی کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ تصدق کا بھی اختیار رکھتا ہے تو مالک اس پر واپسی کا دعوٰی نہیں کرسکتا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل في رجل أجر محدودات مملوكة مشتركة وتناول اجرتها مدة سنين والأن الشركاء يطالبونه بحصتهم منها هل يحكم القاضي عليه بها لهم املا حيث لم يكن ذلك بوكالة سابقة على

ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے چند محدود اشیاء جو کہ اس کی ملکیت میں دوسروں کی مشترکہ اشیاء تھیں وہ اس نے اجرت پر دے کر کئی سال ان کی اجرت کھاتا رہا اور اب اس کے شرکاء اس سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو کیا قاضی اس پر شرکاء حصہ کی ادائیگی لازم کرے گا یا نہیں، جبکہ اس کی یہ

عــه ھی رمز تصنیف او مصنف ۱۲ عبدالمنان

---

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

العقد ولا اجازة لاحقة بعده اجاب، لايقضی علیه لهم بحصته منها لان المنافع لاتتقوم الا بالعقد وهو صادر منه بلا وکالة سابقة ولا اجازة لاحقة فملکها الشریك العاقد لکن ملکه فی غیر ملکه ملك خبیث فیجب علیه التصدق به اودفعه لشرکائه خروجا من الاثم والثانی افضل لخروجه من الخلاف ایضا، واللہ تعالٰی اعلم اھ قلت وھھنا مزلة تنبهت علیها بتوفیق المولٰی تبارك وتعالٰی فیما علقت علی العقود الدریة من کتاب الشرکة وللہ الحمد والمنة۔

کارروائی نہ وکالت سابقہ سے تھی اور نہ ہی اجازت لاحقہ سے ہُوئی، انھوں نے جواب دیا کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں کیونکہ اجارہ کے منافع صرف عقد کے ذریعہ ہی قیمتی بنتے ہیں جبکہ عقد اس کا ہے اور بغیر وکالت سابقہ اور اجازت لاحقہ کے ہوا ہے تو ان منافع کا مالک صرف عقد کرنے والا ہی بنے گا تاہم یہ اس کی ملک خبیث ہوگی تو اس پر لازم ہے کہ اس اجرت کو صدقہ کرے یا پھر اپنے شرکا کو حصہ دے دے، آخری صورت بہتر ہے تاکہ خلاف سے بھی بچ جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔ میں کہتا ہوں یہاں ایک خطا ہے اس پر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے عقود الدریہ پر اپنے حاشیہ میں تنبیہ کردی ہے (ت)

پھر یہ حکم وجوب بھی سلیمہ زندہ پر اُس آمدنی کے باب میں ہے جو اس نے خود حاصل کی اور جس قدر زید حاصل کرگیا اُسکے بعد اُسکے وارثوں پر نہ دیگر شرکا کو بقدر حصص واپس دینا لازم رہا نہ تصدق کرنا مگر یہ کہ زید اس کی وصیت کرگیا ہو،

فان کل دین علی المیت لامطالب به من جهة العباد لایلزم الورثة اداؤہ الا بالایصاء کما نص علیه فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام والحمدللہ ولی الانعام، واللہ

کیونکہ میت کے ذمہ ایسا دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو اس کا ورثاء پر ادا کرنا میت کی وصیت کے بغیر لازم نہیں ہے جیسا کہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص ہے۔ اس مقام کو یوں سمجھنا چاہئے، اور سب تعریفیں انعام کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، واللہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

سبحٰنہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔ — سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ازبری پورہ پرگنہ بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ منّا خاں ۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ زید نے بکر ایک پسر بالغ کے نام جائداد اپنے روپے سے خرید کردی، بعد خریداری اور جملہ تکمیل داخل خارج وغیرہ کرادینے کے بکر نے دو تین سال بعد اپنی زوجہ کے نام بعوض دین مہر بیع کردی پانچ سال کے بعد زوجۂ بکر نے ایک غیر کے ہاتھ بیچ ڈالی پھر اُسی زرثمن سے اپنے شوہر بکر کی معرفت کچھ حقیت خریدی یہ سب باتیں زید کی حیات تک رہیں اور ان جملہ انتقالات کے وقت وارثانِ زید سے کوئی مزاحم نہ ہوا اسی طرح زید نے بکر کو ایک مکان تعمیر کراکر عطا کیا اور قبضہ وغیرہ دے کر علیحدہ کردیا ورثۂ زید آج تک نسبت جائداد مکان مذکور مزاحم نہ ہوئے انتقال زید کو تین برس گزرے اب ورثائے زید خواستگار ترکہ جائداد و مکان ہیں، اس صورت میں یہ دعوٰی ان کا صحیح ہے یا نامسموع؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مکان بناکر کسی کو عطا کردینا اور ماں باپ کا ولی نے اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں اول ظاہر ہے اور ثانی یوں کہ عرفاً اس سے تملیک ہی مقصود ہوتی ہے اور تملیک بلاعوض ہبہ ہے، ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

ان کان الاب اشتری لہا فی صغرہا او بعد ماکبرت و سلم الیہا و ذلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ۔[1]

اگر باپ نے نابالغہ کے لئے یا بالغہ کے لئے بشرطیکہ بالغہ کو قبضہ دیا ہو کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس چیز میں کوئی حق نہیں ہے وہ خاص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

عقود الدریہ میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدہا الصغیر من مالہا تکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ۔[2]

اگر ماں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی چیز خریدی تو وہ چیز بیٹے کی ہوگی کیونکہ وہ ماں کی طرف سے اس کو ہبہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۶

اور ہبہ بعد قبضہ تمام ہوجاتا ہے شے موہوب ملکِ واہب سے نکل کر ملک موہوب لہ میں داخل ہوجاتی ہے واہب و وارثانِ واہب کی ملک و وراثت اس میں نہیں رہتی خصوصاً جبکہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم مثلاً بیٹا، بھائی، بھتیجا ہو خصوصاً جبکہ شئی موہوب موہوب لہ نے دوسرے کے نام منتقل کردی خصوصاً جبکہ واہب کا انتقال ہوچکا کہ ان میں سے ہر صورت ہبہ کو لازم کردیتی ہے جس کے سبب اس میں رجوع کا بھی امکان نہیں رہتا نہ کہ جہاں اتنے وجوہ جمع ہوں، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم وخروج الھبۃ من ملک الموھوب لہ وقرابۃ ذی رحم محرم[1] اھ ملتقطا۔

ہبہ میں رجوع سے فریقین میں سے کسی کی موت مانع ہے بشرطیکہ ہبہ پر قبضہ دے دیا ہو اور موہوب لہ کی ملکیت سے موہوب کا خارج ہوجانا اور قرابت ذی محرم بھی رجوع سے مانع ہے اھ ملتقطاً (ت)

پس صورتِ مسئولہ میں اُس مکان وجائداد پر وارثانِ زید کا دعوٰی محض باطل و ناقابل سماعت ہے خصوصاً بعد اس کے کہ سالہا سال تصرفات انتقال دیکھتے اور سکوت کرتے رہے کما نصوا علیہ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے اور اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ

۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو۲ بیٹے ایک زید سے علیحدہ کاروبار کرتا تھا اور ایک زید کے ساتھ بشرکت جب زید ضعیف ہوا کل کام اور اسباب تجارت اس شریک بیٹے کو حوالہ کیا اور کل اختیارات نیک و بد دے کر مالک کردیا اور تاحیاتِ زید اس کا خورد ونوش اسی بیٹے کے متعلق رہا اور اسی نے تجہیز و تکفین کی اس صورت میں دوسرے بیٹے کا اس مال میں حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل خود مظہر کہ اس بیٹے کی شرکت ایسی نہ تھی کہ کچھ مال یا روپیہ اس کا ہو مال سب

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۳-۱۶۱

باپ کا تھا یہ اس کا کام کرتا اور اس کے ساتھ رہتا تھا، اب زید کے وہ الفاظ قابلِ لحاظ ہیں جن سے اس نے اس پسر کو کل اختیارات دے کر مالک کر دیا اگر خود اُن الفاظ یا دیگر قرائن واضحہ سے تملیک کل مال و اسباب تجارت مفہوم تھی تو ضرور یہی بیٹا اس تمام مال کا مالک ہو گیا کہ ہبہ پایا گیا اور قبضہ خود ظاہر، اور اگر تصرفات تاجرانہ کا مالک کر دینا تھا کہ سب سیاہ سپید تیرے اختیار رہے خرید و فروخت لین دین کا تُو مالک ہے اس سے زیادہ اصل مالک کی تملیک پر کوئی دلیل نہ تھی تو اس قدر سے صرف وکالت حاصل ہوگی مال کی مِلک نہ ہوگی،

فی رد المحتار عن حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ بیری زادہ عن خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک اھ (قال الشامی) قلت فقد افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک کمن دفع لفقیر شیئا وقبضہ ولم یتلفظ واحد منہما بشیئ وکذا یقع فی الھدیۃ و نحوھا فاحفظہ ومثلہ ما یدفعہ لزوجتہ او غیرھا[1] اھ۔

ردالمحتار میں الاشباہ کے حاشیہ علامہ بیری زادہ سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب بیٹے کو مال دیا تو بیٹے نے اس میں تصرف کر لیا تو مال باپ کا ہوگا، ہاں اگر وہاں بیٹے کے لئے تملیک پر کوئی قرینہ ہو تو بیٹے کا ہوگا اھ علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب قبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دال قرائن کافی ہیں جیسے کہ کوئی شخص فقیر کو کوئی چیز دے اور فقیر قبضہ کر لے، اور دونوں میں سے کوئی بھی کوئی بات نہ کرے، ہدیہ وغیرہ میں بھی یہی حکم ہے، اس کو محفوظ کر لو، اور اسی کی مثل ہے جب اپنی بیوی وغیرہ کو کچھ دے دے اھ (ت)

اس تقدیر پر دوسرا بیٹا بھی اس مال میں برابر کا حقدار ہے اس پسر نے جو کچھ تجہیز تکفین بقدر مسنون میں صرف کیا اتنا ترکہ سے لے سکتا ہے،

لکونہ وارثا والوارث لایجعل متبرعا فیہ کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اس کے وارث ہونے کی بنا پر کیونکہ اس میں وارث کے لئے تبرع نہیں شمار ہوتا جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مسئلہ ۷۹ ازجالندھر محلہ راستہ مرسلہ منشی محمد احمد صاحب ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ ایک شخص ملازم جب عرصہ سہ سال میں مرشد سے سلوک باطنی نقشبندیہ مجددیہ طے کرچکا تو ایک روز مرشد نے اس سے کہا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم ہوا ہے کہ اس سے کوئی ایسی چیز اللہ واسطے خرچ کرائی جائے کہ جو اس کے دل کو چُھبے، صبح کو مرشد نے اس ارشاد عالی کے بموجب اس سے کہا کہ تو ایک تنخواہ وغیرہ اللہ واسطے خرچ کر، وُہ مرید گھر میں جاکر ایک زیور طلائی لے آیا جس کی قیمت مبلغ معہ تھی اور اس کی تنخواہ مبلغ صہ روپیہ تھی اس نے مرشد سے کہا کہ میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہُوں آپ منظور فرمالیں، تو مرشد نے کہا ایک تنخواہ کا حکم ہے زیور کا نہیں، اس نے کہا اگر میں اس کو بازار میں فروخت کروں تو مجھ کو شرم آتی ہے اب میں لاچکا ہوں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، مرشد نے وہ زیور بدیں اصرار منظور کرلیا اور وہ زیور مرشد نے اپنے گھر کے خرچ میں صرف کرلیا اور اُس میں سے کچھ اللہ واسطے خرچ نہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد اس کو دستارِ خلافت بھی دے دی گئی، تھوڑی مدت کے بعد اس نے مرشد سے کہا کہ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نیز آپ نے اس میں سے کچھ اللہ واسطے خیرات نہیں کی اس واسطے میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا ہے میرا زیور وہ آپ واپس کردو، اس پر مرشد نے اس کے بدلے زیور دوسرا سیم و طلائی گھر سے اس کو دے دیا اور مرید نے یہ عبارت ایک پرچہ کاغذ پر اپنے قلم سے لکھ دی جو کہ میں نے پیر کو یہ زیور اللہ واسطے دیا تھا مجھ کو اس کے دینے کی برداشت نہیں ہوئی اب میں نے ان سے واپس لے لیا اور اس بزرگ نے اس کو عاق بھی کردیا ہے۔

(۱) آیا اب یہ مرید عاق ہوا بھی یا نہیں، اور بصورتِ عقوق اس پر کوئی تنبیہ شرعی وارد ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) اللہ واسطے وہ زیور دے کر واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر وُہ زیور ایک جگہ اللہ واسطے دے کر پھر وہاں سے واپس لے کر دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو پہلے سے واپس کرنے کے گناہ سے بری ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) مرشد نے اُس مال سے کچھ اللہ واسطے نہیں دیا آیا مرشد اس میں خطاوار ہے یا نہیں؟

(۵) اگر مرشد کی اس میں خطا ہے تو مرید اس مال کے واپس کرنے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۶) اگر بالفرض مرشد کو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اپنے طمع نفسانی کے واسطے جھوٹ کہہ دیا اور مرید وہ زیور اللہ واسطے دے چکا آیا اس صورت میں وہ مرید اگر زیور واپس لے تو درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

پیر و مرید کے جو مکالمات سوال میں مذکور ان میں کہیں نہیں کہ پیر نے اس سے کہا ہو کہ وہ چیز میں تجھ سے اجنبی مساکین پر تقسیم کرنے کو لیتا ہوں یا اجانب پر تقسیم کا مجھے حکم ہوا ہے، نہ مرید کے کلام میں کہیں اس کی تصریح۔ پیر نے اتنا کہا کہ اللہ کے واسطے خرچ کرائی جائے، یہ پیر و متعلقین پیر و اجانب سب کو شامل ہے، پیر کی خدمت جو کچھ پیر ہونے کے سبب کی جائے وہ بھی اللہ ہی کے لئے خرچ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم جو چیزیں بارگاہِ عرش جاہ حضور پُرنور سلطانِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نذر حاضر لاتے کیا اس سے بہتر کوئی خرچ اللہ عزوجل کے لئے متصور ہے حالانکہ حضور غنی مغنی اغنی العٰلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلامان آزاد شدہ تک اصلاً محلِ صدقہ نہیں بخلاف اغنیائے دنیا کہ من وجہ محلِ صدقہ ہیں، صحیحین کی حدیث تصدق اللیلۃ علی غنی[1] (رات کے وقت غنی پر صدقہ کیا گیا۔ ت) مشہور و معروف ہے۔ ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

الصدقۃ تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم[2]

صدقہ کبھی غنی کے لئے بھی ہوتا ہے اگرچہ بعض کے نزدیک وہ ہبہ سے مجاز ہوتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ذخیرہ سے ہے:

فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر[3]

غنی پر صدقہ قربت ہے جو کہ فقیر پر صدقہ سے قربت میں کم ہے۔ (ت)

یہاں تک تو لفظ عام تھے آگے چیز دیتے وقت جو ایجاب و قبول پیر و مرید میں واقع ہوئے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذ اتصدق علی غنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۱
صحیح مسلم " باب ثبوت اجر المتصدق " " " ۱/ ۳۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[3] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۸۷ و ۱۸۸

اُن کے صاف لفظ یہ ہیں کہ مرید نے پیر سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، پیر نے باصرار منظور کرلیا، یہ صراحۃً پیر کو دینا ہوا اور پیر ہی اس کا مالک ہوگیا اور اس کا اپنے گھر میں خرچ کر دینا جائز ہوا اگرچہ وہ اور اس کے اہل اغنیاء ہی ہوں وہ اس میں کسی طرح خطاوار نہیں ٹھہر سکتا، بالفرض اگر اس وقت مرید کے دل میں یہی تھا کہ میں اجانب کے بانٹنے کو دیتا اور پیر کو وکیل تقسیم کرتا ہوں تاہم جبکہ اس نے صریح الفاظ ہبہ ایجاب کیا پیر سے اُسی کی منظوری پر مصر ہوا اس نے منظور کیا تو انعقاد ہبہ میں کوئی شک نہیں ہوسکتا، عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ کہ مجرد خیالات باطنیہ پر۔ وجیز امام کردری کتاب الاجارہ فصل ثانی میں ہے:

اراد استیجار کرم او دار فدفع الذھب الی المالك ثم قال له گروکردی ملکت ذا بکذا فقال کردم فھذا رھن لا اجارۃ لان المعتبر اللفظ لا العزم[1]

ایک شخص انگور کے درخت یا مکان کرایہ پر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس نے مالک کو دینار دے کر کہا تو یہ گروی کر دیا اس رقم کے عوض، تو مالک نے کہا میں نے گروی کر دیا تو یہ رہن ہوگا اجارہ نہ ہوگا، کیونکہ عقد میں الفاظ کا اعتبار ہے عزم کا اعتبار نہیں۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر زید اپنے بیٹے کے لئے عمرو کی بیٹی مانگنے آیا عمرو نے کہا میں نے اپنی دختر نکاح میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی، زید سے نکاح ہوگیا، جبکہ اس سے نکاح ہوسکتا ہو کہ ایجاب وقبول میں پسر زید کا کوئی ذکر نہ آیا اگرچہ خیال یہی تھا کہ بیٹے کے لئے قبول کروں، فتاوٰی ظہیریہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لوقال ابو الصغیرۃ لابی الصغیر زوجت ابنتی ولم یزد علیه شیئا فقال ابو الصغیر قبلت یقع النکاح للاب ھو الصحیح و یجب ان یحتاط فیه فیقول قبلت

نابالغہ کے باپ نے نابالغ کے والد کو کہا میں نے اپنی بیٹی نکاح کر کے دے دی، اس سے زائد کچھ نہ کہا۔ اس کے جواب میں نابالغ لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کی، تو یہ نکاح نابالغ کے والد سے ہوگا، یہی صحیح ہے، لہذا اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے، اسے کہنا چاہئے تھا

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاجارۃ الفصل الثانی نورانی کتبخانہ پشاور ۵/ ۲۲

لابنی۔[1] میں نے اپنے بیٹے کے لئے قبول کی۔ (ت)

التجنیس والمزید پھر فتح القدیر پھر شامیہ میں ہے:

رجل خطب لابنہ الصغیر امرأۃ فلما اجتمعا للعقد قال اب المرأۃ لابی الزوج دادم بزنی ایں دختررا بہزار درم فقال اب الزوج پذیرفتم یجوز النکاح علی الاب وان جری بینھما مقدمات النکاح للابن ھو المختار لان الاب اضافہ الی نفسہ وھذا امر یجب ان یحتاط فیہ[2]۔

ایک شخص نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے ایک عورت سے منگنی کی، جب نکاح کی مجلس ہوئی تو عورت کے باپ نے لڑکے کے باپ کو کہا میں نے بیوی بناکر یہ لڑکی ہزار درھم کے بدلے میں دی، جواب میں لڑکے کے باپ نے کہا میں نے قبول کی، تو یہ نکاح باپ سے ہوگا اگرچہ پہلے تمام مقدمات بیٹے کے نکاح کے لئے تھے، یہی مختار ہے کیونکہ لڑکے کے باپ نے قبولیت اپنی طرف منسوب کی، اور ایسا معاملہ ہے جس میں احتیاط ضروری ہے۔ (ت)

یوہیں اگر دوسرے کے لئے کوئی چیز خریدی مگر ایجاب وقبول میں اس کی طرف اضافت نہ ہوئی شرا اسی عاقد پر نافذ ہوجائے گا اور یہی مالک بیع قرار پائے گا جبکہ اس پر نفاذ کی گنجائش ہو، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ الا اذا کان المشتری صبیا او محجورا علیہ ھذا اذا لم یضفہ الفضولی الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع ھذا العمل لفلان فقال البائع بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرھا[3]۔

فضولی شخص نے کسی کے لئے کوئی چیز خریدی تو اگر یہ فضولی نابالغ یا مجور علیہ یعنی خرید وفروخت سے ممنوع نہ ہو تو یہ عقد خریداری اس کی اپنے لئے ہوگی بشرطیکہ اس نے خریداری غیر کی طرف منسوب نہ کی ہو اور اگر خریداری کو غیر کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کر تو بائع نے کہا میں نے یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کی تو پھر یہ فلاں کی اجازت پر موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵
[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳
ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵
[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

اور جب پیر اس زیور کا مالک ہوگیا اور صرف کرلیا تو اب اُس سے رجوع و واپسی کا اصلاً کوئی اختیار اس دینے والے کو نہ رہا،

فان ھلاك الموھوب من موانع الرجوع[1] کما نصوا علیه فی جمیع الکتب۔

کیونکہ موہوب چیز کی ہلاکت رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ اس پر تمام کتب میں فقہاء نے نص فرمائی ہے۔ (ت)

پیر کا اس کے مانگنے پر اُس کے معاوضہ میں اور زیور اپنے پاس سے دے دینا اگر اس بنا پر ہو کہ اُس نے سمجھا کہ جب دینے والا مجھ سے واپس مانگتا ہے تو شرعاً اس کا عوض دینا مجھ پر لازم جب تو یہ دینا محض باطل ہوا مرید کو اس زیور کا لینا حرام ہے نہ اسے خیرات کرسکتا ہے نہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے بلکہ اُس پر لازم کہ وُہ زیور پیر کو واپس دے اور اگر خرچ کرلیا تو اس کا تاوان دے کہ اس تقدیر پر پیر کا یہ زیور دینا ایک غلط فہمی پر مبنی تھا کہ یہاں عوض دینا مجھ پر شرعاً لازم ہے حالانکہ شرعاً ہرگز لزوم نہ تھا تو یہ زیور کسی عقد شرعی کے ذریعہ سے مِلکِ مرید نہ ہوا اور بدستور ملک پیر پر باقی رہا اُس کا ایسا فہم معتبر نہیں عقود الدریہ کتاب الشرکت میں ہے:

تبین ان مادفعه من ذٰلك بناء علی ظن انه واجب علیه ومن دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استردادہ الا اذا دفعه علٰی وجه الھبة واستھلکه القابض کما فی شرح النظم الوھبانی وغیرہ من المعتبرات[2]۔

تو واضح ہوا کہ اس نے جو دیا تو اس بنا پر دیا کہ یہ اس پر واجب تھا، اور اگر کوئی شخص ایسی چیز دے جس کا دینا اس پر واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے اِلّا یہ کہ اس نے بطور ہبہ دی ہو اور قابض سے ہلاک ہوچکی ہو جیسا کہ نظم وھبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔ (ت)

خیریہ کتاب الوقف میں ہے:

یرجع به قائما ویضمن بدله مستھلکا لانه مادفعه علی وجه الھبة وانما دفعه علی انه حق

موجود ہو تو رجوع کرے اگر اس نے ہلاک کردی ہو تو ضمان لے، کیونکہ اس نے ہبہ کے طور پر نہیں دی بلکہ اس لئے دی کہ جس کو دی گئی ہے اس کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

المدفوع الیه وھذا اصح الوجوہ ففی شرح النظم الوھبانی لشیخ الاسلام عبدالبران من دفع شیئا لیس بواجب فله استردادہ الا اذا دفعه علی وجه الھبة واستھلکه القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بما ادی ولو کان قد استھلکه رجع ببدله[1]۔

یہ حق ہے یہی تمام وجوہ میں بہتر ہے، تو شیخ الاسلام عبدالبر کی شرح نظم وہبانی میں ہے کہ جس نے کوئی چیز دی حالانکہ اس پر اس کا دینا واجب نہ تھا تو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس صورت کے کہ بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے ہلاک کردی ہو اھ اور فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جو اس گمان پر دے کہ اس پر یہ دینا واجب ہے اور پھر اس کا خلاف معلوم ہوا تو اپنے دئے ہوئے میں رجوع کرسکتا ہے اور اگر لینے والے نے ہلاک کردی ہو تو اس کا بدل وصول کرے اھ (ت)

ہاں اگر اس گمان سے نہ دیا بلکہ دیدہ و دانستہ اپنی خوشی سے اپنا زیور اس کے عوض میں ہبہ کردیا اگرچہ یہ ہبہ اسی بنا پر واقع ہوا ہو کہ ایسے اوچھے کا احسان نہ رکھنا چاہئے تو اس صورت میں مرید اس زیور کا مالک ہوگیا، درمختار میں ہے:

(اتفقا) الواھب والموھوب له (علی الرجوع فی موضع لایصح) رجوعه من المواضع السبعة السابقة (کالھبة لقرابته جاز) ھذا الاتفاق منھما، جوھرۃ[2]۔

ایسی صورتیں جن میں رجوع صحیح نہ ہو مذکورہ سات صورتوں میں سے کسی میں رجوع پر واہب اور موہوب لہ دونوں اتفاق کرلیں (مثلاً قریبی ذی محرم کو ہبہ) تو یہ اتفاق جائز ہے، جوہرہ (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

ویکون الرجوع فی العوض بالاسترداد وفی الھلاك بردّ البدل[3]۔

عوض میں رجوع واپس لینے سے ہوگا اور ہلاکت کی صورت میں بدل لینے سے ہوگا۔ (ت)

اب اُسے اختیار ہوگا جو چاہے کرے،

فانه انما ھلکه ملکه بھبة

کیونکہ اس نے ابتدائی طور پر ہبہ والی ملکیت کو

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۳۰

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الہبۃ ؍؍ ؍؍ دارالمعرفۃ بیروت ۳/۴۰۶

مبتدئۃ کما افادہ فی الدر[1] عن المجتبی فلیس عین ما انفق للہ ولا بد لہ حقیقۃ فیفعل بہ مایشاء۔

ہلاک کیا ہے جیساکہ اس کا افادہ مجتبی سے درمختار میں منقول کیا ہے، تو عین وہ چیز نہیں جو اس نے اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے دی ہے حالانکہ اسکی کوئی حقیقت ضروری ہے لہذا جو چاہے کرے۔ (ت)

اور جہاں بیعت وارادت بروجہ صحیح ومعتبر واقع ہو وہاں ایسی صورت میں مرید کے لئے سعادت اسی میں ہے کہ وہ زیور شیخ کو واپس کرے اور اپنی تقصیرات شدیدہ وجرائم عدیدہ کا عفو چاہے اس کا یہ خیال کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا پیر نے دل سے بنا کر معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر افترا کر دیا محض بدگمانی ہے جو ہر مسلمان پر حرام نہ کہ پیر ومرشد پر خصوصاً اگر لفظ اسی قدر رہیں جو سوال میں مذکور، تو اس کے انکار کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، بیشک رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے پیروں کو مطابق شرع مطہر اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے حکم دیا اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[2]۔

تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے سوال ہوگا۔ (ت)

اور بیشک شرع مطہر کا حکم ہے کہ ایسی چیز راہِ خدا میں صرف کرو جو دل میں جچے جسے عزیز رکھتے ہو۔

قال اللہ عزوجل لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون[3]۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: جب تک محبوب چیز خرچ نہ کروگے بھلائی کو ہرگز نہ پاؤ گے (ت)

جہاں ارادت صحیحہ معتبرہ ہو وہاں شک نہیں کہ مرید کا اتنا ہی کہنا کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا اُس کے فسخِ بیعت اور عاق ہوجانے کے لئے بس ہے نہ کہ اور کلماتِ شدیدہ مزید برآں اور اس صورت میں وہ ضرور تنبیہ شرعی کا مورد ہوگا کہ وہ سخت محسن کش وبے ادب ہوا عام مسلمانوں میں کسی متنفس کی ایذا بلاوجہ شرعی حرام ہے نہ کہ پیر کی ایذا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے

---

[1] درمختار، کتاب الہبہ، مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] صحیح البخاری، باب الجمعہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۹۲

ومن اذانی فقد اذی اللہ[1] ۔ ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

والعیاذ باللہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ از فریدپور مرسلہ شیخ نبی بخش صاحب جمعدار ۲۲ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو دو بھائیوں نے اپنا مشترک روپیہ گیارہ سو ایک شخص کو قرض دیا اور اس کی ایک جائداد رہن دخلی لی دستاویز میں برادر زید نے بجائے زید زید کے نابالغ بیٹے بکر کا نام درج کرایا اور بعد رجسٹری دستاویز وہ کل روپیہ راہن کو دے دیا گیا بعدہٗ زمانہ نابالغی بکر میں ایک اور جائداد دونوں بھائیوں نے اپنے مشترک روپے سے رہن دخلی لی اور اس دستاویز میں بجائے عمرو اس کے بیٹے کا اور بجائے زید اس کے دو نابالغ بیٹوں بکر و خالد کا نام درج ہوا اور بعد رجسٹری کل زرقرض چار ہزار روپے راہن کو دے دیے یہ جائداد رہن دخلی لے کر خود مالک کو بطور اجارہ داری اور فصل بفصل زر اجارہ یہ مرتہن پاتے رہے کئی برس کے بعد بکر نے ایک بیٹا نابالغ ولید اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا زید نے بعد انتقال پسر ایک باغ اپنے روپے سے خرید اور بیعنامہ بنام اپنے نابالغ پوتے ولید کے لکھوایا پھر ولید نے بحال نابالغی ماں اور دادا کو وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اس باغ کے داخل خارج میں صرف اپنی بہو کا نام درج کرایا، اب وہ دعوٰی کرتی ہے کہ وہ دونوں روپے جن سے وہ جائدادیں رہن لیں اُن میں سے زر اسمی بکر اور یہ باغ میرا ہے کہ ان دستاویزوں میں بکر کا نام لکھوا دینے سے اُن روپوں کی تملیک بکر کو ہوگئی اور اب بذریعہ دین مہر وہ میرے حق میں آور اس باغ کے داخل خارج میں میرا نام درج کرانے سے یہ میری ملک ہوگیا، اس صورت میں حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت واقعہ اگر یونہی ہے کہ وہ روپے زید و عمرو کے مشترک تھے اور یونہی یکجائی طور پر مدیون کو دے دیے گئے تو اُن میں بہو کا دعوٰی اصلاً مسموع نہیں جبکہ وہ روپے زید کی ملک تھی تو بکر کے نام ان کا انتقال یونہی ہوسکتا ہے کہ زید بکر کو ہبہ کرکے مالک کر دیتا دستاویز رہن دخلی میں اگر بکر کا نام خود زید ہی لکھاتا اور بالفرض اس سے تملیک و ہبہ سمجھا جاتا جب بھی یہ ہبہ جائز نہیں

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

بکر اگرچہ نابالغ تھا مگر زرِ مشترک کا ہبہ بے تقسیم نہیں ہوسکتا اور یہاں بے جدائی و تقسیم یکجائی طور پر مدیونوں کو دے دیئے گئے کہ وہ روپے اُن مدیونوں کی ملک میں داخل ہوگئے اور ہبہ باطل ہوکر بکر و مستحقانِ بکر کا کچھ حق نہ رہا، اور چار ہزار والے عقد میں ایک قول پر دوسرا نقص اور ہے کہ یہ حصہ زید کا زید کے دو بیٹوں کے نام بلا تقسیم لکھا گیا تو مشاع در مشاع ہوا، بہر حال ان روپوں میں بہو کا کچھ حق نہیں۔ فتاوی انقرویہ میں ہے:

فی المنتقی وھب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز مالم یقسمہ و یبین ماوھب لہ من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ۔[1]

منتقٰی میں فتاوی تمرتاشی کی کتاب الہبہ کے آخر سے ہے اگر اپنے نابالغ بیٹے کو اپنا نصف مکان ہبہ کیا تو جب تک تقسیم کرکے جدا نہ کردے جائز نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوتصدق بداراہ علی ولدین لہ صغیرین اوکبیرین اواحدھما صغیر والاٰخر کبیر لم یجز وکذا لوتصدق علیھما بکیس فیہ الف درھم وقبضاہ لم یجز خزانۃ الاکمل فی الھبۃ عن المجرد۔[2]

اگر کسی نے دو نابالغ یا ایک یا دو بالغ یا ایک بالغ اور ایک نابالغ بیٹوں کو اپنا مکان مشترکہ طور پر ہبہ کیا تو جائز نہ ہوگا اور یونہی انکو ایک تھیلی ہبہ کی جس میں ہزار درہم تھے اور دونوں کو قبضہ بھی دے دیا ہو تو جائز نہ ہوگا، یہ خزانۃ الاکمل کے ہبہ میں مجرد سے منقول ہے۔ (ت)

بلکہ جس قدر روپیہ زید نے ان ایام میں رہن میں بنام اجارہ پایا ہے زید پر فرض ہے کہ اُسے اصل میں مجرا دے اگر کل آگیا تو اب ایک پیسہ لینا حرام ہے اور اگر کچھ باقی ہے تو اُسی قدر زید کا حق رہا، اور اگر زیادہ آگیا تو زید پر فرض ہے کہ اتنا مدیون کو واپس دے، اسی طرح دوسری جائداد جو رہن دخلی لی اس سے بھی اب تک جو وصول ہوا زید کے لئے خیر اسی میں ہے کہ اُسے سب کو زرِ اصل میں محسوب جانے۔ رہا باغ جب وہ اپنے نابالغ پوتے کے لئے خریدا

---

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الہبۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۲/ ۲۰۴

[2] " " " " " " ۲/ ۲۰۳

پوتے کی ملک ہوگیا اُس کے مرنے کے بعد ایک ثلث زید کی بہو کا ہوا اور دو ثلث بارغ زید کا۔ زید نے جو کاغذ داخل خارج میں صرف بہو کا نام لکھا دیا یہ اگر دلیل ہبہ وتملیک بھی قرار دیں جب بھی معتبر و صحیح نہیں کہ ہبہ مشاع بے تقسیم باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قابلِ تقسیم چیز پر قبضہ دینے سے بھی ہبہ تام نہ ہوگا خواہ اس میں شرکت والے کو ہبہ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از شہر کہنہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں ان میں ایک لڑکا زید کا خدمت گزار زیادہ تر ہے اور وہ دو لڑکے فراخی سے بسر کرتے ہیں تنگ دست نہیں ہیں اس صورت میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خدمت گزار لڑکے کو نصف اپنی ملکیت کا دوں اور نصف بقیہ دونوں لڑکوں اور لڑکی کو بحصہ مساوی دے دوں، یہ بلا حق تلفی کے جائز ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ یہ لڑکا باپ کا خدمت گزار زیادہ ہے تو اُن دو پر ایک طرح کا فضل دینی رکھتا ہے اگر اور کوئی وجہ اس کے منافی نہ ہو، تو ایسی صورت میں باتفاقِ روایات اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں جبکہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ بزازیہ میں ہے:

لوخص بعض اولادہ لزیادۃ رشدہ لاباس بہ وان کانا سواء لایفعلہ[2]۔

اگر اولاد میں سے بعض کو اس کی نیکی کی بناء پر زیادہ دینے میں خصوصیت برتے تو کوئی حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں تو پھر امتیاز نہ برتے (ت)

ہندیہ میں ہے:

لووھب رجل شیئا لاولادہ فی الصحۃ واراد تفضیل البعض علی البعض

اگر کوئی شخص صحت وتندرستی میں اپنی اولاد کو ہبہ دے اور اس میں وہ بعض کو دوسروں پر فضیلت

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

18
18

فی ذٰلک لارواية لهٰذا فی الاصل عن اصحابنا، و روی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین، وان کانا سواء یکره و روی المعلی عن ابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ انه لاباس به اذا لم یقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوی بینهم یعطی الابنة مثل مایعطی للابن وعلیه الفتوی هکذا فی فتاوی قاضیخان وهو المختار کذا فی الظهیریة[1] اھ

اقول وقع ھٰھنا فی النقل عن الخانیة اختصار مخل اوھم، تعلق الافتاء بروایة ابی یوسف نظرا الی مامر عن الامام ولیس کذٰلک وانما ھو لروایته بالنظر الی المروی عن محمد من التثلیث رضی الله تعالیٰ عنهم جمیعا واصل عبارة الخانیة بعد قوله مثل مایعطی للابن ھکذا وقال محمد رحمه الله تعالیٰ یعطی للذکر ضعف مایعطی للانثی و

دے تو اس میں ہمارے اصحاب سے مبسوط میں کوئی روایت نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا گیا ہے کہ اس میں اس وقت کوئی حرج نہیں جبکہ دینی فضیلت کی وجہ سے زیادہ دے اور اگر تمام مساوی ہوں تو یہ مکروہ ہے، اور معلٰی نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر دینا مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر دوسروں کو ضرر مقصود ہو تو پھر ایسا نہ کرے اور سب کو مساوی دے اور بیٹی کو بیٹے کے مساوی دے، اسی پر فتوٰی ہے اور فتاوٰی قاضیخاں میں اسی طرح ہے اور یہی مختار ہے، ظہیریہ میں یونہی ہے اھ، **اقول** (میں کہتا ہوں) یہاں خانیہ کی نقل میں خلل انداز اختصار کردیا ہے، اور فتوٰی کا تعلق امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے کردیا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذکور قول کے مقابلہ میں، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مقابلہ میں ہے جس میں انھوں نے بیٹے اور بیٹی کے لئے تین حصوں کا قول کیا ہے، اور خانیہ کی اصل عبارت یوں ہے چونکہ امام یوسف کے بیٹی اور بیٹے کے لئے مساوات والے قول کے بعد ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

الفتوٰی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اھ[1] قال العلامۃ الشامی نقلا عن العلامۃ الخیر الرملی ما نصہ ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکروالانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد اھ[2]، وقال فی البزازیۃ الافضل فی ھبۃ الابن والبنت التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وھو المختار اھ[3] وقال العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر یکرہ ذلک عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ الخ[4] فانظر کیف عزا الکراھۃ الی الھندیۃ فقد علم ان الفتوی لیست ناظرۃ الی قول ابی یوسف بالنظر الی ما روی عن الامام والا لما ساغ ان یعزوالیھا ما نصت فیہ ان الفتوی علی خلافہ وھذا ھو الصواب فلیتنبہ ثم اقول و باللہ التوفیق

فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے اھ۔ علامہ شامی نے علامہ خیر الدین رملی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا جس کی عبارت یہ ہے، یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر لڑکے لڑکی کو برابر دینا ان پر تین حصے بنانے کی بجائے افضل ہے اور تین حصے بنانا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ، اور بزازیہ میں ہے بیٹی اور بیٹے کو ہبہ میں تین حصے کرنا بہتر ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دو حصوں میں (برابر) دینا بہتر ہے اور یہی مختار ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا درجہ میں مساوی اولاد میں کسی کو زیادہ دینا مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے الخ، غور فرمائیں انھوں نے کس طرح کراہت کو ہندیہ کی طرف منسوب کیا، تو واضح ہوگیا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مقابلہ میں نہیں ہے ورنہ ہندیہ کی طرف ایسی چیز کا منسوب کرنا جس کے خلاف اس نے فتوٰی ہونے کی تصریح کی ہے درست نہ ہوتا، یہی درست بات ہے خبردار رہو۔ ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اور توفیق

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۰۶-۷۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ " الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الہبۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

يتراءى لي ان لا خلف بين ما عن
الامامين الشيخين رضي الله تعالى
عنهما فان تفضيل احد الولدين
لا تحقق له الا بتنقيص الأخر و التنقيص
اضرار اذ ليس المراد به ايصال سوء
اليه في دينه او نفسه او بدنه او
عرضه او ملكه ولا التنقيص من
حق له ثابت فانه لا حق للورثة
في صحة المورث فلم يرد به الا
حجبه حجب نقصان او حرمان
وهذا لازم التفضيل لا انفكاك
له عنه بيد ان القصد اولا و
بالذات قد يتعلق بتفضيل هذا
دون تنقيص ذلك و قد يكون
بالعكس، فانك اذا اعطيت احدهما
ازيد لانه اطوع لك و ابر بك
فانما مطمح نظرك في هذا
صلته بمقابلة ما وقع منه لا تنقيص
غيره وان لزمه لزوما كليا واذا
كنت غضبان على احدهما فاعطيت
الأخر ازيد كيلا يصل اليه الا
القليل فانما مطمح بصرك في هذا
اضراره بما اساء اليك لا تفضيل غيره قصدا
اوليا كما لا يخفى ثم التفضيل لا بد له من
حامل عليه وداع اليه فان العاقل

اللہ سے ہے، مجھ پر واضح ہوا کہ شیخین رحمہما
اللہ تعالیٰ دونوں اماموں کے قول میں کوئی اختلاف
نہیں، کیونکہ دو بیٹوں میں سے ایک کو زیادہ
دینا دوسرے کو کم دینے کے بغیر محقق نہیں اور
کم دینا ہی ضرر دینا ہوا، کیونکہ یہاں دین یا
بدن یا عزت یا ملک میں تکلیف دینا مراد
نہیں ہے اور نہ اس کے لئے ثابت شدہ حق کو
کم کرنا مراد ہے کیونکہ اولاد کا باپ کی صحت میں
کوئی حق نہیں تو یہاں صرف ایک کا دوسرے
کے لئے نقصان یا محرومی کا باعث بننا ہے
اور یہ بات دوسرے پر فضیلت دینے کو لازم ہے
اس سے جدا نہیں ہو سکتی، ہاں یہ بات ضرور
ہے کہ کبھی مقصود بالذات ایک کو صرف فضیلت
دینا ہوتا ہے دوسرے کی تنقیص پیش نظر نہیں
ہوتی، اور کبھی معاملہ بالعکس ہوتا ہے، کیونکہ جب
تو ایک کو اس لئے زیادہ دے کہ وہ تیرا زیادہ مطیع
اور خدمت گار ہے تو اس میں تیرا مطمح نظر صرف
اس کو صلہ دینا ہے دوسرے کی تنقیص مقصود
نہیں ہوتی اگرچہ یہ لازم ضرور ہے، اور تو جب
ایک پر ناراض ہو کر دوسرے کو اس لئے زیادہ
دے کہ پہلے کو کم ملے تو اس میں تیری نظر یہ ہے
کہ اس کو نالائقی کی سزا ملے دوسرے کو فضیلت
مقصود بالذات نہیں ہوتی جیسا کہ مخفی نہیں ہے
پھر تفضیل کا کوئی باعث اور داعی ضرور ہوتا ہے
کیونکہ عاقل کا کوئی فعل غرض کے بغیر نہیں ہوتا

لا یقصد الفعل الا لغرض صحیح فان رجح
ولا مرجح لم یکن المقصود ترجیحہ
لعدم ما یدعو الیہ بل تنقیص غیرہ و
ھو قصد الاضرار والداعی ان کان امرا
دنیویا لا اثر لہ فی الدین فالشرع لا یعتبرہ
ویجعلہ کلا داع واذا کان امرا دینیا
فھو المقصد الصحیح المعتبر وبقصدہ
یخرج الانسان عن قصد الاضرار کما قد تقرر
فظھر ان مآل الکلامین واحد وان
کلامھما کالشرح لصاحبہ وانما لم یقید
فیما روی عن الامام بان لا یقصد
الاضرار لان الکلام فیہ مفروض
فیما قصد تفضیل بعض فبین
ما یصح منہ وما لا بل یؤل قصد
اضرار ثم الذی یظھر ان مسئلۃ
التثلیث او التسویۃ بین الابن
والبنت مسئلۃ علی حدۃ لا متفرعۃ
علی قصد الاضرار الا تری الی ما اسمعناک
عن نص البزازیۃ ولذا لما اوھم عبارۃ
الدر ذلک التفریع عقبہ العلامۃ
السید الطحطاوی لعبارۃ البزازیۃ وقال
فانت تری نص البزازیۃ خالیا
عن قصد الاضرار[1] اھ

کیونکہ مرجح کے بغیر ترجیح ہو تو پھر ترجیح مقصود نہ ہوگی
بلکہ دوسرے کی تنقیص مراد ہوگی تو ضرر رسانی
ہوگی، اور اگر داعیِ ترجیح کوئی دنیاوی امر ہو جس کا
دین میں کوئی اثر نہ ہو تو شریعت اس کا
اعتبار نہیں کرتی اور اس داعی کو کالعدم قرار دیتی
ہے، اور اگر کوئی ایسا دینی معاملہ ہو جو شرعاً
مقصود و مطلوب ہو تو انسان اسکا قصد کرکے ضرر
کے قصد سے بچ جاتا ہے جیسا کہ ثابت ہے تو معلوم ہوا
دونوں اماموں شیخین کی کلام کا نتیجہ ایک ہے
اور دونوں ایک دوسرے کی شرح قرار پاتی ہیں،
اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کردہ
کلام میں ضرر کے قصد کی قید نہیں بتائی کیونکہ ان
کے کلام میں ایک کی فضیلت مفروض ہے جس کی
صحت اور عدمِ صحت بیان ہو رہی ہے بلکہ یہ
کلام ضرر رسانی کی طرف عائد ہے، پھر بیٹی
اور بیٹے میں تین حصے یا برابری کا مسئلہ علیحدہ
مسئلہ ہے یہ ضرر رسانی کے قصد پر متفرع
نہیں ہے تو نے دیکھ لیا جو ہم نے تجھے بزازیہ کی
نص سنائی ہے، اسی لئے جب درمختار کی
عبارت نے یہ وہم پیدا کیا تو علامہ طحطاوی نے
اس کے بعد بزازیہ کی عبارت ذکر کردی جس کا
مقصد یہ ہے کہ تو بزازیہ کی عبارت کو ضرر رسانی
کی قید سے خالی پا رہا ہے اھ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحت کی

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الہبۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

فتح، مما تقرر ان العدل بین الابن والبنت فی حال الصحۃ عند الامام الثالث ھو التثلیث وعند الامام الثانی التنصیف وعلیہ الفتوٰی والکلام فی الافضلیۃ والکل جائز والعدل بین بنین اوبنات ھو التسویۃ بالاجماع ولایجوز العدول عنہ فی ابن لا فی بنت اصلا لوقصد الاضرار اولا وبالذات الا ان یکون فاسقا کما افادہ فی الخلاصۃ والبزازیۃ وخزانۃ المفتین والھندیۃ وغیرھا وان قصد التفضیل فان الفضل دینی جائز ولم یکرہ والاکرہ لاٰولہ[عـــہ] الی قصد الاضرار وھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند عالم الغیوب والاسرار، واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

حالت میں بیٹی اور بیٹے کے درمیان عدل تیسرے امام (محمد) رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تین حصے بنانے میں ہے اور امام ثانی یعنی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک برابر دینے میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، حالانکہ یہ کلام افضلیت میں ہے جبکہ جواز دونوں صورتوں میں ہے، بالاجماع بیٹوں اور بیٹیوں میں عدل بہرحال برابر دینے میں ہے کسی لڑکے یا لڑکی کو ضرر رسانی قصدًا وبالذات جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ فاسق ہو جیسا کہ اس کا افادہ بزازیہ خزانۃ المفتین اور ہندیہ وغیرہ کے بیان نے دیا ہے اور اگر فضیلت دینا چاہے تو کسی دینی فضیلت کی بناء پر جائز ہے مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ضرر رسانی کی طرف رجوع ہوگا، مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے حقیقی علم غیوب واسرار کے عالم کے پاس ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۲: از پیلی بھیت مرسلہ مولانا مولوی وصی احمد صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص نے اپنی جائداد مشترکہ برضامندی اپنے اور اپنے شرکار کے اپنے عزیزوں کو تقسیم کردی، یہ تقسیم بموجب شرع شریف کے صحیح ہے یانہیں اور بعد تقسیم کے وہ جائداد واپس کرنا چاہے تو واپس ہونا اس کا نادرست ہے یانہیں؟

الجواب

اگر شرکار سے تقسیم کرا کر اپنا حصہ جدا نہ کرا لیا یا جن عزیزوں کو دی اُن کا حصہ جدا تقسیم نہ کردیا اور وہ شے اس قابل تھی کہ بعد تقسیم لائقِ انتفاع رہتی جب تو یہ تقسیم سرے سے باطل ہے

عـــہ الاوّل ھو الرجوع (منہ)

اور اگر اپنا حصہ جُدا کر کے حصص شرکا بھی جدا جدا کر دے یا وہ شئی صالح قسمت نہ تھی تو تقسیم میں خلل نہیں ہے اب اگر عزیزوں کا ہنوز قبضہ نہ ہوا تو اس تقسیم سے اُسے رجوع کا اختیار ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور اگر قبضہ ہو گیا اور وہ عزیز اس کے محارم ہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بھتیجے، بھانجے تو واپس لینا ممکن نہیں' اور اگر غیر محارم ہیں اور موانع سبعہ رجوع سے اور کوئی مانع بھی متحقق نہیں تو اُن کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کر سکتا ہے مگر گناہ ہگار ہوگا کہ دے کر پھیرنا مکروہ تحریمی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۳ از رچھا ضلع بریلی تھانہ بہیڑی ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا حکم ہے اس صورت میں کہ باپ نے اپنے بیٹوں کو جدا کر دیا اور جو کچھ جائداد تھی وہ سب کچھ تقسیم کر دی اب بعد مدت کے باپ یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ مال لڑکوں کو دیا ہے وہ سب واپس لے لے اور لڑکوں کو تہی دست چھوڑ دے، اب فرمائیے کہ عند الشرع یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ اور ابھی کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہُوا تو یہ حق ذمہ باپ کے ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر جائداد جدا جدا کر کے ہر لڑکے کو قبضہ دلا دیا تو وہ اس کے مالک مستقل ہو گئے ان سے واپس لینے کا باپ کو اختیار نہیں' نہ ان کا نکاح کرنا اس پر لازم، اول تو لڑکوں کے نکاح میں شرعی مصارف کچھ نہیں اور جو ہوں تو جبکہ وُہ مال رکھتے ہیں انھیں کے مال سے کئے جائیں' اور اگر تقسیم جدا جدا کر کے قبضہ نہ دلایا گیا اور وہ مال قابلِ قسمت تھا تو بدستور باپ کے مِلک پر باقی ہے اُسے لے لینے کا اختیار ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۴ ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد حسن صاحب نے اپنی زندگی میں بحیات اپنی بی بی منکوحہ مسماۃ منیر النساء کل جائداد ۱۸۸۸ء میں دو بیٹیوں اور ایک نواسہ اور ایک نواسی کو دی اور کاغذ لکھ دئے صرف رجسٹری کرائی رہی' زوجہ مولوی صاحب موصوف نے وقتِ قضا اپنا مہر معاف نہ کیا بعد لکھنے اور دینے جائداد کے بحیات زوجہ مذکورہ اور جائداد خریدی جو کسی کو نہ لکھی، ۱۸۹۱ء میں مولوی صاحب نے قضا کی' دو دختر جن کو جائداد تحریر کی اور وہی نواسہ' نواسی' اور حقیقی بہن چھوڑی، ترکہ بموجب فرائض ہر سہ وارثان یعنی دو دختر اور ایک بہن کو کس طرح تقسیم ہوگا بموجب تحریر کاغذات ہوگا قبضہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں کسی کو نہ دیا بعد کو وُہ لوگ بموجب تحریر قابض رہے، بعد

تحریر کاغذات سوا دو بسوے کسری زائد مولوی صاحب نے اور خریدی جو کسی کو نہ لکھے زوجہ مولوی صاحب کے دو بیٹیاں اور ایک بہن وقت وفات زندہ موجود ہیں۔

تفصیل تحریر جائداد از مولوی صاحب موصوف

مسماۃ بی بی جان دختر کلاں	۵ لبوہ ۱۰ لبسوانسی ۳ کچوانسی ۱۲/۷ تنوانسی کسری زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ مشرق رویہ واقع محلہ خواجہ قطب و نصف قطعہ اراضی اڈا واقع بریلی کٹرہ مان رائے۔
مسماۃ غفور النساء دختر خورد	۵ لبسوہ ۱۰ لبسوانسی ۳ کچوانسی ۱۲/۷ تنوانسی کسری زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ واقع نالا و نصف قطعہ اراضی اڈا واقع بریلی کٹرہ مان رائے۔

یہ حقیقت مولوی صاحب نے پہلے ہی بنام غفور النساء خرید کی تھی وہ حصے میں مجرا کی، غفور النساء اس وقت ناکتخدا نابالغہ تھی۔

قمر الدین نواسہ	یک بسوہ موضع راجو پور و مکان مسکون واقع کٹرہ مان رائے۔
مسماۃ چھمن نواسی	یک دکان واقع بازار کٹرہ مان رائے۔

الجواب

یہ جس قدر ہبہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادی کو کئے ہیں سوا اُس مکان کے جو غفور النساء کے نام اُس کی نابالغی میں خریدا سب شرعاً باطل و بے اثر ہیں جو جائدادیں مشاع و مشترک بلا تقسیم ہبہ کیں اور انھیں میں وہ نصف قطعہ اراضی اڈا داخل ہے جو نصف مشاعاً بنام غفور النساء خریدا تھا یہ سب تو بوجہ مشاع ہونے کے باطل ہیں اور جو جداگانہ و مسلّم تھیں جیسے مکانات دکان کہ بی بی جان و غفورن و چھمن کو ایک ایک پورا دیا گیا اُن کا ہبہ یوں باطل ہوا کہ موہوب لہم نے حیات مولوی صاحب مرحوم میں قبضہ نہ پایا، بعد کا قبضہ شرعاً بکار آمد نہیں، درمختار موانع الرجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل الھبۃ[1]	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کی موت ہے، اور قبضہ سے قبل موت ہوجائے تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

وہ مکان کہ غفور النساء بیگم کے نام اس کی نابالغی میں خریدا از انجا کہ مسلم بھی تھا اور نابالغ کے ہبہ میں، باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ قرار پاتا ہے اس کا ہبہ صحیح و تمام ہوگیا، پس صرف وہ ایک مکان بحق غفور النساء مسلم رہے گا اور باقی تمام جائداد دکتوبہ موہوبہ وغیر موہوبہ سب یکساں حالت میں ترکہ مولوی صاحب مرحوم قرار پائے گی اُس میں سے اوّلاً دین مہر ادا کیا جائے گا یوں کہ مہر سے ایک چہارم خود بحق مولوی صاحب ساقط ہوکر باقی تین ربع مہر کے نو حصوں پر تقسیم ہوں گے چار چار حصے ہر دختر اور ایک حصہ زوجہ کی بہن کو ملے گا، اس سے فارغ ہوکر جو جائداد بچے مولوی صاحب مرحوم کی دونوں بیٹیوں اور ہمشیر مولوی صاحب پر بحصہ مساوی تقسیم ہوجائے گی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بنام ہندہ اپنی دختر کے ہبہ کرکے قبضہ دلا دیا تھا کہ اب تک ہندہ قابض ہے اب زید نے بدست عمرو وہی مکان بیع کردیا، کیا یہ بیع صحیح و نافذ و جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ بیع صحیح و نافذ نہیں بعد تکمیل ہبہ زید کو اپنی بیٹی سے رجوع کا اصلاً اختیار نہیں،

فان القرابۃ من موانع الرجوع علٰی ما نص علیہ فی جمیع الکتب[1]۔ کیونکہ قرابت رجوع کے موانع میں سے ہے تمام کتب میں اس پر نص موجود ہے (ت)

ہندہ کو اختیار ہے کہ اس بیع کو رد کردے تو محض باطل ہوجائے گی اور چاہے تو قبول کرے اس وقت یہ بیع نافذ ہوجائے گی اور قیمت جو کچھ ٹھہری ہے خود ہندہ پائے گی زید کو اس سے کچھ تعلق نہ ہوگا کہ ہبہ دلانے سے کامل ہوگیا اب مکان کا مالک زید نہیں ہندہ ہے، ہاں اگر زید محتاج حاجتمند ہو اپنی ضرورت کے لئے اس مال کو بیچنا چاہے تو اس کا اختیار باپ کو اولاد کے خود اپنے ذاتی مال میں بھی ہے مگر بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں یہ صورت نہیں، زید کو کوئی ضرورت نہیں صرف دختر سے لے کر پسر کو دینا چاہتا ہے اس کا ہرگز اختیار نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶ از ٹھریا موہن پور مرسلہ حافظ عبدالرب خاں یکم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ ایک شخص حافظ قرآن بالعوض پڑھنے قرآن کے

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

کچھ جائداد مسماتوں زمیندار سے ہبہ کرائی واہبان نے ہبہ نامہ میں یہ شرط درج کرائی ہے کہ موہوب لہ کو تاحیات ہماری قرآن مجید اب وجد مرحوم کو پڑھتا ہوگا مگر یہ شرط نہیں ڈالی گئی کہ دو یا ایک پارہ یا دو یا ایک ختم پڑھے وہی حافظ امامت کرتا ہے تمام گاؤں کی، آیا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نادرست، ایک مسماۃ ان واہبان میں سے فوت ہوگئی ہے اور غیر شخص مردہ یا زندہ کو اگر حافظ قرآن پڑھ کر ثواب بخشیں پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور واہبان کے مرنے پر حافظِ قرآن رہا اس شرط سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نقل ہبہ نامہ کی اس خط میں ملفوف ہے حضور ملاحظہ فرمائیں، فقط۔

پہلے اس مسئلہ کا سوال گنگوہ کو بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا تھا کہ اس کی امامت نادرست ہے" دوبارہ پھر سوال کیا گیا کہ اب کس طرح پر حافظ مذکور کی امامت درست ہوسکتی ہے، اس کا جواب یہ آیا جس کی نقل بعینہٖ یہ ہے۔

الجواب: اس امام کی توبہ یہی ہے کہ وہ زمین واہب کو واپس کردے، واہب مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو لوٹادے، پھر اس کو ایصالِ ثواب کا اختیار ہے، لوجہ اللہ ایصالِ ثواب روح میت کو کرے یا نہ کرے، اگر وہ زمین واپس کردے اور اپنے فعل پر نادم ہو تو پھر اس کی امامت میں مضائقہ نہیں ہے، فقط، واللہ تعالٰی اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ | رشید احمد ۱۳۰۱ |

اصل مسئلہ گنگوہ کا بھی مرسل خدمت ہے جو حکم ہو مطلع فرمائیں، فقط۔

الجواب

ملاحظہ ہبہ نامہ سے ظاہر ہوا کہ یہ زمین جو ہیبت خاں زمیندار بھٹریا کی زوجہ ودختر نے کہ باہم اُس کی زمینداری میں شریک تھیں موہوب لہ کو ہبہ کی تین نمبر مستقل جداگانہ غیر مشاع ہیں، دو نمبر تو خود ہی جدا تھے اور تیسرے کی نسبت بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نمبر مملوک واہبات سے ایک ٹکڑا تھا جسے واہبات نے کھائی کھدوا کر علیحدہ کردیا اور ہر سہ نمبر موہوب پر موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دے دیا، پس صورتِ مستفسرہ میں وہ ہبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا کہ موہوب کا دو واہبوں میں مشترک ہونا مانع صحتِ ہبہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع[1]۔ دو حضرات نے ایک مکان کسی ایک کو ہبہ کیا تو صحیح ہے شیوع نہ ہونے کی وجہ سے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اورخلاصہ عبارت ہبہ نامہ یہ ہے:

"اراضی نمبران مندرجہ ذیل مع درختان بنام حافظ عبداللہ خاں بالعوض خواندن قرآن شریف عزیزخاں دادا و ہیبت خاں والد کے ہبہ کی، اور بخشی ہم نے موہوب کو تاحیات ہماری، قرآن شریف واسطے مورثان موصوفان کے پڑھنا ہوگا، لہذا یہ ہبہ نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔"

ظاہر ہے کہ واہبات وموہوب لہ نے اسے ہبہ ہی کہا اور یہی سمجھا اور ہبہ ہی کا ارادہ کیا لعوض قرآن خوانی کہہ دینے سے وہ عقد ہبہ سے نکل کر بیع نہیں ہوسکتا کہ باطل ٹھہرے اور موہوب لہ پر اس کا واپس دینا لازم ہو اور نہ اس کی امامت میں مضائقہ، قرآن خوانی کوئی مال نہیں، ہبہ بالعوض اُس وقت بیع ہوتا ہے کہ لعوض کسی مال کے ہو، ولہذا قرۃ العیون میں زیر قول شارح اما لوقال وھبت بکذا فھو بیع (لیکن اگر یُوں کہا تجھے اتنے کے عوض ہبہ کیا تو بیع ہوگی۔ ت) لکھا:

لان الباء للمقابلۃ والمال المقابل بالمال بیع[1] کیونکہ یہاں باء مقابلہ کے لئے ہے، مال بمقابلہ مال بیع ہے (ت)

تبیین الحقائق و بحرالرائق والاشباہ والنظائر و غایۃ البیان وغیرہا شروح ہدایا وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ ہبہ بالعوض کا بیع ہونا بوجہ عبرت معانی ہے، اور پُرظاہر کہ معنی بیع اسی وقت متحقق ہوں گے کہ مقابلۂ مال بمال ہو تو بے تحقق معنیٰ خواہ مخواہ اُسے ابطال تصرف عاقد واہمال کلام عاقل کے لئے بیع کی طرف پھیر لے جانا اور لفظ کہ عاقد نے بولے اپنے صحیح سلیم سے بلاوجہ توڑ کر معنی ناممکن کی طرف ڈھالنا محض مہمل و بے معنیٰ ہے، حالانکہ قاعدہ شرع اعمال الکلام اولیٰ من اہمالہ[2] (کسی کلام کو بالمعنی بنانا اس کو مہمل بنانے سے بہتر ہے۔ ت) نہ کہ عکس،

وقد حققنا فیما علقنا علی ھامش قرۃ العیون وغمز العیون من ھذا المقام ان مثل الھبۃ ھبۃ صحیحۃ لابیع باطل بمایتعین المراجعۃ الیہ فارجع

ہم نے اس کی تحقیق قرۃ العیون اور غمز العیون پر اس مقام کے حاشیہ پر کی ہے کہ ہبہ کی مثل، صحیح ہبہ ہوتا ہے وہ باطل بیع نہیں، ہماری تحقیق قابلِ مراجعت ہے اس کی طرف

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۲۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ التاسعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۶۸

الیہ ان شئت وباللہ التوفیق۔

رجوع کر اگر تو چاہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)

تو اس عوض کا حاصل نہ رہا مگر ایک شرط فاسد، اور ظاہر ہے کہ ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے تو ہرگز موہوب لہ پر لازم نہیں کہ وہ زمین واپس کرے، نہ اس کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی نقصان ہے کہ اس نے مال حرام نہ لیا کوئی عقد ناجائز نہ کیا، ہاں اتنا ہُوا کہ اُس احسان کے عوض یہ شرط قبول کرلی کہ تاحیات واہبات ان کے مورثوں کو ایصال ثواب کروں گا، یہ کوئی محظور شرعی نہیں بلکہ احسان کے عوض احسان کرنا شرع پسند فرماتی ہے

قال اللہ تعالٰی ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[1]○ ولئن فرض انہ ارتکب الاجارۃ علی التلاوۃ للمیت معانہ لاعین لھا ھٰھنا ولا اثرو لا ذکر ولا خبر فالمحقق وان کان بطلانھا ولکن کثیر من العلماء صرحوا بجوازھا وبہ نص فی السراجیۃ و الھندیۃ والدرالمختار وغیرھا فمن اتبع امثال ھٰؤلاء کیف یحکم علیہ بمنع امامتہ لاسیما الحکم "نادرست" الذی ھو بمعنی لاتصح فان غایتہ الاثم فان فرض فسقا فامامۃ الفاسق و ان کرھت عند التحقیق تحریما صحیحۃ قطعا ولکن مفاسد الجھل و الخفی

اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کا بدلہ احسان ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ میّت کے لئے تلاوت پر اجارہ ہے حالانکہ نہ یہ معین ہے اور نہ یہاں حکایت، نہ اس کا ذکر اور نہ اس کی کوئی خبر ہے، تو اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ یہ باطل ہے لیکن بہت سے علماء کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور اسی پر سراجیہ، ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں نص فرمائی ہے تو جو شخص ان فقہاء کرام کی اتباع میں ایسا کرے تو اس پر یہ حکم کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کی امامت ناجائز ہے خصوصاً "نادرست" کے لفظ سے حکم لگانا جس کا معنٰی "لاتصح" ہے غلط ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ اگر ہے تو وُہ گناہ ہے اور اگر اس کو فسق بھی کہا جائے تو اگرچہ فاسق کی امامت تحقیق میں مکروہِ تحریمہ ہے لیکن صحیح ضرور ہے، لیکن جہالت کے مفاسد کثیر ترین اور قابلِ نفرت

---

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

نسأل اللہ العافیۃ۔ ہیں۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کے طالب ہیں (ت)

مسلمان زندہ یا مردہ جسے چاہیں تلاوتِ قرآن وغیرہ جس نیک کام کا ثواب چاہیں پہنچا سکتے ہیں، بفضلہٖ تعالٰی پہنچتا ہے اور اُسے نفع دیتا ہے، حافظِ قرآن پر اُس شرط کی پابندی نہ حیاتِ واہبات میں واجب ہے نہ ان کے بعد،

لما تقدم ان الشرط فی الهبة هو الذی یبطل والباطل لاعمل له۔

کیونکہ پہلے گزرا ہے ہبہ میں فاسد شرط خود باطل ہوجاتی ہے اور باطل شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (ت)

مگر ایفائے وعدہ اور احسان بعوض احسان کے طور پر اسے مناسب ہے کہ جب تک یہ دوسری واہبہ زندہ ہے ان مورثوں کو جتنا چاہے پڑھ کر بخشتا رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷

۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو اپنا دین مہر معاف کردیا، اب زید بری ہوگیا یا یہ معافی وصیت متصور ہوکر زید دو ثلث کے ادا کا عنداللہ مواخذہ دار رہے گا اگرچہ ورثہ دنیا میں شرم سے نہ مانگیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا حکمِ وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصے میں نافذ نہیں ہوسکتی۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر کل وارث عاقل بالغ ہوں اور اس معافی مہر کو جائز رکھیں معاف ہوجائیگا اور بعض اجازت دیں تو بقدر انھیں کے حصے کے ساقط ہوگا اور کوئی اجازت نہ دے تو دیگر ورثاء کا حصہ کہ نصف یا تین ربع مہر ہے تمام وکمال واجب الادا رہے گا، عورت کا معاف کرنا کچھ معتبر نہ ہوگا۔ خزانۃ المفتین وہندیہ میں ہے،

مریضۃ قالت لزوجها ان مت من مرضی هذا فمهری علیك صدقة اوفانت فی حل من مهری فماتت من ذلك المرض فقولها باطل والمهر علی الزوج۔[1]

مریضہ بیوی نے خاوند کو کہا اگر میں اس مرض میں فوت ہوجاؤں تو میرا مہر تجھ پر صدقہ ہے، یا کہے "تو مہر سے آزاد ہے" تو وہ اس مرض میں فوت ہوگئی تو بیوی کا یہ قول باطل ہوگا اور مہر خاوند کے ذمہ لازم رہے گا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الہبۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

نہرالفائق وعقود الدریہ میں مسئلہ مذکورہ خانیہ سے نقل کرکے فرمایا:

وکان ینبغی ان یقال ان اجازت الورثۃ تصح لان المانع من صحۃ الوصیۃ کونہ وارثا[1]

مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو صحیح ہے کیونکہ وصیت کے موانع میں سے وارث ہونا بھی ہے۔ (ت)

جامع المضمرات شرح قدوری وعالمگیریہ میں ہے:

مریضۃ وھبت صداقھا من زوجھا ان کانت مریضۃ مرض الموت لایصح الا باجازۃ الورثۃ[2] اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مریضہ نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کیا اور وہ مرض الموت کی مریضہ ہے تو یہ ہبہ ورثاء کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ

۲۱ رجمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ظہورن نے اپنی ایک دکان کی تعمیر عملہ کے نسبت اپنے داماد عبدالوہاب خاں کو اجازت دی کہ اسے تم اپنے روپے سے درست کرلو جو کچھ کرایہ تمھارے عملے کی وجہ سے بڑھ جائے گا وہ تم لیا کرنا۔ عبدالوہاب خاں نے اس ایک دکان کو دو دکانیں کردیا بڑی اور چھوٹی۔ دکان کا پہلا عملہ جو تھا اس میں سے کڑیاں بیکار نکل گئیں۔ عبدالوہاب خاں نے کڑیاں اپنے ہی پاس سے ڈالیں مگر اینٹیں اگلی اور اپنے پاس سے اور نئی ملاکر دونوں دکانیں بنائیں۔ یہ تعین نہیں ہوسکتی کہ کس دکان میں کتنی اینٹ پہلی اور کتنی نئی ہے، پھر عبدالوہاب خاں نے دونوں دکانوں پر خاص اپنے روپے سے بالاخانہ بنایا۔ اب اُن دکانوں کا کرایہ دس روپے ماہوار ہوگیا پہلے پانچ روپے تھا، حسب قرار داد ظہورن اور عبدالوہاب خاں پانچ روپے ماہوار لیتے رہے، یہ تمام عملہ عبدالوہاب خاں نے ظہورن کی اجازت سے اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا، ۱۸۹۸ء میں اس دکان کا ہبہ نامہ ظہورن وعبدالوہاب خاں کی طرف سے اُس کی دختر اور اُس کی زوجہ آبادی کے نام بایں تفصیل لکھا گیا کہ بڑی دکان ظہورن کی طرف سے اور چھوٹی دکان اور بالاخانہ عبدالوہاب خاں کی طرف سے آبادی کے نام ہبہ ہوا۔ آبادی نے وصیت کی کہ جو کچھ میری ملک ہے اس کا مالک میرا خاوند ہے،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المضمرات کتاب الہبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۲

پھراس نے انتقال کیا، شوہر اور ماں باپ اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے، باپ نے اُس جائداد کو یوں تقسیم کیا کہ بڑی دکان نصف نصف دونوں نواسیوں کو دی اور چھوٹی دکان میں سے آدھی نواسی کے بیٹے کو اور آدھی اپنے دور کے رشتہ کو، اور بالاخانہ کی نسبت یہ لکھا کہ جیتے جی میں مالک اور میرے بعد میرا اوادا مالک، اس کے بعد اُس کی لڑکیاں مالک۔ سوال یہ ہے کہ تقسیم مذکورہ بالا اور یہ تحریر ٹھیک ہُوئی یا نہیں اور عبدالوہاب خاں نے اپنا روپیہ جو دکانوں اور بالاخانے کی تعمیر میں صرف کیا تو اُن میں عبدالوہاب خاں کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں عبدالوہاب خاں نے جو عملہ اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا خاص ملک عبدالوہاب خاں ہُوا، بالاخانہ کہ تمام و کمال زرِ عبدالوہاب خاں سے بنا کل عبدالوہاب خاں کا ہے، اور دونوں دکانوں میں کڑیاں بھی انھیں کی ہیں اور رچائی کہ مشترک اینٹوں سے ہوئی ظہورن و عبدالوہاب خاں کی حصہ رسد مشترک ہے، اگر کمی بیشی معلوم ہو سکے مثلاً دو تہائی اینٹیں ظہورن کی ہیں اور ایک تہائی عبدالوہاب خاں کی، یا بالعکس، جب تو اسی حساب سے، ورنہ نصفا نصف مشترک رہے گی،

كما هو الطريق حيث لا علم بالتفاضل كما نصوا عليه في غير ما مسئلة من الشركة وغيرها۔

جیسا کہ یہ طریقہ ہے جہاں زائد کا علم نہ ہو فقہاءِ کرام نے شرکت وغیرہ کے کئی مسائل میں یہ تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو عمر لنفسه بلا اذنها فالعمارة له ويكون غاصبا للعرصة۔[1]

اگر عورت کی زمین پر اس نے عمارت بغیر اجازت بنائی تو عمارت بنانے والے کی ہے اور خالی زمین کا غاصب قرار پائے گا۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

فلو باذنها تكون عارية۔[2]

تو اگر اجازت سے تعمیر کی تو زمین عاریۃ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار مسائل شتّی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر " دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۵۹

قولہ فالعمارۃ لہ ھذا لو الاٰلۃ کلھا لہ فلو بعضھا لہ و بعضھا لھا فھی بینھما ط عن المقدسی[1]

ماتن کا قول کہ "عمارت' بنانے والے کی ہوگی" یہ تب ہے جب تعمیر کا سارا سامان اس کا ہو، تو اگر کچھ اس کا اور کچھ عورت کا ہو تو عمارت مشترکہ ہوگی' یہ طحطاوی میں مقدسی سے منقول ہے (ت)

ہبہ نامہ کہ ظہورن و عبدالوہاب خاں نے آبادی کے نام کیا محض باطل ہوگیا، دونوں دکانوں کے عملے تو یوں ہبہ نہ ہوئے کہ ہر عملہ ظہورن و عبدالوہاب خاں دونوں میں مشترک تھا۔ عملہ کا دونوں کی طرف سے ہبہ ہونا چاہئے تھا اور ہُوا ایک ایک کی طرف سے، تو ہر عملے میں دوسرے کا حصہ بے ہبہ رہا، اور وہ مشاع قابلِ تقسیم ہے، اور ایسی شے کا ہبہ بلا تقسیم باطل ہے، اور زمینیں یُوں ہبہ نہ ہوئیں کہ چھوٹی دکان کی زمین تو مالکہ زمین یعنی ظہورن نے ہبہ ہی نہ کی، عبدالوہاب خاں جس کی طرف سے اس کا ہبہ لکھا گیا مالک زمین نہ تھا اور بڑی دکان کی زمین اگرچہ ظہورن نے ہبہ کی مگر اس پر مشترک عملہ قائم ہے جس کا ہبہ صحیح نہ ہوا اور موہوب جب غیر موہوب سے یُوں متصل ہو تو ہبہ مثل ہبہ مشاع منقسم باطل ہوجاتا ہے بعینہ اسی دلیل سے بالاخانے کا ہبہ بھی اگرچہ مالک یعنی عبدالوہاب خاں نے کیا باطل ہوا کہ وہ بھی باقی رکھنے کے لئے ہبہ ہوا تھا نہ یوں کہ آبادی عملہ توڑ کر اینٹ کڑی تختے پر قبضہ کرلے، یوں ہوتا تو بالاخانے کا ہبہ صحیح ہوجاتا جبکہ آبادی باذن عبدالوہاب خاں اُسے توڑ کر عملے پر قبضہ کرلیتی مگر نہ وہ توڑا گیا نہ یہ مقصود تھا اور اُسے غیر موہوب سے اتصال تھا، لہٰذا وہ بھی باطل ہوگیا۔ عقود الدریہ میں ہے:

ھبۃ البناء دون الارض لاتصح الا اذا سلطہ الواھب علی نقضہ[2]

زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ صحیح نہیں الّا یہ کہ واہب اس کو اکھاڑنے پر لگادے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

وھب زرعا فی ارض او ثمرا فی شجر او حلیۃ فی سیف او بناء فی دار او قفیزا من صبرۃ و امرہ بالحصاد والجذاذ والنزع والنقض

کھیت کے فصل یا پھل درخت پر یا تلوار میں جڑا ہوا سونا چاندی یا حویلی میں کوئی عمارت یا کھلیان میں سے قفیز غلہ ہبہ کیا اور فصل کاٹنے، پھل کو توڑنے، تلوار سے جُدا کرنے، عمارت کو

---

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[2] العقود الدریہ کتاب الہبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

والکیل وفعل صح استحسانا و یجعل کانہ وھبہ بعد الجزاز والحصاد و نحوھما و ان لم یأذن لہ بالقبض و فعل ضمن کذا فی الکافی[1]

اکھاڑنے اور کھلیان سے قفیز کے کیل کرنے کا حکم دے دیا اور موہوب لہ نے عمل کرلیا تو استحساناً ہبہ صحیح ہے اور یوں سمجھا جائے گا گویا کہ اس نے کاٹنے اور توڑنے وغیرہ کے بعد ہبہ کیا، اور اگر واہب مذکورہ نے کارروائی کی اجازت نہ دی ہو اور موہوب لہ خود مذکورہ کارروائی کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، کافی میں یوں ہے۔ (ت)

مغنی المستفتی میں ہے:

افتی جد جدی المرحوم عماد الدین عن سوال رفع الیہ وصورتہ فیما اذا کان لزید عمارۃ قائمۃ فی ارض الغیر فملک زید العمارۃ المزبورۃ لزوجتہ و لم یأذن لھا بنقض العمارۃ فھل یکون التملیک غیر صحیح ام لا الجواب نعم یکون التملیک غیر صحیح کتبہ الفقیر عماد الدین عفی عنہ[2]

میرے پردادا عماد الدین مرحوم نے فتوٰی دیا جب ان کو یہ سوال پیش کیا گیا سوال کی صورت یہ تھی کہ زید کی غیر کی زمین پر عمارت تھی جو اس نے اپنی زوجہ کی ملک کردی اور بیوی کو عمارت کا ملبہ اکھاڑنے کی اجازت نہ دی تو کیا تملیک صحیح ہوگی یا نہیں؛ الجواب ہاں یہ تملیک صحیح نہ ہوگی۔ کتبہ فقیر عماد الدین عفی عنہ۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

وھب ارضا فیھا زرع او نخیل او نخلا علیہ تمر او وھب الزرع بدون الارض او النخل بلا ارض او نخلا بدون التمر لایجوز لان الموھوب متصل بغیرہ اتصال خلقۃ مع امکان القطع

کسی نے ایسی زمین کا ہبہ کیا جس پر فصل یا کھجور کا درخت تھا یا کھجور کے درخت جن پر پھل تھا کا ہبہ کیا، یا اس کا عکس یعنی فصل یا کھجور کا درخت بغیر زمین یا پھل بغیر درخت کا ہبہ کیا تو ناجائز ہوگا کیونکہ موہوب چیز غیر چیز کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے حالانکہ جدا کرنے کا امکان موجود ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[2] العقود الدریۃ بحوالہ مغنی المستفتی کتاب الہبہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

فقبض احدھما غیر ممکن فیما لہ الاتصال فیکون بمنزلۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ۔[1]

تو ایسی صورت میں موہوب پر قبضہ ناممکن ہے تو یہ مشاع چیز جو قابل تقسیم ہو، کی طرح ہے۔ (ت)

عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے:

لان کل واحد منھما متصل بصاحبہ اتصال جزء بجزء فصار بمنزلۃ ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ۔[2]

کیونکہ ہر ایک کا جزء دوسرے جز کا اتصال ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوگا۔ (ت)

حاشیۃ العلامۃ الحامدیہ میں ہے:

والعمارۃ من ھذا القبیل[3] اھ وتمامہ فیہ وقد افاد واجاد واوضح المرام وازاح الاوھام فان المسألۃ قد طغت فیھا اقلام وزلت فیھا اقدام والعبد الضعیف حرر فیھا الکلام علی ھامش التنقیح باحسن نظام وباللہ العصمۃ وبہ الاعتصام۔

اور عمارت بھی اسی قبیل سے ہے اھ اور مکمل بیان اس میں ہے، اور اس نے خوب افادہ کیا اور مقصد کو واضح اور اوہام کا ازالہ کردیا، کیونکہ یہ مسئلہ ہے جس میں بہت سے قلم غلط راستے پر چل گئے اور کئی قدم پھسل گئے اور عبد ضعیف نے تنقیح کے حاشیہ پر اس میں اچھے انداز پر کلام کیا ہے (ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ دونوں دکانیں بدستور ملک مالکان پر ہیں دونوں کی زمینیں پوری اور چناٸی کا دوسرا حصہ اور سارا بالاخانہ عبدالوہاب خان کا ہے آبادی کی وصیت یا اس کے باپ کی تقسیم کچھ قابل لحاظ نہیں سب مہمل و باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

نثار احمد مکان مسکن را بہ بچگان خورد سال ہبہ می کند الا یک دختر کلاں کہ نکاحش کردہ آمد نام او ہم شامل کردن لازم ست یا نہ

نثار احمد اپنی سکونت والا مکان نابالغ بچوں کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس کی ایک لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کو بھی شامل کرنا ضروری ہے یا نہیں

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۹-۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب الثانی " " " ۴/ ۳۸۰

[3] العقود الدریہ کتاب الھبہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۴

ایں سہ بچگان از تمتع دنیاوی بہرہ نیافتہ اند و آں یکے متمتع شدہ۔

یہ تین نابالغ بچے دنیاوی سامان سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل نہیں ہیں اور صرف وہ بالغ لڑکی اس کی اہل ہے۔ (ت)

الجواب

ہرچہ بیکے ازیں اطفال رسد اگر قیمتش براںچہ بجہیز دختر کلاں دادہ شد زیادت واضح ندارد نام او شامل کردن ضرور نیست لحصول ماارشد الیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بنیك نحلت مثل ھذا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔

ان نابالغ بچوں کو جو حصہ ملتا ہے اگر وہ شادی شدہ لڑکی کے جہیز سے واضح طور زائد نہ ہو تو اس لڑکی کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کہ "کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اتنی مقدار ہبہ کیا ہے" پر عمل ہوگیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰ از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شے موہوبہ کے ایک جز پر استحقاق ثابت ہو تو بہ نسبت شکل کے کیا حکم ہوگا اور یہ ہبہ باطل ہوگا یا کیا ؟

الجواب

استحقاق کے یہ معنی کہ ثابت ہو کہ شئی موہوب تمام و کمال ملکِ واہب نہ تھی بلکہ اس کا ایک جز ملک مدعی نکلا مدعی نے دعوٰی کیا اور ثبوت دیا اور وہ جز نکل گیا تو باقی میں بھی ہبہ باطل ہوجائے گا کہ ثابت ہوا کہ اول ہی سے ایک جز مشاع ہبہ ہوا تھا کہ ملک غیر کو ہبہ کر دینے کا واہب کو کچھ اختیار نہ تھا، پھر یہ اسی حالت میں ہے کہ شئے موہوب قابل قسمت ہے ورنہ بعد استحقاق باقی کا ہبہ تام رہے گا کہ ناقابل قسمت کے ہبہ کو شیوع منع نہیں کرتا، اور اگر شئی موہوب تمام و کمال بملک واہب تھی ہبہ میں ابتداءً شیوع نہ تھا بعد کو کسی عارض کے سبب اس کا ایک جز ہبہ سے نکل گیا مثلاً واہب نے بتراضی یا قضائے قاضی نصف موہوب میں رجوع کرلی، یا ہبہ اجنبی کے ہاتھ تھا اور شئی موہوب ثلث مال واہب سے زائد تھی ورثہ نے اجازت نہ دی، ثلث سے جس قدر زیادت تھی ہبہ سے خارج ہوگئی، یا موہوب لہ وارث تھا دیگر ورثہ سے بعض نے اجازت دی بعض نے نہ دی کہ نہ دینے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸
سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵

والوں کے حصے کے قدر جز موہوب سے آزاد ہوگیا توان صورتوں میں باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے :

المفسد ھو الشیوع المقارن لا الشیوع الطاری[1]

ہبہ کا مفسد وہ شیوع ہے جو ہبہ کو مقارن ہو اور جو بعد میں لاحق ہو وہ شیوع مفسد نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

لایمنع الشیوع صحۃ الاجازۃ[2]

شیوع اجازت کی صحت کو مانع نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱ از لاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو منکوحہ میں سے ایک سے جب اس شخص نے نکاح کیا، اس کو ایک قبالہ نکاح لکھ کر دیا جس میں چند مدات ہیں، منجملہ ان کے ایک مدیہ ہے جس کی عبارت (چھٹی یہ کہ جو کچھ مال واسباب میری ملک ہے اور ہوگا اس سے بھی سوائے مضمون مرقوم بالا کے نصف دختر مولوی صاحب مرحوم کا اور نصف اہلیہ اول میری کا ہے) اور اس قبالہ پر حاکم وقت کے دستخط ثبت کرادئے، پس اب بعد مرنے اس شخص قبالہ نویس کے منکوحہ اس شخص کی باستدلال اس عبارت مندرجہ قبالہ کے جس پر دستخط حاکم ثبت ہیں اس شخص متوفی کے تمام اموال وجائداد متوفی پر دعوٰی کرے اور تقسیم اس کی بنام ہر دو منکوحہ متوفی کے چاہے اور اولاد متوفی کو محروم الارث قرار دے تو شرعًا وہ جائداد ہر دو منکوحہ پر بموجب عبارت مذکورہ کے تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اولاد اس شخص متوفی کی محروم الارث رہ سکتی ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب

تحریر قبالہ مذکورہ محض بے اثر ہے، وہ مال اس کی بنا پر تنہا دونوں زوجہ میں تقسیم نہیں ہوسکتا، نہ اولاد اس سے محروم ہوسکتی ہے،

لانہ لیس باقرار لاضافتہ الملک الی نفسہ ولا وصیۃ لعدم الاضافۃ الی بعد الموت مع کونہ فی الصحۃ

کیونکہ یہ اقرار نہیں اس لئے کہ اس نے ملکیت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور وصیت بھی نہیں کیونکہ اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب نہیں باوجودیکہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] ؂ ؂

فان کان فہبتہ ما یوجد وھی باطلۃ وھبۃ الموجود مشاعاً وقد بطلت بموت الواھب قبل التسلیم ولئن کانت وصیتہ لما نفذت للمرأتین الاجازۃ بقیۃ الورثاء کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وہ صحت مند بھی ہے، اور ہو بھی تو بعد میں موجود ہونے والی چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ باطل ہے اور موجود چیز کا مشاع حالت میں ہے جو کہ قبضہ دینے سے قبل وفات سے باطل ہوگیا، اور اگر وصیت ہو تو دونوں عورتوں کے لئے باقی ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲ از مراد آباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مقروض ہے، اس نے بحالت قرضدار ہونے کے اپنی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ نامہ اپنے پسر بکر کے نام لکھ کر قبض دخل جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کا کرادیا، کیا شرعاً ایسی حالت میں ہبہ مذکور جائز ہے یا ناجائز؟ اور دائن اپنے مطالبہ جائداد موہوبہ سے مواخذہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جب تک دین کے عوض کوئی شئی دائن کے پاس رہن نہ ہو دائن کا مطالبہ صرف ذات مدیون یعنی اس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی مال معین پر تو ہبہ بوجہ قبضہ تام وکامل بلکہ محرومیت موہوب لہ لازم ہوگیا جس کا فسخ غیر ممکن ہے صرف تمامی ہبہ اس جائداد کو متورضہ[عہ] دائن سے بری کرنے کے لئے بس تھی کہ ملک منتقل ہوگئی، اب وہ شے ملک مدیون نہیں جس سے دائن اپنا دین وصول کرسکے نہ کہ اس صورت میں کہ عقد بوجہ امتناع رجوع ناقابل فسخ رہا، فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رکب الرجل دیون تستغرق اموالہ فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیہ حتی لایھب مالہ و لایتصدق بہ فالقاضی یحجر علیہ عندھما ویعمل حجرہ حتی لاتصح ھبتہ

ایک شخص پر اتنے قرضے ہوگئے کہ اس کا تمام مال قرضوں میں گھر گیا اور قرضخواہ حضرات نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ اس کو ہبہ اور تصدق سے روک دیا جائے اور قاضی نے اس پر یہ پابندی لگادی تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور یہ

عہ فی الاصل ھکذا ا ظنہ مواخذہ ۱۲ عبدالمنان

ولاصدقته بعد ذٰلك لکن یشترط علم المحجور علیه حتی ان کل تصرف باشرہ قبل العلم به یکون صحیحًا[1] (ملخصًا)۔

پابندی مؤثر ہوگی کہ وہ اپنے مال کو ہبہ یا صدقہ نہ کرسکے گا بشرطیکہ اس کو قاضی کی طرف سے پابندی کا علم ہوچکا ہو، لہذا علم سے قبل اس نے اپنے مال میں جو بھی تصرف کیا جائز ہوگا (ملخصًا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

رجل له ضیعة تساوی عشرین الف درهم وعلیه دیون فوقف الضیعة وشرط صرف غلاتها الی نفسه قصدا منه الی المماطلة وشهد الشهود علی افلاسه جاز الوقف والشهادة فان فضل عن قوته شیئ من هذه الغلات فللغرماء ان یاخذوا ذٰلك منه کذا فی المضمرات[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

ایک شخص بیس ہزار درہم کے مساوی زمین کا مالک ہے اور اس پر قرضے ہیں تو اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے لئے اپنی زمین وقف کرکے اس کی آمدنی کو اپنی ذات کے لئے مختص کرلیا، اور گواہوں نے اس کے مفلس ہونے کی شہادت دی، تو وقف اور شہادت جائز ہوگی اور زمین کی آمدن میں سے اس کے خرچہ سے اگر کچھ بچ گیا تو قرضخواہ لیں گے، مضمرات میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳: از اندور ملک مالوہ چھاؤنی نواب غفور خاں مرسلہ حکیم محمد اکمل خان صاحب یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ محمد اعظم خاں کو رئیس وقت نے ایک سند ملک بھوٹ کی تاحینِ حیات عطا کی، محمد اعظم خاں نے مصلحتًا بطور اسم فرضی کے ایک عرضی رئیس کی خدمت میں پیش کی کہ اس ملک کی سند میرے فرزند افضل خاں کے نام نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوجائے، چنانچہ حسب استدعا محمد اعظم خاں کے افضل خاں کے نام سند ملک بھوٹ کی نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئی لیکن قابض اور مالک محمد اعظم خاں رہے محمد افضل خاں کا قبضہ کبھی اور کسی وقت میں ایک آن واحد کے واسطے بھی نہیں ہُوا اور ہمیشہ قبضہ اور تصرف وصول واصلات وٹھیکہ وغیرہ وغیرہ جملہ قسم کا نظم ونسق محمد اعظم خاں کرتے رہے اور سند میں بھی رئیسِ وقت نے یہ لفظ تحریر کئے کہ "بقبض وتصرف معزی الیہ گذارند"

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] ؍؍ کتاب الوقف الباب الرابع ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۴۸۹

اس سے مراد خاص محمد اعظم خاں ہیں نہ کہ افضل خاں، اسی عرصہ میں محمد افضل خاں کا انتقال ہوگیا اور افضل خاں کی دو بیبیاں اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا باقی ہے، محمد افضل خاں اپنے والد اعظم خاں کی حیات میں فوت ہوئے، اسی باعث ورثائے افضل خاں سب محروم الارث ہوگئے اور بدستور قدیم محمد اعظم خاں قابض اور مالک اور متصرف رہے۔ ایسی حالت میں اولاد افضل خاں مرحوم یا ان کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں، افضل خاں کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کچھ بھی نہیں، اور افضل خاں اور ان کی بیوی بچہ کی پرورش محمد اعظم خاں پدر افضل خاں کرتے رہے، اور افضل خاں کا انتقال اپنے والد محمد اعظم خاں کی حیات میں ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس ملک بھوٹ میں افضل خاں مرحوم کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس سوال کے ساتھ تحریر و نقول کہ سائل نے مرسل کیں اُن کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ زوجہ محمد افضل خاں نے بدعوٰی وراثت شوہر اس بناء پر کہ تبدیل سند سے محمد افضل خاں اس زمین کا مالک ہوگیا تھا اُس پر دعوٰی ملک کیا ہے، یہ دعوٰی شرعاً محض باطل و بیجا ہے۔ سند ثانی بنام محمد افضل خاں میں ازجانب ریاست کوئی لفظ مفید معنی ہبہ و تملیک نہیں، نہ ہبہ کرنا نہ عطا ہونا، نہ مالک بنانا نہ اور کوئی لفظ کہ ان کا مرادف ہو، صرف اتنے الفاظ ہیں کہ

اراضی مذکورہ از حضور بہ محمد افضل خاں خلف معزی الیہ نسلاً بعد نسل بشرط لوازم اطاعت و فرمانبرداری معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف و مرفوع القلم دانستہ بقبض و تصرف معزی الیہ واگذارند۔

مذکور اراضی درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خاں کے لئے سرکار کی طرف سے نسلاً بعد نسل بشرط اطاعت و فرمانبرداری معاف ہوئی، لازم ہوا کہ مذکورہ اراضی سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم قرار دی گئی درخواست دہندہ کے قبضہ و تصرف میں آزاد چھوڑیں۔ (ت)

معاف ہونا کوئی لفظ الفاظ ہبہ سے نہیں، بلکہ عین سے اس کا تعلق ہی صحیح نہیں، معافی مطالبہ دیون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس کا حاصل ابرا ہے اور اعیان سے ابرا باطل۔ درمختار میں ہے: الابراء عن الاعیان باطل[1] (اعیان اشیاء سے بری کرنا باطل ہے۔ ت)۔ اشباہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۲

اختص الدین باحکام منہا صحۃ الابراء عنه فلا یصح الابراء عن الاعیان[1]

دین کے کچھ احکام مخصوص ہیں ان میں سے ایک اس سے بری کرنا ہے لہذا اعیان سے ابراء جائز نہ ہوگا۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

لا یقبل لعدم صحۃ الابراء عن الاعیان[2]

قبول نہ ہوگا کیونکہ اعیان سے ابراء صحیح نہیں ہے۔ (ت)

بخلاف سند بنام حکیم محمد اعظم خاں کہ اس میں لفظ "عطا شد" ہے اور یہ خاص ہبہ کے لئے موضوع ہے۔ عالمگیری میں ہے:

الفاظ الہبۃ انواع نوع تقع به الہبۃ وضعاً کقوله وهبت هذا الشیئ لك او ملکته منك او اعطیتك فهذا کله هبة اھ[3] مختصراً۔

ہبہ کے الفاظ مختلف ہیں، ایک قسم وہ ہے جس سے وضعاً ہبہ واقع ہوجاتا ہے وہ یہ الفاظ ہیں "یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی، تجھے مالک بنایا، تجھے دے دی" یہ سب ہبہ کے الفاظ ہیں اھ مختصراً (ت)

سند بنام محمد افضل خاں میں بھی بنام محمد اعظم خاں عطا کا ذکر ہے کہ

سابق ازیں بحکم محمد اعظم خاں از حضور عطا شدہ بود۔

قبل ازیں سرکار نے محمد اعظم کو عطا کی (ت)

اور افضل خاں کو عطا ہونے کی درخواست از جانب محمد اعظم خاں میں اگرچہ مذکور ہے کہ

حالا عرضی معزی الیہ باستدعائے تبادل سند سابق وعطا شدن آں بنام محمد افضل خاں پسر خود موصول ملاحظہ گردید۔

پہلی سند کو تبدیل کرنے اور درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خاں کے نام عطا کرنے کی عرضی موصول ہوئی، ملاحظہ ہوئی۔ (ت)

مگر حکم میں لفظ "عطا" نہیں، اسی قدر ہے کہ

چوں حضور را پرورش وپرداخت حکیم صاحب معزی الیہ منظور لہذا اراضی مذکور از حضور بہ

جب سرکار کو پرورش واختیار درخواست دہندہ حکیم صاحب کے لئے منظور ہے لہذا مذکورہ اراضی

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱-۲۱۰
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۰
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الاول " " " " ۴/ ۳۷۵

محمد افضل خاں معاف شد۔ سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی (ت)

اس کا حاصل اگر ٹھہرتا تو معافی محصول نہ کہ تملیک رقبہ، کما ھو شان الاقطاع علی المعنی المشھور (جیسا کہ مشہور معنی میں جاگیر عطیہ کرنے کی شان ہے۔ ت) نہر الفائق پھر درمختار میں ہے:

الاقطاعات من اراضی بیت المال اذ حاصلھا ان الرقبۃ لبیت المال والخراج لہ[1]

بیت المال کی اراضی عطیہ کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ملکیت بیت المال کی ہوگی اور آمدن اس کی ہوگی۔ (ت)

اور بالفرض یہ صورت یہاں ہوتی تو بعد انتقال نواب خلد آشیاں مرحوم و مغفور ختم ہوجاتی خود افضل خاں کا کوئی حق نہ رہتا نہ کہ ان کے ورثا کا۔ ردالمحتار میں ہے:

ھل تصیر لاولاد المقطع لہ عملا بقول السلطان ولاولادہ فانہ بمعنی ان مات عن اولاد فلاولادہ من بعدہ فھو تعلیق معنی والجواب انھا لاتکون لاولادہ لبطلان التعلیق المذکور بموت السلطان المعلق قال فی الاشباہ لو مات المعلق بطل التعلیق[2] اھ مختصرا۔

کیا جس کو عطیہ کیا گیا ہے حاکم کی طرف، "اور اس کی اولاد کے لئے" کہہ دینے سے اس کی اولاد کی ہوجائے گی کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عطیہ لینے والے کی موت کے بعد اگر اس کی اولاد ہو تو اولاد کی ہوگی، تو یہ معنیً تعلیق ہے، الجواب، یہ اولاد کے لئے نہ ہوگی کیونکہ معلق کرنے والے حاکم کی موت سے یہ تعلیق باطل ہوجائیگی، اشباہ میں فرمایا، اگر تصدیق کرنے والا فوت ہوجائے تو اس کا یہ معلق حکم باطل ہوجائے گا اھ مختصرا۔ (ت)

اور بالفرض اولاد کا حق رہتا بھی، جب بھی زوجہ محمد افضل خاں کے لئے کوئی حق نہ ہوتا کہ سند میں نسلاً بعد نسلٍ ہے اور زوجہ نسلِ شوہر سے نہیں، اور اگر فرض کیجئے کہ ایسی سند والیان ملک کے عرف حال میں مطلقاً تملیک رقبۂ زمین بھی جاتی ہے اگرچہ "عطا شد" کے عوض "معاف شد" ہی لکھا گیا ہو جس کی بناء پر سند ثانی کو محمد افضل خاں کے لئے ہبہ و تملیک زمین قرار دیا جائے کہ زوجہ و اولاد سب ورثہ کا استحقاق قائم کرسکیں، تو اس صورت میں بھی تمام وارثان افضل خاں کا محض نامستحق ہونا واضح روشن ہے کہ زمین پہلے حکیم محمد اعظم خاں کو ہبہ ہوچکی اور حین حیات تک ہونا کچھ منافی نہیں کہ جو چیز کسی کو

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۰
[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۶۶

اس کی حیات تک ہبہ کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے ہبہ ہوگئی، اور حین حیات کی شرط شرعاً باطل و بے اثر ہے، درمختار میں ہے :

جازت العمری للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط[1]	عمر بھر کا ہبہ جائز ہے اور موہوب معمرلہ کی ملک ہوگا اور اسکے بعد اسکے وارث مالک ہونگے کیونکہ رد کی شرط باطل ہے (ت)

اور وہ ہبہ قبضۂ محمد اعظم خاں سے تام و کامل و نافذ ہولیا، اب ریاست کو کیا اختیار رہا کہ پرایا مال دوبارہ کسی اور کو ہبہ کردے، اس کی تصحیح کی دو ہی صورتیں موہوم ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ محمد اعظم خاں کی عرضی کہ "حسب استدعا تابعدار کے اس ملک بھوٹ کی دوسری سند میرے فرزند محمد افضل خاں کے نام نسلاً بعد نسلٍ عطا فرمائی جائے" اسے گویا محمد اعظم خاں کی طرف سے اس زمین کا رئیس کو واپس دینا اور اپنے بیٹے کے نام ہبۂ جدید کی درخواست کرنا قرار دیں، اور ہبہ جب باہمی تراضی یا قضائے قاضی سے واہب کو واپس ہو تو وہ دوسرے سے فسخ ہبہ ہے نہ کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو ہبہ، ولہذا واہب کا قبضہ اس پر شرط نہیں۔ درمختار میں ہے :

اذا رجع بقضاء او رضا کان فسخا لعقد الھبة من الاصل لاھبة للواھب فلھذا لایشترط فیه قبض الواھب[2]	جب قضا یا رضا سے ہبہ میں رجوع ہو تو یہ فسخ عقد ہبہ ہوگا نہ کہ واہب کو ہبہ ہوگا لہذا واہب کا قبضہ کرنا شرط نہیں ہوگا۔ (ت)

مگر عرضی مذکور کا ملاحظہ صراحۃً اس معنی سے اباکرتا ہے اس میں عبارت مذکور کے متصل ہے :

"ورنہ میں سند عطیۂ سابقۂ حضور اپنے ہمراہ لایا ہوں، واپس پیش کردوں بدستور سابق ملک مذکور شریک خالصہ فرمائی جائے" اس سے صاف ظاہر کہ وہ اس وقت اپنا ہبہ واپس نہیں کرتا بلکہ اس درخواست کے قبول نہ ہونے پر واپسی ہبہ کہہ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس درخواست کو محمد اعظم خاں کی طرف سے توکیل بالہبہ قرار دیجئے گویا وہ اپنے پسر کو خود اپنی طرف سے ہبہ کرتا اور ریاست کو اس ہبہ کا اختیار دیتا ہے، یہ معنی بھی نہ اس درخواست سے ظاہر نہ سند ثانی سے، جس میں لفظ یہ ہیں کہ

از حضور بہ محمد افضل خاں معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف و مرفوع القلم دانند۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی تو اراضی مذکورہ کو سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم لازم سمجھیں۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] " کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ " " " ۲/ ۱۶۴

اور بالفرض ان دونوں میں سے کوئی صورت ہی قرار دیجئے، جبکہ محمد افضل خاں نے اس پر ایک آن کو قبضہ نہ پایا اُس کے نام ہبہ خواہ جانب ریاست سے مانیں خواہ طرف پدر سے بہر حال باطل محض ہوگیا، بر تقدیر اول تو ظاہر ہے اور بر تقدیر ثانی یُوں کہ سائل نے اپنے خط میں اظہار کیا کہ محمد افضل خاں اس تبدیل سند کے وقت بالغ وصاحبِ اولاد تھا تو قبضہ پدر اُس کا قبضہ نہیں ہوسکتا، لاجرم اُس کے نام ہبہ باطل ہوگیا، درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔

میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کا فوت ہوجانا ہے اور قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔ (ت)

بالجملہ کسی صورت کسی پہلو محمد افضل خاں یا اُس کے کسی وارث کا اس زمین پر دعوٰی نہیں پہنچ سکتا، وہ اس میں سے کسی ذرّہ کے مالک نہیں، یہاں بعض ابحاث فقہیہ اور ہیں جن کو سوال سے تعلق نہیں، لہذا ان کا ذکر مطوی رہا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: مرسلہ مولوی عبداللہ خاں صاحب قصبہ بتیا ضلع چمپارن محلہ گنج اول

۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ بالغہ کی شادی کی اور نکاح کے وقت میں بطور جہیز مع دیگر اثاث بیت ایک ہزار روپیہ بھی دیا، دینے کی صورت یہ تھی کہ زید نے مجلس نکاح میں اشیاء دادہ شدہ کو بنام ہندہ بحضور اصہار و شوہر ہندہ کے نامزد کیا، اور ایک فہرست اشیاء مذکورہ کی لکھ کر جو مشتمل بہ ایجاب بھی تھی ہندہ کے حوالے کی، چونکہ ہندہ تاحین حیات زید مرحوم اپنے والد مرحوم کے ہم ماکل وہم مشرب[عہ] رہی، اور وہ اس کے کل مصارف کے اس لئے بوجہ عدم ضرورت ہندہ نے نقود مذکورہ کو قبض خاص میں نہیں لایا بلکہ تازندگی زید مرحوم زید مرحوم کے پاس رکھ چھوڑا، بعد انتقالِ زید ہندہ کو جب ضرورت پڑی اس کو خرچ کیا، زید مرحوم نے نقود مذکور کو الگ ایک تھیلی میں وقت نکاح سے رکھ لیا تھا، اور اس سے کوئی نفع ذاتی نہیں

عہ: اصل میں قلم ناسخ سے ایک لفظ چھوٹ گیا ہے ۱۲

---

[1] درمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اٹھایا تھا، جب کبھی الماری کھولتے تھے تو تھیلی مذکورہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے ہندہ سے مخاطب ہوکر کہ یہ تیرا روپیہ ہے، اور بساد فعہ یوں فرماتے تھے کہ تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے، اور بسا دفعہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندہ کا روپیہ میرے پاس بے فائدہ رکھا ہوا ہے امانت میں، ہم کو ڈر ہے کہ ضائع نہ ہو اور اس کی وجہ سے میرا مواخذہ نہ ہو، یہ حقیقت حال ہے، اب ارشاد فرمائیے کہ تخلیہ مذکورہ سے یعنی قولِ زید مرحوم سے بعد کھولنے صندوق کے یہ تیرا روپیہ ہبہ تمام ہوا یا نہیں، کیونکہ دینا بطور جہیز کے ہبہ ہی کا محتمل ہے، اگر اس تخلیہ سے ہبہ تمام ہوا اور یہ کہ تخلیہ معتبرہ کی کیا تعریف ہے حتی ینظر ان التعریف یصدق علی ھٰذہ الصورۃ (تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس صورت پر تعریف صادق آتی ہے۔ ت) اور اگر یہ ہبہ تمام نہیں اور تخلیہ مذکورہ تخلیہ معتبرہ نہیں تو عدم اعتبار کی کیا دلیل ہے، اور یہاں کون شرط اعتبار کا منتفی ہے،

وھکذا ارشدونی فی الاقرار من حین اعتبارہ وعدمہ اذ قول زید رحمہ اللہ۔

یوں مجھے ارشاد فرماؤ اقرار کے متعلق کب معتبر ہے اور کب نہیں، کیونکہ زید رحمہ اللہ کا قول: (ت)

"تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے"

ظاھرہ اقرار بالامانۃ فھل یصح ھذا الاقرار ام ھو باطل وکان زید المقر عارفاً معنی الامانۃ عالماً فقیھا ارجو منکم ان تنبھونی بجواب یروی العطشان ویذھب بالظمأن اذھی مسئلۃ اختلف فیھا اٰراء الاقران وما اتی احد بشیئ یزیل الخلجان والاٰن ارید ان اسمعکم ما وقع بینھم حتی ترشدنی بسلیمۃ من سقیمۃ اجاب بعضھم بان الھبۃ لیست بصحیحۃ کما صرح بہ الکتب

اس کا ظاہر امانت کا اقرار ہے، کیا یہ اقرار صحیح ہے یا باطل ہے جبکہ اقرار کرنے والا زید عالم فقیہ ہونے کی وجہ سے امانت کا معنی جانتا تھا، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب سے وہ تنبیہ فرمائیں گے جو پیاسے کو سیراب کرے اور پریشانی کو دُور کر دے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم زمان لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں اور کسی نے کوئی چیز نہ بتائی جو خلجان کو ختم کر دے اب میں چاہتا ہُوں کہ ان کی آراء آپ کو سناؤں تاکہ آپ صحیح اور غلط کی مجھے رہنمائی فرمائیں۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ صحیح نہیں جیسا کہ کتب فقہ نے یہ تصریح کی ہے، اور بعض نے

الفقهية واجاب بعضهم بان الهبة
قد تمت لوجود شرطها و شرطها اما
الايجاب فظاهر و اما القبول فلوجوده
من الاصهار في مجلس النكاح واجازة
الموهوب لها فيصح كما في الفضولي
ولوجوده من الموهوب لها بنفسها بعد
بلوغ الكتاب اليها اي الفهرست المذكورة
المشتمل على الايجاب والموهوب، وشرط
العقد يتوقف على الغائب اذا كان
بكتابة او بارسال، و اما شرط تمامها و
هو القبض فهو قد يكون حقيقيا وقد يكون
حكميا وههنا وان لم يتحقق الاول
لكن الثاني متحقق اذ الشرط في اعتبار
القبض الحكمي المعبر عنه بالتخلية
ان يكون المخلى عنه بحيث يتمكن
عن قبضه المخلى له بعد ان يصدر من
المخلي بالكسر قول او فعل يدل
على اجازة القبض و قد
تحقق فيما نحن فيه
هذان الامران، اما الثاني
اي القول والفعل الدال
على الاجازة فكما مر في
تحرير السوال من قول الواهب
یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح
الصندوق مشيرا الى الدراهم

یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ تام ہوچکا ہے شرط پائے جانے
کی وجہ سے، شرط ایجاب وقبول ہے، ایجاب کا
وقوع تو ظاہر ہے لیکن قبول تو وہ سسرال نے
مجلس نکاح میں کرلیا اور لڑکی نے اس کی ان کو
اجازت دے دی، تو قبول کرنا صحیح ہوگیا جیسا کہ
فضولی کا معاملہ ہوتا ہے، نیز خود لڑکی کی طرف سے
اس کو لکھی ہوئی فہرست مل جانے کے بعد قبول ہوگیا
کیونکہ وہ فہرست ایجاب پر مشتمل تھی اور موہوب
چیز بھی اس میں درج تھی، اور عقد کی شرط غائب
کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے جبکہ وہ بطور
تحریر یا ارسال ہو، لیکن اس ہبہ کے تام ہونے
کی شرط قبضہ ہے، اور یہ قبضہ کبھی حقیقی ہوتا ہے
اور کبھی حکمی ہوتا ہے جبکہ یہاں حکمی صورت میں قبضہ
پایا گیا ہے، کیونکہ حکمی قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے کہ
چیز اس انداز سے موجود ہو کہ تخلیہ کرنے والے واہب
کے کسی قول یا فعل کی دلالت اجازت قبضہ پر پائی جائے
اور موہوب لہ جس کے لئے تخلیہ ہوا، کو قبضہ کرنا
ممکن ہو، اور زیر بحث صورت میں یہ سب کچھ پایا گیا،
ثانی یعنی حکمی قبضہ کہ قول یا فعل اجازت پر دلالت
کرے، یہ بات سوال کی تحریر میں موجود ہے کہ
واہب نے صندوقچی کھول کر موہوب دراہم جو
علیحدہ تھیلی میں بندھے ہوئے تھے، کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ تیرا روپیہ ہے" کیونکہ
اس کی اس بات کا مقصد صرف یہی تھا کہ لڑکی
قبضہ کرے جیسا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریقوں کو

الموھوبة المشدودۃ فی خریطۃ منفردۃ ممتازۃ اذ ما کان مقصودہ بھذا القول الا اجازۃ القبض کما ھو المسلم عند الفریقین من المدعی والمدعا علیہ وکذا الاول ای التمکن وکون الموھوب بحیث یتمکن من قبضہ الموھوب لہ اذ المانع والحائل وھو القفل وغیرہ من اللوح الذی ھو مدخل الصندوق وبابہ قد ارتفع وقت الاجازۃ ولان القائل الواھب ھٰھنا مما یمتنع ان یتوھم فی شانہ انہ قال ذٰلک ھازلا بل یجب ان یتیقن بکونہ باذلا لما مر من انہ کان عالما تقیا مقتدا لاھل ھذہ الاطراف وایضا ھذان الامران مسلمان عند الفریقین فھما مستغنیان عن الدلیل والبیان۔

یہ بات مسلّم ہے اور یوں ہی پہلا عمل یعنی لڑکی کا قبضہ پر تمکن کہ موہوب اس طرح ہو کہ موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے تو یہ متحقق ہو چکا کیونکہ واہب کا تالا کھول کر صندوق والماری کو کھلا رکھنا قبضہ کے لئے رکاوٹ اور مانع کو دُور کرنا اجازت پر دال ہے اور واہب کی اس بات کو مذاق پر محمول کرنا ممکن نہیں بلکہ جیسا کہ سوال میں گزرا کہ وہ عالم متقی اور اہلِ علاقہ کا مقتدا ہے تو یقین کرنا ہوگا کہ وہ حقیقۃً دے رہا ہے نیز یہ باتیں دونوں فریقوں کو مسلّم ہیں اس لئے بھی ان پر دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

یعنی جو ورثہ موجود تھے اور عاقل بالغ تھے وقتِ حیات زیدمرحوم کے وے تسلیم کرتے ہیں اس امر کا کہ زید مرحوم بار بار کہا کرتے تھے مذکورہ کو، اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہندہ نقد مذکورہ موہوب کو قبض کرتی تو اس کے والد مرحوم ہرگز منع نہ کرتے،

الا انھا لم تقبض قبل موتہ لعدم الحاجۃ بھا وقت حیاتہ وانما قبضت بعد موتہ ووقت القبض لم یزاحمھا احد من الورثۃ لتسلیمھم ذین الامرین وکون تلک النقود ملکا خاصا للھندۃ وانما شرعت المنازعۃ والمزاحمۃ وقت طلب الھندۃ

تاہم لڑکی نے والد کی زندگی میں عدمِ ضرورت کی بناء پر قبضہ نہ کیا، اور اس کی موت کے بعد جب قبضہ کیا تو کسی وارث نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ دونوں چیزوں کو تسلیم کئے ہوئے ہیں اور یہ بھی تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ یہ نقد خاص ہندہ کی ملکیت ہے اور ورثاء کی طرف سے جھگڑا اور مزاحمت اس وقت شروع ہوا جب

حصتها من التركة معترضين عليها
بقية الورثة بان ما قبضت من النقود
هو محسوب من حصتك من التركة
والهندة تقول فی جوابهم بان النقود
قد جهزنی بها ابی فهو لا یحسب من
حصتی من التركة بل یجب ان تكون
لی حصة غیرها؛ والدلیل الثانی علی
تمام الهبة بالقبض الحكمی والتخلیة
المذكورة اقرار زید بالامانة كما مر
من انه ربما یبكی ویقول ان دراهم
الهندة امانة عندی واخاف من ضیاعها
وبیان دلالته ان المقر كان عارفا معنی
الهبة واحكامها ومعنی الامانة واحكامها
لما مر من فقاهته واتقائه ولیس من
اصطلاح الفقهاء ولا غیرهم الاطلاق
علی مال نفسه بانه امانة لزید مثلا
فدل الاقرار بالامانة علی ان التخلیة
المذكورة تخلیة معتبرة لا باعتبار المقر
فقط بل باعتبار الشرع ایضا اذ الشرع
ما حصر التخلیة فی امثلة معدودة
محصورة حتی تنعدم بانعدامها بل
مبناه عند الشرع علی ان یكون المخلی عنه
بحیث یتمكن من قبضه المخلی له بعد
اجازة المخلی بالكسر وهو امر عام لا یمكن
انحصاره نعم یختلف باختلاف المواد و

ہندہ نے والد کے ترکہ میں اپنا حصہ طلب کیا تو
انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ تو نے جو نقد وصول
کیا ہے وہ ترکہ کا حصہ ہے، جواب میں ہندہ
کہتی ہے کہ وہ نقد والد نے مجھے جہیز میں دیا ہے
لہذا وہ ترکہ میں شمار نہیں ہے بلکہ ترکہ میں میرا
حصہ الگ ہے، حکمی قبضہ اور تخلیہ سے ہبہ کے
تام ہونے پر دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ زید کا
اقرار تھا کہ یہ ہندہ کی امانت ہے اور کبھی روتا
اور کہتا کہ یہ روپیہ میرے پاس ہندہ کی امانت
ہے اور مجھے اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہے جیسا
کہ سوال میں مذکور ہے، یہ دلالت اس لئے واضح
ہے کہ زید ہبہ اور اس کے احکام اور امانت
اور اس کے احکام سے بخوبی آگاہ تھا کیونکہ وہ
متقی عالم تھا جیسا کہ گزرا، فقہاء کرام وغیرہ
کی اصطلاح میں مثلاً زید کے اپنے مال کو امانت نہیں
کہا جاتا تو اس کے اقرار امانت کی یہ دلالت
ہوئی کہ مذکورہ تخلیہ محض مقر کے اعتبار سے معتبر نہیں
بلکہ شریعت کے اعتبار سے بھی معتبر ہے کیونکہ
شریعت نے تخلیہ کا چند مثالوں میں حصر نہیں کیا
تاکہ ان کے معدوم ہونے سے تخلیہ معدوم ہوجائے
بلکہ شریعت نے اس کا مبنیٰ یہ قرار دیا کہ چیز اس انداز میں
موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کی اجازت کے بعد قبضہ کرنیوالے کو
کوئی رکاوٹ نہ ہو، یہ مفہوم عام ہے جو کسی
خاص صورت میں منحصر نہیں ہے، ہاں مواد اور
تخلیہ دینے والوں کے اختلاف سے تخلیہ مختلف

اختلاف المخلین وقد مران التمکن و الاجازۃ ھٰھنا مسلم ومدلل تم ما قال البعض الاٰخر ومقولۃ السائل فی توجیہ من قال بعد م التمام اقول و باللہ التوفیق قول من قال بعد م اعتبار التخلیۃ المذکورۃ من قول زید یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح الصندوق کما مر بتمامہ اعتصم بقول القاضیخان حیث قال ذو التخلیۃ ان یخلی بین الموھوب لہ ویقول لہ اقبضہ[1] اذ فیہ تصریح علی ان التخلیۃ انما تعتبر اذا ایدت بالامر بالقبض وقول زید یہ تیرا روپیہ ہے لیس امرا بالقبض بل فیہ اخبار عن کون تلک النقود ملکا للھندۃ لکونہ جملۃ خبریۃ فان استدل بھذا القول علی تمام الھبۃ و ثبوت الملک فی النقود یلزم الدور کما لایخفٰی اذ لیس للملک وجہ اٰخر غیر الھبۃ ولما بطل الاستدلال بقول زید یہ تیرا روپیہ ہے الخ لم یبق لتمام الھبۃ وجہ اٰخر غیر الاقرار بالامانۃ مع کون زید عارفا معنی الامانۃ واحکامھا

ہوجاتا ہے اور یہ گزرا کہ قبضہ پر تمکن اور اجازت یہاں مسلّم امر ہے، دوسرے بعض کا قول مکمل ہوا اور جس نے کہا یہ ہبہ تام نہیں ہے اس کی توجیہ میں سائل کا قول، اقول، میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق سے، زید کے صندوق کھولنے اور یہ کہنے کہ یہ تیرا روپیہ ہے اس تمام واقعہ پر جس نے کہا یہ تخلیہ معتبر نہیں ہے اس نے قاضی خاں کے اس قول کو دلیل بنایا جہاں انھوں نے فرمایا: تخلیہ یہ ہے کہ موہوب چیز اور موہوب لہ میں تخلیہ کر دے اور کہہ دے کہ تو قبضہ کرلے، کیونکہ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ تخلیہ تب معتبر ہوگا جب وہ قبضہ کے حکم سے مؤید ہو، اور زید کا لڑکی کو کہنا کہ یہ تیرا روپیہ ہے، اس پر قبضہ کا حکم نہیں ہے بلکہ ان نقود پر ہندہ کی ملکیت کی خبر دینا ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے، اگر اس قول کو ہبہ کے تام ہونے اور ہندہ کی ملکیت کے ثبوت کے لئے دلیل بنایا جائے تو دَور لازم آئے گا جیسا کہ مخفی نہیں ہے کیونکہ ان نقود میں ہندہ کی ملکیت کی ہبہ کے بغیر کوئی دلیل نہیں ہے تو جب زید کے قول کہ "یہ تیرا روپیہ ہے" سے استدلال باطل ہوگیا تو اب ہبہ کے تام ہونے پر ہبہ اور اس کے احکام اور امانت اور اس کے احکام

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الہبہ فصل فی ہبۃ المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۰

وھذا الاقرار ایضا غیر صالح للاستدلال به علی تمام الھبة وثبوت الملک فی النقود للھندة اما عدم صلاحیته للاول فظاھر اذ الامانة لاتقتضی کونھا الھبة بخصوصھا انما تقتضی کونھا ملکا للمودع بالکسر فالدال عام والمدلول خاص، واما الثانی فلان الاقرار اخبار و حکایة موقوف علی المحکی عنه والمخبر عنه وھو کون المقربه ملکا للمقرله قبل الاقرار فلو استدل به علی ثبوت الملک فیما قبله لزم الدور، ولیس الاقرار سببا للملک حتی تثبت به الملک من غیر نظر الی الحکایة ولان الاقرار انما یعتبر اذا ادعی المقرله الاقرار وبین سببا للملک غیرہ اذ الدعوی الذی علی الاقرار من غیر بیان سبب الملک باطل کما لایخفی وھو معنی قول صاحب الدر المختار ولاتسمع دعواہ بشیئ بناء علی الاقرار[1] والجواب علی ما ادی الیه نظری، واللہ اعلم

پر مطلع ہونے کے باوجود زید کا اقرار بالامانت کرنا ہی دلیل رہ گئی ہے حالانکہ یہ اقرار اتمام ہبہ اور ہندہ کے لئے ان نقود کی ملکیت کے ثبوت پر دلیل نہیں، اول یعنی امانت کا دلیل کیلئے صالح نہ ہونا ظاھر ہے کیونکہ امانت کا ہبہ ہونا لازمی تقاضا نہیں ہے بلکہ اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ وہ چیز امانت رکھنے والے کی ملکیت ہے تو دال عام اور مدلول خاص ہے، اور ثانی یعنی نقود پر ہندہ کی ملکیت، اس لئے دلیل بننے کی صالح نہیں کہ یہ اقرار خبر اور حکایت ہے جو محکی عنہ اور مخبر عنہ پر موقوف ہے اور محکی عنہ اقرار سے قبل نقود کا ہندہ کی ملکیت ہونا ہے تو اگر اس خبر کو اقرار سے قبل ملکیت پر دلیل بنایا جائے تو دَور لازم آئے گا، نیز خود اقرار ملکیت کا سبب نہیں تو حکایت سے قطع نظر بھی اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اور اس لئے بھی کہ اقرار کا اعتبار تب ہوتا ہے جب مقرلہ اقرار کا دعوٰی کرے اور اقرار کے علاوہ کوئی ملکیت کا سبب بیان کرے کیونکہ اقرار کا دعوٰی ملکیت کے سبب کو بیان کئے بغیر باطل ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور درمختار کے قول کہ وہ دعوٰی جو صرف اقرار پر مبنی ہو مسموع نہ ہوگا، کا یہی معنٰی ہے، الجواب جہاں تک میری نظر ہے اور اللہ تعالٰی ہی درستی کو

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

بالصواب ان تعریف القاضیخان اکثری لاحصری ولایشترط فی جمیع افراد التخلیۃ الامر بالقبض بل مدارھا علی ان یکون المخلی عنہ بحیث یتمکن من قبضہ بعد اجازۃ المخلی بالقول او بدلالۃ الحال ویدل علی ھذا اطلاقات القاضیخان ایضا جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ حیث قال البائع اذا خلی بین المبیع و بین المشتری بحیث یتمکن المشتری من قبضہ یصیر المشتری قابضا للمبیع[1] ففیہ تصریح ان الامر بالقبض غیر مشروط فیھا ولا قائل بالفرق بین التخلیۃ فی البیع والھبۃ حتی یقال بالاشتراط فیھا دونہ ولان عبارۃ القاضیخان قبیل ھذا ص ۳۹۴ شاھدۃ بمساوات التخلیتین وایضا لا یدل علی الاشتراط مفھوم التخلیۃ ولا اصطلاحھم والا لما ذھلوا عن ذکرہ وتصریحاتھم الخالیۃ عنہ اکثر من ان یحصی وایضا لایمکن الانکار لاحد عن التخلیۃ مع عدم الامر فیما اذا عد المشتری الثمن عند

بہتر جانتا ہے کہ بیشک قاضی خاں کی تعریف اکثری ہے حصری نہیں ہے تخلیہ کے تمام افراد میں قبضہ کا حکم کرنا شرط نہیں ہے بلکہ تخلیہ کا دارمدار اس بات پر ہے کہ تخلیہ دینے والے کی اجازت قولی یا حالی کے بعد چیز اس طرح موجود ہو کہ مشتری یا موہوب لہ کو اس پر قبضہ کا تمکن حاصل ہوجائے، اس پر خود قاضی خاں کے اپنے اطلاقات دال ہیں انھوں نے جلد ۲ ص ۳۹۴ میں فرمایا کہ بائع نے جب مبیع چیز اور مشتری کے مابین تخلیہ یوں کردیا کہ مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہوجائے تو مشتری کو مبیع پر قابض قرار دیا جائے گا تو اس میں تصریح ہے کہ قبضہ کا حکم شرط نہیں ہے جبکہ بیع اور ہبہ میں تخلیہ کے اعتبار سے فرق کا کوئی قائل نہیں ہے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ہبہ کے تخلیہ میں شرط ہے اور بیع میں شرط نہیں، اور اس لئے بھی کہ اس سے تھوڑا پہلے صفحہ ۳۹۴ پر قاضیخاں نے اپنی عبارت میں دونوں تخلیوں کو مساوی قرار دیا ہے، نیز تخلیہ کا مفہوم اور فقہاء کی اصطلاح اشتراط پر دال نہیں ہے ورنہ فقہاء کبھی اس کو نظر انداز نہ فرماتے حالانکہ ان کی بے شمار تصریحات اس کے ذکر سے خالی ہیں، نیز جب مشتری ثمن کے دراہم کو بائع کے پاس گنتی کرے اور بائع کو قبضہ کرنے کا نہ کہے تو کسی کو

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/۳۹۴

البیع ولم یقل له اقبضه وبھذا اندفع الدور ایضا اذ الاخبار یعنی قوله یہ تیرا روپیہ ہے لیس علی حقیقته حتی یقتضی ثبوت المخبر عنه وھو الملك والحال انه موقوف علی ھذا القول اذ لیس له وجه اٰخر غیر الھبة اذ فی حمله علی الاخبار یلزم الغاء الکلام والواجب حمله اذا صدر عن عاقل بالغ علی معنی یصح فحمل علی الانشاء واجازة القبض وھو شائع فی محاورات الھند کقولھم پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، کھانا حاضر ہے حین کون ھذہ الاشیاء موضوعة لدی المخاطب فھم لا یریدون بھذہ الاخبارات حقیقتھا والا یلزم الالغاء بل مقصودھم اجازة التناول منھا کما لا یخفی علی اللبیب فلو کان المراد من قول زید المرحوم یہ تیرا روپیہ ہے اجازة التناول والقبض لا یلزم المحذور ایضا وبه یصح الکلام ویتم المقصود من تمام الھبة بالتخلیة والقبض الحکمی، وظھر وجه الاستدلال بالقول الاول بقی الاقرار بالامانة ھل ھو صالح للاستدلال به ام لا بل الاستدلال مستلزم للدور

بھی اس تخلیہ کے معتبر ہونے سے انکار نہیں ہے، اس بیان سے دَور بھی ختم ہوگیا کیونکہ والد کا یہ کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" یہ خبر اپنے حقیقی معنی پر نہیں ہے تاکہ وہ مخبر عنہ یعنی سابقہ ملکیت کا ثبوت چاہے حالانکہ حالیہ ملکیت اس قول (یہ تیرا روپیہ ہے) پر موقوف ہے کیونکہ اس ملکیت کی ہبہ کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ تو جب اس قول کو خبر پر محمول کیا جائے تو کلام کا لغو ہونا لازم آتا ہے جبکہ عاقل بالغ کے کلام کو صحیح معنیٰ پر محمول کرنا واجب ہے، تو ایسے قول کو اِنشا اور قبضہ کی اجازت پر محمول کرنا ہندوستان کے محاورات میں عام استعمال ہے، مثلاً وہ جب کہتے ہیں 'پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے یا کھانا حاضر ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب یہ چیزیں مخاطب کے سامنے رکھی ہوئی ہوتی ہیں وہ اس سے خبر کا حقیقی معنی مراد نہیں لیتے ورنہ کلام کا لغو ہونا لازم آئے گا بلکہ ان کی مراد اس کو کھانے کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ یہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے تو اگر زید مرحوم کے قول "یہ تیرا روپیہ ہے" سے بھی یہی معنیٰ مراد لیا جائے تو کوئی خرابی نہ ہوگی جبکہ اس سے کلام صحیح ہوتا ہے اور ہبہ کے تام ہونے کا مقصد بھی تخلیہ اور حکمی اجازتِ قبضہ سے حاصل ہوتا ہے، تو ظاہر ہوا کہ وجہ استدلال پہلا امر یعنی ہندہ کی ملکیت ہوتا ہے، باقی رہا یہ معاملہ کہ امانت کا اقرار وجہ استدلال بن سکتا ہے یا نہیں بن سکتا بلکہ یہ استدلال دَور کو

كما قال المعترض اقول وبالله التوفيق
مدار الاعتراض على ان الاقرار
باطل لانه يتوقف على وجود المخبر
عنه وهو ثبوت الملك فلو استدل
به على تمام الهبة و ثبوت الملك
يلزم الدور ومحصل الجواب ان
اشتراط نفوذ الاقرار ببيان سبب
الملك غير الاقرار مسلم
لكن لا يجب بيانه الا اذا
رجع المقر عن اقراره
و اما اذا كان مُصرا على
اقراره فان بين فبها و ان
لم يبين حتى مات على
اقراره لا يبطل اقراره عند
احد بل يجب ان يحمل
على سبب صالح حتى لا يلزم
الالغاء والسبب الصالح للاقرار
ههنا موجود وهو الهبة مع
التخلية والهبة وتمامها ليستا
موقوفتين على الاقرار حتى يلزم
الدور كما زعم المعترض بل هما قد ثبتا
بدليل قد مر بيانه فالاقرار
وان كان باعتبار ذاته موقوفا
على تمام الهبة لكن
باعتبار لازمه وهو

مستلزم ہے جیسا کہ معترض نے کہا ہے، اور میں
اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اعتراض
کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ اقرار باطل ہے
کیونکہ یہ مخبر عنہ اور محکی عنہ پر موقوف ہے اور وہ
محکی عنہ پہلے سے ملکیت کا ثبوت ہے تو اگر اس
قول سے ملکیت ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا
ثابت کیا تو دور لازم آئے گا، تو اس کے جواب
کا خلاصہ یہ ہے کہ اقرار کے نافذ ہونے کے لئے
اس اقرار کے علاوہ کسی اور سبب کا بیان ضروری ہے
جو ملکیت کا باعث ہو، یہ بات مسلمہ ہے لیکن
اس کا بیان صرف اس وقت ضروری ہے جب
مقر اپنے اقرار سے منحرف ہو ——

—— لیکن اگر وہ اپنے اقرار پر قائم
ہے تو بیان کر دے تو بہتر ورنہ وہ اپنے اس
اقرار پر فوت ہو جائے تو کسی کے ہاں وہ اقرار
باطل نہ ہوگا، بلکہ اس اقرار کو صحیح محمل پر محمول کرنا
ضروری ہے تاکہ کلام کا لغو ہونا لازم نہ آئے،
اور یہاں صحیح سبب موجود ہے اور وہ ہبہ مع
تخلیہ ہے جبکہ ہبہ اور اس کا تام ہونا اقرار پر
موقوف نہیں ہے تاکہ دور لازم آئے جیسا کہ
معترض کا خیال ہے، بلکہ ہبہ اور اس کا تمام
ہونا یہ دونوں مذکورہ دلیل سے ثابت ہیں تو
اقرار اگرچہ اپنی حقیقت میں ہبہ کے تام ہونے
پر موقوف ہے لیکن وہ اپنے لازم جو کہ صحیح سبب
پر محمول کرنا ہے، کے اعتبار سے مذکورہ صورت

وجوب حملہ علی سبب صالح یقتضی ان یحکم بتمام الھبۃ فی الصورۃ المذکورۃ بشرطیہا وشرطہا المذکورین، ولھذا حکمنا بان الاقرار ایضا دلیل علی تمام الھبۃ فقط ارجو منکم ان ترشدونی بصواب الجواب وتدقیق یؤمن بہ ویتیقن بہ اولوا الالباب۔

ہیں ہبہ کے تمام کے حکم کو اس کی شرط اور رکن سمیت چاہتا ہے اور اسی لئے ہم نے حکم لگادیا کہ اقرار بھی ہبہ کے تمام ہونے کی دلیل ہے فقط (مذکورہ صورت حال کی روشنی میں) مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ صحیح جواب کی رہنمائی فرمائیں گے اور ایسی تحقیق فرمائیں گے جس پر اصحاب علم وفہم کو یقین وتصدیق ہوجائے۔ (ت)

(العبد عبداللہ خاں عفی عنہ از ضلع چمپارن قصبہ بتیا محلہ گنج اول)

الجواب

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ (یا اللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لئے ہیں۔ ت) صورت مشروحہ سوال سے ہندہ کے لئے اُن نقود میں ملک اصلاً ثابت نہیں،

اوّلاً سائل نے زید کا مجلس عقد میں شوہر واصہار کے سامنے بعض اشیاء نامزد ہندہ کرنا بیان کیا مگر شوہر وغیرہ کے قبول کا کوئی ذکر نہیں کہ قبول فضولی سمجھ کر اجازت ہندہ پر موقوف رکھیں، نہ بعدہ کوئی اجازت ہندہ، مذکورہ فہرست مطلقاً تعریف ایجاب بالکتاب میں داخل خصوصاً جبکہ تذکرہ ماوقع علیہ الانشاء ہو نہ الانشاء، والاول ھو المعھود المتعارف فی امثال الفہارس (فہرستوں جیسی چیزمیں امر اول معلوم ومتعارف ہے۔ ت) نہ وہ لفظ ہی سوال میں مسطور جو زید نے فہرست میں لکھے کہ ان پر نظر ہو، نہ یہی معلوم کہ ہندہ خواندہ ہے، فہرست اس نے خود پڑھی یا کسی نے اُس کے جملہ الفاظ مندرجہ پڑھ کر سنائے، یا یوں ہی اجمالاً اُسے کاغذ دے دیا کہ یہ تمہارے جہیز کی فہرست ہے، نہ یہی مذکور کہ ہندہ سے کوئی قول یا فعل کہ قبول یا اجازت قبول فضولی پر صادر ہوا یا نہیں،

واذلا اثر لبیان شیئ منہا فی السؤال فکیف یسوغ الحمل فی الجواب علی احد الجوانب من دون علم ویحکم بتحقق الشطرین تحکما بوجود القبول من الحضار ثم اجازۃ من المرأۃ

سوال میں مذکور شقوں کا بیان اور نشان نہیں ہے تو جواب کو کسی ایک شق پر علم کے بغیر کیسے محمول کیا جائے اور کیسے حاضرین کے حکمی قبولیت کے وجود سے ہبہ کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) کے پائے جانے پر حکم کیا جائے اور پھر عورت کی

او وجودہ منہا بعد بلوغ الکتاب مع عدم العلم بما فی الکتاب ایضا بمجرد السکوت فلاینسب الی ساکت قول ام باختیار من عند انفسنا احد الشقوق ولیس ھذا شان الجواب انما اقتصارہ فی امثال الصور التردید۔

اجازت اور اجازت کا وجود لکھے ہوئے کاغذ کی وصولی کے بعد باوجودیکہ اس میں لکھی ہوئی چیز کا بھی علم نہیں محض اس کے سکوت سے ثابت کرنا تو اس کی طرف کسی قول کا منسوب کرنا نہ ہوگا، یا ہم خود اپنی طرف سے کوئی ایک شق متعین کرلیں، تو یہ جواب نہ ہوگا اب سوائے اس کے کہ سوال کی ایسی صورت کے جواب میں اگر مگر سے کام لیا جائے کوئی چارہ نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ قبول کو شرط عقد مان کر مقدار مافی السوال پر حکم انعقاد رجم بالغیب و خرط القتاد،

نعم ھو علی الاصح شرط ثبوت الملک واذن یقوم مقامہ القبض فی المجلس ولو بلا اذن او واھب اوبعدہ لو باذنہ کما حققناہ فی فتاوٰنا وحینئذٍ یرجع الامر الی المباحث الاٰتیۃ فی تحقق التخلیۃ ویلغو السعی فی تحقیقہ بفرضہ من فضولی فی المجلس او احالۃ الایجاب علی مافی الکتاب لیتوقف الشطر علی ماوراء المجلس۔

ہاں قبول کرنا صحیح قول کے مطابق ثبوتِ ملکیت کی شرط ہے اور اس صورت میں ثبوت ملک سے قائم مقام قبضہ ہوسکتا ہے مجلس میں ہو تو بلا اجازت بھی ہوسکتا ہے ورنہ مجلس کے بعد اجازت سے ہوسکتا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور اس صورت میں تخلیہ کی تحقیق میں آئندہ مباحث کی طرف راجع ہونا ہوگا جبکہ اس صورت میں فضولی سے مجلس میں قبولیت یا ایجاب کو لکھی ہوئی فہرست کی طرف منسوب کرکے ماورائے مجلس شطر (رکن) کے پائے جانے کی کوشش لغو ہے۔ (ت)

ثانیاً ہاں ہبۂ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے،

جزم بہ فی متن التنویر ونص فی الدرر ثم الدر[1] انہ المختار قلت وقد اشار فی بیوع الاشباہ الی ضعف خلافہ وقدمہ فی ھبۃ الخانیۃ علی قول

اس پر تنویر کے متن میں جزم فرمایا درر اور درمختار میں نص فرمائی اور مختار قرار دیا۔ میں کہتا ہوں اور اشباہ کی کتاب البیوع میں اسکے خلاف پر ضعف کا اشارہ کیا اور خانیہ کے کتاب الہبہ میں اسکو مخالف قول پر مقدم ذکر کیا ہے

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الخلاف وھوانما یقدم الاظھر الاشھر وبہ جزم الامام شمس الائمۃ الحلوانی ولم یمل الی ذکر الخلاف کما فی بیوع الخانیۃ۔

جبکہ خانیہ اظہر واشہر کو مقدم ذکر کرتا ہے اور اسی پر شمس الائمہ حلوانی نے جزم کیا اور مخالف قول کو ذکر تک نہ کیا جیساکہ خانیہ کے بیوع کے باب میں ہے۔ (ت)

مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لئے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شیئ موہوب، موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اُس تک پہنچ جائے اُٹھ کر اُس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہرگز کافی نہیں۔ بحرالرائق ورد المحتار میں ہے:

لواشتری ثوبًا فامرہ البائع بقبضہ فلم یقبضہ حتی اخذہ انسان ان کان حین امرہ بقبضہ امکنہ من غیر قیام صح التسلیم وان کان لایمکنہ الابقیام لایصح[1]

اگر کسی نے کپڑا خریدا تو بائع نے اس کو قبضہ کرنے کا حکم دیا، ابھی وہ قبضہ کرنہ پایا تھا کہ دوسرے شخص نے وہ کپڑا پکڑ لیا، اگر قبضہ کے حکم کے وقت مشتری کو اس کپڑے پر قبضہ کے لئے قیام کے بغیر قدرت تھی تو بائع کا یہ حکم تسلیم کے قائم مقام ہوگا اور قیام کے بغیر قبضہ پر قدرت نہ تھی تو تسلیم صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان کان حین امرہ البائع بالقبض امکنہ ان یمد یدہ ویقبض من غیر قیام صح التسلیم والافلا[2]

جب بائع نے اس کو قبضہ کا حکم دیا اس وقت اس کو ہاتھ بڑھا کر بغیر قیام قبضہ پر قدرت تھی تو تسلیم صحیح ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اس نے کہا کہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلا کر اتنا پاس بٹھا کر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی تو روپوں کی تھیلی ہاتھ میں آجاتی تو شرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تو اس کا بیان ترک نہ کرتا،

لما یتراای من کلامہ عن الاستقصاء

کیونکہ پورا واقعہ بیان کرنے اور ہبہ کو تام

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷

في بيان الواقعة وتفريغ الوسع في الاتيان بكل ماظنه مؤيدا التمام الهبة ۔

قرار دینے کی کوشش میں پوری مساعی کا ہر ممکن صرف کرنا اس کی کلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۔ (ت)

نہ فریقین کا اتفاق کہ واہب ایسا کہا کرتا یا ہندہ قبضہ کرتی تو کہہ سکتے ہیں کہ نہ روکتا اس شرط تمکن کے وجود پر اتفاق ہے ایسا کہنا یا نہ روکنا واہب کے قول وحال ہیں اور جو تمکن کہ یہاں شرط ہے یعنی شے موہوب سے اس قدر قریب ہونا وہ موہوب لہ کا وصف ہے، تو نہ اس کا وجود اس کے وجود کو مستلزم، نہ اس کی تسلیم اس کی تسلیم، بہرحال قدر ما فی السوال پر ثبوت تخلیہ کا حکم صحیح نہیں،

فکان حقہ ان یردد اذ تردد وھٰھنا سھو فی بعض الصور وقع فی ش تبعا للبحر اوضحناہ وازحناہ فیما علقنا علیہ وباللّٰہ التوفیق ثم ھو ایضا لایتعلق بما فی الباب قد نص انہ یشترط فی نحو ثوب کونہ بحیث لومد یدہ تصل الیہ ولا شك ان الدراھم فی ذلك مثل الثیاب ۔

حق یہ تھا کہ تردد کی صورت میں تردد کا اظہار کیا جاتا، اور یہاں بعض صورتوں کے بیان میں شامی کو بحر کی پیروی میں سہو ہوا ہے اس کو ہم نے اس پر حاشیہ میں واضح کیا اور اس کا ازالہ بھی کیا ہے اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، پھر وہ بھی اس باب سے متعلق نہیں ہے انھوں نے یہ نص کی ہے کہ کپڑے جیسے معاملہ میں یہ شرط ہے کہ کپڑا یوں ہو کہ اگر ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ اس تک پہنچ جائے تو شک نہیں کہ دراہم اس معاملہ میں کپڑے کی مانند ہیں ۔ (ت)

ثالثاً تحققِ تخلیہ کے لئے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلّی مخلّٰی لہ کو قبضہ کا حکم کرے مثلاً "خذہ" یا "اقبضہ" کہے یا "خلیت لك عنہ" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے ۔

کلام یہاں طویل الذیل ہے اور محلِ اجمال میں چند جملے وافی، واللہ الموفق:

(۱) امام اجل فقیہ النفس قاضیخان رحمہ اللہ تعالٰی نے تخلیہ کی تعریف ہی میں امر بالقبض ماخوذ فرمایا، کما ھو منقول فی السؤال وجعل الحد اکثریا لاحصریا تحویل لاتاویل (جیسا کہ سوال میں منقول ہے، اور قاضی خاں کی تعریف کو اکثری قرار دینا ان کی کلام کو تبدیل کرنا ہے یہ اس کی تاویل نہیں ہے ۔ ت)

(۲) امام اجل ممدوح و دیگر اجلہ نے صراحۃً عدم امرِ مذکور کی حالت میں عدم صحت تخلیہ پر نص فرمایا، فتاوٰی قاضیخاں و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ و بحرالرائق و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للخانیۃ ان دفع الیہ المفتاح و لم یقل خلیت بینک و بین الدار فاقبضہ لم یکن ذٰلک قبضا۔

خانیہ کے الفاظ میں، اگر اس نے چابی دے دی اور یہ نہ کہا کہ میں نے تیرے اور گھر کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے، تو یہ قبضہ نہ ہوگا۔ (ت)

محیط پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذا لم یقل اقبضہ فانما القبض ان ینقلہ[۲]

جب قبضہ کرلے، نہ کہا تو پھر وہاں سے منتقل کرنا ہی قبضہ قرار پائے گا۔ (ت)

تو کلامِ امام قاضیخاں کو عدمِ اشتراط پر حمل کرنا خود ان کی تصریح صریح کے خلاف ہوگا۔

(۳) امامِ اجل موصوف و دیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقاً امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وُہ امر بالقبض درکار ہے جو اس شَے کی طرف مضاف ہو، مثلاً ہبہ یا بیع کرکے کہا لے لے یا قبضہ کرلے، تخلیہ نہ ہوا جب تک یُوں نہ کہے کہ یہ چیز لے لے یا اس پر قبضہ کرلے۔ فتاوٰی قاضی خان و بحرالرائق و فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال "خذ" لایکون قبضا ولو "خذہ" فھو قبض اذا کان یصل الی اخذہ و یراہ[۳]

اگر کہا "پکڑ لے" تو قبضہ نہ ہوگا، اور یہ کہا کہ "اس کو پکڑ لے" تو قبضہ ہوگا بشرطیکہ چیز کو ہاتھ پہنچ جائے اور اس کو نظر آئے۔ (ت)

(۴) امام اجل مذکور کے فتاوٰی اور کتاب الاجناس و شرح المجمع لابن ملک و غمز العیون و البصائر و بحرالرائق وغیرہا میں تخلیہ کی شرائط شمار کیں اور ان میں قول مذکور کو ایک مستقل شرط گنا، اور نہر الفائق و درمختار و فتاوٰی ہندیہ و حاشیہ طحطاویہ و ردالمحتار وغیرہا میں اُسے مقرر رکھا، امام ناطفی و ابن فرشتہ و سید حموی کی عبارت یہ ہے:

---

[۱] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

[۲] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

[۳] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی ؍؍ ؍؍ ۳/ ۱۶

التخلية بین المبیع والمشتری یکون قبضاً بشروط احدها ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع، والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یتمکن من اخذہ بلا مانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزاً غیر مشغول بحق غیرہ اھ[1] باختصار۔

مبیع چیز اور مشتری کے درمیان تخلیہ چند شرائط کے ساتھ قبضہ بن جاتا ہے، ایک یہ کہ بائع یوں کہے "میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کیا" دوسری یہ کہ مبیع مشتری کے پاس اس طرح ہو کہ بغیر رکاوٹ اس کو پکڑ سکے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ مبیع فارغ ہو اور کسی کے حق میں مشغول نہ ہو، اھ، اختصاراً۔ (ت)

شرط کا اکثری ہونا کیا معنی، اور امام اجل موصوف نے تو صراحۃً اسے ارشادات عالیہ امام الائمہ صاحب المذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا:

حیث قال قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التخلیۃ بین المبیع والمشتری تکون قبضاً بشرائط ثلثۃ احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع فاقبضہ ویقول المشتری قد قبضت، والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یصل الی اخذہ من غیر مانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزاً غیر مشغول بحق الغیر[2] الخ۔

جہاں انھوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ تین شرائط کے ساتھ قبضہ قرار پاتا ہے، ایک یہ کہ وہ مشتری کو کہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے تو قبضہ کرلے، اور مشتری جواب میں کہے میں نے قبضہ کیا، دوسری یہ کہ مبیع اس طرح مشتری کے سامنے ہو کہ بغیر رکاوٹ اس کو لے سکے، اور تیسری یہ کہ مبیع فارغ ہو کسی کے حق میں مشغول نہ ہو الخ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۲۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/۳۹۵

کان ابوحنیفۃ یقول القبض ان یقول خلیت بینك وبین المبیع فاقبضه ویقول المشتری وھو عند البائع قبضته[1]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تخلیہ کے ساتھ قبضہ یہ ہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے اس کو لے لو، اور مشتری بائع کی موجودگی میں کہے میں نے قبضہ کیا۔ (ت)

بالجملہ نقول اس مسئلہ میں متظافر ہیں اور سب سے اعظم یہ کہ وہ خود صاحب المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص ہے،

فایاك ان تتوھم مما فی الدر تبعا للنھر انھا من زیادات الناطفی۔

درمختار میں نہر کی پیروی میں جو کہا کہ یہ ناطفی کے زیادات میں سے ہے، اس وہم سے بچ کر رہنا۔ (ت)

(۵) یہیں سے ظاہر کہ عباراتِ علماء میں جہاں تخلیہ مذکور ہے یہ شرط منظور ہے،

فان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمه ومن قال رجل صلی لیس علیه ان یقول بطاھر فی طاھر علی طاھر ناویا مستقبلا مکبرا فقد تضمن الکل قوله صلی، فلا تظن امثال قول الخانیۃ البائع اذا خلی بحیث یتمکن المشتری من قبضه یصیر قابضا[2] انھا خالیۃ عن ھذا الشرط فضلا عن کونھا صرائح فی انه لیس بشرط۔

جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اور جو شخص کسی کے متعلق کہے کہ "فلاں نے نماز پڑھی ہے" تو اس کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں، پاک حالت، پاک پانی، پاک جگہ، نیت کے ساتھ، قبلہ کی طرف اور تکبیر کہہ کر، کیونکہ نماز کا ذکر ہی ان سب کو متضمن ہے، لہذا خانیہ کے قول کہ "بائع جب تخلیہ کردے اس انداز میں کہ مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہوجائے تو مشتری قابض قرار پائے گا" سے تجھے یہ گمان نہ ہو کہ یہ اس شرط سے خالی ہے چہ جائیکہ تو عدمِ شرط پر اس کو تصریح قرار دے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں 〃 باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

(۶) نصوص صریحۂ مذہب وخود صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلاف اگر کوئی روایت شاذہ پائی جاتی نامقبول ہوتی نہ کہ روایت مطلقہ کہ مخالف بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اسی مقید پر محمول ہوتی

لانہ متفق علیہ فی کلمات العلماء وانما الخلاف فی نصوص الشارع کما فی ردالمحتار وغیرہ من المعتمدات۔

کیونکہ یہ تمام علماء کے کلام میں متفق علیہ ہے صرف شارع کی نصوص میں خلاف ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔(ت)

نہ کہ بے استناد روایت محض ذہنی حکایت کہ وہ کیا قابلِ التفات وعنایت،

فالمشتری ان عدالثمن فی ید البائع اوذیلہ او حجرہ لم یحتج البتۃ الی قول خذہ ونحوہ لان الحقیقی غنی عن شرائط الحکمی وان عدہ علی الارض بین یدی نفسہ فلایسلم انہ تخلیۃ مالم یقلہ اوینقلہ۔

جب مشتری نے رقم بائع کے ہاتھ یا جھولی یا دامن میں گنتی کرکے ڈالی تو اب اس کو یہ کہنے کی ضرورت ہرگز نہیں کہ "تو پکڑلے" کیونکہ حقیقی قبضہ کے بعد حکمی شرائط کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر مشتری اپنے سامنے زمین پر گن کر رکھ دے تو یہ تسلیم نہ ہوگا کہ یہ تخلیہ ہے جب تک پکڑ نہ لے، نہ کہہ دے یا وہاں سے مشتری اٹھا نہ لے۔(ت)

(۷) زید کا کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" صراحۃً اقرار ہے، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

لوقال لاٰخر "این چیز ترا" فھو ھبۃ یشترط فیھا القبض ولو قال "تراست" فاقرار[1]۔

اگر دوسرے کو کہا یہ چیز تجھ کو تو ہبہ ہوگا اس میں قبضہ شرط ہوگا اور اگر کہا یہ چیز تیری ہے تو اقرار ہوگا۔(ت)

تو اس سے انشائے اجازتِ قبض مراد لینا محض مجاز، اور مجاز بے ضرورت ممنوع و ناجائز، اور ضرورت معدوم، تو تخلیہ کی پہلی شرط تمکن قبض کا تو وجود معلوم نہ تھا، اس دوسری شرط یعنی امر بالقبض کا عدم معلوم،

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

وحديث الالغاء لايستحق الاصغاء فان الاقرار لم يعر عن حكمه من ان المقر مؤاخذ به قضاء ان لم يثبت بطلانه حيث يصير مكذبا شرعا فاين التعطيل حتى يجوز التجوز والتحويل اما انه لايقوم بافادة الملك للمقر له فهذا عين حكمه ولو كان فيه الغاؤه لا نمحى الاقرار من صفحة الدنيا لان الالغاء اذن يلزم حكمه وحكم الشئ لازم له فالالغاء يلزم الاقرار وما كان الغاؤه لازم وجوده فوجوده عدمه وبعبارة اوضح لوجب حمل كل اقرار على انشاء محض كي يفيد الملك ولا يلغو والاقرار غير الانشاء فتبطل رأسا وانعدم۔

ان کی لغو کرنے والی بات قابلِ التفات نہیں ہے، کیونکہ اقرار جب تک شرعاً جھوٹا ہو کر باطل نہ قرار دیا جائے تو اس وقت تک وہ اپنے حکم جو کہ مقر کا اپنے اقرار میں قضاءً ماخوذ ہونا ہے، سے خالی نہیں ہوتا تو یہاں وہ کب معطل ہے کہ مجاز کی طرف پھرنا جائز ہو اور یہ کہ وہ مقرلہ کے لئے ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا (تو غلط ہے) کیونکہ یہی تو اقرار کا حکم ہے اور اگر یہی لغو قرار پائے تو پھر دنیا میں اقرار کا وجود نہ رہے گا کیونکہ اس طرح الغاء حکم کو لازم ہوگا اور حکم خود شئی کو لازم ہے تو یوں الغاء خود اقرار کو لازم ہوگا، اور جس چیز کو الغاء لازم الوجود تو اس کا وجود معدوم قرار پائے گا، اور آسان عبارت میں یوں کہا جا سکتا ہے، ہر اقرار کو انشاء محض پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ملکیت کے لئے مفید ہو اور لغو نہ ہو جبکہ اقرار انشاء نہیں ہو سکتا تو اقرار سرے سے باطل ہوگا اور ختم ہو جائیگا۔ (ت)

(۸) کفانا المؤنۃ ما مر فی مباحث السؤال نفسها ان اقراره يجب ان يحمل على سبب صالح حتى لايلزم الالغاء فقد علم ان حمله على تقدم سبب ما مصحح للاقرار يكفی لاعماله ويدفع الالغاء ومعلوم انه يبقى به على حقيقته فالعدول الى المجاز فرارا عن الالغاء مما لاوجه اصلا۔

اور خود اس نے بھی سوال کی مباحث کی تکلیف سے فارغ کر دیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب سبب پر محمول کرنا ضروری ہے جو اقرار کو صحیح کرے یہ بات اقرار کی صحت وعمل کے لئے کافی ہے اور لغو نہ ہوگا تو ظاہر ہو گیا کہ اقرار اپنے حقیقی معنٰی پر ہے تو اب الغاء سے بچنے کے لئے مجاز کی طرف عدول کی کوشش بلاجواز ہے۔ (ت)

(۹) بل الاقرار بشئ انه لفلان

بلکہ کسی چیز کے متعلق اقرار کہ یہ فلاں کی ہے

انما ینبئ عن ملك مطلق له فیه قبل الاقرار فلا یحتاج الی ابانة سبب اصلا فضلا عن ان یُلزم المقر فی حیاته ببیان سبب صالح هذا لم یقل به احد وانما قالوا ان المرء مؤاخذ باقراره الا تری ان مدعی الملك المطلق وشاهدیه لا یکلفون بیان السبب فکیف المقر الا ما استثنی مما الظاهر فیه بطلان الاقرار کالاقرار لحمل فمشی محمد علی الاصل ای یحمل علی سبب صالح من دون بیان والزما بیانه کارث او وصیة بخلاف الرضیع وان لم یبین شیئا بل بین مالا یصلح له کاقراض و بیع الکل کما فی الاشباه والتنویر وغیرهما۔

تو یہ اقرار بتاتا ہے کہ چیز فلاں کی ملکیت مطلقہ قبل از اقرار ہے تو کسی سبب کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی چہ جائیکہ مقر پر لازم کردیا جائے کہ وُہ اپنی زندگی میں اس اقرار کے مناسب سبب کو بیان کرے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہر مقر اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ ملکیت مطلقہ کا مدعی اور اس کے گواہ کسی سبب کو بیان کرنے کے پابند نہیں ہوتے تو مقر کیسے پابند ہوسکتا ہے ہاں وہ صورت اس بحث سے خارج ہے جو ظاہراً باطل اقرار ہے مثلاً کوئی شخص ایسے بچے کیلئے اقرار کرے جو ابھی حمل میں ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس اقرار کو اپنے اصل پر محمول کرتے ہوئے مناسب سبب کو بیان کرنا ضروری نہیں قرار دیتے جبکہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی اس کو بیان کرنا ضروری قرار دیتے ہیں مثلاً وصیت یا وراثت میں سے کسی کو بیان کرے بخلاف دُودھ پینے والے بچے کے لئے اقرار ہو تو اس کے مناسب کوئی سبب نہ ہو تو بھی بیان کرنا ضروری نہیں مثلاً اس کیلئے قرض یا اس کے لئے کل مال کی بیع کا اقرار کردے، جیسا کہ الاشباہ اور تنویر وغیرہما میں ہے (ت)

(۱۰) بل لا دلالة للاقرار علی ان ملك المقر له المخبر عنه فی الاقرار کان مستفادا من المقر الا تری

بلکہ اقرار میں مقر لہ کی ملکیت پر دلالت ہی نہیں کہ مقر اس کی خبر دے رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم اگرچہ شراب کا مالک نہیں ہوتا اس

ان المسلم یصح اقرارہ بخمر کما فی الدرر والبحر والتنویر وغیرھا حتی یؤمر بتسلیمھا کما فی ش ولا یصح کونہ ملکا لھا کما فی الھدایۃ۔

کے باوجود اگر وہ کسی کے لئے شراب کا اقرار کرے جیسا کہ درر، بحر اور تنویر وغیرہا میں ہے کہ اس کا اقرار صحیح ہے، اور شامی میں ہے کہ اس کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا، مسلمان کے لئے شراب کی ملکیت کا صحیح نہ ہونا ہدایہ میں مذکور ہے۔ (ت)

(۱۱) ولو تنزلنا فانما یکفی تصور سبب ما ولیس علی احد تعیینہ بل لیس لاحد غیر المقر لان المجمل لایبینہ الا من اجمل فظھر ان الاستدلال علی تمام الھبۃ المذکورۃ باقرارہ بالامانۃ لاتمام لہ اصلا۔

اور اگر تنزل کے طور پر یہ تسلیم بھی کرلیں تو صرف کسی سبب کا تصور ہی کافی ہوگا مقر کے علاوہ کسی کو بھی اس کی تعیین اور بیان کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ مجمل کو صرف اجمال بولنے والا ہی بیان کرسکتا ہے تو واضح ہوگیا کہ ہبہ کے تام ہونے پر اس کے اقرار بالامانت کو دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے (ت)

(۱۲) اذا الامر کما وصفنا ان الاقرار لیس دلیلا انیا علی تمام الھبۃ فلوکان دلیلا لکان لمیا والاقرار اظھار لا اثبات فلو جعل اثباتا لدار ولا مناص۔

جب معاملہ وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو پھر اقرار ہبہ کے تام ہونے پر دلیل اِنّی نہ ہوگا اگر ہوگا تو دلیل لمّی ہوگا یعنی اقرار محض ثبوت نہیں بلکہ علت کو بیان کرے گا حالانکہ اقرار محض اظہار ہوتا ہے اثبات نہیں بنتا، ہاں اگر اثبات قرار دیا جائے تو ناچار دَور لازم آئیگا۔ (ت)

سابعاً تخلیہ کی شرط ثالث سے مستفاد بلکہ حقیقۃً لفظ تخلیہ کا مفاد یہ ہے کہ تخلیہ کرنے والا اسے اپنے قبضہ سے خالی کردے کہ شے جب تک خود اس کے قبضہ میں ہے تخلیہ کہاں ہوا۔ ولہذا بحرالرائق نے تصورِ تخلیہ میں اس شیئ کا زمین پر رکھا ہونا ماخوذ کیا، ولہذا اگر گھوڑا بیچا اور بائع اس کی بال تھامے ہوئے مشتری سے کہہ رہا ہے کہ گھوڑے پر قبضہ کرمیں اس کی بال تیرے ہی لئے تھامے ہوئے ہوں کہ بھاگ نہ جائے اور تُو قابو میں کرلے اور مشتری پاس کھڑا ہے کہ قبضہ کرسکتا ہے مگر وہ اپنا ہاتھ نہ رکھنے پایا تھا کہ گھوڑا چھوٹ کر گم ہوگیا، بائع کے مال سے گیا کہ قبل قبض ہلاک ہوا تو باآنکہ مشتری قبضہ پر فی الحال قادر تھا اور بائع صاف حکم قبضہ کر رہا تھا

مگر تخلیہ صحیح نہ ہُوا کہ گھوڑا دستِ بائع میں تھا،

فی البحر الرائق وان کان غلاما اوجاریۃ فقال لہ المشتری تعال معی او امش فخطی معہ فھو قبض وکذا لوارسلہ فی حاجتہ وفی الثوب ان اخذہ بیدہ او خلی بینہ وبینہ وھو موضوع علی الارض فقال خلیت بینك وبینہ فاقبضہ فقال قبضتہ فھو قبض[1]، وفی الذخیرۃ ثم الھندیۃ ان کانت الرمکۃ فی ید البائع ولم تصل الیھا ید المشتری فقال البائع للمشتری قد خلیت بینھا وبینك فاقبضھا فانی انما امسکھا لك فانفلتت من ید البائع قبل ان یقبض المشتری وھو یقدر علی اخذھا من البائع وضبطھا کان الھلاك علی البائع[2] اھ (ملخصاً) ومثلہ فی الخانیۃ وتمام تحقیقہ فیما علقنا علی ردالمحتار۔

بحرالرائق میں ہے اگر غلام یا لونڈی ہو اور مشتری اس کو اپنے ساتھ چلنے کو کہے اور وہ ساتھ چل پڑے تو مشتری قابض قرار پائے گا، اور یوں ہی اگر اس غلام کو مشتری نے اپنے کام کے لئے بھیج دیا' اور کپڑے کی صورت میں اگر مشتری کے ہاتھ میں دے دیا یا بائع نے اس کو اپنے اور مشتری کے درمیان زمین پر رکھ دیا اور کہا میں نے تیرے لئے تخلیہ کردیا ہے قبضہ کرلے' اور مشتری نے کہا میں نے قبضہ کرلیا' تو قبضہ ہوجائے گا، اور ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے کہ گھوڑی بائع کے قبضہ میں ہے اور مشتری کے ہاتھ سے دُور ہے اور بائع کہہ دے کہ میں نے تیرے لئے اس کو پکڑ رکھا ہے، میں نے تیرے اور اس کے درمیان تخلیہ کردیا پکڑلے تو قبل از قبضہ اس موقعہ پر اگر وہ گھوڑی بائع کے ہاتھ سے چھُوٹ کر بھاگ جائے تو اگرچہ مشتری بائع سے لے کر قابو کرنے پر قادر بھی تھا تو بھی نقصان بائع پر ہوگا اھ (ملخصاً)، یہ تمام بحث خانیہ میں ہے اور مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے (ت)

اور بداہۃً ظاہر ہے کہ جو چیز اپنے صندوق میں رکھی ہے اور صندوق اپنی الماری میں ہے اور مالک نے آپ انھیں کھولا اور صندوق بدستور الماری میں رکھا ہے اور وہ خود انھیں کھولے ہوئے بیٹھا ہے تو قطعاً اُسی کا قبضہ ہے، پھر تخلیہ کہاں متحقق ہوا کہ روپیہ اصل قبضہ مالک سے ایک وقت بھی خالی نہ ہوا بخلاف اس کے کہ صندوق کھول کر صندوق ہندہ کے ہاتھ میں دے دیتا کما فی

---

[1] بحرالرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۸

المحیط السرخسی والتنویر والھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ محیط سرخسی، تنویر اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت)
کہ اب صندوق و ما فیہ پر زید کا قبضہ نہ رہتا اور کھلے ہونے کے سبب ہندہ کو قبضۂ زر پر فی الحال تمکن ہوتا
مگر یہاں ایسا نہ ہوا تو تخلیہ نہ ہوا تو قبضہ حقیقی یا حکمی اصلاً نہ ہوا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور قبل قبضہ موت واہب
سے ہبہ باطل محض ہوگیا۔

فی الدر المختار من موانع الرجوع والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]

درمختار میں رجوع کے موانع کی بحث میں ہے میم سے مراد کسی فریق کا قبضہ دینے کے بعد فوت ہونا ہے اور قبضہ سے قبل ہو تو ہبہ باطل ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ زید جبکہ حسب تحریر سوال عالم و عارف باحکام فقہیہ تھا تو اس کا علم ہی بتا رہا ہے
کہ اسے تکمیل ہبہ منظور نہ تھی، وہ جانتا تھا کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا اور قبضہ ایک آن کو نہ دیا، حسب تصریح
سوال وقت نکاح سے ہی اس روپے کو اپنی گرہ اپنے صندوق اپنی الماری میں محبوس رکھا وہ جانتا تھا کہ
اگر میں ہندہ کا قبضہ حقیقی نہیں کراتا تو کم از کم تخلیہ تو ضرور ہے اور وہ یونہی ہوگا کہ میں روپیہ صندوق
سے نکال کر ہندہ کے نہایت قریب زمین پر رکھ کر اسے حکم قبضہ دوں مگر اس نے کبھی روپے کو ہوا نہ دی،
صندوق میں سے روپیہ درکنار الماری میں سے صندوق بھی نہ نکالا، یہ تو سو بار کہا کہ یہ روپیہ تیرا ہے تیری امانت
ہے، اور یہ ایک بار بھی نہ کہا کہ میں تخلیہ کرتا ہوں تو قبضہ کرلے، تو بحال علم و فقاہت شرائط لازمہ متحقق نہ ہونے
دینا صریح دلیل ہے کہ وہ قصداً تکمیل ہبہ سے باز رہا،

فما ذکر من ان کونہ عالماً فاضلاً یقتضی کونہ باذلاً لاھازلا یعارضہ صریحاان علمہ ذالک ھو القاضی بکونہ عاضلا مع ان الاول لیس الاتحسین ظن بتخمین و ھذا علی تقدیر معرفتہ باحکام مثبت امتناعہ بیقین۔

اس کا یہ کہنا کہ وہ عالم فاضل ہے اس لئے اس کا یہ عمل دینے کے لئے ہوگا مذاق نہ ہوگا، اس کو صریح معارض ہے کہ عالم فاضل ہونے کے باوجود اس کا یہ عمل فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے قصداً تکمیل ہبہ نہ کی، حالانکہ پہلا احتمال (دینے کا ارادہ) صرف اندازے کی بنا پر حسن ظن کا اظہار ہے جبکہ اس کا معارض' احکام سے واقف ہونے کی تقدیر پر ہبہ نہ دینے کا یقینی ثبوت ہے۔(ت)

اور اس پر دوسری روشن دلیل اس کا بار بار رونا اور خوف ضیاع بیان کرنا ہے، عاقل جس چیز سے

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ڈرتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے نہ کہ اس پر مُصر رہے، ہندہ نے اس سے کس دن کہا تھا کہ میرا روپیہ آپ امانت رکھیں اور کہا بھی تھا تو یہ اس کی تسلیم پر مجبور کیوں ہُوا اور مجبور بھی تھا تو ہندہ کو ایک لمحہ کے لئے قبضہ دلاکر پھر اپنے پاس امانت رکھ لینا کیا دشوار تھا مگر اس نے کبھی قبضہ نہ دیا تو یقیناً وہ کسی طرح قبضہ دینا نہ چاہتا تھا اور اس پر کوئی ایسا اندیشہ رکھتا تھا جو اس خوف امانت پر غالب تھا جس سے بچنے کو وہ اندیشہ گوارا کیا خواہ وُہ خوف یہ ہو کہ ہندہ پھر واپس نہ دے گی اور وُہ یا اس کا شوہر روپیہ ضائع کردیں گے، بیجا خرچ کر ڈالیں گے خواہ کوئی اور وجہ ہو، بہرحال قبضہ دینے سے امتناع واضح ہے، پھر تمامی ہبہ کیا معنی، تیسری اور روا ضح دلیل یہ ہے کہ اگر وُہ واقعی جانتا کہ اس روپیہ پر ہندہ کی ملک تام ہو چکی ہے اور میرے پاس امانتاً ہے پھر اپنے پاس رہنے میں اندیشہ مواخذہ تھا جسے خیال کرکے رویا کرتا تو قطعاً ہندہ کا روپیہ ہندہ کے حوالے کرتا کہ عالم تو عالم ہر عاقل کو اپنے دین کی احتیاط پرائے مال کی احتیاط پر غالب ہوتی ہے، اپنی آخرت کا مواخذہ پرائی دنیا کے نقصان سے زیادہ گراں ہوتا ہے تو صاف ثابت ہے تو کسی مصلحت خاصہ کے باعث جسے وہ خود ہی خوب جانتا ہوگا، اس کا اظہار ہبہ محض نمائش و دل دہی ہندہ کے لئے تھا، یہ کلام بضرورت جواب مذکور ہوا ورنہ شرعاً جب کسی عقد کی ناتمامی ثابت ہو تو حال عاقد پر مجرد حسن ظن باعث تبدیل احکام نہیں ہوسکتا، ہمارے نزدیک الزامات مذکورہ سے یہ آسان ہے کہ یہاں بعض احکام سے زید کا ذہول مان لیجئے کہ یہ چنداں دشوار نہیں وُہ اپنے گمان میں یہی جانتا تھا کہ صرف فتح صندوق سے تخلیہ ہولیا اور ہبہ تمام ہوگیا، جیسا کہ اُس کے بعد بعض ذی علم مجیبوں کو عارض ہوا مگر وہ گمان خلافِ تحقیق تھا تو حجت نہ رہا اذ لاعبرۃ بالظن البین خطؤہ (ایسے گمان کا اعتبار نہیں جس کا خطا ہونا واضح ہو۔ت)

بالجملہ ہبہ مذکورہ محض باطل ہے البتہ زید کا اقرار بار بار حاصل ہے مگر اقرار مفید ملک نہیں، ولہذا اگر مقر غلط اقرار کرے مقر لہ کو شئی مقر بہ لینا حرام ہے، ولہذا اگر محض بربنائے اقرار دعوٰی ملک کرے قضاءً بھی مردود و ناکام ہے، اور یہاں جبکہ فریقین متفق ہیں کہ مالک زر زید ہی تھا اور ہندہ کی طرف انتقال ملک کا کوئی سبب سوا اس ہبۂ باطلہ کے نہ ہوا تو یقیناً وہ اقرار باطل تھا اور اقرار باطل کچھ اثر نہیں رکھتا، تو اب نہ ہبہ رہا نہ اقرار، اور روپیہ ملک ہندہ سے برکنار،

فی تنویر الابصار لاتسمع دعواہ علیہ بشیئ بناء علی الاقرار[1]۔ فی الدر المختار حتی لواقرکاذباً لم یحل لہ لان الاقرار	تنویر الابصار میں ہے کسی کے اقرار کی بناء پر اس پر کچھ بھی دعوٰی قابل سماعت نہ ہوگا، درمختار میں ہے حتی کہ اگر جھوٹا اقرار کرے تو مقر لہ کو اس سے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۳۰

ليس سببا للملك نعم لوسلمه برضاه
كان ابتداء هبة وهو الاوجه
بزازية[1] اھ، وفي الاشباه
اقر بالطلاق بناء على ما افتى به
المفتي ثم تبين عدم الوقوع فانه
لايقع كما في جامع الفصولين
والقنية[2] اھ، وفيها ايضاً الاقرار
بشئ محال باطل وعلى هذا
افتيت ببطلان اقرار انسان
بقدر من السهام لوارث
وهو ازيد من الفريضة
الشرعية لكونه محالا شرعا
مثلا مات عن ابن وبنت
فاقر الابن ان التركة
بينهما نصفان[3] اھ باختصار،
وفي غمز العيون يؤخذ
من هذا ان الرجل
اذا اقر لزوجته بنفقة
مدة ماضية وهي فيها
ناشزة او من غير سبق
قضاء او رضاء وهي معترفة بذلك

لینا جائز نہیں کیونکہ اقرار ملکیت کا سبب نہیں ہے
ہاں اگر مقر اپنی رضامندی پر دے دے تو یہ دینا
ابتداءً ہبہ قرار دیا جائے گا اور یہی زیادہ مناسب
ہے، بزازیہ، اھ۔ الاشباہ میں ہے کسی مفتی
کے فتوٰی کی بناء پر خاوند نے طلاق کا اقرار کیا
پھر معلوم ہوا کہ اس فتوٰی کی وجہ سے طلاق
نہ ہوئی ہے تو اقرار سے طلاق نہ واقع ہوگی'
جیسا کہ جامع الفصولین اور قنیہ میں ہے، اھ،
اور اس میں یہ بھی ہے کہ کسی محال چیز کا اقرار کیا
تو باطل ہوگا، اسی وجہ سے میں نے فتوٰی دیا
کہ اگر کوئی شخص دوسرے وارث کیلئے وراثت کے
حصہ کا اقرار کرے اور وہ حصہ شرعی حصہ سے زائد
ہو تو ایسا اقرار باطل ہوگا کیونکہ یہ زائد شرعاً
محال ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص
بیٹا اور بیٹی وارث چھوڑ کر فوت ہوا اور بیٹے نے
یہ اقرار کیا کہ ترکہ ہم دونوں بہن بھائی میں نصف
نصف ہے اھ مختصراً۔ اور غمز العیون میں ہے
اس سے یہ ماخوذ ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کیلئے
گزشتہ اس کے نافرمانی کے دور کے نفقہ یا
ایسے گزشتہ وقت کے نفقہ جس کا قاضی نے
فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہی دینے پر راضی تھا' اقرار کیا

---

[1] درمختار کتاب الاقرار مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱
[3] " " " " " " ۲/ ۲۵

فاقرارہ باطل لکونہ محالا شرعاً الخ

اقول: وھو ماخوذ عن العلامۃ شیخ الاسلام ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الغزی کما رأیتہ منقولا عنہ فی حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ السید الشریف محمد بن محمد الحسینی افندی الشھیر بزیرك زادہ من رجال القرن العاشر قال وقد افتیت اخذا من قول العلامۃ الغزی بان اقرار ام الولد لمولاھا بدین لزمہا لہ بطریق شرعی باطل وان کتب بہ وثیقۃ لعدم تصور دین للمولی علی ام ولدہ اذ الملك لہ فیہ کامل و المملوك لایکون علیہ دین لمالکہ واللہ تعالٰی اعلم اھ[2] وھو المراد ھٰھنا بقول الحموی قال بعض الفضلاء وقد افتیت اخذا من ذلك بان اقرار ام الولد[3] الی اٰخر ماقدمنا۔

اور بیوی بھی گزشتہ ایسے نفقہ کی معترف ہوکہ واقعی نافرمانی یا بلافیصلہ قاضی یہ نفقہ ہے توخاوند کا یہ اقرار باطل ہوگا کیونکہ ایسا نفقہ شرعاً محال ہے الخ

اقول (میں کہتا ہوں) یہ شیخ الاسلام علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی سے ماخوذ ہے، جیسا کہ میں نے علامہ سید شریف محمد بن محمد الحسینی افندی المعروف زیرک زادہ جو کہ دسویں صدی کے عالم ہیں کے حاشیہ الاشباہ میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ میں نے علامہ غزی کے قول سے اخذ کرتے ہُوئے یہ فتوٰی دیا کہ جب ام الولد اپنے مالک کے حق میں اقرار کرے کہ میرے ذمہ شرعی حق کے طور پر اس کا قرض ہے تو یہ اقرار باطل ہے اگرچہ مالک نے وثیقہ بھی لکھ رکھا ہو کیونکہ ام الولد پر مالک کے قرض کا تصور نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ام الولد پر مالک کی مکمل ملکیت ہے جبکہ مملوک پر اپنے مالک کا دین نہیں ہوسکتا واللہ تعالٰی اعلم اھ، اور اس مقام پر حموی کے قول کہ "بعض فضلا نے فرمایا کہ میں نے اس سے اخذ کرتے ہُوئے یہ فتوٰی دیا کہ ام الولد کا مالک کے حق میں قرض کا اقرار باطل ہے" سے حوالہ مذکورہ مراد ہے۔ (ت)

الحمدللہ ایضاحِ مسئلہ کے لئے اسی قدر کافی ہے باقی تخلیہ کی تحقیق تعریف و تنقیح شرائط و

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[2] " " بحوالہ لبعض الفضلاء " " " " " " ۲/ ۲۵

[3] " " " " " " " " " "

ابانت مرام وازاحت اوہام وتفصیل فروع وجزئیات وتمییز المرجوح والرجیح من الروایات فقیر غفرلہ المولی القدیر کے حواشی متعلقہ ردالمحتار میں ہے و باللہ التوفیق والحمد للہ رب العلمین و صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین (آمین) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵ مرسلہ جناب قاضی فرزند صاحب رئیس گیا ۱۵ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب جائداد کثیر بیمار ہوئی کہ اُن کو اور اُن کے شوہر ثانی کو مایوسی ہوگئی اور تمام اطباء ڈاکٹروں نے جو معالج تھے بالاتفاق کہا کہ مرض مہلک ہے اس سے نجات مشکل ہے، حالت یہ تھی کہ اکثر وہ مریضہ غشی میں رہتی تھی اور اٹھنا بیٹھنا بغیر اعانتِ غیر کے نہیں ہوسکتا تھا اور کھانا پینا معمولی موقوف ہوگیا تھا، یہی حالت بلکہ اس سے زیادہ ردی آخر موت تک رہی، شوہر ثانی نے شوہر اول کی اولاد کی حق تلفی کی غرض سے اپنے نابالغ بیٹے کے نام مسماۃ سے اُسی مرض میں جائداد کا کثیر حصہ جس کی لاکھوں روپیہ قیمت ہوتی ہے بعوض ایک جلد قرآن شریف اور انگشتری طلائی کے ہبہ نامہ بالعوض لکھوادیا اور اس وثیقہ کے استحکام کے واسطے شوہر اول کی اولاد میں سے صرف ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی بقیہ جائداد میں کچھ حصہ بعوض ایک دلائل الخیرات اور ایک پنجسورہ شریف کے مسماۃ سے اسی مرض مذکور میں ہبہ بالعوض لکھوادیا اور بقیہ تین لڑکیاں اولادِ شوہر اول کو محروم کردیا، اب مسماۃ نے اسی مرض مذکورہ میں تقریباً ایک مہینہ کے اندر تعمیل وثائق کے انتقال کیا، اب یہ تینوں لڑکیاں آپ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض والتجا کرتی ہیں کہ کیا ایسی کوئی صورت مطابق شرع شریف کے نکل سکتی ہے کہ ہم لوگ اپنے حق کو پہنچیں اور صورت وحیلہ مردود و باطل ہوجائے، اس کا جواب شافی بحوالہ کتب وعبارات لکھا جاتے، اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا، مسماۃ مرحومہ مرض مذکور میں اندازاً تین چار مہینہ مبتلا رہی اور کارروائی مذکورہ بالا کے ایک مہینہ کے بعد انتقال کرگئی فقط۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں اُس ہبہ بالعوض کی کارروائی مطلقاً باطل ومردود ہے، وہ تمام جائداد جس قدر ایک لڑکے کے نام ہبہ بالعوض کی اور جو شوہر اول کے دو بچوں کے نام لکھنے سے باقی رہی وہ تمام وکمال ترکہ مسماۃ ہے اور حسب فرائض اللہ اس کی سب اولاد پر جو دونوں شوہروں سے ہے بعد

اخراج چہارم کے کہ حصہ زوج ثانی ہے للذکر مثل حظ الانثیین[1] (لڑکوں کے واسطے لڑکیوں سے دُگنا ہے۔ ت) تقسیم ہوگی، مسماۃ کی صورت مرض کہ سوال میں مذکور ہوئی باتفاق علماء مرض الموت ہے کہ روز بروز خوفِ ہلاک غالب بھی تھا اور نشست و برخاست سے معذور بھی تھی اور ایک سال مرض ممتد بھی نہ رہا اور اسی میں موت عارض ہوئی، تو یہ ہبہ مرض الموت میں تھا اور اپنی اولاد کے نام تھا اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے اور بیع کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ ہوا اگرچہ برابر قیمت پر ہو بلے اجازت دیگر ورثہ باطل و مردود ہے نہ کہ ایسی بیع لاکھوں روپے کا مال آٹھ دس روپے کو، یہ تو بالاجماع باطل ہے، درمختار میں ہے:

من غالب حالہ الھلاك بمرض اوغیرہ بان اضناہ مرض عجز بہ عن اقامۃ مصالحہ خارج البیت ھو الاصح کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد وعجز السوقی عن الاتیان الی دکانہ، وفی حقھا ان تعجز من مصالحھا داخلہ کما فی البزازیۃ، ومفادہ انھا لو قدرت علی نحو الطبخ دون صعود السطح لم تکن مریضۃ قال فی النھر وھو الظاھر قلت وفی اٰخر وصایا المجتبٰی المرض المعتبر المضمن المبیح لصلٰوتہ قاعدا والمقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ولم یقعدہ فی الفراش کالصحیح ثم رمز "شح" حد

جس شخص کا غالب حال یہ ہو کہ وہ مرض وغیرہ سے ہلاک ہوجائے گا یُوں کہ وہ مرض سے اتنا لاغر ہوگیا کہ گھر سے باہر اپنے ضروری امور کو بجا نہیں لاسکتا، مرض الموت کے حال کا یہ صحیح بیان ہے، مثلاً کوئی عالم فقیہ مسجد میں جانے سے عاجز ہوجائے یا دکاندار اپنی دکان پر جانے سے عاجز ہوجائے اور عورت گھر میں داخلی ضروریات سے عاجز ہوجائے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے، عورت کے عجز کا معیار یہ ہو کہ اگر کھانا پکانے پر قادر ہو اور چھت پر جانے کی قدرت نہ ہو تو مریضہ شمار نہ ہوگی۔ نہر میں فرمایا یہی ظاہر ہے۔ میں کہتا ہوں المجتبٰی کے وصایا کے آخر میں ہے کمزور کردینے والا مرض جس میں کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے، لُنجا ہوا، مفلوج اور سِل والا لمبی مہلت پالے اور بستر میں پابند نہ ہوجائے تو اس کو صحت مند جیسا شمار کیا جائیگا، پھر انھوں نے "شح" کی رمز سے فرمایا لمبی مہلت

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۱

التطاول سنة[1] انتھی وفی القنیۃ المفلوج والمسلول والمقعد مادام یزداد کالمریض[2] اھ وفیہ اما لوقال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً[3] اھ وفیہ وقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی (ولو بمثل القیمۃ[4] اھ مزید امن ردالمحتار۔

کی حد ایک سال ہے، اور قنیہ میں ہے مفلوج، سل زدہ اور رجڑا ہوا اگر ان کا مرض بڑھ رہا ہو تو مریض کی طرح شمار ہونگے اھ، اور اسی میں ہے اگر مریض کہے میں نے تجھے فلاں کے بدلے میں ہبہ کیا، تو یہ اول آخر بیع قرار پائے گی اھ، اور اسی میں ہے مریض کا اپنے وارث کو کوئی چیز فروخت کرنا باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا (اگرچہ مثلی قیمت پر فروخت کیا ہو اھ) یہ ردالمحتار کا اضافہ ہے۔ (ت)

خانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثۃ بطل البیع[5] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

جب کوئی چیز اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو فروخت کرے پھر تندرست ہوگیا تو بیع صحیح ہوگی اور اسی مرض میں فوت ہوجائے اور باقی ورثاء جائز نہ کریں تو بیع باطل ہوگی اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۶: از ریاست رامپور محلہ کوچہ قاضی مرسلہ سید ولایت حسین وکیل ۳ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد بدست عمرو بقیمت دو ہزار روپے کے بیع کرکے بیعنامہ میں یہ لکھ دیا کہ سات سو روپے میں نے وصول پائے اور تیرہ سو روپے منجملہ اس کے مشتری کو معاف کردئے، تو یہ صورت ہبہ زرِ ثمن کی ہے یا نہیں؟ اور زید بائع کو حق رجوع عن الہبہ شرعًا حاصل ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار	کتاب الطلاق	باب طلاق المریض	مجتبائی دہلی	۱/ ۲۳۵
[2] درمختار	کتاب الہبۃ	باب الرجوع فی الہبۃ	مجتبائی دہلی	۲/ ۱۶۴
[3] درمختار	کتاب البیوع	فصل فی الفضولی	" "	۲/ ۳۲
ردالمحتار	"	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۴/ ۱۳۹
[5] فتاوٰی ہندیۃ	"	الباب الثانی	نورانی کتب خانہ پشاور	۳/ ۱۵۴

الجواب

اگر بیع واقع ہونے کے بعد بیعنامہ میں تیرہ سو کی معافی لکھی تو یہ صورت ہبۂ ثمن کی نہیں بلکہ ابراء کی ہے، اور ابراء میں شرعًا حق رجوع نہیں، اشباہ میں ہے:

مافترق فیہ الھبۃ والابراء[1] الرجوع فیھا عند عدم المانع بخلافہ مطلقًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہبہ اور ابراء میں فرق یہ ہے کہ ہبہ میں مانع نہ ہونے کی صورت میں رجوع (واپس لینا) جائز ہے، ابراء اس کے خلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۷: از دیوبند ضلع سہارنپور محلہ مسجد کمال مرسلہ قاسم حسین صاحب تحصیلدار ۱۵ محرم شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے دو لڑکوں نابالغ کے نام خرید کی، بروقت خریداری جائداد کے جس کے نام جائداد خرید کی گئی اور ایک لڑکی موجود تھی سوائے اولاد مذکورۃ الصدر کے اس وقت اور کوئی اولاد نہیں تھی بعد ازاں زید مذکور کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور پیدا ہوئی، اب جائداد سے وہ لڑکی جو اس وقت بوقت خرید کے موجود تھی اور وہ لڑکا اور لڑکی جو بعد خرید پیدا ہوئے شرعًا حصہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ دونوں نابالغ جن کے نام ان کے باپ نے جائداد خریدی اُس جائداد کے مالک مستقل ہوگئے، جو لڑکی اس وقت موجود تھی یا جو لڑکا لڑکی بعد کو پیدا ہوئے اُن کا اس میں کچھ حق نہیں کہ اگر اصل ایجاب وقبول بیع انھیں لڑکوں کے نام ہُوا جب تو ظاہر ہے کہ جائداد بائع نے ان لڑکوں کے ہاتھ بیع کی اگرچہ زرثمن ان کی طرف سے باپ نے ادا کیا جو اس کا تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہ وہ لے سکتا ہے نہ اس کے دیگر ورثہ، اور باپ کو اپنے نابالغ بچوں کے نام ایسی خریداری کا مطلقًا اختیار ہے۔

فلاینفذ الشراء علیہ حتی یجعل واھبا کالام اذا اشترت بمالھا لولدھا الصغیر

باپ پر خریداری عائد نہ ہو بلکہ بچے کو ہبہ کرنے والا ہوگا جیسا کہ ماں اگر نابالغ کے لئے اپنے مال سے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

تصیر مشریة لنفسہا واھبة من ولدھا لعدم ولایتہا کما من العقود الدریة وغیرھا۔[1]

کوئی چیز خریدے اور اقرار کرے میں نے اپنے مال سے خریدی ہے تو خریداری ماں کی ہوگی اور نابالغ کے لئے وہ چیز ہبہ قرار پائے گی کیونکہ ماں نابالغ بچّے کے لئے خریداری کی ولایت نہیں ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر اصل خریداری میں لڑکوں کا نام نہ تھا اگرچہ بعد کو بیعنامہ میں ان کا نام لکھا دیا تو ابتداءً مالکِ جائداد زید ہوا، پھر بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھانا ان کے لئے[عـه] سے ہبہ ہوا اور باپ جو اپنے نابالغ بچّہ کے نام ہبہ کرے وہ ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوجاتا ہے نہ قبول نابالغ کی حاجت نہ دو کے نام بلاتقسیم ہبہ ہونا مضر کہ قبضہ والد یعنی خود واہب کا کافی وکامل بلاشیوع ہے۔ درمختار میں ہے:

وھب اثنان دارالواحد صح لعدم الشیوع وبعکسه لکبیرین لاعندہ للشیوع فیما یحتمل القسمة۔[2]

دو افراد نے ایک شخص کو مکان کا ہبہ کیا تو جائز ہے کیونکہ اس میں شیوع نہیں ہے اور عکس کی صورت میں کہ ایک شخص دو بالغ افراد کو ایک مکان دے تو جائز نہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، کیونکہ اس صورت میں شیوع ہے قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

افاد انہا للصغیرین تصح لعدم المرجح لسبق قبض احدھما وحیث اتحد ولیہما فلاشیوع فی قبضه ویؤیدہ قول الخانیة الخ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

عکس والی صورت سے ظاہر ہوا کہ دو نابالغوں کو دے تو صحیح ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کو سبقت میں ترجیح نہ ہوئی اور ان کے لئے ایک ولی قبضہ کرے گا تو قبضہ تقسیم نہ ہوگا اور شیوع نہ ہوا۔ اور خانیہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[عـه] فی الاصل ھکذا، لعل الصواب "نام"۔

---

[1] العقود الدریة باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۲

[2] درمختار کتاب الھبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

مسئلہ ۹۸ تا ۱۰۲ از ریاست جاورہ مکان ہیڈ ماسٹر مرسلہ صاحبزادہ محمد صالح خاں ولد محمد یونس خاں
۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین:

(۱) محمد یوسف خاں صاحب کو وظیفہ رئیسِ جاورہ سے ماہ بماہ ملتا تھا اس تنخواہ کو تقسیم کر کے جملہ وارثوں کے نام ہبہ کر دئے اور ایک ہبہ نامہ لکھ دیا اور تاحیات واہب مذکور تنخواہ پر قابض و متصرف رہے اور جملہ موہوب لہم اور زوجگان کو اپنے شامل رکھا، تنخواہ کا قبضہ کسی وارث کو نہیں کرایا تو ایسے قسم کا ہبہ نامہ بموجب کتاب رد المحتار صفحہ ورق ۴۹۳ و ۴۹۴ کے بموجب ہبہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) اسی قدر واہب نے حویلیاں زوجگان کو ہبہ کیں اور ہبہ نامہ میں قبضہ کا لفظ یا منعقد جلسہ ہبہ کے وقت جملہ وارثوں موہوب لہم سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ آپ واہب اس وقت اس سے دستبردار ہوا اور شاملِ موہوب لہم رہا، ایسے قسم کا ہبہ و ہبہ نامہ بموجب درمختار بغیر قبضہ دئے ہوئے عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ہبہ نامہ دستاویز واہب خود نے ایک وصیت نامہ بھی مندرج کیا، جب تین جز فرضی اور یہ فرض شامل مندرجہ ہبہ نامہ ہوئے ایسے قسم کا ہبہ نامہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) تنخواہ جو تھی یہ قسم فرائض سے نہیں ہے ملک غیر کا ہبہ کرا دینا اور اس پہ فرائض تین چیزوں کو ملا کر ہبہ کر دینا واہب کا سات دو قسموں میں، پس ایسی قسم کا ہبہ و ہبہ نامہ عند الشرع جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) کوئی شخص کسی شخص کو اپنی چیز ہبہ کر دے اور اس موہوب لہ کو خبر بھی نہ ہو بغیر اس کی رضا و بغیر اس کی اجازت کے، اور نہ اس کو عوض دیا ہو، اس موہوب لہ کو چیز ہبہ کی ہوئی کو دوسروں کو ہبہ کر دے[عہ] ایسی قسم کا ہبہ جائز ہے اور دستاویز واہب جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

(۱) تنخواہِ آئندہ کا ہبہ باطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ماسیحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ	اس سے معلوم ہوا کہ جو دو قریوں سے حاصل شدہ ہو اس کا بطریق اولٰی ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ ابھی واہب نے خود قبضہ نہیں کیا تو وہ دوسرے کو کیسے

عہ سوال کا یہ فقرہ ناتمام ہے ہبہ نامہ میں ذکرِ قبضہ لازم نہیں ۱۲ فقیر احمد رضا خاں قادری غفرلہ

وھذا ظاھر[1] واللہ تعالٰی اعلم۔ مالک بنائے گا، یہ ظاہر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) جملہ وارثوں سے ایجاب قبول کرانا کچھ ضرور نہیں، ہاں واہب کا اپنا قبضہ تمام وکمال اٹھا کر موہوب لہ کا قبضہ کرا دینا ضرور ہے اگر ذرا دیر کو بھی تاحیات الیسا نہ کیا ہبہ موت واہب قبل قبضہ زوجات سے باطل ہوگیا۔ اشباہ ودرمختار میں ہے:

ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ[2]

دوسرے کے حق میں مشغول چیز کا ہبہ جائز نہیں الایہ کہ والد اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔ (ت)

مگر یہ ہبہ اگر دین مہر کے عوض کیا ہے تو صحیح ہوگیا اور قبضہ کی حاجت نہیں کہ ہبہ بالعوض بیع ہے۔ درمختار میں ہے:

لوقال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر یُوں کہا میں نے تجھے فلاں چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) ہبہ نامہ میں وصیت نامہ شامل کرنے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا، سوال بہت گول و مہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) تنخواہ کا جواب اوپر گزر چکا کہ وُہ ہبہ نہیں ہوسکتی نہ ملک غیر کا ہبہ کرنا نافذ ہو جب تک وُہ اسے جائز نہ کردے، مگر ایسی اشیاء کے ساتھ اپنی ملک خاص کا ہبہ کردینا ملک خاص کے ہبہ کو ضرر نہ دے گا جبکہ وُہ چیز جُدا و منقسم ہو اس غیر ملک کے ساتھ مخلوط ومشاع نہ ہو،

لان الھبۃ لاتفسد بالشرائط الفاسدۃ بخلاف البیع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ ہبہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا بخلاف بیع کے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۵) جو چیز کسی کو ہبہ کردی اور قبضہ دے دیا اور ہبہ تام ہوگیا وہ شے موہوب لہ کی ملک ہوگئی، اب جو اس دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے یہ پہلے ہبہ سے رجوع ہے اگر موانع رجوع سے کوئی شَے پائی جاتی ہو مثلاً جسے ہبہ کیا وُہ اپنی زوجہ یا اپنا عزیز محرم مثل پسر یا برادر وغیرہ ہے جب تو ظاہر ہے کہ اسے رجوع کا کچھ اختیار نہیں، وُہ ہبہ اسی موہوب لہ کی اجازت پر موقوف رہے گا،

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] درمختار بحوالہ الاشباہ " مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار " باب الرجوع فی الہبہ " ۲/ ۱۶۴

اگر جائز کر دے گا جائز ہو جائے گا، رَد کر دے گا باطل ہو جائے گا، اور اگر موانع رجوع نہ ہوں جب بھی رجوع کا خود بخود اختیار نہیں ہوتا بلکہ یا تو موہوب لہ کی مرضی سے ہبہ واپس کرلے یا نالش کرکے بحکم حاکم رجوع کرے، اس کے بعد دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے، بغیر اس کے وہی ملک غیر کا ہبہ ہے، درمختار میں ہے:

لایصح الرجوع الا بتراضیھما او بحکم الحاکم[1]۔ دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی یا حکمِ حاکم کے بغیر رجوع صحیح نہیں ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز ھبة مال الغیر بغیر اذنہ[2]۔ غیر کے مال کا ہبہ اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از مقام کبیر کلاں ڈاکخانہ خاص علاقہ ڈبائی ضلع بلندشہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکیدار ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ والد نے اپنے فرزند کو اپنے گھر سے نکالا اور کچھ حقیت اپنے فرزند کے نہیں دی، فرزند بحکم اپنے والد کے گھر سے نکل کر اجنبی مکان میں سکونت پذیر ہوا، بعد اس کے ان کے والد مقروض ہوئے اور اپنے اسی فرزند سے کہا کہ تم میرا قرضہ ادا کردو اور میں اس کے عوض میں ایک قطعہ زمین واسطے مکان کے تمہارے نام لکھتا ہوں، چنانچہ ولد نے اپنے والد کا قرضہ ادا کرکے اُس زمین کی رجسٹری کرالی، اب اس کے والد نے مکان کے واپس لینے کی درخواست عدالت میں دی ہے کہ میں نے اپنے فرزند کو مکان عاریتًا دیا تھا اور ملکیت کے طور پر نہیں دیا تھا، اگر والد اپنا مکان واپس کرالیں تو ولد کو بحکم شرع مجاز ہے کہ اپنے والد سے ثمن واپس لیں یا نہیں، یا اس قاعدہ میں ہوگا کہ والد فرزند کے مال کا مالک ہے۔

الجواب

اگر وہ مکان اس شخص نے اپنے ولد کے نام بیع کیا جب تو ظاہر ہے کہ اُسے فسخِ بیع کا کوئی اختیار نہیں، اور اگر واپس لے گا تو ثمن واپس دینا پڑے گا، اور اگر ہبہ کیا اور قبضۂ تامہ دلا دیا جب

---

[1] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیة " الباب الاوّل نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

بھی وُہ مکان مِلکِ ولد ہوگیا اور والد کو اُس میں رجوع کا اصلاً اختیار نہ رہا فان المحرمیۃ تمنع الرجوع (کیونکہ محرم ہونا رجوع کے لئے مانع ہے۔ ت) پھر اگر کسی دھوکے سے رجوع کر لی تو ظاہر کہ ولد نے جو اس کے کہنے سے اس کا قرضہ ادا کیا یہ ادا کرنا تبرعًا نہ تھا کہ اس کے صلہ میں زمین دینا قرار پایا تھا، جب زمین واپس ہوجائے گی بلاشبہہ ولد کو اپنا روپیہ واپس لینے کا اختیار ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴ از شہر کانپور محلہ پریڈ مرسلہ محمد ابراہیم مسیح صدیقی ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ اپنی جائداد غیر منقولہ کے ایک مکان اپنے پسر عمرو کو دے دیا اس طرح پر کہ دفاتر سرکاری میں درخواست دے کہ زید نے اپنا نام رجسٹر مکانات میں خانۂ ملکیت سے خارج کرا کے اپنے پسر عمرو کا نام داخل کرا دیا بعدہٗ کرایہ نامہ مکان مذکور جو درمیان کرایہ داران اور عمرو کے تحریر و تصدیق ہوتے رہے اُن کرایہ ناموں پر دستخط بحیثیت مالک کے ثبت ہوا کئے، اور زید اپنی شہادت گواہ شد لکھ کر تحریر کرتا رہا، رسید کرایہ کی عمرو کے دستخط اور نام سے دی جاتی تھی اور نالشات کرایہ داران پر صرف عمرو کی جانب سے ہوتی رہیں اور محصول سرکاری بھی از نام عمرو خزانہ سرکاری میں جمع ہوا کرتا ہے اور چند مرتبہ جب زید نے اپنی مملوکہ و مقبوضہ جائداد کی فرد مرتب کرکے داخل سرکار یا عدالت کی ہے تو اس میں بھی اس مکان موہوبہ کو اپنی ملک درج و ظاہر نہیں کیا مگر محاصل مکان مذکور یعنی کرایہ مکان موہوبہ سے کبھی بقدر ربع کبھی ثلث اور کبھی نصف زید مذکور عمرو سے واسطے مصارف خورد و نوش اپنے و اپنے اہل و عیال کے جس میں عمرو و پسر زید بھی شامل شریک تھا لے لیا کرتا تھا، اور عمرو مذکور بلاعذر بخوشی تمام بہ تعمیل حکم اپنے پدر یعنی زید کے جس قدر روپیہ وہ طلب کرتا تھا دے دیا کرتا تھا، اس قسم کے عملدرآمد کے سولہ برس کے بعد زید نے وفات پائی، خالدہ و حامدہ دختران زید کا یہ بیان ہے کہ زید نے کسی مصلحت سے یہ مکان عمرو پسر کے نام درج رجسٹر سرکاری کرا کے قبضہ عمرو کو دے دیا تھا، اور زید کا یہ قول بھی بیان کرتی ہیں کہ اس نے بارہا ظاہر کیا کہ اس نے یہ مکان عمرو کی ملک نہیں کر دیا ہے، زید کے اس قول کے شاہد بجز دختران مذکور زید کے جو وارث اور مستحق متروکہ زید کے بنتی ہیں اور کوئی نہیں ہے، پس ایسی صورت میں از روئے شرع شریف فقہ حنفی یہ مکان موہوبہ تنہا ملک عمرو متصور ہوگا، اور اس کا مالک صرف عمرو قرار پائے گا، یا یہ مکان بھی متروکہ زید متصور ہو کے جملہ ورثاء پر قابل تقسیم ہوگا، بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ مکان تنہا مِلکِ عمرو ہے، زید یا دیگر وارثانِ زید کا اس میں کچھ حق

نہیں، داخل خارج کرادینا اور وہ کارروائیاں کہ سوال میں مذکور ہیں قطعاً دلیلِ تملیک ہیں، اور ثبوتِ ہبہ کے لئے کافی ووافی ہیں، ردالمحتار میں ہے:

اذا دفع لابنہ مالافتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک، بیری، قلت فقد افاد ان التلفظ بالایجاب و القبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک[1] اھ مافی الشامی قلت و مثل مافی بیری فی احکام الصغار فی الباب السادس من الھندیۃ کلیھما عن الملتقط۔

جب بیٹے کو مال دیا اور اس نے تصرف کیا تو وہ مال باپ کا ہوگا ہاں یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو تملیک پر دلالت کرے تو بیٹا مالک ہوگا، بیری، میں کہتا ہوں، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب وقبول لفظاً ضروری نہیں بلکہ تملیک کا کوئی قرینہ کافی ہے، شامی کا بیان ختم ہوا، میں کہتا ہوں مثل بیری کے احکام الصغار اور ہندیہ کے چھٹے باب کا بیان ملتقط سے منقول ہے۔ (ت)

زید کا عمرو سے روپیہ مانگنا اور عمرو کا دینا کچھ منافی تملیک نہیں ہوسکتا جیسے عمرو ابتداءً مالکِ مکان ہوتا اور باپ کو اس کے مانگنے پر بلکہ بے مانگے اس کا کرایہ دیا کرتا، اور حامدہ وخالدہ کا وہ بیان محض دعوٰی ہے اور کوئی دعوٰی بلادلیل مقبول نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں ہے:

لویعطی الناس بدعوٰیھم لذھبوا بدماء الناس واموالھم ولکن البینۃ علی من یدعی[2]

محض دعووں کی بناء پر لوگوں کو دیا جائے تو لوگ عوام کا مال اور جان لوٹ لیں گے، لیکن مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے (ت)

بلکہ بعد ثبوت تملیک اگر زید کا انکار ثابت بھی ہوجائے تو اصلاً نہ مفید نہ قابل اعتبار کہ بعد تمامی ہبہ، ہبہ للولد سے والد کو رجوع کا اختیار نہیں لان المحرمیۃ مانعۃ (کیونکہ محرم ہونا مانع ہے۔ ت) نہ بعد عقد کوئی بلابینہ اس کے فرضی ہونے کا دعوٰی کرسکتا ہے،

لان من سعی فی نقض ماتم من جھۃ فسعیہ مردود علیہ

جو شخص اپنے تام کئے ہوئے کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہے،

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] کنزالعمال بحوالہ ق عن ابن عباس حدیث ۱۵۲۹۶ و ۱۵۲۹۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۱۹۰

کما فی الاشباہ[1] والدر وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ الاشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی زوجہ سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بالغ موجود ہیں اور زوجۂ اولٰی نے قضاء کی، زید نے نکاحِ ثانی کیا، اس سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں، زید نے زوجۂ ثانیہ کے نام ایک مکان پختہ کلاں مسکونہ لکھ دیا، اولاد زوجۂ ثانیہ کی دو لڑکیاں بالغ جن کی شادی ہوگئی اپنے گھروں پر موجود ہیں، اور دو لڑکے ایک سات برس کا اور دوسرا پانچ برس کا نابالغ ہیں، زید ان دونوں نابالغوں کو اپنی کل جائداد بقیہ لکھتا ہے، زید کا کچھ مال یا نقد سوائے اس جائداد کے باقی نہ رہے گا۔ اس صورت میں زید کی خدمت اور نابالغوں کی پرورش کون کرے گا اور کس چیز سے ان کا خرچ کیا جائے گا اور تجہیز وتکفین کون کرے گا، کون حصہ پائے گا، اور کون خدمت گزار رہے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر وہ اپنی بقیہ جائداد بلاتقسیم ان دونوں کے نام ہبہ کردے گا جب تو ہبہ ہی صحیح نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لووھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا[2]۔

اگر دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو صحیح ہے اور اس کا عکس صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر تقسیم کرکے ہبہ کرے گا یا بعد ہبہ تقسیم کردے گا یا بلاتقسیم ان کے نام بیع کرے گا تو ان صورتوں میں وہ لڑکے ضرور مالک ہوجائیں گے مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[3]۔

جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائیگا۔

پھر اگر زید اس بلائے عظیم کو اوڑھ لے تو بچوں کے خورد ونوش سے سوال کے کوئی معنی نہیں، وہ بچے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

[2] درمختار کتاب الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] سُنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء سنۃ النبویہ سرگودھا ص ۱۹۸

مالکِ جائداد ہوجائیں گے، اُن کے مصارف اُن کے مال سے ہوں گے جسے ان کا باپ ولایۃً صرف کرے گا اور زید کہ اب فقیر ہوگیا وہ بھی بقدرِ کفایت اپنا کھانا پہننا اس سے کرسکے گا،

قال تعالیٰ من کان فقیرا فلیأکل بالمعروف ومن کان غنیا فلیستعفف[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو ولی فقیر ہو وہ بھلائی کے طور کھائے اور جو غنی ہو تو وہ عفت اختیار کرے۔ (ت)

رہا اس کا کفن دفن وہ اس کے مالدار وارثوں پر ہوگا،

لان کفن المیت علی من کانت نفقتہ علیہ اعتبار الکسوۃ الممات وسکناہ بکسوۃ الحیات وسکناہ کما فی ردالمحتار وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیونکہ میّت کا کفن اس شخص کے ذمہ ہے جو اس کے نفقہ کا ذمہ دار تھا، مردوں کی سکونت ولباس کو زندوں کے سکنہ ولباس پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶

یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب اپنا مکان اپنی اولاد پر ایک عرصہ سے اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہے اور اس کے وارث حسب ذیل تھے، ایک لڑکی ہندہ اور زید، بکر، عمرو تین لڑکے۔ جن میں سے ہندہ نے انتقال کیا اور قبل انتقال اس نے کہا کہ میرا حصہ میرے بھائی مسمّی عمرو کو ملنا چاہئے، اور مسماۃ زینب اصل مالکہ مکان ابھی زندہ ہے اور وہ خود چاہتی ہے کہ ہندہ کا حصہ عمرو کو دیا جائے، تو ایسی حالت میں کتنا زید کتنا بکر کتنا عمرو کو حصہ ملنا چاہئے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تینوں کو برابر ملنا چاہئے، ہندہ کا کوئی حصہ نہ تھا نہ اُس کی وصیت کا کچھ اثر، ہاں اگر زید وبکر راضی ہوں تو جتنا حصہ چاہیں ہندہ کا قرار دے کر عمرو کو زیادہ دے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷ تا ۱۱۲

از رامپور گھیر نجوخاں مرسلہ حافظ قرۃ العین صاحب امام مسجد ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک مسماۃ عمر تخمیناً ۸۰ سال سے اکثر عبر بکر جو عرصہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶

بعوارض مختلفہ بیمار تھی اور محض لاولد اور صاحب جائداد منقولہ وغیر منقولہ تخمیناً پندرہ سولہ ہزار روپیہ کے انتقال سے قبل تخمیناً دو ماہ بعارضہ بخش واسہال مبتلا ہو کر اسی میں انتقال ہوگیا، ایک اس کی حقیقی بہن یعنی متوفیہ کی میرٹھ میں اس کے پاس رہا کرتی تھی اور ایک بہن اور ایک بھائی حقیقی شہر رامپور میں رہتے ہیں، اس بہن نے جو میرٹھ میں رہتی ہے بطمع مال واسباب وجائداد رامپور والے بھائی بہن کو اس مرض موت وانتقال سے خبر نہ کی، اور ایک ہبہ نامہ متوفیہ کی طرف سے اس حالت مرض میں جان کر کہ یہ جانبر نہ ہو سکے گی اپنی ایک پوتی اور ایک نواسی کہ ہر دو نابالغ ہیں ہبہ نامہ تحریر کرا کر اپنے میل کے دو آدمیوں سے کہ وہ محض اجنبی تھے اور کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے رشتہ دار متوفیہ کا بنا کر بغرض شہادت ذریعہ کمیشن گھر بلا کر تصدیق کرادیا اور ہبہ نامہ میں ایک مکان مسکونہ کہ جو اس متوفیہ کا تھا اور تا دم مرگ اسی مکان میں مع مال واسباب رہی اور ایک مکان مع چہار دکاکیں کہ جو تحت میں پشت پر واقع ہیں اور انھیں کی چھت پر مکان بنا ہوا ہے اور ان دکانوں میں ایک مدت سے کرایہ دار متوفیہ کی طرف سے چلے آتے ہیں، اس سب جائداد جزو کل کا ایک ہبہ نامہ مشاع دونوں نابالغوں کے نام مالیت پانچ ہزار روپیہ قرار دے کر بولایت اپنے اس بہن نے جو پاس متوفیہ کے رہا کرتی تھی تصدیق کرادیا بشہادت انھیں اشخاص کے جن کو رشتہ دار متوفیہ کا بنایا تھا، اور خود سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر بعد وفات اپنی بہن کے قابض بن بیٹھی، دوسرے روز مرنے سے متوفیہ کے چند اشخاص کہ جو بتقریب شادی سرکار والی ریاست رامپور کے آئے تھے ان سے خبر متوفیہ کے بھائی کو معلوم ہوئی، بھائی بمجرد سننے خبر فوت بہن کے تیسرے روز سوم کے وہاں پہنچا تو یہ کارروائی دیکھی اور سنی کہ ہبہ نامہ لکھا گیا، اور ہم دونوں بہن بھائی کی حق تلفی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

پس علمائے دین سے اب سوال یہ ہے کہ یہ ہبۂ مشاع جائز ہے یا ناجائز؟، اور ثانی نانی نے نابالغوں کی طرف سے ولی بن کر قبضہ کیا باوجودیکہ باپ نابالغہ کا وہیں میرٹھ میں موجود ہے، یہ قبضہ کر لینا نانی کا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

سوم یہ کہ پوتی اس کی رامپور میں اپنی ماں کی پرورش میں ہے بغیر اطلاع وبلا اجازت پوتی اور رہونے ماں کے قبضہ دادی کا صحیح ہے کہ نہیں؟

چہارم یہ کہ وہ متوفیہ اپنے مکان مسکونہ میں تادم حیات مع مال واسباب اپنے کے رہی، تادم مرگ خالی نہیں گیا، اس صورت میں قبضہ ہوگیا یا نہیں؟

پنجشم یہ کہ بعض جائداد موہوبہ پر اگر قبضہ ہوجائے اور بعض پر نہ ہو تو موجب نقصان ہبہ ہے یا نہیں؟

جلد ۱۹

ششم[۶] یہ کہ اگر مکان مسکونہ میں متوفیہ تادمِ حیات خود رہی بعد تحریر ہبہ نامہ کے اور باقی مکان دکاکین میں اسی متوفیہ کے کرایہ دار تھے اور کوئی امر جدید جو موجب قبضہ ہوتا تاحیات متوفیہ عمل میں نہیں آیا تو موجب بطلان ہبہ ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ ہبہ جزءً وکلاً تمام وکمال باطل اور بے اثر محض ہے وہ سب جائداد متروکہ عورت ہے اُس کے وارثوں پر حسب فرائض تقسیم ہو گی بہن کی پوتی نواسی اس میں سے اس عقدِ تحریر کی بنا پر ایک حبہ نہیں پاسکتیں، نہ از روئے ہبہ، نہ بروئے وصیت کہ مرض الموت کا ہبہ اگرچہ حکماً وصیت ہے، حقیقۃً ہبہ ہے اگر موہوب لہٗ کے قبضہ تامہ شرعیہ سے پہلے واہب کا انتقال ہوجائے باطل محض ہوجاتا ہے، ہندیہ میں محیط سے ہے:

قال فی الاصل ولاتجوز هبة المریض ولاصدقته الامقبوضة فاذا قبضت جازت من الثلث واذا مات الواهب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم ان هبة المریض هبة عقد ولیست بوصیة واعتبارها من الثلث ماکانت لانها وصیة معنًی لان حق الورثة یتعلق بمال المریض وقد تبرع بالهبة فیلزم تبرعه بقدر ماجعل الشرع له وهو الثلث واذاکان هذا التصرف هبة عقدا شرط له سائر شرائط الهبة ومن جملة شرائطها قبض الموهوب له قبل موت الواهب[۱]

اصل میں فرمایا ہے مریض کا ہبہ یا صدقہ صرف وہی صحیح ہوگا جس پر اس نے قبضہ دے دیا ہو، تو جب قبضہ دے دیا تو اس کے تہائی مال سے جائز ہوگا اور اگر وہ قبضہ دینے سے پہلے فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہوجائے گا، یہ جاننا ضروری ہے کہ مریض کا ہبہ عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور اس میں تہائی مال تک جتنا بھی اس کا اعتبار ہے اس لئے ہے کہ وہ معنًی وصیت ہے اس لئے کہ اس کے مال سے ورثاء کا تعلق ہے اور ہبہ کرکے تبرع کیا ہے تو تبرع میں اتنا ہی دیا جاسکتا ہے جتنا شریعت نے اس کو حق دیا ہے اور وہ تہائی حصہ ہے اور جب مریض کا یہ تصرف عقد کے لحاظ سے ہبہ ہے تو اس میں ہبہ کے شرائط معتبر ہوں گے جبکہ اس کے جملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے قبل موہوب لہٗ کا قبضہ ہو۔(ت)

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب العاشر فی ہبۃ المریض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۰۰

یہاں جبکہ جائداد قابلِ قسمت ہے اور دو شخصوں کو بلاتقسیم ہبہ کی گئی ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے، تنویر میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا۔[1]

دو افراد نے ایک شخص کو مکان دیا تو صحیح ہے اور اس کا عکس ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

للشیوع فیما یحتمل القسمۃ۔[2]

قابلِ تقسیم چیز میں شیوع کی وجہ سے (ت)

اور جبکہ تسلیم بالتقسیم سے پہلے واہبہ نے انتقال کیا ہبہ بالاجماع باطل ہوگیا

ای علی مذھبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ واشار بالاجماع الی ارتفاع النزاع فی ان ھبۃ المشاع فاسدۃ تفید الملك بالقبض ام باطلۃ فلا تفید اصلا وذلك لان الموت قبل التسلیم مبطل اتفاقا ولوھبۃ صحیحۃ فضلا عن فاسدۃ۔

یعنی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر اور اجماع کا اشارہ اس لئے کیا کہ مشاع چیز کا ہبہ فاسد ہو تو قبضہ کے ساتھ مفید ملك ہوگا یا وہ باطل ہو تو ملکیت کیلئے اصلاً مفید نہ ہوگا اس بات میں نزاع ختم ہو گیا، یہ اس لئے ہے کہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو بالاجماع باطل کردیتی ہے اگرچہ ہبہ صحیح ہو تو فاسد کا ذکر ہی کیا رہا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم ولو قبلہ بطل۔[3]

میم سے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد مراد ہے اور موت قبل از تسلیم ہو تو باطل ہوجائے گا۔ (ت)

سوال اول کا جواب ہوگیا بلکہ یہاں اسی قدر کافی تھا۔

دوم نابالغہ نواسی اگر نانی کے پاس رہتی تھی نانی کے قبضہ میں تھی تو جو ہبہ اس کے لئے ہوا

---

[1] درمختار | کتاب الھبۃ | مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۶۱
[2] درمختار | " | " | ۲/ ۱۶۱
[3] " | کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ | " | ۲/ ۱۶۱

نانی کا اس پر قبضہ جائز و موجب تمامی ہبہ تھا، اگر ہبہ مشاع نہ ہوتا اس صورت میں باپ کا اسی شہر میں موجود ہونا نانی کے قبضہ کا مانع نہیں، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی، ہاں اگر نواسی اس کے قبضہ میں نہ ہو تو باپ کے ہوتے نانی وغیرہ کسی کا قبضہ جائز نہیں۔ دُرمختار میں ہے:

ان وھب له اجنبی تتم بقبض ولیه وھو الاب ثم وصیه ثم الجد ثم وصیه وان لم یکن فی حجرھم وعند عدمھم تتم بقبض من یعوله کعمه واجنبی لو فی حجرھما والا لا لفوات الولایة لکن فی البرجندی اختلف فیما لو قبض من یعوله والاب حاضر فقیل لایجوز والصحیح ھو الجواز[1]

اگر نابالغ کو اجنبی نے ہبہ دیا تو اس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ تمام ہوجائے گا، ولی ترتیب وار، باپ پھر اسکا وصی پھر دادا پھر اسکا وصی اگرچہ بچہ انکے پاس نہ ہو اور اگر مذکور لوگ نہ ہوں پھر جس نے بچے کو اپنا عیال بنایا بشرطیکہ بچہ ان کے پاس ہو مثلاً چچا اور کوئی اجنبی کہ اس کے قبضہ سے بچے کے لئے ہبہ تمام ہوگا اگر مؤخر الذکر لوگوں کے پاس بچہ نہ ہو تو ان کا قبضہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں ان کو ولایت نہیں ہے، لیکن برجندی میں ہے کہ عیال میں لینے والا بچے کے والد کی موجودگی میں قبضہ کرے تو اختلاف ہے، بعض نے کہا جائز نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

اختلف المشائخ فیه والصحیح الجواز ھکذا فی فتاوی قاضی خان وبه یفتی ھکذا فی الفتاوی الصغری[2]

اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، فتاوٰی قاضیخان میں یونہی ہے، اور فتاوٰی صغرٰی میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

سوم پوتی کہ ماں کی پرورش میں ہے اُس کے ہبہ پر دادی کا قبضہ جائز نہیں اگرچہ اسی شہر میں ہو کما تقدم عن الدر من قوله والا لا لفوات الولایة (جیسا کہ درمختار میں گزرا کہ عیال میں ہو تو جائز ورنہ نہیں کیونکہ ولایت نہ پائی گئی۔ ت)

---

[1] درمختار — کتاب الہبۃ — مجتبائی دہلی — ۲/۱۶۰
[2] فتاوی ہندیۃ — کتاب الہبۃ الباب السادس — نورانی کتب خانہ پشاور — ۴/۳۹۳
[3] درمختار — کتاب الہبۃ — مجتبائی دہلی — ۲/۱۶۰

چہارم[2] اس صورت میں قبضہ نہ ہوا، درمختار میں ہے:

الموھوب ان مشغولا بملك الواھب منع تمامھا۔[1] | کہ موہوب جب ملک واہب میں مشغول ہو تو تمامی ہبہ سے مانع ہوتا ہے (ت)

پنجشم[2] دو موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ مستقلہ اگر بغیر دوسرے پر قبضہ کے ہوجائے تو جس پر قبضہ ہوا اس کا ہبہ تمام ہوگیا، اور اگر دو شخصوں کو ہبہ مشاع تھا یا ایک شَے دوسرے کی جُز یا اس سے مثل جز متصل یا مشغول ہے تو اس پر قبضہ، قبضہ نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

لووھب دارا فیھا متاع الواھب وسلم الدار الیہ اوسلمھا مع المتاع لم تصح، ولووھب المتاع دون الدار وخلی بینہ وبینہ صح، وان وھب لہ الدار والمتاع جمیعا وخلی بینہ وبینھما صح فیھما جمیعا، وان فرق فی التسلیم، نحوان یھب احدھما وسلم ثم وھب الاٰخر وسلم ان قدم ھبۃ الدار لاتصح وفی المتاع تصح وان قدم ھبۃ المتاع فالھبۃ صحیحۃ فیھما جمیعا ولووھب الارض دون الزرع او الزرع دون الارض وخلی لم تصح فی الوجھین لان کل واحد منھما متصل لصاحبہ اتصال جزء بجزء فصار بمنزلۃ ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ، ولو وھب

اگر ایسے مکان کا ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان موجود ہے اور مکان یا مکان مع سامان کا قبضہ دیا تو صحیح نہ ہوگا، اور اگر سامان صرف ہبہ کیا اور واہب نے سامان کا تخلیہ موہوب لہ کو کر دیا تو ہبہ صحیح ہوگا، اور اگر مکان مع سامان ہبہ کیا اور تخلیہ کردیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا اور مکان اور سامان کا ہبہ نہ کیا بلکہ یکے بعد دیگرے کیا تو اگر پہلے مکان ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا تو مکان میں ناجائز اور سامان میں جائز ہوگا اور اگر پہلے سامان ہبہ کرکے اس کا قبضہ دے دیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا ـــــ اگر زمین کا بغیر فصل یا فصل کا بغیر زمین ہبہ کیا اور قبضہ کیلئے تخلیہ کردیا ہو تو دونوں صورتوں میں ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ زمین اور اس پر فصل کا اتصال جزئیت والا ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہے، اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ ہبہ کیا

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

کل واحد منھما علیحدۃ ان جمع فی التسلیم جازت فیھما وان فرق لاتجوز فیھما ایھما قدم کذا فی السراج الوھاج[1] (ملخصاً)۔

اور قبضہ دونوں کا معاً دیا تو دونوں کا ہبہ جائز ہوگا اور قبضہ علیحدہ علیحدہ دیا دونوں کا ہبہ درست نہ ہوگا خواہ دونوں میں جس کو چاہے مقدم موخر کرے، سراج الوہاج میں یوں ہے (ملخصاً) (ت)

ششم ہاں اس صورت میں قبضہ نہ ہُوا اور قبل قبضہ موت موجب بطلانِ ہبہ ہے، درمختار اور ردالمحتار میں ہے:

فی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ داراً والاب ساکنھا ولو وھب طفلہ دارا یسکن فیھا قوم بغیر اجر جاز ویصیر قابضا لابنہ لا لوکان باجر[2] (ملخصاً)، واللہ تعالٰی اعلم۔

الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے الّا یہ کہ باپ اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کرکے خود سکونت پذیر بھی ہو تو جائز ہے، اگر نابالغ بیٹے کو باپ نے مکان ہبہ کیا جبکہ اس میں کوئی غیر سکونت پذیر ہے اگر یہ سکونت پہلے سے بغیر اجارہ ہے تو ہبہ جائز ہوگا باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہوجائے گا، اور غیر کی وہ سکونت اجارہ کے طور پر ہے تو ہبہ صحیح نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: از کانپور مرسلہ کریم احمد معرفت عم او نبی احمد سوداگر عطر بازار کلاں بریلی
۹ رجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ذاتی روپے سے ایک قطعہ مکان اپنی اہلیہ کے نام خرید کیا تھا اور بیعنامہ اپنی بی بی کے نام لکھوایا نہ اپنے نام سے بعد خریداری مکان زید اور اس کی بی بی نے ایک ساتھ مکان مذکور کے بالاخانہ پر سکونت اختیار کی اور مکان مذکورہ کے کل حصہ زیریں میں زید کا تجارتی مال ہمیشہ رہا کیا اور اب تک موجود ہے، خریداری مکان سے عرصہ تین سال کے بعد ہاؤس ٹیکس جاری ہوا رجسٹر ہاؤس ٹیکس کے خانہ ملکیت میں زید نے اپنا نام خود درج کرایا اور ٹیکس کا روپیہ بھی تاحینِ حیات خود ادا کرتا رہا، اور مرمت مکان بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰
[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹
ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰

اپنے صرفِ ذاتی سے خود کرتا رہا، اب زید کا انتقال ہوگیا، بموجب حکم شرع شریف کے وہ مکان مملوکہ خاص زوجہ زید کا ہوگا یا یہ کہ زید کے سب ورثہ میں مشترک ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر زید نے وقتِ ایجاب وقبول بیع بنام زوجہ کرائی مثلاً بائع سے کہا یہ مکان میں نے اپنی بی بی کے نام خریدا بائع نے کہا میں نے تیری بی بی کے ہاتھ بیچا جب تو اس مکان کی مالک زوجہ ہوئی جبکہ زوجہ نے وہ بیع اپنے نام جائز رکھی، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع لفلان فقال بعتہ لفلان توقف، بزازیۃ وغیرھا۔[1]

اگر غیر کے لئے کوئی چیز خریدی اور خریداری کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ خریدار کی ہوگی، اگر یہ کہہ کر غیر کی طرف منسوب کی کہ یہ چیز فلاں کے لئے بیع کر، اور جواب میں دُوسرا کہے میں نے یہ فلاں کے لئے بیع کی، تو اس غیر کی اجازت پر موقوف رہے گی، بزازیہ وغیرہ۔ (ت)

اور اگر زید نے خریداری زوجہ کے نام نہ کی پھر بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھا دیا تو مالک زید ہوا اور بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھانا زوجہ کے لئے ہبہ کرنا ہے قبضہ تمام نہیں ہو سکتا، اور جبکہ زید خود بھی اس مکان میں رہا اور اپنا اسباب رکھا اور کبھی خالی کرکے زوجہ کو قبضہ نہ دیا یہاں تک کہ مرگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، مکان ملکِ زید ہے، حسبِ فرائض ورثائے زید پر منقسم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلا لملک الواھب لامشغولا بہ۔[2]

ہبہ کامل قبضہ سے تام ہوتا ہے اگرچہ موہوب شاغل بملک واہب ہو، اور اگر موہوب چیز واہب کی ملک میں مشغول ہے تو تام نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

"م" سے مراد فریقین میں سے ایک کی موت بعد قبضہ ہے اور اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ " ۲/ ۱۵۹

[3] " " باب الرجوع فی الھبۃ " ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۱۱۴: از کانپور مچھلی بازار آوردہ محمد شریف صاحب ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے اپنی حیات میں جو جائداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائداد پر بکر قابض رہا اور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا، بکر نے جو جائداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کرائی تھی اس کی از سرِ نو تعمیر ومرمت بکر نے اپنے روپے سے کی جیسے اپنی جائداد کی کرتا تھا، کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام جائداد کا نہیں رکھا، بکر تجارت پیشہ تھا اور اس کی تجارت کا مقام کلکتہ میں تھا اور جائداد دوسرے مقام میں تھی، بکر نے انتظام جائداد غیر منقولہ کل وصولیت کرایہ ومرمت واز سرِ نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائداد کی مرمت وکرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جائے، کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائداد کے ایسے ہیں جن کا بکر سے تجارتی کاروبار تھا، ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ وآمد مال بکر کا ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتہ میں لکھا اور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیا، اور بکر نے کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چٹھا کے بنائیں اور اس میں کل جائداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام سے اس کی قیمت لکھی، اور جو روپیہ نقد واز قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا دینا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا، بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اور اپنے وارثان چند لڑکے اور لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا، اب بحکم شرع شریف وہ جائداد جو ان دو پسروں کے نام سے ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہوگی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے ہیں؛ فقط۔

الجواب

بکر نے اگرچہ جائداد خریدی مگر آپ خرید کر اپنے دو بچوں کے نام بیعنامہ کرانا اس کی طرف سے ان کے لئے ہبہ ہے، منح الغفار و ردالمحتار میں ہے:

اشتری لھا فی صغرھا او بعد ما کبرت وسلم الیھا وذٰلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ۔[1]

بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے کوئی چیز والد نے خرید کر قبضہ دے دیا اور والد نے یہ عمل اپنی صحت وتندرستی میں کیا تو ورثاء کا اس چیز پر کوئی دخل نہ ہوگا وہ خالص بیٹی کی ہوگی (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

سائل نے زبانی اظہار کیا کہ وُہ جائداد جو بچّوں کے نام خریدی دو مکان ہیں ہر ایک بڑا اور قابلِ تقسیم ہے اور ہر ایک میں دونوں لڑکے بلاتقسیم شریک رکھے گئے ہیں، ایسا ہے تو یہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع باطل ہے، جب بکر بلاتقسیم بے قبضہ بعد تقسیم دینے کے مرگیا ہبہ معدوم محض ہوگیا، اور ان مکانوں میں بچّوں کا کوئی حق سوائے وراثت نہ رہا۔ تنویر الابصار میں ہے:

اثنان دارالواحد صح و بعکسہ لا۔[1]

اگر دو افراد نے اپنا مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو یہ صحیح ہے اگر اس کا عکس ہو تو صحیح نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں علامہ خیر رملی سے ہے:

لافرق بین ان یکونا کبیرین اوصغیرین اواحدھما کبیرا والاٰخر صغیرا۔[2]

دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یا ایک بالغ دوسرا نابالغ، ان سب صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل۔[3]

"م" سے مراد "فریقین میں سے ایک کی بعد از قبضہ موت ہے" اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ زبانی خریداری میں بچّوں کا نام نہ لیا اپنے لئے یا مطلق خریدا اور بیع نامہ میں بچّوں کا نام لکھا دیا کہ اس صورت میں مِلک بکر کی ہوئی اور ان کے نام کرادینا بکر کی طرف سے ان کو ہبہ اور عام طور پر یہی طریقہ رائج ہے، ہاں اگر یہ صورت ہوئی ہو کہ نفس گفتگوئے خریداری میں بچّوں کے نام خریدا مثلاً بائع سے کہا یہ مکان اتنی قیمت پر میرے ان دو بچّوں کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کئے، اس نے کہا میں نے ان کی طرف سے قبول کئے، تو اس صورت میں اصل بیع ان دونوں کے نام ہوئی اور وہی اصالۃً ان مکانوں کے مالک ہوئے، زرِ ثمن کہ بکر نے اپنے پاس سے ادا کیا وہ تبرع و احسان ہوا جس کا معاوضہ نہیں، اس تقدیر پر بیشک دونوں مکان مِلکِ نابالغان ہیں اور تمام کاروبار کاغذاتِ حساب وکتاب میں بکر کا ان کو اپنی مِلک سے جُدا نہ شمار کرنا کچھ مضر نہیں کہ بحکمِ ولایت اسے اس کا

---

[1] درمختار | کتاب الہبہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۶۱
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۵۱۴
[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۶۱

اختیار تھا یہاں تک کہ متولی وقف کو بوجہ ولایت ہی اپنی ملک سے تعبیر کرتا ہے، وکیل ملک موکل کو اپنی ملک کہتا ہے، عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسہ ثم ادعی انہ وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیۃ بسبب التولیۃ یحتمل التوفیق لان فی العادۃ یضاف الیہ باعتبار ولایۃ التصرف والخصومۃ۔[1]

اگر محدود زمین پر اپنا دعوٰی کیا اور پھر بعد میں اس زمین کے وقف ہونے کا دعوٰی کیا تو اس صورت کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اپنی تولیت میں وقف کا دعوٰی کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادۃً وقف تصرف اور خصومت میں متولی کی طرف منسوب ہوتا ہے (ت)

اور اگر فرض کیجئے کہ اس سے بحر کی مراد ان مکانوں کا خود مالک بننا ہی تھا، جب اصل گفتگوئے بیع لڑکوں کے نام ہوئی ان کی ملک ثابت ہوگئی، پھر بحر اسے اپنے نام کیونکر منتقل کرسکتا ہے، اس صورت میں مکان وراثت سے بری ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵: مستفسرہ عبداللہ صاحب بہاری بروز چہارشنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے کی شادی ہوئی، قریب عمر ۹، ۱۰ برس کے تھی، نکاح کی اجازت لڑکی کے والد نے دی اور اس برات میں آپس میں نزاع ہوگئی، نکاح دو دن نہیں ہوا، تیسرے دن وقت ۱۰ بجے دن کے نکاح ہوا، بعد مغرب ۸ بجے رات کو رخصت لڑکی کو کرکے ۹ بجے واپس چلی گئی، بعد دو سال کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، بروقت جنازہ تیار ہونے کے لڑکی کے باپ نے مہر معاف کیا، اب جو مال یعنی زیور جو لڑکے کے والد نے شادی میں چڑھایا تھا وہ طلب کرتا ہے تو لڑکی کا والد کہتا ہے کہ میرا مہر دو جب دوں گا، اب اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟ شرع سے جو حکم ہو وہ تحریر ہوجائے۔

الجواب

اگر لڑکی نابالغہ تھی اور باپ نے مہر معاف کیا تو یہ معافی محض باطل ہے اور مہر کا اپنی دختر کیلئے اسے مطالبہ پہنچتا ہے، یونہی اگر وقت معافی مہر دختر بالغہ تھی اور باپ نے اس کی اجازت کے بغیر معاف کیا نہ بعد معافی عورت نے اسے جائز کہا، جب بھی مہر معاف نہ ہوا، اور مطالبہ صحیح ہے، ہاں اگر وقت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

معافی دختر بالغہ تھی اور اس کی اجازت سے باپ نے معاف کیا یا بعد کو اُس نے یہ معافی منظور کر لی تو مہر معاف ہوگیا اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اب اس کے لئے چڑھاوا روک سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۶ از شاہجہان پور محلہ بارہ زئی مرسلہ جناب عبدالغنی صاحب ۱۷ شعبان ۱۳۳۲ھ

زید نے اپنے حینِ حیات وصحت ذات وثبات عقل میں چند ظروف مسی وغیرہ پر اپنے بیٹے عمرو کا نام کندہ کرادیئے اور ظاہر کیا کہ یہ عمرو کے واسطے ہیں، چند مدت کے بعد زید مرگیا، اب وہ ظروف وغیرہ جن پر نام کندہ کئے ہوئے ہیں آیا مال متروکہ مشترکہ میں شامل ہوکر سب وارثوں میں تقسیم ہونگے یا وہ ظروف مستثنٰی کر کے تقسیم ہوگی؟

الجواب

اگر عمرو وقتِ ہبہ نابالغ تھا ہبہ تمام ہوگیا اور وہ ظروف ملکِ عمرو ہونگے، ترکہ میں شامل نہ ہوں گے، یونہی اگر عمرو بالغ تھا اور زید نے وہ برتن خالی کر کے اس کے قبضہ میں دے دیئے جب بھی وہ متروکہ نہیں، ملک عمرو ہیں، ہاں اگر اس وقت عمرو بالغ تھا اور زید نے ان ظروف کو عمرو کے قبضہ تامہ میں نہ دیا یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، ظروف مثل باقی متروکات ورثہ پر تقسیم ہوں گے والمسائل مشھورۃ وفی عامۃ الکتب مسطورۃ (اور یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں موجود ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷ از چندوسی ضلع مرادآباد، سرتاج علی خاں طالب علم درجہ نہم (الیس۔ ایس۔ ایم) ہائی اسکول چندوسی ۴ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

ایک مسماۃ نے اپنا چھٹا حصہ جو کہ شرعاً اس کے بیٹے کے ترکہ میں سے اس کی موجودگی میں مرجانے کی وجہ سے نکلتا تھا یہ صحتِ نفس وثبات عقل اپنے یتیم پوتوں اور بیوہ بہو پر از راہِ شفقت بخشش کیا اور قبضہ مالکانہ بھی دلادیا، اب اس کا بیٹا یعنی اس کے پوتوں کا چچا اس چھٹا حصہ کو مانگتا ہے اور مسماۃ کے انتقال کو عرصہ ۴ برس کا ہوا، دریافت طلب امر ہے کہ شرع نے اس حق درحق کی میعاد کتنی مقرر کی ہے یعنی کتنے دنوں تک یہ حق لیا جاسکتا ہے؟

الجواب

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ اس کا چھٹا حصہ کیا[1] ہے اور اس[2] کا چھٹا حصہ کہ عورت کو پہنچا تھا پوتوں اور بہو پر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ میں جتنا ٹکڑا پڑے قابلِ انتفاع رہے گا یا نہیں، اور

عورت نے اس کے جدا جدا ٹکڑے کرکے ہر موہوب لہ کو الگ الگ قابض کرایا یا مجموعی حالت میں ان سب کو ہبہ کیا، اور وہ پوتے بالغ ہیں یا بعض یا سب نابالغ، اور جو نابالغ ہیں کس کی پرورش میں ہیں، اور ان کی طرف سے کس نے قبضہ کیا، اور وہ بہو اور پوتے سب صاحب نصاب ہیں یعنی ان میں ہر ایک چھپن روپے یا زیادہ کے مال کا مالک ہے یا بعض صاحب نصاب ہیں بعض فقیر یا سب فقرا، اور یہ چھٹا حصہ کہ اس نے ہبہ کیا باقی جائداد میں ملا ہوا تھا یا الگ کرلیا تھا، ان تمام باتوں پر جدا احکام ہوں جن کی تفصیل میں طول ہے اور سائل کی غرض صرف ایک صورت سے متعلق ہوگی، لہٰذا ان آٹھوں باتوں کا جواب مفصل بیان لکھنے پر اس خاص صورت کا جو حکم ہوا بتایا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸ از شہر کہنہ، مسئولہ سید نور اللہ محرر دار الافتاء بروز دوشنبہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

(زید نے اپنے بیٹے بکر کے نام ایک مکان لکھا) بکر سے بحالت مرض الموت بکر کے اس کو رنج دے کر طوعًا و کرہًا بکر کے نام کا مکان زید نے اپنی دوسری زوجہ غیر کفو کے نام لکھا دیا، کیا یہ ہبہ جائز ہے یا فاسد؟

الجواب

اگر بکر کے نام کا ہبہ صحیح اور قبضہ خالصہ سے تام ہوگیا تھا تو یہ ہبہ بے رضائے مالک ہوا باطل ہے اگر مالک بے اجازت مرگیا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹ از بجنور مرسلہ مولوی محسن علی خاں صاحب منصف ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زیور نقرئی و طلائی اور ظروف دیگر و سامان اس نیت و ارادہ سے تیار کرایا کہ وہ اپنی دختر ناکتخدا کے عقد نکاح کے بعد رخصت کے وقت جہیز میں دے گا، چنانچہ بعض لوگوں کو یہ سامان دکھلا کر یہی بیان بھی کیا مگر قبل اس کے کہ نوبت عقد و رخصت دختر مذکور کی پہنچے اس نے قضا کی، ایسی حالت میں وہ زیور، ظروف و سامان ترکہ متوفی قرار پائے یا دختر مذکور تنہا اس کی مالک و مستحق سمجھی جائے۔

الجواب

کوئی تملیک محض نیت و ارادہ سے نہیں ہوسکتی نہ مجرد اظہار ارادہ کہ میں نے اس لئے بنوائے یا یہ مال فلاں کو دوں گا کوئی اثر ملک پیدا کرسکے۔ اصلاح و ایضاح میں ہے:

الھبۃ ھی فی الشرع تملیک مال للحال بلا عوض[1]

شرع میں فی الحال مال کا بغیر عوض کے مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے (ت)

---

[1] اصلاح و ایضاح

بلکہ اگر دختر اس جہیز کے تیار کراتے وقت بالغہ تھی یعنی اُسے حیض آلیا تھا یا پندرہ سال کامل کی عمر ہو چکی تھی اور جہیز بنوا کر اس کے باپ نے صریح الفاظ تملیک بھی کہہ دئے ہوں، مثلاً میں نے اپنی دختر فلانہ کو اس مال کا مالک کیا، جب بھی از انجاکہ قبضہ دینے سے پہلے اس شخص کا انتقال ہو گیا کہ جہیز پر قبضہ وقتِ رخصت دیا جاتا ہے، یہاں ابھی عقد بھی نہ ہوا تھا وُہ ہبہ باطل محض ہو گیا، بہر حال وہ مال تمام و کمال متروکہ متوفی ہے، ہاں اگر لڑکی اس وقت نابالغہ تھی یعنی نہ اُسے آثار بلوغ پیدا ہوئے تھے نہ پورے پندرہ برس کی عمر ہوئی تھی، اور اس نے اس کے واسطے جہیز بنوایا یا کہا کہ میں نے اسے اس کا مالک کیا، یا یہ اس کا ہے، یا اتنا ہی کہا کہ یہ میں نے اُس کے لئے بنوایا ہے، تو ضرور کل مال یا اس میں سے جس خاص شئی کی نسبت یہ لفظ صادر ہوئے تھے ملک دختر ہے اگرچہ قبضہ دختر نہ ہوا کہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ کافی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اشترٰی ثوبًا فقطعه لولده الصغير صار واهبًا بالقطع مسلما اليه قبل الخياطة ولو كان كبيرا لم يصر مسلما اليه الا بعد الخياطة والتسليم ولو قال اشتريت هذا له صار ملكا له كذا في القنية۔[1]

کپڑا خرید کر کاٹا اور نابالغ بیٹے کو سِلے بغیر دے دیا تو ہبہ ہو گیا اور اگر بالغ بیٹے کے لئے ایسا کیا تو سلائی اور قبضہ دئے بغیر ہبہ نہ ہوگا، اور اگر کہا میں نے بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹے کی ملک ہو جائے گا۔ قنیہ میں یوں ہے (ت)

فتاوٰی ولوالجیہ پھر منح الغفار پھر ردالمحتار اور ینابیع پھر ہندیہ میں ہے:

واللفظ للشامي جهز الاب ابنته ثم بقية الورثة يطلبون القسمة منها فان كان الاب اشترٰى لها في صغرها او بعد ما كبرت وسلم اليها وذٰلك في صحته فلا سبيل للورثة عليه ويكون للبنت خاصة۔[2] والله تعالٰى اعلم۔

الفاظ شامی کے ہیں، والد نے بیٹی کو جہیز دیا اور والد کی وفات کے بعد باقی ورثاء اس جہیز میں حصہ کے طالب ہوئے تو اگر والد نے اپنی صحت میں بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے خرید کر قبضہ دے دیا تھا تو ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اور وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مسئلہ ۱۲۰ تا ۱۲۱: مسئولہ حاجی لعل خاں صاحب، تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حبیبن بی بی وصحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش مرحوم بروز پنجشنبہ ۲ صفر ۱۳۳۴ھ

سوال اول، امیر بخش مرحوم نے بحالتِ حیات کسی مصلحت سے ایک لڑکے مسمی اصغر حسین کو جدا کردیا اور تجارتی مال کا پانچواں حصہ ان کو دے دیا اور چار حصہ یعنی بقیہ کل مال بلاتقسیم اپنے قبضہ میں رکھا اور چار لڑکیاں جو دو محل سے موجود تھیں ان کو کچھ نہیں دیا، آیا ایسی تقسیم شرعًا درست ہے؟ اور باپ کے مال میں کیا لڑکیاں شرعًا حقدار نہیں ہیں؟

الجواب

ایک لڑکے کو پانچواں حصہ دینا باقی بیٹیوں کو نہ دینا اگر اس وجہ سے ہو کہ وہ لڑکا اوروں پر فضل دینی رکھتا ہے تو حرج نہیں کما فی الدر المختار والعالمگیریۃ (جیسا کہ درمختار اور عالمگیریہ میں ہے۔ ت) ورنہ حدیث میں اسے ظلم فرمایا:

اکُلَّ بنیك نحلت مثل ھذا قال لا قال لا تشھدنی علی جور[1]

کیا تو نے تمام بیٹوں کو اس کی مثل عطیہ دیا ہے؟ عرض کی نہیں یارسول اللہ، توآپ نے فرمایا: مجھے ظلم پر گواہ نہ بنا۔ (ت)

مگر یہ امر دیانۃً ہے، قضاءً باقی اولاد اس پر دعوٰی نہیں کرسکتی لان الملك مطلق للتصرف (کیونکہ ملکیت تصرف کی آزادی دیتی ہے۔ ت) نہ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امیر بخش نے بیٹیوں کو محروم کرنا چاہا ہے کہ اس نے اور بیٹوں کو بھی نہ دیا نہ کل مال اصغر حسین کو دے دیا کہ اوروں کا حرمان مفہوم ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

ایضا سوال چہارم

مورث کے مشترکہ ترکہ کو اگر قبل تقسیم کے بعض وارث بلااسترضائے دیگر ورثہ کے کُلًّا یا جُزءً کسی غیر کو ہبہ کردیں تو یہ ہبہ شرعًا درست ہوگا یا نہیں، اگر درست نہیں ہے تو کیا ہمارے بھائیوں پر واجب نہیں ہے کہ اس غلط تقسیم کو مسترد کرکے دوبارہ فرائض کے مطابق ترکہ تقسیم کردیں اور جس کا جس قدر حصہ رسدی ہو اس کو پہنچادیں۔

---

[1] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵
مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر دارالفکر بیروت ۴/ ۲۶۸

الجواب

مال مشترک اگر غیر قابل قسمت ہے اور اس نے صرف اپنا حصہ ہبہ کیا تو صحیح و نافذ ہوگیا، باقی ورثہ اپنا حصہ اُس میں سے لے سکتے ہیں اور اگر وہ کل شئی مشترک ہے اور ایک شریک نے کسی کو ہبہ کردی تو اس کے اپنے حصہ میں ہبہ نافذ ہوگیا اور دوسرے شرکاء کے حصوں کا ہبہ ان کی اجازت پر موقوف رہا، اگر وہ عاقل بالغ ہوں ورنہ باطل،

لانہ عقد صدر من فضولی ولا مجیز لہ وقت العقد۔ کیونکہ یہ عقد فضولی سے صادر ہوا جبکہ عقد کے وقت اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہ تھا(ت)

اور اگر وہ شے قابلِ قسمت ہے اور اُس نے اپنا حصہ قبل تقسیم ہبہ کیا تو وہ ہبہ محض بے اثر ہے کہ قبضہ سے بھی مفید ملک نہ ہوگا مگر اُس کا فسخ اس پر لازم نہیں، اُسے جائز ہے کہ بعد تقسیم اپنے حصہ پر موہوب لہ کو قبضہ دے دے اور تکمیل ہبہ کردے، اس کا استرداد واہب کا حق ہے نہ کہ واہب پر حق، ہاں دوسرں کے حصوں میں مزاحمت نہ کرنا اس پر واجب، اور اگر شے قابلِ قسمت ہے اور اس نے کل ہبہ کردی تو یہ وہی ہبہ فضولی کی صورت ہے، اور اگر بقیہ شرکاء سب عاقل بالغ ہوں اور جائز کردیں تو جائز ہوجائیگا،

کما لو وھب اثنان دارا من واحد جاز کما فی الدر[1] وغیرہ جیسے دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو جائز ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر اس میں ایک شخص بھی اجازت سے دست کش یا غیر مکلف ہوگا تو اس کل میں ہبہ باطل ہے یعنی بے اثر و نامفید ملک۔ بہرحال کسی صورت میں بھائی یہ اختیار نہیں رکھتے کہ بہنوں کو محروم کردیں ان کا مال بے اجازت کے کسی کو دے دیں،

قال تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ واللہ تعالیٰ اعلم(ت)

مسئلہ ۱۲۲: از سنبھل محلہ کوٹ شرقی ضلع مراد آباد مسئولہ محمد جمیل صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو زیور یا لباس وقت عقد یا بعد عقد زوج اپنی زوجہ کو استعمال کے واسطے دے وہ امانت شمار ہوگا یا ہبہ؟ اور ان دونوں صورتوں

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

میں واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور نیز وُہ زیور کہ جو زوجہ کے باپ کے یہاں کا تھا اور شوہر نے اپنے پاس سے کچھ اور چاندی یا سونا ڈال کر بڑھا دیا ہو اُس کا کیا حکم ہے آیا ہبہ ہے یا امانت؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو کچھ شوہر نے استعمال کے لئے دیا وُہ ملکِ شوہر ہے مگر یہ کہ دلالتِ تملیک پائی جائے خواہ لفظاً یا عرفاً، اور عورت کا قبضہ ہو جائے تو اب وہ ملکِ زوجہ ہو جائے گا اور اب اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا لان الزوجیة من موانع الرجوع (کیونکہ زوجیت موانع رجوع میں سے ہے۔ ت) جہیز میں جو زیور وغیرہ عورت کو ملتا ہے وہ یقیناً ملکِ زن ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجہاز ملک المرءة لاحق لاحد فیہ[1]

ہر ایک کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ (ت)

اس نے جو کچھ اور اس میں ڈلوا کر بڑھوا دیا ظاہراً اس سے مقصود مالک کر دینا ہی ہوتا ہے اگر یوں ہو اور قبضہ تامہ پایا جائے تو ملکِ زوجہ ہو جائے گا ورنہ نہیں فان الظاہر حجة للدفع لا للاستحقاق (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہوتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳

مشاع کی تعریف کیا ہے؟ فقط

الجواب

ایک شَے دو یا چند اشخاص کو بلا تقسیم ہبہ کی جائے اگرچہ حصے نامزد کر دیے جائیں کہ نصف نصف یا ایک کو ثلث اور دوسرے کو دو ثلث یا اپنی ملک کا کوئی حصہ غیر معینہ غیر ممتازہ مثلاً نصف، ثلث، ربع وغیرہ کسی شخص کو ہبہ کرے یا اپنی پوری ملک ہبہ کرے مگر یہ خود کسی شے کے ویسے ہی غیر معین حصے نصف وغیرہ کا مالک ہو، یہ سب ہبہ مشاع ہیں، پھر اگر وہ چیز ناقابلِ تقسیم ہے تو جائز، ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۴

مرسلہ محمد نجم الدین صاحب محلہ رفعت پورہ مراد آباد ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بقضائے الٰہی اچانک فوت ہو گیا اور وُہ ایک دولتمند شخص تھا اور اُس نے جائداد

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۸

[2] ؍؍ ؍؍ باب النفقة ؍؍ ؍؍ ۲/۶۵۳

منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی اور کل پانچ وارث چھوڑے دو دختر اور ایک پسر اور ایک والدہ اور ایک زوجہ ثانی لاولد جو اس کے عقد میں قریب آٹھ برس کے تھی، متوفی مذکور نے نکاح کے وقت کچھ زیور تیار کرا کر زوجہ مذکور کو دیا تھا وہ اس کے قبضہ میں ہے، اس کے علاوہ اور زیور بھی تیار کرا کر وقتاً فوقتاً زوجہ مذکورہ کو دیتا رہا جو زوجہ مذکورہ کے قبضہ و تصرف میں ہے اور وہ اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہے، پھر پندرہ سو روپے نقد واسطے زیور تیار کرانے کے زوجہ مذکورہ کو دئے تھے جو اس کے قبضہ میں ہے، لیکن تعمیر مکان کی ضرورت سے بطور قرض کے متوفی مذکور نے زوجہ مذکورہ سے لئے تھے، اور کلکتہ جا کر ایک ہزار روپے کا نوٹ معرفت حاجی محمد خلیل کے زوجہ مذکورہ کے پاس بھیج دیا، پانسو روپے منجملہ اس کے باقی رہ گئے، نیز زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے یہاں جب مراد آباد آتی تھی اور اس کے عزیز و اقارب سے اس کو نقد ملتا تھا اس کا پارچہ و برتن وغیرہ خرید کرلے جاتی تھی جو اس کے تصرف میں ہے، نیز نقد و زیور کے علاوہ متوفی مذکور زوجہ مذکورہ کو اکثر اشیاء لا کر دیتا رہتا تھا اور اپنی دختران و پسر کو اس کے علاوہ دیتا رہتا تھا۔

پس صورت مذکورہ میں جو اسباب و نقد زیور وغیرہ متوفی مذکور نے اپنی حیات میں زوجہ مذکورہ کو دیا ہے اور اب تک اس کے قبضہ و تصرف میں ہے وہ ترکہ متوفی سے علیحدہ ہے یا نہیں؛ بینوا توجروا۔

الجواب

زیور خواہ نقد خواہ کسی قسم کا مال جو زید اپنی زوجہ کو بطور تملیک دیتا تھا اس کی مالک زوجہ ہے، وہ ترکہ نہیں ہوسکتا، تملیک ثابت ہونا درکار ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً، بغیر اس کے دعوٰی ملک مسموع نہیں، مثلاً اگر وہ پندرہ سو روپے قرض کہہ کر مانگے تو ضرور ثابت ہوا کہ ملک کر دئے تھے، یونہیں اگر اس کی عادت سے ثابت ہو کہ ان لوگوں کو ایسا دینا بطور تملیک ہی کرتا تھا یہی لوگ اس کے مالک سمجھے جاتے تھے تو بیٹی بیٹے زوجہ جس کو جو دیا وہ اس کا مالک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵ ازسہارنپور محلہ قاضی مرسلہ ریاضت احمد صدیقی ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مرگئی اور اس نے ایک دختر اور ایک برادر حقیقی دو وارث چھوڑے، متوفیہ کے بھائی نے اپنا شرعی حصہ جو اس کو بہن سے پہنچا تھا اپنی بھانجی کو دے دیا اور اس کے نام پر داخل خارج بھی کاغذات سرکاری میں کرا دیا، اب چند سال کے بعد ناراض ہو کر اس دی ہوئی جائداد و اسباب کو واپس لینا چاہتا ہے، کیا شرعاً اس اسباب و جائداد کو واپس لینے کا بھانجی سے حق حاصل ہے کہ جس کا اپنی خوشی و رضامندی سے

مالک بنادیا ہو۔

23
23

الجواب

اگر اس نے اپنا حصہ جدا جدا تقسیم کرا کر ہبہ کیا اور بھانجی کو قبضہ دے دیا یا ہبہ کے بعد تقسیم کر کے حصہ منقسمہ پر قبضہ دے دیا یا وہ مشترک جائداد قابلِ تقسیم نہ تھی اگر دو حصے کئے جاتے تو ہر حصہ قابلِ انتفاع نہ رہتا، جیسے کوئی کوٹھری یا چھوٹی دکان، تو ان صورتوں میں بعد قبضۂ دختر ہبہ تمام ہوگیا اور ماموں کو اس سے واپس لینے کا کوئی حق نہیں، اور اگر شَے قابلِ قسمت تھی اور بلا تقسیم ہبہ کیا اور اب تک تقسیم کر کے قبضہ نہ دیا تو ہبہ تمام نہ ہُوا، اور مالک بنانا ہبہ نہیںؔ اسے واپس لے سکتا ہے، درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب[1]۔

قابلِ تقسیم چیز کا ہبہ تمام نہیں ہوتا اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو کیونکہ اس پر کامل قبضہ کا تصور نہیں ہوسکتا جیسا کہ عام کتب میں ہے، لہٰذا یہی مذہب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: از قصبہ کھوری ضلع ساگر قسمت جبل پور ممالک متوسط مرسلہ ابراہیم ولد قمر علی ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ابراہیم کے والد قمر علی تین بھائی حقیقی تھے، منجملہ ہرسہ بھائیوں کے ایک لاولد تھے جن کا نام نعمان حسن تھا، میرے چچا یعنی نعمان حسن نے نکاح ایک بیوہ عورت سے کیا جس کے ہمراہ لڑکا آیا، لڑکے کی عمر اس وقت ۵ سال کی تھی۔

آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ جو کاغذات نقل یعنی فیصلہ کچہری شرح شریف ہوا ہے وہ خدمت میں آنجناب کی ارسال ہے، بہ نظر ترحم کاغذات کو ملاحظہ فرما کر اطلاع دیجئے گا، آیا وہ جائداد کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نعمان حسن نے اس لڑکے کو متبنّٰی نہیں کیا تھا اور اس نے کچہری میں یہی بیان کیا کہ نعمان حسن نے مجھے متبنّٰی کیا، کاغذات متبنّٰی کرنے کے موجود نہیں ہیں، جو ہبہ نامہ پیش کیا گیا ہے وہ مصنوعی بنا ہُوا ہے، نہ تو اس میں کوئی گواہ ہے اور نہ حاکم وقت کے دستخط ہیں، نہ تاریخ ہے، غلام عباس متبنّٰی فوت ہوچکا ہے اور زوجہ نعمان حسن بھی فوت ہوچکی ہے۔

ع: اصل میں "ہبہ نہیں" کا لفظ قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الجواب

شریعت میں متبنّٰی کوئی چیز نہیں،

قال اللہ تعالٰی وما جعل ادعیاءکم ابناءکم[1] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمہارے منہ بولوں نے ان کو تمہارے بیٹے نہ بنادیا۔(ت)

وقال تعالٰی لکیلا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاءھم[2] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: تاکہ مومنین پر ان کی بیویوں کے دعاوی میں حرج نہ ہو۔(ت)

نرا کاغذ اگرچہ اس میں تاریخ وتحریر گواہان و دستخط حاکم بھی ہوں شرعًا اصلًا کوئی چیز نہیں اور محض اس کی بنا پر ہبہ ماننا باطل، اور ایسا فیصلہ محض خلافِ شرع۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار اوالنکول کمافی وقف الخانیۃ۔[3] — خط پر نہ اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے گا، لہٰذا وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کے خطوط ہیں قابل عمل نہ ہوگا، کیونکہ قاضی صرف حجت کی بنا پر فیصلہ کرتا ہے اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے، جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔(ت)

عجب تر یہ ہے کہ مفتی صاحب حاکم سرونج نے فیصلہ میں حکم یہ لکھا کہ "باغ وزمین مستدعویہ کے تین حصے مساوی کئے جائیں، تیسرا حصہ ہبۃً غلام عباس کو دلایا جائے" جبکہ وہ باغ وزمین اب تک مشترک غیر منقسم تھی اور نعمان حسن بلاتقسیم مرگیا، تو اگر غلام عباس کو واقعی ہبہ ہوا تھا تو باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[4] — میم سے "فریقین میں سے ایک کی قبضہ کے بعد موت" مراد ہے، اور اگر قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴ [2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۳۸
[4] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بہرحال فیصلہ غلط ہوا اور غلام عباس کا اس باغ و زمین میں حق نہیں، وہ صرف وارثان شرعی کا حق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷ از شہر کہنہ کھیر جعفر خاں مسئولہ حکیم عرفان علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کو جو اس کی مملوکہ و مقبوضہ ہے اور اس پر متصرف ہے اور تنہا مالک بلا شرکت غیرے ہے باختیار جائز و مالکانہ اس جائداد کو بلا اکراہ و اجبار اپنی خواہش سے بنظر دور اندیشی و رفع شر اس امر کے کہ بعد میری وفات کے کسی قسم کا میری اولاد یعنی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان نزاع اور مخالفت نہ ہو تقسیم کیا اس طور سے ایک حصہ تھوڑی مقدار کا لڑکی کو دیا اور زیادہ مقدار کا لڑکے کو دیا اس وجہ سے کہ لڑکی بالغ ہے اور اس کی شادی بھی ہوگئی ہے اور وہ خوشحال حالت میں ہے اور اس کے حصہ کی جائداد پر کوئی خرچ کا بار بھی نہیں پڑے گا، اور لڑکا نابالغ ہے اور اس کی پرورش و تعلیم و شادی سب خرچ اس کا بھی اسی جائداد پر پڑنے والا ہے اور نیز حسن سلوک شادی و غمی کا خرچ حسب رواج ہندوستان اس کا بار بھی لڑکے ہی کی جائداد پر ہے اور اپنا اور اپنی زوجہ کا بھی خرچ ماہانہ مقرر کرکے سب لڑکے ہی کے حصہ پر رکھا، تو اب ایسی صورت میں یہ فعل اس کا یعنی تقسیم کرنا جائداد کا بلا لحاظ حصہ پورا ہونے نہ ہونے فرائض کے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

صحیح بایں معنی کہ وہ کارروائی چل جائے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے تمام وارثوں کو بے خطا بے سبب نانِ شبینہ کے لئے محتاج چھوڑ کر اپنی تمام املاک کسی راہ چلتے کو دے دے، اور اگر یہ مراد کہ ایسی کارروائی کرنی عند اللہ اسے جائز ہے یا اس پر مؤاخذہ ہوگا، تو جواب یہ ہے کہ جن مہمل وجوہ پر زید نے ایک قلیل جز بیٹی کو دیا اور باقی تمام جائداد کثیر بیٹے کو دی، یہ ضرور عند اللہ ناجائز ہے اور زید گنہگار اور بیٹی کے حق میں گرفتار ہوا شرع مطہر نے بعد موت بیٹی کا ایک اور بیٹے کے دو حصے رکھے ہیں لیکن زندگی میں تقسیم کرے تو حکم ہے کہ پسر و دختر دونوں کو برابر برابر دے قصداً بلاوجہ شرعی بیٹی کو نقصان دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

فی الخانیۃ لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا اذا لم یقصد بہ

خانیہ میں ہے، محبت میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دل کا عمل ہے اور یونہی عطیات میں بھی بشرطیکہ کسی کو

الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوٰی[1]

ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو، اور یہ بات پیشِ نظر ہو تو پھر سب کو مساوی دے اور لڑکی کو لڑکے کے برابر دے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک۔ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ۔[2]

عطیہ میں فضیلت مکروہ ہے جب اولاد درجہ میں مساوی ہو، جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے۔ (ت)

لڑکی کا بالغہ ہونا اس کا کوئی جُرم نہ تھا، نہ شادی ہوجانا اس کی خطا تھی، اور اپنے گھر سے خوشحال ہونا زید کی بخشش نہیں جسے اپنی جائداد دینے میں مجرالے اور لڑکی کا خرچ اوپر ہونا اور لڑکے پر اور کا خرچ ہونا شریعت زید سے زیادہ جانتی ہے، پھر حکم دونوں کو برابر دینے کا فرمایا، اور یہ عذر کہ اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ لڑکے پر رکھا ہے بےمعنٰی ہے اسے حکمِ شرع ماننا تھا تو دونوں کو برابر دیتا اور اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ دونوں پر یکساں رکھتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: از شہر مرسلہ شیخ علی جان صاحب محلہ بھوڑ معرفت حمید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ شخصے املاک نقد وجنس منقولہ خویش باولاد ذکور واناث حسب قواعد شریعت نفقہ کردن می خواہد ویک پسر خود را ازیں تقسیم ارث محروم ساختہ عاق کردہ می شمرد کہ از اطاعت وفرمانبرداری انحراف ورزیدہ واز تعمیل احکام شرعیہ رو گردانیدہ بفسق وفجور منہمک شدہ، پس از شریعت اجازت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین، کہ ایک شخص اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ اور نقد املاک کو اپنی اولاد نرینہ ومونث میں شرعی قواعد کے مطابق نفقہ کے طور دینا چاہتا ہے، اور ایک بیٹا جو کہ اسکی اطاعت اور فرمانبرداری سے انحراف اور شرعی حکم کی تعمیل سے روگردانی کرتا ہے اور فسق وفجور میں منہمک ہے، پس شریعت اجازت

---

[1] درمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الہبہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

می دہد کہ آں فرزند عاق کردہ ازیں ارث چیزے ندہم و او را محجوب الارث شمرد و از املاک خویش جوے ندہم روزِ جزا در مواخذہ او مارا گرفت خواہد شد یا نہ از اقوال فقہائے احناف جواب شافی عنایت فرمایند۔

دیتی ہے کہ اس بیٹے کو عاق کرکے اپنی وراثت سے کچھ نہ دُوں اور اس کو محروم از وراثت قرار دوں اور اپنی املاک سے جَو تک نہ دوں، روزِ جزا اس میں ہمارا مواخذہ اور گرفت ہوگی یا نہ؟ فقہائے احناف کے اقوال سے شافی جواب عنایت فرمائیں۔ (ت)

الجواب

اگر فی الواقع او فاسق و فاجر است پدر را میرسد کہ او را محروم دارد، کما فی الدر وغیرہ من اسفار الغر۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اگر فی الواقع وہ فاسق و فاجر ہے تو باپ کو حق ہے کہ اس کو محروم رکھے، جیسا کہ درمختار وغیرہ روشن کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۹ مرسلہ مولوی محمد علیم الدین از شہر کانپور مدرسہ دار العلوم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنی زمین مزروعہ (۵۴ بیگھہ) کے تین حصے کرکے ایک حصہ بڑے لڑکے کو اور ایک حصہ چھوٹے لڑکے کو دے دیا اور ایک حصہ اپنے واسطے رکھا اور دونوں لڑکوں سے کہہ دیا کہ میرے حصے کو میرے مرنے کے بعد برابر تقسیم کرلینا، بعد چند روز کے زید نے اپنا حصہ بڑے لڑکے کو ہبہ کردیا، یہ ہبہ شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؛ درصورت صحت چھوٹا لڑکا مجازِ فسخ ہے یا نہیں؛

الجواب

اگر وہ زمین نامنقسم ہے اور بلا تقسیم ایک ایک ثلث دونوں بیٹوں کو دے پھر اپنا ثلث بھی ایک کو دے دیا، تو یہ دونوں ہبہ باطل و بے اثر محض ہیں جب تک زید اپنی زندگی میں تقسیم کرکے ہر بیٹے کو اس کے منقسم حصے پر جداگانہ قبضہ نہ دے، اور اگر بیٹوں کو بلا تقسیم دو ثلث میں شریک کیا تھا اور اپنا حصہ جداگانہ منقسم رکھا تھا اور اب یہ ثلث بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تو پہلا ہبہ باطل ہے جب تک زید اس ٹکڑے کا دو حصے جدا جدا کرکے ہر بیٹے کو قبضہ نہ دے لیکن اس تیسرے ثلث کا ہبہ بڑے بیٹے کے نام بوجہ تقسیم صحیح و تام ہوگیا اس تہائی کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا اور وہ دو تہائی اب تک زید کی ملک ہیں، ہاں اگر وہ دونوں حصے جدا جدا پٹی بانٹ کرکے ہر بیٹے کو اس کے حصہ پر قبضہ دے دیا تھا پھر اپنا تہائی بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تو ان دو ثلث کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا، اپنے ثلث کا چھوٹا بیٹا مالک رہا،

اس صورت میں چھوٹا بیٹا فسخ کرانے کا مجاز نہیں، اور پہلی دو صورتوں میں فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ ہنوز ہبہ ہی تام نہ ہوا۔ والمسألۃ دوارۃ متونا وشروحا وفتاوی (یہ مسئلہ متون، شروح اور فتاوٰی میں دائر ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰ از بزم حنفیہ لاہور مرسلہ محمد عبدالحمید صاحب سیکریٹری بزم مذکور ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

بحضرت فیضدرجت عظیم البرکت فاضل کبیر کامل نحریر، امام العلماء المحققین، مقدام الفضلاء المدققین، عالم عظیم الشان، اعلٰیحضرت، مولانا المکرم، ذوالمجد والکرم، مولانا، مولوی، حاجی، صوفی، حافظ، مفتی محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہم، السلام علیکم وعلٰی من لدیکم، مزاج مقدس!

آج یہ فقیر بارشاد فیض رشاد فرمان واجب الاذعان سیدی وآقائی مولٰنا المحترم ذواللطف والکرم حضرت مولوی محمد اکرام الدین البخاری خطیب وامام مسجد وزیر خاں خدمت میں اعلٰیحضرت دام فیضہم کے چند سطور بتاکید مولٰنا ممدوح تحریر کرتا ہے کہ اعلٰیحضرت اس مسئلہ متنازعہ کو بہ تشریح تامہ وتفصیل کاملہ صاف وشستہ مبسوط تحریر فرماکر متنازعین کے شکوک کو بدلائل واضحہ رفع فرمادیں گے اور مولٰنا ممدوح نے یہ بھی فرمایا کہ اس مسئلہ کی مختلف صورتیں مرجح ومنقح باشکال کے اظہار کا حق صرف اعلٰیحضرت کے قلم فصیح رقم کو حاصل ہے اور اس پر بہ اثبات حکم محکم فریقین متنازعین کے قلوب میں نورانی جوہر محبت بھرنے گوہر ڈال دینے نااتفاقی وکشیدگی کے توہمات کو نکال دینے کا اعلٰیحضرت ہی کو شرف حاصل ہے پس بارشاد مولٰنا ممدوح معروض بخدمت اقدس ہوں کہ جس ہبہ وتملیک کی رجسٹری بذریعہ گورنمنٹ ہوچکی ہے اور وہ برائے ملاحظہ حضرت بلفظہٖ ناقل رجسٹری ہبہ شدہ ارسال خدمت ہے کہ بعد وفات موہوب لہ کے واہب نے بھی زندہ رہ کر اُس موہوبہ مکان کو واپس نہ کیا اور وہ موہوب لہ کی اولاد کے قبضہ میں ہی رہا، اب واہب کے مرجانے کے بعد[1] ہمشیرہ دعوٰی دخلیابی کا کرکے موہوب لہ کے پسماندگان بیوہ ویتامٰی سے موہوبہ مکان کو بعد گزرجانے ۲۷ برس ہبہ شدہ کا رجوع کرانا چاہتی ہے بحالیکہ ہبہ وتملیک کردینے کے بعد واہب نے اگرچہ موہوب لہ کا وہ باپ تھا علیحدہ کرا یہ نامہ تحریر کردیا اور واپس نہ کرایا اور بطور کرایہ دار اُسی میں سکونت کرتا رہا اور ۶ برس تک زندہ رہا، اب مفصل صورت سوال حسب ذیل ہے:

زید	عمرو	بکر	ہندہ
(نظر محمد)	(جان محمد)	(خیر محمد)	

---

[1] لفظ "بعد" قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔ عبدالمنان اعظمی

زید نے اپنی حینِ حیات میں بلا اکراہ و اجبار برضامندیِ خود اپنا ایک مکان زر خریدۂ خود اپنے بیٹے خورد نامی عمرو (جان محمد) کے نام ہبہ و تملیک بشرائط چندے رجسٹری کر دیا جس کا خود واہب بدیں الفاظ مقر ہے کہ :

(۱) مکان موہوبہ ملکیتِ عمرو ہے۔

(۲) عمرو کو ہر طرح کا حق حاصل ہے کہ میری حیات میں اور بعد ممات کے اس مکان کو بیع و رہن کر کرا سکتا ہے۔

(۳) مکان مذکور میں میرا یا میرے دیگر کسی لواحق کا حق کا خدشہ ہرگز نہیں، مکان مذکور میرا ذاتی ملکیت ہے جو عمرو کے نام ہبہ کر دیا ہے کہ اب اصل مالک وہی ہے۔

(۴) زید کی حینِ حیات میں اس کا بیٹا عمرو فوت ہو گیا اور دوسرا بیٹا بکر زندہ رہا اور عمرو کا باپ زید عرصہ ۶ سال بعد وفات عمرو زندہ رہا اور موہوب شدہ مکان کو زید واہب نے اپنی حینِ حیات میں بھی واپس نہیں لیا بلکہ زید کی موجودگی میں بھی وہ مکان صرف عمرو کی اولاد و بیوہ کے قبضہ میں رہا اور وہی اس کے کرایہ وغیرہ کو حاصل کرتے رہے، پھر زید یعنی اصل واہب فوت ہو گیا، موجودگان از زید اصل واہب متوفی بکر (خیر محمد)، ہندہ بکر جو واہب متوفی کا بڑا بیٹا ہے اور ہندہ جو واہب کی بیٹی ہے اور موہوب لہ متوفی کے یہ ہر دو موجودہ حقیقی ہیں اور ہندہ موہوب لہ متوفی کی اولاد کی پھوپھی ہے زندہ موجود ہیں۔

(۵) بکر کا بیان ہے کہ چونکہ میرا باپ زید میرے حقیقی بھائی عمرو کے نام مکان مذکور ہبہ و تملیک کر چکا ہے، اور نیز اس نے بعد وفات عمرو کے اس ہبہ و تملیک کو واپس نہیں لیا، لہذا یہ ساختہ پرداختہ میرے باپ زید متوفی کا مجھ کو منظور و مقبول ہے، یہ مکان ملکیت عمرو کا ہو چکا اس کے بعد اس کی اولاد وارث ہے۔

(۶) عمرو کی بہن ہندہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ ہبہ و تملیک رجوع ہو سکتا ہے اور اس ہبہ شدہ مکان کو عمرو کی اولاد کے قبضہ میں جائز گردانتی ہے۔

پس مندرجہ بالا صورت متنازعہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہبہ جو تملیک بنام عمرو ہو چکا ہے اور جس کو خود واہب زید نے بعد فوتید گی عمرو موہوب لہ کے واپس لینے کا ارادہ ہی نہ کیا، اب موہوب لہ اور واہب کے فوت ہو جانے کے بعد جس کو ۱۲ برس سے زیادہ گزر گئے اجباراً قابل رجوع ہے یا نہیں (اجباراً) اور ان صورتوں میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے، پس اس اہم

مسئلہ کو مفصل و مشرح تحریر فرماکر مشکور فرمائیں، عند الحنفیہ ہبہ و تملیک کا رجوع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ واہب نے بعد تخلیہ مکان موہوب لہ کو قبضہ کاملہ شرعیہ دلادیا ہو (نہ یوں کہ خود اس میں ساکن رہا واہب کا اسباب اس میں رہا اور کرایہ نامہ لکھ دیا اور کہہ دیا کہ پورا قبضہ دے دیا یہ شرعاً قبضہ نہیں بلکہ ضرور ہے کہ مکان اپنی سکونت و اسباب سے خالی کر کے قبضہ دے اگرچہ ایک منٹ کے بعد یوں قبضہ دے کر پھر اس میں آجائے اور اپنا اسباب لے آئے اس طرح کا قبضہ کاملہ دیدیا ہو) تو وہ مکان ملکِ موہوب لہ ہوگیا، اب اس میں رجوع تین وجہ سے باطل ہے:

اولاً موہوب لہ واہب کا بیٹا ہے اور ذی رحم محرم سے رجوع کا خود واہب کو بھی اختیار نہیں۔

ثانیاً موہوب لہ مرگیا۔

ثالثاً واہب بھی گزر گیا اور اس میں ہر ایک کی موت مانع رجوع ہے تو اب رجوع ناممکن ہے، اور وہ شرط قبضہ و تخلیہ اس صورت میں ہے کہ موہوب لہ وقتِ ہبہ بالغ ہو، اور اگر نابالغ تھا تو باپ نے جس وقت ہبہ نامہ لکھ دیا اس سے پہلے جس وقت زبانی کہا میں نے ہبہ کیا معاً ہبہ کرتے ہی بیٹا مالک ہوگیا اگرچہ باپ نے ایک آن کو مکان خالی کیا نہ قبضہ دیا کہ اس صورت میں باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہے اور رجوع ناممکن، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہا موت احد العاقدین بعد التسلیم والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نسبا لایرجع[1] (ملخصًا)۔

قبضہ دینے کے بعد کسی فریق کی موت اور قرابت رجوع سے مانع ہے تو اگر نسبی محرم کو ہبہ کیا رجوع نہ ہوگا (ملخصًا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان الموھوب ان مشغولا بملك الواھب منع تمامھا وان شاغلا لا، وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ[2] (ملخصًا)۔

ضابطہ یہ ہے موہوب چیز اگر واہب کی ملک میں مشغول ہو تو ہبہ کے تام ہونے سے مانع ہے اگر وہ شاغل ہو تو مانع نہ ہوگا، اور الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں، ہاں اگر والد اپنے طفل کو ہبہ کرے تو جائز ہے (ملخصًا)۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱ تا ۱۶۲

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/۱۵۹

ردالمحتار میں ہے:

کان وھبہ دارا والاب ساکنھا أولہ فیھا متاع لانھا مشغولۃ بمتاع القابض و ھومخالف لما فی الخانیۃ فقد جزم اولا بانہ لاتجوز ثم قال وعن ابی حنیفۃ فی المجرد تجوز ویصیر قابضا لابنہ[1]

مثلاً یہ کہ والد ایسے مکان کا ہبہ کرے کہ خود اس میں سکونت پذیر ہو یا سامان بھی رکھتا ہو کیونکہ یہ قابض کے حق میں مشغول ہے، یہ بات خانیہ کے بیان کے خلاف ہے، تو شک نہیں کہ پہلے انھوں نے عدمِ جواز کا جزم کیا اور پھر کہا امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے کہ خالی مکان ہو تو جائز ہے اور اپنے طفل کیلئے قابض قرار پائے گا۔(ت)

اس پر حاشیۂ فقیر جدالممتار میں ہے:

اقول جزم فی وجیز الکردری والولوالجیۃ والذخیرۃ وغیرھا باطلاق الجواز وفی الھندیۃ عن العتابیۃ ھوالماخوذ بہ وعلیہ الفتوی وفیھا عن السراجیۃ علیہ الفتوی وفی الحموی عن الولوالجیۃ علیہ الفتوی وعن البزازیۃ تجوز و علیہ الفتوی[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں، وجیز الکردری، ولوالجیہ اور ذخیرہ وغیرہا میں مطلق جواز پر جزم کیا اور ہندیہ میں عتابیہ سے منقول ہے کہ یہی ماخوذ اور اسی پر فتوٰی ہے، اور ہندیہ میں ہی سراجیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے، اور حموی میں ولوالجیہ سے ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے، اور بزازیہ سے منقول ہے جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۳۱: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

مع دو جواب بغرض تصحیح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی بروہی ومسماۃ بھرائی کل متروکہ "سمار" متوفی مورث پر بوجہ وراثت وغیرہ قابض ومتصرف رہے تاحینِ حیات مسماۃ بھرائی پر جس کو عرصہ ۱۶ سال کا گزر گیا ہے مسمی بروہی بدستور قابض رہا بعد فوت ہونے بروہی کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰

[2] جدالممتار علٰی ردالمحتار

پسراس کا الٰہی بخش بھی بدستور قابض رہا، مسماۃ شرم خاتون بنت سمار متوفی کو جو حقِ وراثت اپنے والدین سے بروئے شرع شریف آتا تھا لیکن قبضۂ الٰہی بخش میں پہلے سے تھا پھر اس کو ہبہ کرکے قبضہ سابقہ اُس کے کو بحال رکھا اور اقرار ہبہ کا اسٹام گورنمنٹ پر بھی لکھ دے کر برات دعوٰی اپنے کی بالفاظ ذیل ظاہر کی (کہ بعد الیوم سے مظہرہ و ورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد منقولہ غیر منقولہ مرقوم الصدر کے کوئی دعوٰی دخل نہیں ہے و نہ ہوگا) اب عرصہ تین سال سے الٰہی بخش فوت ہے اور پسران ان کے جندووڈہ وغیرہ قابض و متصرف ہیں، مسماۃ شرم خاتون مدعیہ اپنے حصہ وراثت پر کسی وقت میں قابض و متصرف نہیں رہی جس کو تخمیناً عرصہ چالیس سال کا گزر گیا ہے بلکہ تصرف مالکانہ باپ مدعا علیہ و دادا اس کے کا جائداد متدعویہ پر باوجود قرب جواری و رشتہ داری کے دیکھتی رہ کر ساکت رہی، اب مدعیہ بعد عرصہ طویل کے حصہ موہوبہ خود مقبوضہ مدعا علیہ کو بعد فوتید گی اصل موہوب لہ کے بعد از ہبہ مشاع استرجاعاً واپس لینا چاہتی ہے، کیا باوجود قبضہ قدیم کے اس کو بعذر مذکور دیانۃً حق رجوع ہوسکتا ہے اور باوجود اطلاع علی التصرف و ابرار عن الدعوٰی و مرور میعاد سماعت دعوٰی شرع اقدس میں قضاءً دعوٰی اس کا قابلِ سماعت ہے یا نہ؟

جواب بہاولپور

ہبہ مشاع کا شریک وغیر شریک کو قدیم سے ائمہ دین میں اختلافی ہے، صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما جواز وصحت اس کے قائل ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فساد کے (روایت)،

هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين او من جماعة صحيحة عندهما وفاسدة عند الامام وليست بباطلة حتى تفيد الملك بالقبض كذا في جواهر الاخلاطي[1] (بعد سطر) هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لايجوز سواء كانت من شريكه او من غير شريكه ولو قبضها هل تفيد الملك ذكر حسام الدين في كتاب الواقعات ان

مشاع چیز کو جب تو دو افراد یا جماعت کو ہبہ کرے صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک فاسد ہے اور باطل نہیں حتی کہ قبضہ ہو جانے پر ملک کیلئے مفید ہوگا، یوں جواہر اخلاطی میں ہے (اور ایک سطر بعد فرمایا کہ) قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ خواہ شریک یا غیر شریک کو ہو اور قبضہ دے دیا تو مفید ملک ہوگا یا نہیں، حسام الدین نے کتاب الواقعات میں ذکر کیا کہ مختار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

المختار انه لاتفید الملك و ذکر فی موضع اٰخر انه تفید الملك ملکا فاسدا وبه یفتی کذا فی السراجیة۔[1]

یہ ہے کہ مفید ملک نہ ہوگا اور دوسرے مقام میں ذکر کیا ملکیت فاسدہ کا فائدہ دے گا، اور اسی پر فتوٰی ہے جیساکہ سراجیہ میں ہے۔(ت)

(عالمگیریہ جلد ثالث صـ۲۱۷) اور صاحبِ درمختار نے مذہبِ صاحبین کو ترجیح دی ہے (بروایت ذیل):

ولو سلمه شائعا لایملکه فلا ینفذ تصرفه فیه اھ لکن فیھا عن الفصولین الھبة الفاسدة تفید الملك بالقبض و به یفتی ومثله فی البزازیة علی خلاف ما صححه فی العمادیة لکن لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح کما بسطه المصنف[2] قوله لکن لفظ الفتوی اسندراك علی مایستفید من قوله ما صححه فی العمادیة من ان القولین سواء حیث کان لفظ الفتوی اٰکد فیکون العمل علی ما فی الفصول والبزازیة لانه قال وبه یفتی وھو اٰکد فی الصحیح اھ[3]۔

اگر شائع حالت میں قبضہ دیا تو مالک نہ ہوگا تو اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا اھ لیکن اسی میں فصولین سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ ملک کا فائدہ دیتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے جو کہ عمادیہ کی تصحیح کے خلاف ہے لیکن فتوٰی کا لفظ زیادہ مؤکد ہے صحیح کے مقابلہ میں، جیساکہ مصنف نے اپنے قول کو مبسوط ذکر کیا کہ لفظ فتوٰی عمادیہ کے قول تصحیح سے مستفاد پر استدراک ہے کہ دونوں قول مساوی ہوں تو فتوٰی والا قول زیادہ قوی ہوتا ہے تو عمل فصولین اور بزازیہ کے بیان پر ہوگا کیونکہ ان میں فتوٰی کا ذکر ہے اور اسی پر فتوٰی کا لفظ زیادہ قوی ہے صحیح مذہب میں اھ۔(ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی کتاب الہبہ ص ۳۴۴) بہرکیف ہبہ مشاع کا مسئلہ اختلافی ہے کوئی اہلِ فہم اُس کو اتفاق میں نہیں ڈال سکتا، لیکن فی الواقع پہلے سے قبضہ موہوب لہ کا بطور امانت کے ہے (بروایت ذیل):

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] قرۃ عیون الاخیار (تکملہ ردالمحتار) کتاب الہبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

اقول بیانہ ان الترکۃ فی ید احد الورثۃ امانۃ فاذا انکرھا او منعھا صار غاصبا۔[1]

میں کہتا ہوں، اس کا بیان یہ ہے کہ ترکہ کسی ایک وارث کے قبضہ میں ہو تو وہ امانت ہے اگر وہ اس سے انکار کرے یا نہ دے تو غاصب ہوجائیگا۔ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۵ سطر ۱۰ فصل التخارج) اور قبض امین موہوب لہ کے لئے تجدید قبض کی ضرورت نہیں تو ہبہ صحیح و تام ہوگیا (روایت):

وملک بالقبول بلاقبض جدید لو الموھوب فی ید الموھوب لہ ولو بقبض او امانۃ لانہ عامل لنفسہ۔[2]

اگر موہوب چیز موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو قبول کرنے سے قبضہ جدید کے بغیر مالک ہوجائے گا اگرچہ بطور قبضہ سابق ہو یا بطور امانت ہو کیونکہ قبول کا عمل اپنے لئے ہی ہوگا۔ (ت)

(درمختار کتاب الہبہ) اور مدعیہ جب تصرف مدعا علیہ پر مطلع رہ کر ساکت رہی ہے اور ابراء عن الدعوٰے بھی لکھ دیا ہے اور میعاد سماعت دعوٰی کا بھی گزرگیا ہے تو قضاءً دعوٰی اس کا قابل سماعت نہیں (روایت ذیل):

وفی الحامدیۃ عن الولوالجیۃ رجل تصرف زمانا فی الارض ورجل اٰخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعوی ولدہ وتترک علی ید المتصرف لان الحال شاھد[3] (وبعد اسطر) واذا کان المدعی ناظرا و مطلعا علی تصرف المدعی علیہ الی ان مات المدعی علیہ لاتسمع الدعوی

حامدیہ میں ولوالجیہ سے منقول ہے، ایک شخص زمانہ سے ایک زمین میں تصرف کررہا ہے اور دوسرا شخص زمین اور تصرف کو دیکھ رہا ہے اور کوئی دعوٰی کئے بغیر فوت ہوگیا تو اسکی اولاد کا دعوٰی اس میں مسموع نہ ہوگا اور وہ تصرف کرنے والے کے قبضہ میں رہے کیونکہ حال شاہد ہے (اور چند سطروں بعد فرمایا) جب مدعی، مدعی علیہ کے تصرف پر مطلع اور دیکھ رہا ہو حتی کہ مدعی علیہ اپنے تصرف پر فوت ہوا تو اب اس کے ورثاء پر مدعی کا دعوٰی

---

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ رد المحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۸۵
[2] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰
[3] قرۃ عیون الاخیار تکملہ رد المحتار کتاب الدعوٰی باب التحالف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

علی ورثته کما مر عن الخلاصۃ[1] (و بعد سطر) والظاھر ان الموت لیس بقید وانه لا تقدیر بمدۃ مع الاطلاع علی التصرف لما ذکرہ المصنف والشارح فی مسائل شتی اٰخر الکتاب (وبعد سطر) اقول وعلی ھذا الوادی علی اٰخر اسرا مثلا وکان المدعی علیه متصرفا فیھا ھدما وبناء او مدۃ ثلٰثین سنۃ وسواء فیه الوقف و والملك ولو بلا نھی سلطانی او خمس عشر سنۃ ولو بلا ھدم و بناء فیھما والمدعی مطلع علی التصرف فی الصور الثلاث مشاھد له فی بلدۃ واحدۃ ولم یبع ولم یمنعه من الدعوی مانع شرعی لا تسمع دعواہ علیه اما الاول فلاطلاعه علی تصرفه ھدما وبناء وسکوته وھو مانع من الدعوی کما عرفت واما الثانی فلترکه الدعوی المدۃ المذبورۃ وسکوته وھو دلیل علی عدم الحق له ولان صحة الدعوی شرط لصحة القضاء والمنع منه حکم اجتھادی کما علمت، واما الثالث فللمنع من السلطان

مسموع نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کے حوالے سے گزرا (اور ایک سطر بعد فرمایا) اور ظاہر یہ ہے کہ موت شرط نہیں اور مطلع رہنے کی مدت کا تعین بھی نہیں ہے، یہ مصنف اور شارح نے مسائل شتی آخر الکتاب میں ذکر کیا ہے (اور چند سطر بعد فرمایا) میں کہتا ہوں اس بنا پر اگر کوئی دوسرے پر مکان کا دعوٰی کرے حالانکہ مدعٰی علیہ اس مکان میں تیس سال سے گرانے بنانے جیسا تصرف کرتا رہا، خواہ یہ مکان وقف ہو یا ملک اگرچہ حکمران کی ممانعت نہ ہو، یا پندرہ سال تک تصرف گرانے بنانے والا نہ بھی ہو اور مدعی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو اسی شہر میں ہونے کے باوجود نہ دعوٰی کرے نہ ہی دعوی سے کوئی شرعی مانع ہو تو اب مدعی کا اس مکان پر دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں اس لئے کہ وہ گرانے بنانے والے تصرف پر مطلع ہونے کے باوجود خاموش رہا، یہ چیز دعوٰی سے مانع ہوگئی جیسا کہ تو معلوم کرچکا، لیکن دوسری صورت میں اس لئے کہ مذکورہ مدت تک دعوٰی سے خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس مکان میں اس کا حق نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ دعوٰی کا صحیح ہونا صحتِ قضاء کیلئے شرط ہے اور دعوٰی سے باز رہنا اجتہادی معاملہ ہے جیسا کہ تُو معلوم کرچکا، اور تیسری صورت میں

---

[1] و [2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ رد المحتار کتاب الدعوٰی باب التحالف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

نصر الرحمٰن قضاته فی سائر ممالکه عن سماعها بعد خمس عشر سنة اذا کان ترکها بغیر عذر شرعی فی المآل[1]

تکملہ شامی جلد اول باب التحالف ص ۳۴۷ سطر ۲

اس لئے کہ حکمران کی پندرہ سال کے بعد سماعت کی ممانعت اللہ تعالٰی کی طرف سے اس کے تمام حکومتی علاقہ کے قاضیوں کے لئے رحمت ہے خصوصاً کوئی عذر نہ ہونے کی صورت میں یہ تاخیر ہو۔ (ت)

واما الابراء من دعوی العین فجائز کما فی الدرر وھو ان یقول برئت عنھا او عن خصومتی فیھا او عن دعوای ھذہ الدار لا تسمع دعواہ ولا بینة[2]

تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۰ سطر ۳۱ کتاب الصلح

لیکن کسی معین چیز کے دعوٰی میں بری کردینا جائز ہے جیسا کہ درر میں ہے، اور ابراء یہ ہے، کہ کہہ دے کہ میں نے بری کردیا یا اس مکان کے جھگڑے سے یا اپنے دعوٰی سے میں نے بری کردیا، تو اب اس کا دعوٰی اور گواہی قابلِ سماعت نہ ہوگی۔ (ت)

فی البزازیة عن المحیط لو ابرء احد الورثة الباقیة ثم ادعی الترکة وانکر لا تسمع دعواہ[3]

تنقیح حامدیہ جلد ثانی ص ۵۴ سطر ۹ کتاب الاقرار

کتاب الصلح میں بزازیہ سے بحوالہ محیط منقول ہے کہ اگر ایک وارث باقی وارثوں کو بری کر کے پھر بعد میں ترکہ پر دعوٰی کرے تو مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

فی البزازیة ابرأہ عن الدعاوی ثم ادعی علیه ارثا عن ابیه ان کان مات ابوہ قبل الابراء لا تصح الدعوی[4]

عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ جلد ثانی کتاب الدعوٰی

بزازیہ میں ہے کہ اگر کہا میں اپنے دعووں سے بری کرتا ہوں، پھر اس نے دوسرے پر والد کی وراثت کا دعوٰی کردیا، تو اگر بری کرنے سے قبل والد فوت ہوا تو دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ رد المحتار کتاب الدعوٰی باب التحالف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷-۳۴۸

[2] " " " " " کتاب الصلح " " " ۲/ ۱۶۲

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۵۴

[4] " " " " " کتاب الدعوٰی " " " ۲/ ۲۳

وکذٰلک لوقال وھبت الذی لی علیہ من مالی فھو بریٔ من ذٰلک[1]

اور یوں ہی اگر کہا میں نے اس پر اپنا مال اس کو ہبہ کیا، تو بَری ہوجائے گا۔ (ت)

عالمگیریہ جلد ثالث کتاب الاقرار صفحہ ۱۸۵ اور مدعا علیہ کا قبضہ قدیم سے بطور امانت یا غصب کے جب ثابت ہے تو شرعًا مدعیہ کو کسی طرح حقِ رجوع حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ رجوع بعد التسلیم کے واسطے قضا یا رضا شرط ہے (بروایت ذیل):

وبعد التسلیم لیس لہ حق الرجوع فی ذی الرحم المحرم وفیما سوی ذٰلک لہ حق الرجوع الاان بعد التسلیم لاینفرد الواھب بالرجوع بل یحتاج فیہ الی القضاء او الرضاء[2]۔

قبضہ دینے کے بعد محرم سے واپس لینے کا اس کو حق نہ ہوگا، اور غیر محرم سے واپسی کا حق ہے مگر قبضہ دینے کے بعد واہب کو خود واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ قضا یا باہمی رضامندی ضروری ہوگی۔ (ت)

تکملہ شامی جلد ثانی صفحہ ۳۰۵ سطر ۸ باب الرجوع فی الہبہ، صورتِ مسئولہ میں رضا مدعا علیہ کی تو ہے نہیں اور صحت قضا کے واسطے صحت دعوی شرط ہے اور وُہ یہاں نہیں پائی جاتی کما مر۔ پس بوجوہات قویہ بالا مدعیہ کو نہ حق رجوع حاصل ہے اور نہ دعوٰی اس کا قابل سماعت ہے خاص کر سلطنت انگلشیہ میں میعاد سماعت ۱۲ سال مقرر ہے اور بنا برنہی سلطانی پر سماع دعوٰی زائد المیعاد قضاءً تو نافذ نہیں، قبضہ مدعا علیہ کا اگر وفات مسماۃ بہرائی سے فرض کیا جائے تب بھی دعوی مدعیہ زائد المیعاد ہے کیونکہ وفات اس کی کو ۱۶ سال گزر گئے ہیں اور ہبہ نامہ مرقومہ اگرچہ ظاہرًا ہبہ مشاع ہے مگر حقیقت میں ابراء ہے (بروایت ذیل):

وحاصلہ ان الابراء المتعلق بالاعیان اماان یکون عن دعواھا وھو صحیح مطلقا وان تعلق بنفسھا فان کانت مغصوبۃ ھالکۃ صح

اس کا حاصل یہ ہے کہ معین موجود چیز سے متعلق بَری کرنا، یہ اس پر دعوٰی سے برات ہے تو وہ مطلقًا صحیح ہے، اور اگر نفس چیز معین سے برات کا تعلق ہو تو اگر وُہ چیز مغصوب ہلاک شدہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۰۰

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۲

ایضاً کالدین وان کانت قائمۃ فھی بمعنی البراءۃ عنھا عن ضمانھا لو ھلکت وتصیر بعد البراءۃ من عینھا کالامانۃ لاتضمن الا بالتعدی علیھا و ان کانت العین امانۃ فالبراءۃ لاتصح دیانۃ بمعنی انہ اذا ظفر بھا مالکھا اخذھا وتصح قضاءً فلا یسمع القاضی دعواہ بعد ابراء ھذا ملخص ما استفید من ھذا المقام[1]۔

ہے تو دین کی طرح اس کی برارت صحیح ہے اور وہ چیز موجود ہو تو پھر اس چیز سے برارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو اس کے ضمان سے برارت ہے، اور اس موجود سے برارت کے بعد تو پھر وہ چیز امانت کی طرح ہوگی تو ہلاک کئے بغیر ضمان نہ دے گا، اور وہ چیز امانت ہو تو برارت دیانۃً صحیح نہ ہوگی اس معنی سے کہ اگر مالک اس چیز پر قابو پالے تو حاصل کرسکتا ہے لیکن قضاءً یہ برارت صحیح ہوگی تو برارت کے بعد قاضی اس کے دعوٰی کو نہ سُنے گا، اس مقام میں حاصل شدہ فائدہ کا یہ خلاصہ ہے۔ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۰۳ سطر ۵ کتاب الصلح) ہبہ نامہ میں اگرچہ لفظ برارت کا صریح نہیں مگر لفظ ہبہ سے بھی برارت ہوسکتی ہے کما مرعن العالمگیریۃ (جیسا کہ عالمگیریہ سے گزرا۔ت) خصوصاً لفظ مندرجہ ہبہ نامہ (کہ کوئی دعوٰی و دخل نہیں ہے اور نہ ہوگا) نص صریح برارت عن الدعوٰی پر ہے جو بالاتفاق صحیح ہے، لہذا شرعاً قبضہ مالکانہ مدعا علیہ رکھ کر دعوٰی مدعیہ کا قضاءً قابل اخراج ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب دیوبند

اقول قال فی الدرالمختار لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ او لاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب[2] الخ ولو سلمہ شائعا لایملکہ[2] الخ درمختار، وفی ردالمحتار

میں کہتا ہوں، درمختار میں فرمایا، قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ دینے سے تام نہ ہوگا خواہ شریک کو ہبہ کیا یا اجنبی کو، کیونکہ اس میں کامل قبضہ کا تصور نہیں جیسا کہ عام کتب میں ہے، تو یہی مذہب ہے الخ، اور اگر مشاع کا قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا الخ درمختار، اور

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

و کما یکون للواھب الرجوع فیھا یکون لوارثہ بعد موتہ[1] الخ فھذا یفید ان للواھب استردادہ من ورثۃ الموھوب لہ و ایضا الحق لا یسقط بتقادم الزمان کما حققہ المحقق الشامی[2] فی مسائل شتی من اٰخر الکتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ۔

ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح خود واہب کو رجوع کا حق ہے اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو حق ہے الخ، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ واہب کو موہوب لہ کی موت کے بعد اسکے وارثوں سے واپس لینے کا حق ہے، اور نیز کوئی حق پرانا زمانہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، جیسا کہ کتاب کے آخر میں علامہ شامی نے مسائل شتی میں اس کی تحقیق فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ (ت)

باسمہٖ تعالٰی

از ابوالمنظور محمد غوث بخش مقیم بیت العلم والحکم پرو چڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خانپور۔

بعالی خدمت اسم درجت مدار رجال العلوم علی العموم حضرت مولٰنا و مخدومنا قبلہ آمال و آمال خیار عباداللہ المتعال حضرت احمد رضا خاں صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف عنصر لطیف

خدمت میں ضروری عرض ہے توجہ سے سُن کر جواب بتدقیق وغور تمام بعجلت عطا فرمائیں، ایک استفتاء متعلق ہبہ مشاع و طلاق صبی بمع ٹکٹ کچھ عرصہ سے خدمت میں بھیجا تھا، مولٰنا امجد علی صاحب اعظمی کے خط سے معلوم ہوا کہ نہیں ملا، پس حسب الایماء اُن کے دوسری نقل ارسال ہے کرم فرمازانِ من! عدالت ڈسٹرکٹ جج خانپور میں دعوی رجوع عن الہبہ کا گزرا ہے کہ جس کا رجوع شرع مقدس کی طرف ہے، علمائے علاقہ ہذا آپس میں مختلف ہیں، حضرت اعلٰی کی خدمت اقدس میں فتوٰی مع الجواب ارسال ہے براہِ کرم بخشی و حسبۃً للہ تعالٰی بامعان نظر فتوٰی مرسلہ پر دستخط و مہر بالشمولیت جماعت علمائے کرام ثبت فرمادیں بمعہ مزید تائید جواب اس کے کہ واقعات صورت حال از کتاب القضاء و مخالفتِ دعوٰی وغیرہ وغیرہ رجوع عن الہبہ سے مانع ہے، اپنی ذات باحسنات سے اضافہ فرمادیں۔ جناب والا! ایک نقل دیوبند بھی ارسال کی گئی تھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

[2] ″ کتاب القضاء فصل فی الحبس ″ ″ ″ ۴/ ۳۴۳

″ مسائل شتی ″ ″ ″ ۵/ ۴۷۴

مگر مفتی دیوبند نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتاء واپس کردیا ہے جس پر بڑی حیرت دامنگیر ہے کہ یہ کیا جواب ہے کہ کتاب القضاء، ومخالفت دعوی وغیرہ پر کچھ بھی غور و توجہ نہیں کی، مرکز فتاوی جناب اقدس میں التجا ہے کہ بجنسہٖ استفتاء جس پر مفتی دیوبند کا جواب ہے غور فرما کر بجلدی جواب مفصل بحوالہ صفحہ کتاب وغیرہ معزز فرمائیں اور چند پیشی پہلے گزر گئی ہیں فقط ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ / ۱۱ مئی ۱۹۱۹ء

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، یہاں چند امور پر لحاظ ضرور جن سے انکشاف جواب و ظہور صواب ہو، وباللہ التوفیق۔

اوّلاً شے صالح قسمت میں ہبہ مشاع باجماع ائمہ حنفیہ غیر نافذ ہے، صاحبین وغیرہما کسی کو خلاف نہیں، امام شافعی کا خلاف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ بدائع امام ملک العلماء جلد ششم ص ۱۱۹:

لاتجوز ھبۃ المشاع فیما یقسم وھذا عندنا وعند الشافعی تجوز[1]۔

قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ ہمارے نزدیک جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے (ت)

ہدایہ ج ۲ ص ۲۱۲:

لاتجوز الھبۃ فیما یقسم الامجوزۃ مقسومۃ وقال الشافعی یجوز[2]۔

قابل تقسیم چیز کا ہبہ تقسیم شدہ ہوئے بغیر جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق جلد ۵ ص ۹۳:

لاتجوز فی مشاع یقسم وقال الشافعی تجوز[3]۔

قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ جائز نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جائز ہے (ت)

ہاں اختلاف اس میں ہے کہ صرف وقت قبضہ وجود شیوع مانع جواز ہبہ ہے یا جبکہ وقت عقد بھی ہو، اول قول امام ہے اور ثانی قول صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم اور قول ہمیشہ قول امام ہے کما حققناہ فی اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے۔ ت)، بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۲۰:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبہ فصل فاما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۹

[2] الہدایہ کتاب الہبہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۳

[3] تبیین الحقائق المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۹۳

ابوحنیفة یعتبر الشیوع عند القبض وھما یعتبرانه عند العقد والقبض جمیعا فلا یجوز ابوحنیفة ھبة الواحد من اثنین لوجود الشیاع وقت القبض وھما جوزاھا لانه لم یوجد الشیاع فی الحالین بل وجد احدھما دون الاٰخر[1]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں اور صاحبین عقد اور قبضہ دونوں میں اعتبار کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کا دو افراد کو قابلِ تقسیم چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں کرتے کیونکہ قبضہ میں شیوع پایا جائے گا، اور صاحبین اس کو جائز فرماتے ہیں کیونکہ عقد اور قبضہ میں شیوع نہیں ہے بلکہ صرف قبضہ میں شیوع ہے عقد میں نہیں۔ (ت)

بالجملہ اگر شیوع صرف وقتِ عقد ہو نہ وقتِ قبض جیسے دو شخص اپنا مکان مشترک جس میں تیسرا شریک نہیں، شخصِ واحد کو ہبہ کرکے ایک ساتھ قبضہ دے دیں، یہ صورت بالاجماع جائز ہے، کنز و تنویر و عامہ متون میں ہے: وھب اثنان دارا لواحد صح[2] (دو افراد نے ایک شخص کو ہبہ کیا تو جائز ہے۔ ت) اور اگر صرف وقتِ قبض ہو نہ وقتِ عقد جیسے ایک شخص اپنا مسلّم مکان دو کو ہبہ کرے، یہ امام کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے جائز، متون میں بعد عبارت مذکورہ ہے لاعکسه[3] (اس کا عکس نہیں ہے۔ ت) تبیین وغیرہ شروح میں ہے: ھذا عندہ وقالا یجوز[4] (یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے۔ ت) اور اگر عقد و قبض دونوں میں شیوع ہو جیسے ایک شخص کسی مکان یا گاؤں میں اپنا غیر منقسم حصہ کسی کو ہبہ کرے یا ایک مکان کے دو شریک ہیں ایک اپنا حصہ زید کو دوسرا عمرو کو ہبہ کریں اگرچہ معاً ہبہ کیا اور معاً قبضہ دیا ہو، یہ صورتیں بالاجماع ناجائز ہیں، تبیین ج ۵ ص ۹۷:

الا تری ان رجلین لو وھبا رجلین علی ان نصیب احدھما لاحدھما بعینه ونصیب الاٰخر للاٰخر لا یجوز بالاجماع[5]

آپ دیکھیں گے کہ دو حضرات اگر دو اشخاص کو اس طرح ہبہ کریں کہ ایک کا حصہ ایک کو اور دوسرے کا حصہ دوسرے کو معین طور پر ملے تو بالاتفاق جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبۃ فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۱
[2] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱
[3] کنز الدقائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۹
[4] تبیین الحقائق " المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۹۶
[5] " " " " " " ۵/ ۹۷

عالمگیریہ جلد ۴ ص ۳۷۸ ذخیرہ سے :

الشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمۃ مانع عن جواز الھبۃ بالاجماع[1]

دونوں طرف سے شیوع ہو تو وہ قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے بالاتفاق جوازِ ہبہ کے لئے مانع ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ صورت مذکورۂ سوال صورت ثالثہ ہے کہ صالح قسمت میں غیر منقسم ہبہ کیا ہے تو باجماع امام و صاحبین ناجائز ہے۔

ثانیاً روایات ظاہرۃ اصل مذہب میں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ہبہ مشاع کرنا جائز ہے بعد قبض بھی مفید ملک نہیں ہوتا بلکہ شئ بدستور ملکِ واہب پر رہتی ہے، ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ملک فاسد خبیث حاصل ہوجاتی ہے، اسے بھی خلافِ امام و صاحبین سے کچھ علاقہ نہیں، بعض مشائخ کا خلاف ہے اور صحیح و معتمد اول کہ وہی قول امام بلکہ قول ائمہ ثلٰثہ اور وہی ظاہر الروایۃ مصححہ و مرجحہ ہے تو اس سے عدول جائز نہیں اگرچہ بعض اس کے خلاف کو بہ یفتی (اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) کہیں،

فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۰۱ :

لاتصح ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ ولو صدق الوارث علی صدورھا من المورث فیہ لان تصدیقہ لایصیر الفاسد صحیحا وکما لاتصح ھبتہ من الاجنبی لاتصح من الشریک کما فی اغلب الکتب ولاعبرۃ بمن شذ بمخالفتھم ولاتفید الملک فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی لو سلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ و ینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضی خان و روی عن ابن رستم مثلہ وذکر عصام

قابلِ تقسیم مشاع چیز ہو تو ہبہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ وارث تصدیق کرے کہ مورث نے یہ ہبہ کیا ہے کیونکہ اس کی تصدیق فاسد کو صحیح نہیں بنا سکتی اور جس طرح اجنبی کے لئے صحیح نہیں ہے اس طرح شریک کے لئے بھی صحیح نہیں جیسا کہ عام کتب میں ہے اور جو ان کی مخالفت میں اکیلا ہو تو اس کا اعتبار نہیں اور ظاہر روایت میں یہ مفید ملک نہ ہوگا، زیلعی نے فرمایا اگر شیوع کی حالت میں قبضہ دیا تو مالک نہ بنے اس لئے اگر تصرف کرے تو نافذ نہ ہوگا اور موہوب لہ کو ضمان دینا ہوگا، واہب کا تصرف اس میں نافذ رہے گا، یہ طحاوی اور قاضیخاں نے ذکر فرمایا ہے اور ابن رستم سے اسی طرح روایت ہے اور عصام نے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۷۸

انها تفید الملك وبه اخذ بعض المشائخ[1] انتہی

ذکر کیا ہے کہ یہ مفید ملک ہوگا، اور بعض مشائخ نے اس کو اپنایا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں فتوٰی مذکورہ علامہ خیر رملی کہ ہبہ مشاع مفید ملک موہوب لہ نہیں، ذکر کرکے فرمایا ج ۴ ص ۵۱۱:

وافتی بہ فی الحامدیۃ ایضا والتاجیۃ وبہ جزم فی الجوھرۃ والبحر ونقل عن المبتغی بالغین المعجمۃ انہ لو باعہ الموھوب لہ لایصح وفی نورالعین عن الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض ولایثبت الملك فیھا الاعند اداء العوض نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف اھ وذکر قبلہ ھبۃ المشاع فیما یقسم لاتفید الملك عند ابی حنیفۃ وفی القھستانی لاتفید الملك وھو المختار کما فی المضمرات وھذا مروی عن ابی حنیفۃ وھو الصحیح اھ فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد ورووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل وان صرح بان المفتی بہ خلافہ[2]۔

اس پر حامدیہ و تاجیہ نے بھی فتوٰی دیا ہے، اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم کیا ہے اور مبتغی (غین کے ساتھ) سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ نے اُسے فروخت کردیا تو صحیح نہ ہوگا، اور نورالعین میں وجیز سے منقول کہ فاسد ہبہ قبضہ کی وجہ سے مضمون ہوگا اور اس میں ملکیت عوض کی ادائیگی کے بغیر ثابت نہ ہوگی، اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے اور یہی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ، اور اس سے قبل ذکر فرمایا کہ قابل تقسیم مشاع کا ہبہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مفید ملک نہیں ہے، اور قہستانی میں ہے کہ وہ مفید ملک نہیں ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہ امام صاحب سے مروی ہے اور وہی صحیح ہے اھ، تو جب معلوم ہوگیا کہ یہ ظاہر روایت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی اس پر نص ہے اور انھوں نے یہ امام صاحب سے روایت کیا ہے تو یہ صحیح ہے اگرچہ تصریح کی گئی ہو کہ اس کے خلاف پر فتوٰی ہے۔ (ت)

ثالثاً بعض کے نزدیک اگرچہ مفید ملک ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ واہب کو اُس پر دعوٰی

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الہبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار ″ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

ذرہا، نہیں نہیں بلکہ اسے دعوٰی پہنچتا ہے اور بالاجماع رجوع کرسکتا ہے اگرچہ یہ ہبۂ ذی رحم محرم کو کیا ہو حالانکہ وہ مانع رجوع ہے اور جس طرح واہب کو دعوٰی پہنچتا ہے اگر وہ مرجائے اس کا وارث دعوٰی کرسکتا ہے حالانکہ موت احد العاقدین بھی مانع رجوع ہے اور اگر شَے موہوب موہوب لہ کے پاس تلف ہوجائے اس کا تاوان واہب کو دے حالانکہ ہلاک موہوب بھی مانع رجوع ہے اور وجہ وہی ہے کہ ان بعض کے نزدیک بھی یہ ملک صحیح نہیں بلکہ خبیث ہے اور عقد فاسد و واجب الرد ہے۔ فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ بعد عبارت مذکورہ:

ومع افادتها للملك عند هذا البعض اجمع الکل علی ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو کان ذارحم محرم من الواهب قال فی جامع الفصولین رامزا لفتاوی الفضلی ثم اذا هلکت افتیت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذ الفاسدة مضمونة علی مامر فاذا کانت مضمونة بالقیمة بعد الهلاك کانت مستحقة الرد قبل الهلاك انتهی وکمایکون للواهب الرجوع فیها یکون لوارثه بعد موته لکونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك کالبیع الفاسد اذامات احد المتبایعین فلورثته نقضه لانه مستحق الرد ومضمون بالهلاك[1]

اس کے باوجود کہ بعض کے نزدیک یہ ہبہ مفید ملک ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ واہب کو اس میں رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، جامع الفصولین میں فتاوٰی فضلی کی رمز سے فرمایا کہ پھر اگر ہلاک ہوجائے تو میں نے فتوٰی دیا کہ محرم کو فاسد ہبہ دینے میں واہب کو رجوع کا حق ہے کیونکہ فاسد ہبہ مضمون ہوتا ہے جیسا کہ گزرا تو جب ہلاک ہوجانے پر قیمت برابر ضمان ہے تو ہلاک ہونے سے قبل واپس لینے کا حق ہے اور جیسے واہب کو رجوع کا حق ہے تو اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو رجوع کا حق ہوگا کیونکہ وہ قابلِ واپسی ہے اور ہلاک ہوجانے پر اس کا ضمان دینا ہوگا جیسا کہ فاسد بیع میں کوئی فریق فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ قابل واپسی ہے اور ہلاک ہوجانے پر مضمون ہے۔ (ت)

ولہٰذا ردالمحتار ص ۱۸۴ میں بعد عبارت مذکورہ بحال تنزل بقول دگر اس کا محض نا مفید ہونا یوں ظاہر فرمایا:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

ولاسیما انہ یکون ملکا خبیثا کما یأتی و یکون مضمونا کما علمتہ فلم یجد نفعا للموھوب لہ فاغتنمہ۔[1]

خصوصاً خبیث ملکیت ہو جیسا کہ عنقریب آئیگا اور مضمون ہو جیسا کہ تُو معلوم کرچکا ہے، تو وُہ موہوب لہ کو مفید نہیں ہے، اسے غنیمت سمجھو۔ (ت)

سابعًا مسئلہ ابراء عن الاعیان اگر یہاں سے متعلق ہوتا تو اس کا اثر صرف قضاء پر تھا دیانۃً اپنی مملوکہ عین سے سو بار ابراء کرے ملک زائل نہ ہوگی اور جب ملے لے سکے گا۔ درمختار اوائل الصلح،

قولھم الابراء عن الاعیان باطل معناہ لم یصر ملکا للمدعی علیہ ولذا لو ظفر بتلک الاعیان حل لہ اخذھا لکن لاتسمع دعواہ فی الحکم۔[2]

ان کا فرمانا کہ عین موجود چیز سے بَری کرنا باطل ہے، اس کا معنٰی یہ ہے کہ مدعٰی علیہ کی ملک نہ بنے گا، لہٰذا دینے والا اگر قابو پاکر اسے لے لے تو لینا جائز ہوگا لیکن قاضی کے ہاں اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار ج ۴ ص ۴۷۵:

نقل الحموی عن حواشی صدر الشریعۃ للحفید معنی قولنا البراءۃ عن الاعیان لاتصح ان العین لاتصیر ملکا للمدعی علیہ لا ان یبقی المدعی علی دعواہ الخ ابوالسعود وھذا اوضح مما ھنا قال السائحانی و الاحسن ان یقال الابراء عن الاعیان باطل دیانۃ لاقضاءً۔[3]

حموی نے صدر الشریعۃ کے پوتے کے لئے حواشی سے نقل کیا اعیان اشیاء سے برارت صحیح نہیں، ہمارے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز مدعٰی علیہ کی ملک نہ بنے گی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مدعی کا دعوٰی قائم ہے الخ ابوسعود نے کہا یہاں پر سائحانی نے جو فرمایا اس سے یہ زیادہ واضح ہے اور یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ اعیان اشیاء سے بری کرنا دیانۃً باطل ہے قضاءً باطل نہیں (ت)

مگر صورت مسئولہ میں کوئی ابراء ابتداءً نہیں بلکہ اس ہبہ ناجائز پر مبنی ہے جس پر اس کی یہ عبارت شاہد ہے کہ بعد الیوم سے مظہرہ وورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد کے کوئی دعوٰی و دخل نہیں ورنہ ہوگا،

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۵۱۱
[2] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۲
[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۷۵

یہ وہی عبارت ہے جو بیعنامہ کے آخر میں لوگوں نے معمول کرلی ہے کہ آج سے میرا مبیع اور مشتری کا زرِ ثمن میں کوئی دعوٰی نہ رہا، یہ اسی بیع پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ کوئی ابرائے ابتدائی اگر بیع باطل ثابت ہو تو بلاشبہ مبیع و ثمن واپس دیئے جائیں گے، اور وہ الفاظ کہ دعوٰی نہ رہا کچھ خلل انداز نہ ہوگا، بعینہٖ یہی حالت یہاں ہے اس ہبہ کی بناء پر کہہ رہی ہے کہ آج سے کوئی دعوٰی نہیں، جب وہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے ان الفاظ کا بھی کچھ اثر نہیں۔ عقود الدریہ ج ۲ ص ۵۹:

اذا جری الصلح بین المتداعین وکتب الصك وفیہ ابراء کل واحد منھما صاحبہ عن الدعوٰی ثم ظھران الصلح وقع باطلا بفتوی الائمۃ فاراد المدعی ان یدعی ما ادعی لاتصح دعواہ للابراء السابق والمختار ان تسمع لان ھذا ابراء فی ضمن صلح فاسد فلا یعمل مجمع الفتاوی۔[1]

جب دونوں مدعی حضرات آپس میں صلح کرکے صلحنامہ لکھ دیں جس میں ہر ایک نے دوسرے کو بری کردینا لکھ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ائمہ کرام کے فتوٰی کی رُو سے صلح باطل ہے تو اب ایک مدعی اپنے دعوٰی کو بحال کرے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ پہلے برأت کرچکا ہے اور مختار یہ ہے کہ اس کا دعوٰی قابلِ سماعت ہوگا کیونکہ یہ ابراء صلح فاسد کے ضمن میں ہے لہٰذا وہ معتبر نہ ہوگی۔ مجمع الفتاوٰی (ت)

فتاوٰی امام قاضیخان ج ۲ ص ۲۳۸، جامع احکام الصغار ص ۱۰۷:

لا تحرم ھو الصحیح لانہ ما اقر بالحرمۃ ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیہ وذلك السبب باطل۔[2]

دوبارہ دعوٰی حرام نہیں ہے کیونکہ پہلا اقرار صلح کے اس سبب پر جس پر دونوں نے اتفاق کیا تھا وہ باطل ہوچکا ہے (ت)

خامساً بفرضِ غلط اگر یہ ابتدائی ابرا بھی ہوتا تو اس چیز کی نسبت ہے کہ اس وقت تک اس کی ملک ہے جو خود معلوم اور بعد الیوم کی قید سے مفہوم اور نہ کسی منازعت میں ہے نہ کسی خاص کے نام تو محض باطل و بے اثر ہے، عقود الدریہ ج ۲ ص ۴۵:

وفی العمادیۃ قال ذوالید لیس ھذا لی اولیس ملکی اولاحق لی فیہ او نحو ذلك

عمادیہ میں ہے قابض نے کہا یہ میرا نہیں، یا میری ملک نہیں، یا میرا حق نہیں، یا اور ایسے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الصلح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۰

[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل الطلاق نورانی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۷

ولا منازع لہ حینئذ ثم ادعاہ احد فقال ذوالید ھو لی فالقول لہ لان الاقرار بمجھول باطل والتناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد اھ ومثلہ فی الفیض وخزانۃ المفتین[1]

الفاظ کے جبکہ اس وقت کسی نے تعرض نہ کیا پھر کسی نے اس مقبوضہ چیز پر دعوٰی کر دیا تو اس کے جواب میں اس نے کہا یہ میری چیز ہے، تو اس کا یہ کہنا معتبر ہوگا کیونکہ پہلا اقرار تھا جو باطل ہے، اور تناقض تب ہوتا کہ وہ کسی کے لئے حق کا اقرار کرتا اھ اور اسکی مثل فیض اور خزانۃ المفتین میں بھی ہے (ت)

سادساً ایک شخص دوسرے کو مدت تک کسی شے میں مالکانہ تصرف کرتے دیکھے اور بلا عذر ساکت رہے پھر کہنے لگے کہ یہ تو میری ملک ہے۔ علماء کرام نے قطع تزویر وحیل کے لئے اس کا دعوٰے نامسموع رکھا ہے اور یہ حکم فقہی ہے، نہ بربنائے منع سلطانی۔ اس کی بعض عبارات فتاوٰی بہاولپور میں ہیں اور کثیر ووافر ہمارے فتاوٰی میں ہیں۔ یہ حکم دیانۃً نہیں محض قضاءً ہے کہ نظر بظاہر حال ممانعت فرمائی کما نصوا علیہ (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ ت)، سائل نے سوال ہی میں اس کا اشعار کر دیا تھا کہ باوجود اطلاع علی التصرف قضاء دعوٰی اس کا قابل سماعت ہے نہ، مجیب نے تصریح کر دی تھی کہ صحت قضاء کے لئے دعوٰی شرط ہے اور وہ یہاں نہیں دعوٰی قضاءً قابل اخراج ہے اور یہ عبارت کہ الحق لا یسقط بتقادم الزمان[2] (زمانہ گزر جانے پر حق ساقط نہیں ہوتا۔ ت) حکم دیانت ہے تو اس کے مقابل اسے پیش کرنا فتوٰی دیوبند کی حماقت ہے ان محقق شامی نے جن کے مسائل شتّی آخر الکتاب کا حوالہ دیا اُسی جگہ فرما دیا تھا، ج ۵ ص ۴۷۶:

ثم اعلم ان عدم سماعھا لیس مبنیا علی بطلان الحق حتی یرد ان ھذا قول مھجور لانہ لیس ذلک حکما ببطلان الحق وانما ھو امتناع من القضاۃ عن سماعھا خوفا من التزویر

پھر معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا عدم سماع کسی حق کے بطلان پر مبنی نہیں تاکہ اعتراض ہو سکے کہ اس کا یہ دوسرا قول مہجور ہے کیونکہ یہ کسی حق کے بطلان کا حکم نہ تھا بلکہ یہ تو قاضیوں کا ترک سماع اس خوف کی بناء پر تھا کہ من گھڑت معاملہ ہو سکتا ہے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۵۳
[2] ردالمحتار مسائل شتّی دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۷۴
ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس " " " " ۴/۳۴۳

ولدلالۃ الحال کما دل علیہ التعلیل و الافقد قالوا ان الحق لایسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ فلا تسمع الدعوی فی ھذہ المسائل مع بقاء الحق للاٰخر ولذا لواقر بہ الخصم یلزمہ[1]

اور حال کی دلالت کی وجہ سے جیسا کہ اس کی بیان کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے، ورنہ تو زمانہ گزرنے کی وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ الاشباہ کی بحثِ قضاء میں ہے، توان مسائل میں دوسرے کے حق کے باوجود دعوٰی مسموع نہ ہوگا، اسی لئے اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اسکو لازم ہوجائیگا۔ (ت)

یہاں علامہ شامی نے الحق لایسقط بالتقادم (زمانہ گزرجانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ ت) جواب دینے کے لئے نقل فرمایا ہے اس کی کوئی تحقیق نہ کی، تحقیق اسی کی لکھی ہے کہ اس صورت میں دعوٰی مسموع نہیں اور یہ اس پر الحق لایسقط بالتقادم (زمانہ گزرجانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ ت) وارد نہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر شامی کا الٹا حوالہ دینا اور جس سے وہ جواب دے چکے اسی کو پیش کرنا اور ان کے سر دھرنا عجب جہالت ہے بلکہ جواب صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ صورتِ مسؤلہ سے متعلق نہیں جہاں مدعی علیہ کا اقرار موجود ہو، اگر سوبرس بھی گزرجائیں مانع دعوٰی نہیں۔ یہاں اس مال کا متروکۂ سماء اور شرم خاتون کا وارث سماء ہونا امر مسلّم ہے جس میں کسی کو نزاع نہیں، پھر الٰہی بخش کا شرم خاتون سے ہبہ لینا ہبہ نامہ لکھوانا صراحۃً ملک شرم خاتون کا اقرار ہے تو مسئلہ مذکور یہاں سے اصلاً متعلق نہیں، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۷۳:

سئل فیما ادعی زید علی عمرو محدودا انہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریت من والدك بکذا وانی ذو ید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنۃ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی ھل یکون ذلك من باب الاقرار بالتلقی من مورثہ فیحتاج الی بینۃ تشھد لہ بالشراء ولاینفعہ

اُن سے سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر دعوٰی کیا کہ یہ محدود رقبہ میرے والد کی وراثت میں میری ملک ہے تو مدعٰی علیہ نے جواب میں کہا میں نے یہ رقبہ اتنے میں تیرے والد سے خریدا ہے اور چالیس سال سے زائد عرصہ میرے قبضہ میں چلا آرہا ہے اور تو شہر میں میرے پاس مقیم اور عذر کے بغیر تو خاموش رہا اور دعوٰی نہ کیا، تو کیا مدعٰی علیہ کا یہ جواب مدعی کے مورث سے خرید کے ثبوت کے لئے گواہی کی ضرورت ہوگی اور مدتِ مذکورہ سے اس کا قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا،

---

[1] ردالمحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳ - ۲۳

كونه واضعا يده عليه المدة المذكورة و لا تكون الحادثة من باب الدعاوى التي مر عليها خمس عشرة سنة اجاب نعم دعوى تلقي الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوى الانتقال منه اليه فيحتاج المدعى عليه الى بينة وصار المدعى عليه مدعيا ولا ينفعه وضع اليد المدة المذكورة مع الاقرار المذكور وليس من باب ترك الدعوى بل من باب المؤاخذة بالاقرار ومن اقر بشيئ لغيره اخذ باقراره ولو كان في يده احقابا كثيرة لا تعد وهذا مما لا يتوقف فيه[1] والله تعالٰی اعلم۔

اور یہ پندرہ سال پرانے کیس سے متعلق دعوٰی کے باب سے نہ ہوگا، جواب دیا، ہاں مدعٰی علیہ کا یہ دعوٰی کہ میں نے تیرے مورث سے خریدا ہے، یہ مورث سے حصول کا اقرار ہے اور اس سے اپنے لئے منتقل ہونے کا دعوٰی بنتا ہے تو اس پر مدعٰی علیہ کو گواہی کی ضرورت ہوگی اور اس بنا پر مدعٰی علیہ مدعی بن جائے گا، اور مذکورہ اقرار کی وجہ سے اس کا چالیس سالہ قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا، اور یہ معاملہ پندرہ سالہ پرانے کیس والا نہیں بلکہ یہ اقرار پر مؤاخذہ کے باب سے ہوگا جبکہ دوسرے کی چیز کا اقرار کرنے والا اپنے اقرار کی بنا پر پابند ہوجاتا ہے اگرچہ اس کا قبضہ زمانوں سے ہو شمار نہ ہوگا، اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی توقف نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

عقود الدریۃ ج ۲ ص ۷:

اذا ادعى اخوات زيد عليه بحصتهن من دار ابيهن المتوفى من خمس عشرة سنة وهو معترف بان الدار مخلفة لهم عن ابيهم تسمع الدعوى عليه ولو طالت المدة كما افتى بذلك العلامة ابو السعود العمادي[2]۔

جب زید کی بہنوں نے اس پر دعوٰی کیا کہ اس مکان میں پندرہ سال قبل فوت شدہ ہمارے والد کی وراثت کے طور پر ہمارا حق ہے اور زید اعتراف کرتا ہے کہ یہ مکان والد کی وراثت میں ہے تو اس کی بہنوں کا دعوٰی قابلِ سماعت ہوگا اگرچہ لمبی مدت گزر چکی ہو، جیسا کہ علامہ ابو سعود عمادی نے یہ فتوٰی دیا۔ (ت)

ایضاً صفحہ ۴۶:

---

[1] فتاوٰی خیریہ | کتاب الدعوٰی | دار المعرفۃ بیروت | ۲/ ۸۰

[2] العقود الدریۃ | " | ارگ بازار قندھار افغانستان | ۲/ ۶

فی البزازیۃ عن المحیط لو ابرأ احد الورثۃ الباقی ثم ادعی الترکۃ وانکر لا تسمع دعواہ وان اقروا بالترکۃ امروا بالرد علیہ[1]۔

بزازیہ میں محیط سے منقول ہے اگر ایک وارث نے باقی ورثاء کو بری کر دیا اور پھر بعد میں اس نے ترکہ کا دعوٰی کر دیا اور باقی ورثاء انکار کر دیں تو اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور ورثاء اقرار کریں تو ان کو ترکہ واپس کرنے کا حکم ہوگا (ت)

ابھی ردالمحتار سے گزرا، لو اقر بہ الخصم یلزمہ[2] (اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہو جائے گا۔ ت)

سابعًا ان بیانات سے روشن ہوا کہ دعوٰی شرم خاتون شرعًا دیانۃً اور قضاءً ہر طرح مسموع ہے اب رہا نہی سلطانی کا شبہہ، اگر قانون ریاست بہاولپور میں مسئلہ تمادی نہیں جب تو ظاہر کہ وہاں کے قضاۃ ہرگز ممنوع عن السماع نہیں اور اگر ہے لیکن بحال وجود اقرار مدعی علیہ مؤثر نہیں جیسا کہ حکم شرعی ہے جب بھی اسے یہاں سے تعلق نہیں کما تقدم۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۴۵۳:

نقل فی الحامدیۃ فتوی ترکیۃ عن المولٰی ابی السعود وتعریبھا اذا ترکت دعوی الارث بلا عذر شرعی خمس عشرۃ سنۃ فھل لا تسمع؟ الجواب لا تسمع الا اذا اعترف الخصم بالحق ونقل مثلہ شیخ مشائخنا الترکمانی عن فتاوی علی افندی مفتی الروم ونقل مثلہ ایضا شیخ مشائخنا السائحانی عن فتاوی عبداللہ افندی مفتی الروم[3]۔

حامدیہ میں مولٰی ابی السعود کا ترکی فتوٰی نقل کیا ہے جس کا عربی ترجمہ یہ ہے جب شرعی عذر کے بغیر پندرہ سال تک وراثت کا دعوٰی نہ کیا ہو تو کیا اب قابلِ سماعت نہ ہوگا؟ الجواب: فریق مخالف کے اعتراف کے بغیر قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ اسی کی مثل مفتی روم علی آفندی کا فتوٰی ہمارے مشائخ کے شیخ ترکمانی نے نقل کیا ہے اور مفتی روم عبداللہ آفندی کا فتوٰی ہمارے مشائخ کے شیخ سائحانی نے بھی اسی کی مثل نقل کیا ہے (ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۵۴

[2] ردالمحتار مسائل شتّی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس " " " " " " ۴/ ۳۴۳

ایضاً ص ۵۳۲ :

عدم سماع القاضی لها انما هو عند انکار الخصم فلو اعترف تسمع[1]

قاضی کا دعوٰی نہ سُننا صرف اس صورت میں ہوگا جب فریقِ مخالف انکار کرے، وہ اگر اعتراف کرے تو دعوٰی سُنا جائے گا۔ (ت)

اور اگر وہاں مطلقاً ممانعت ہے کہ مثلاً ۱۲ سال کے بعد کوئی دعوٰی نہ سُنا جائے اگرچہ مدعا علیہ کا اقرار موجود ہو تو البتہ وہاں کے قاضی نہ سُن سکیں گے کہ وہ قدر تولیت سے زائد میں معزول و کاحد من الناس ہیں مگر خود رئیس پر فرض ہوگا کہ آپ سُنے یا کسی کو سُننے کی اجازت دے کہ حق ضائع نہ ہو۔ درمختار قبیل التحکیم :

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعها لم ینفذ۔[2]

زمان، مکان اور واقعہ کی وجہ سے قضاء کا تخصص ہوسکتا ہے حتی کہ اگر حاکم پندرہ سال بعد دعوٰی کی سماعت سے منع کرے تو قاضی کی کارروائی کے باوجود نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲، شامی ج ۴ ص ۱۸۷ :

لانہ معزول عنہ بتخصیصہ فالتحق فیہ بالرعیۃ نص علی ذٰلک علماؤنا رحمہم اللہ تعالٰی[3]

کیونکہ قاضی اس میں بے اختیار ہوجاتا ہے تو رعیت ہوجانے کی بنا پر قاضی پابند ہوجاتا ہے، ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

غمز العیون ص ۲۲۳ :

یجب علیہ عدم سماعها لان امر السلطان یصیر المباح واجبا ولکن یجب السلطان ان یسمعها

قاضی پر سماعت نہ کرنا لازم ہوجاتا ہے کیونکہ حاکم کے حکم سے مباح چیز واجب ہوجاتی ہے تاہم حاکم پر لازم ہے کہ خود سماعت کرے،

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳
[2] درمختار " " " ۲/ ۸۱
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

كذا في معين الفتوى[1] واللہ تعالٰی اعلم۔ معین المفتی میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲: از موضع گھرپیا تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ مسماۃ افضل بیگم ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی نیاز علی کی بیوی منکوحہ قضائے الٰہی سے فوت ہوئی، اُس نے اپنا ایک بیٹا محمد ولی خاں چھوڑا، جب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں نے دوسری بیوی کرنا چاہی تو قبل زوجہ ثانیہ کے کرنے سے نیاز علی خاں نے اپنی کل جائداد اپنے لڑکے محمد ولی خاں کے نام اسٹام پر تحریر کرادی اور اس کے بعد نکاح ثانی افضل بیگم کے ساتھ کیا لیکن وقتِ نکاح نیاز علی خاں نے یہ امر افضل بیگم سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا تھا، صاف ظاہر کردیا تھا کہ جائداد جو کچھ ہے وہ محمد ولی خاں کے نام تحریر ہے میرے پاس صرف ہاتھ پیر ہیں تمہارا دل چاہے نکاح کرو یا مت کرو۔ لیکن افضل بیگم نے نکاح کرنا اسی حالت میں قبول کیا اور نکاح ہوگیا، اب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں فوت ہوگیا ہے تو اب مسماۃ افضل بیگم نے لڑکے محمد ولی خاں سے اپنا مہر چاہنے کی خواہش کی بلکہ دعوٰی کچہری میں داخل کردیا اور محمد ولی خاں وہ اسٹام جو قبل نکاح نیاز علی تحریر کرچکا ہے اس کو پیش کرتا ہے کہ جائداد میری ہے نیاز علی خاں کی نہیں کہ میں مہر ادا کرسکوں۔ فریقین نے اس امر کو پنچایت پر قبول کیا ہے، پنچ فیصلہ خلاف حکم شرع شریف نہیں کرنا چاہتے، اس لئے خلاصہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بحالت مذکورہ بالا افضل بیگم اپنا دین مہر محمد ولی خاں پسر نیاز علی خاں متوفی سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ مطابق حکم شرع شریف خلاصہ احکام سے آگاہی بخشی جائے، دیگر یہ بھی ہے کہ تحریر اسٹام سے اور نیاز علی خاں کے فوت ہونے تک کمی بیشی اس جائداد کی ہوئی ہے، اس میں جو مناسب ہو تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

اگر جائداد کسی کی شرکت میں نہ تھی خالص نیاز علی کی تھی اور اُس نے بیٹے کے نام لکھ کر اپنے قبضہ سے بالکل خالی کرکے بیٹے کا قبضہ کرادیا تھا تو وہ کل جائداد محمد ولی کی ہوگئی، افضل بیگم کا اُس پر دعوٰی باطل ہے اور اگر اس میں کوئی جائداد دوسرے کی شرکت میں تھی کہ نیاز علی کا حصہ جُدا تقسیم شدہ ممتاز نہ تھا یا کسی جائداد سے اپنا قبضہ نہ اٹھایا مثلاً مکان تھا بیٹے کا نام اسٹامپ میں کرادیا اور خود ایک آن کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے خالی نہ کیا، نام کرادیا اور بیٹے کا قبضہ نیاز علی کی زندگی تک نہ ہوا تو ان صورتوں میں ایسی جائدادیں نیاز علی ہی کی ملک ہیں، اور افضل بیگم کا دعوٰی مہر ان پر بجا ہے اس کا مہر اور

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹

پہلی بی بی کا مہر باقی ہو تو وہ بھی اور اور جو کچھ نیاز علی پر دین ہو وہ سب ایسی جائدادوں سے پہلے ادا کیا جائیگا اگر کچھ نہ بچے گا ان جائدادوں سے محمد ولی کچھ نہ پائے گا، اور جو جائداد تینوں شرطوں کے ساتھ محمد ولی کو نیاز علی کی زندگی میں مل چکی وہ محمد ولی کی ہے اُس پر کسی کا دعوٰی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳ از فرید آباد ڈاک خانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ نور احمد فریدی سجادہ نشین فرید آباد ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی واحد بخش نے مرنے سے ایک ماہ پہلے بحالت بیماری بدرستی ہوش حواس وسلامتی عقل برضا ورغبت خود بروئے گواہان کہا کہ میری کل جائداد کا مالک قابض میرا پسر حقیقی مسمی غلام احمد ہے، اور اس نے قبول کرکے ایک ماہ تک اُس کی حیات میں حسب قولش ایسا ہی کیا کہ مالک قابض متصرف جائداد پر اور بخانہ اش مقیم رہا ہے، اراضیات کی کلبہ رانی کاشت برداشت و تدارک آبادی وغیرہ بھی کرتا رہا ہے، ایک ماہ کے بعد واحد بخش فوت ہوا اور خرچ اخراج تجہیز تکفین تدفین وغیرہ مناسب اسی نے کی ہیں، تیسرے روز قل خوانی پر حسب قول متوفی سب برادری وغیرہ نے دستار بندی اسی غلام احمد کی کرائی ہے کیونکہ واحد بخش کی اولاد نرینہ یہی تھی اسی لئے مرنے سے ایک ماہ پیشتر برضائے خود غلام احمد کو مالک قابض متصرف بناکر دار البقا کو چلا گیا ہے بلکہ یہ بھی اس وقت اس نے کہا تھا کہ میری ہر دو دختران کی شادی کرانے کا بھی یہی مالک ہے، واحد بخش کے اہلِ وراثت حسب ذیل موجود ہیں ذوی الفروض سے دو زوجہ مسماۃ غلام فاطمہ و جاول اور دو دختران مسماۃ خیران و امیران اور اقرب العصبات سے چار بنو عم مسمیان غلام احمد مذکور واحد بخش خدا بخش غلام رسول موجود ہیں بعد وفات واحد بخش کے دو ماہ دیگر بھی یعنی کل تین ماہ تک برضائے کل مالک قابض متصرف رہا ہے، پھر غلام فاطمہ جاولس کی دروغی ناخواہ بھی اس کو گھر سے نکال دیا ہے اور ایسا نہیں چاہئے، الا قبضہ غلام احمد کا اراضیات پر تاحال بدستور موجود ہے خیران کا نکاح مسمی لعل سے اور امیران کا نکاح غلام احمد مذکور سے شرعی طور پر ہو چکا ہے پس اب شرعاً دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ قول واحد بخش کا غلام احمد کے لئے ہبہ ہو سکتا ہے یا کیونکر، فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

رجل قال جمیع ما املکہ لفلان یکون ھبۃ حتی لایجوز بدون القبض[1]

ایک شخص نے "میری تمام مملوکہ فلاں کے لئے ہے" کہا تو ہبہ قرار پائیگا حتی کہ قبضہ کے بغیر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الہبہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

اور فتاوٰی عالمگیریہ مترجم جلد سوم میں ہے کہا :

وھبت ھذا الشیئ لک او ملکته منک یعنی یہ شے تجھے ہبہ کی یا تجھے اس کا مالک کیا اوجعلته لک اوھذا لک یا میں نے تیرے واسطے کردی یا یہ شے تیرے واسطے ہے او اعطیتک او نحلتک یا میں نے تجھے عطا کی یا نحلہ دی فھذا کله ھبة (یہ تمام صورتیں ہبہ کی ہیں ۔ ت)[1]

اور نیز فتاوٰی عالمگیری مترجم مذکور میں ہے "کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ مریض کا ہبہ یا صدقہ جائز نہیں ہے مگر جبکہ اس پر قبضہ ہوجائے اور جب قبضہ ہوگیا تو تہائی مال سے جائز ہے، اور اگر سپرد کرنے سے پہلے واہب مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا"۔[2]

اور جاننا چاہئے کہ مریض کا ہبہ کرنا قصداً ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور تہائی مال اس کا اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ وصیت ہے بلکہ اس واسطے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال سے متعلق ہوتا ہے اور اس نے ہبہ کردینے میں احسان کیا تو اس کا احسان اسی قدر مال سے ٹھہرایا جائیگا جتنا شرع نے اس کے واسطے قرار دیا ہے یعنی ایک تہائی، اور جب یہ تصرف عقد ہبہ ٹھہرایا گیا تو جو شرائط ہبہ کے ہیں وہ مرعی ہونگے، اور ازانجملہ ایک شرط یہ ہے کہ واہب کے مرنے سے پہلے موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے، یہ محیط میں ہے، اور درمختار میں ہے :

یمنع الرجوع فیہا حروف دمع خزقه۔[3] ہبہ سے رجوع کرنے سے یہ حروف "دمع خزقہ" مانع ہیں (ت)

پس ان عبارات کتب معتبرہ سے کیا استخراج ہوسکتا ہے اور کس طور حصص بطور ہبہ یا وراثت فیما بین الورثہ شرعاً منقسم ہونگی۔

الجواب

مرض الموت میں ہبہ اگرچہ حقیقۃً ہبہ ہے فلہذا قبضہ شرط اور مایقسم میں مشاع ناجائز مگر حکماً وصیت ہے ولہذا بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہیں اور وارث کے لئے بے اجازت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الہبہ باب اول حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/۴۳

[2] " " " باب دہم " ۷/۱۲۲

[3] درمختار " باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱

25
25

دیگر ورثہ باطل۔ عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے:

وهب الرجل فی مرضه غلاما لابنه ولابنه علی هذا الغلام دین فان صح فهو جائز وان مات فصار للورثة عاد دینه[1]

ایک شخص نے اپنی مرضِ موت میں اپنے بیٹے کو غلام ہبہ کیا جبکہ اس بیٹے کا غلام پر دین تھا اگر صحیح ہوجائے تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو غلام واپس اس کے ورثاء کی ملکیت بن جائے گا اور بیٹے کا غلام پر قرض بحال ہوجائیگا۔ (ت)

اسی میں جامع المضمرات سے ہے:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان کانت مریضة مرض الموت لا یصح الا باجازة الورثة[2]

مریضہ نے خاوند کو اپنا مہر ہبہ کیا اگر مرض الموت میں ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

عباراتِ مذکورہ سوال کا بھی یہی مطلب ہے دو ماہ بعد تک برضاء کل قابض متصرف رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ بقیہ ورثہ نے اس کے نام اس ہبہ کو جائز کردیا اور اس پر اپنی رضا کی تصریح کردی تو بلاشبہہ غلام احمد مالک مستقل ہوگیا جبکہ باقی سب ورثہ عاقل بالغ اہل اجازت ہوں اور اب ان کو اس اجازت سے رجوع کا اختیار نہیں، اور اگر ان کے مجرد سکوت و عدمِ منازعت کو رضا قرار دیا ہے تو اتنی قلیل مدت تک سکوت دلیلِ رضا نہیں، ان میں کل یا بعض جو اجازت نہ دے چکا ہو منازعت کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴: از شہر بریلی ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ڈیڑھ سو روپیہ کی ڈیڑھ سو گز زمین خرید کر اپنی عورت کے نام کردی اس پر عملہ بھی شوہر نے بنوایا، بیاہتا عورت فوت ہوگئی، اس کی اولاد ایک لڑکا ایک لڑکی جن کے تمامی حقوق سے ادا ہوچکا، اب دوسری شادی کرلی ہے، اس سے دو لڑکے ہیں، اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی میں فیصلہ ہوجائے تاکہ بعد میرے مرنے کے جھگڑا نہ ہو، تو آیا پہلی عورت کی جو اولاد ہے ایک لڑکا ایک لڑکی ان کو اس جائداد سے کیا پہنچتا ہے، اور جو دوسری عورت سے دو لڑکے ہیں ان کو اس جائداد سے کیا حق پہنچتا ہے، تعداد جائداد کی ایک ہزار روپیہ ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۱
[2] " " " " " " ۴/ ۴۰۲

الجواب

پہلی عورت کا مہر اور وُہ زمین کہ اس کے نام کر دی تھی جبکہ اسے پورا قبضہ دے دیا ہو اور وہ عملہ بھی جبکہ اسی کے لئے بنا ہو اس عورت کے وارثوں کا ہے جن میں شوہر بھی' اور عورت کے پسر و دختر' اور اگر مادر پدر ہوں تو وہ بھی، اور اگر وُہ زمین عورت کے نام نہ خریدی نہ خود خرید کر اُسے دے کر اس کا پُورا قبضہ کرایا تو زمین شوہر کی ہے اور عملہ بھی اسی کا ہے'

لانہ ان وھب البناء قبل ان یبنی فھبۃ معدوم اوبعدہ فھبۃ متصل وھی کھبۃ مشاع کما اوضحہ فی العقود الدریۃ[1]، وبیناہ علی ھامشھا وفی الخیر الرملی علی جامع الفصولین لہ شجر او بناء فی ارض لأخر وھبہ لمن الارض بیدہ لا تجوز الھبۃ[2] اھ وفی الدرر تجوز ھبۃ البناء دون العرصۃ اذا اذن الواھب فی نقضہ[3]۔

کیونکہ اگر تعمیر سے قبل عمارت کا ہبہ ہو تو یہ معدوم چیز کا ہبہ ہوا اور اگر تعمیر کے بعد ہبہ کیا تو یہ اپنی ملکیت سے متصل چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوا جیسا کہ عقود الدریہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کر دیا ہے، اور جامع الفصولین پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں ہے، دوسرے کی زمین میں اس کے درخت یا عمارت ہوں اور وہ اس کو زمین کے قابض کو ہبہ کر دے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ، دُرر میں ہے اگر واہب اکھاڑ لے جانے کی اجازت دے دے تو زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ جائز ہوگا۔ (ت)

پہلی صورت میں کہ زمین عورت کی تھی عملہ اس کا ہونے نہ ہونے کے لئے یہ معلوم ہونا درکار ہے کہ عملہ شوہر نے بطور خود بنایا، اور کیا کہہ کر بنایا کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا عورت کیلئے یا کچھ کہا یا عورت کے کہنے سے بنایا اور عورت نے کیا کہا، یہ کہ میرے لئے بنا دے یا اپنے لئے بنا لے، یا کچھ نہ کہا' اور بنانے کے لئے روپیہ عورت نے دیا یا شوہر کا تھا عورت نے دیا تو کیا کہہ کر دیا۔

---

[1] العقود الدریہ کتاب الہبہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۹۵-۹۴
[2] " " بحوالہ الرملی " ۲/۹۴
اللآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریہ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتبخانہ کراچی ۲/۵۸
[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الہبہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۲۲۱

بہر حال وہ کل مکان یا حصہ عملہ اور زمین کا حصہ یا دونوں کا حصہ جو کچھ ملک شوہر ٹھہرے، اور ایسے ہی اس کے اور املاک ان میں اسی کی حیات میں کسی کا دعوٰی نہیں، ہاں وہی تقسیم کرنا چاہے تو چاروں بیٹے بیٹی کو برابر دینا چاہیے، پہلے جوان کے خرچ خوراک یا تعلیم یا شادی میں لگا چکا وہ اس حصے میں مجرانہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۵: از بمبئی ڈاکخانہ ۹ آئسکریم ہوٹل مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منگنی کے وقت کچھ زیور وغیرہ اس عورت کے لئے دیا جس کے ساتھ اس کی منگنی قرار پائی، چند ماہ بعد عقد نکاح کے لئے آیا تو کچھ کپڑے بھی پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد اسی عورت کے ساتھ ہوگیا، زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے مالک بنادیا تھا، اب کچھ عرصہ بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی اور زیور کپڑے جو چڑھائے تھے وُہ سب چھین لئے، پس یہ واپسی جائز ہے یا نہیں، اکثر کتب فقہیہ میں ہے کہ قبل از عقد جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا شوہر کو اختیار ہے، بعد از عقد جو دیا ہے وہ نہیں لے سکتا۔

الجواب

فی الواقع بعد نکاح جو کچھ تملیکاً دیا اُس سے رجوع نہیں کرسکتا، اور قبل نکاح جو کچھ دیا اُسے بے مرضی زن واپس لینا گناہ ہے اور خود چھین لینے کا ہرگز اختیار نہیں بلکہ عورت نہ دے نالش کرکے بحکم قاضی لے سکتا ہے اور گنہگار اس میں بھی ہوگا کہ صحیح حدیث میں فرمایا:

العائد فی ہبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء۔[1]

یعنی بُری مثال مسلمان کے شایاں نہیں، دے کر لینے والا کتے کی طرح ہے کہ قے کرکے پھر چاٹ لیتا ہے۔ بُری مثال ہمارے شایانِ شان نہیں۔

درمختار میں دربارۂ موانع رجوع ہے:

والزوجیۃ وقت الہبۃ فلو وھب لامرأۃ ثم نکحہا رجع ولو وھب لامرأتہ لا۔[2]

ہبہ کے وقت منکوحہ بیوی ہونا، لہٰذا اگر کسی عورت کو ہبہ کرکے بعد میں اس سے نکاح کیا تو ہبہ میں رجوع کرسکے گا اور اگر بیوی کو ہبہ کیا رجوع نہ کرسکے گا۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الہبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۲

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

اسی میں ہے :

لایصح الرجوع الابتراضیھما او بحکم الحاکم[1]۔ باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے ہی رجوع صحیح ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ اسٹیٹ محلہ اقیم کا کانٹہ بر مکان محمد حیات صاحب انجنیئر مسئولہ نیاز الحسن صاحب ۶ رجمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق مذہب حنفی کے کہ زید کے دو لڑکے ہیں بکر و عمرو، اب زید نے اپنی جائداد عمرو کو ہبہ کرکے اس پر عمرو کا قبضہ کرادیا اور بعد وفات زید کے عمرو نے جائداد موہوبہ اپنی زوجہ مسماۃ امیرن کو بالعوض مہر بخشش کردی اور بعد وفات امیرن کے عمرو نے اپنے بھائی بکر کو ایک خط لکھا، جس میں یہ لکھا ہے کہ جائداد مذکورہ کے تم مالک ہو اور عمرو کے امیرن کے بطن سے دو لڑکے ہیں خالد و ناصر، اب بکر مدعی ہے کہ جائداد کا مالک میں ہوں، اور خالد و ناصر مدعی ہیں کہ مالک ہم ہیں۔ شرعاً مالک و وارث کون قرار دیا جاسکتا ہے؟

الجواب

جب زید نے عمرو کو ہبہ کرکے قابض کردیا اور عمرو نے امیرن کے مہر میں دے دی امیرن مالک ہوگئی، عمرو کو کوئی اختیار نہ رہا کہ اپنے بھائی کو اس کا مالک کردے، جائداد بقدر حصہ خالد و ناصر کی ہے ہاں چہارم عمرو کو حصہ شوہری میں ملی اسے اپنے بھائی کو یا جسے چاہے ہبہ کرسکتا ہے مگر ابھی نہیں بلکہ بعد تقسیم اپنا چہارم الگ متمیز کرا کر ہبہ کرسکے گا ورنہ اس کا ہبہ بھی باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷: از رائے بریلی یونانی دواخانہ کبیر گنج مسئولہ محمد عظیم عطار ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے جو اس کے ذاتی دو مکان تھے اور اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا، منجملہ دو قطعہ مکان کے ایک مکان خورد لڑکی کو اور مکان کلاں لڑکے کو مع کل اسباب وغیرہ کے اپنی حیات میں ہبہ کرکے رجسٹری کرادی اور یہ الفاظ بھی رجسٹری میں تحریر کیے کہ چونکہ لڑکی مؤنث اور داماد میری خدمت گزاری کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں اور حق شرعی بھی قریب قریب اسی کے ہوتا بخیال دور اندیشی واقع عتنازع آئندہ کے ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ بھی دیتی ہوں لیکن بوجہ جھگڑا فساد کے کچھ عرصہ تک قیام کرکے لڑکی اپنے دوسرے ذاتی مکان میں اُٹھ گئی اور نیز برادران نے زبردستی جبر

---

[1] درمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

کر کے مؤنث سے ایک ہبہ نامہ بھائی کو لکھوا لیا اور عـہ خرچ رجسٹری وغیرہ برادران نے دلوا دیا بوجہ ابتک لڑکی خاموش رہی، لیکن اب وہ مکان لینا چاہتی ہے، آیا شرعًا جائز ہے یا نہیں ؟ لڑکی عرصہ تک اس مکان پر قابض رہی اور ماں بھی اس مکان میں رہتی رہی ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب

ماں اگر اسی مکان میں رہتی رہی اور تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے بالکل خالی کر کے لڑکی کو قابض نہ کر دیا تھا جب تو لڑکی کے نام وہ ہبہ ہی صحیح نہ ہوا، ہندہ اگر زندہ ہے تو اپنے مکان کی وہ خود مالک ہے، اور اگر مرچکی ہے تو لڑکی اس مکان میں سے تہائی لے سکتی ہے، اور اگر ہندہ نے مکان بالکل خالی کر کے پورا قبضہ لڑکی کو دے دیا تھا تو وہ اس کی مالک ہوگئی، پھر اہل برادری کے اصرار سے بغیر شرعی مجبوری کے اُس نے بھائی کے نام ہبہ کر دیا اور اپنی ذات اور اسباب سے بالکل خالی کر کے بھائی کو قبضہ دے دیا تو بھائی مالک ہوگیا اب لڑکی کو اس سے واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں، اور اگر واقعی اس کو مجبور شرعی کر کے بالجبر ہبہ نامہ لکھوایا یا لڑکی نے کچھ دیر کے لئے بھی مکان اپنی ذات اور بالکل اپنے اسباب سے خالی کر کے بھائی کو قبضہ نہ دیا تو لڑکی اس مکان کی مالک ہے جب چاہے بھائی سے واپس لے سکتی ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸ از میرٹھی ضلع جودھپور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نہ اولاد ہے نہ بھائی حقیقی، نہ بیٹا ہے، وہ اگر اپنا ورثہ مال یتیم کو دے دے تو جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

جس کا کوئی وارث شرعی نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹ از سنبھل محلہ دیپا سرائے ضلع مراد آباد مرسلہ حافظ عبدالرؤف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے لڑکا پیدا ہوا، زید کی ہمشیرہ ہندہ نے بوجہ خوشی زید کے لڑکا پیدا ہونے کے زید کے لڑکے کو موافق رواج کے ہنسلی کھنڈوے چڑھائے جن کی قیمت ۶ روپے تھی، زید اپنی بہن ہندہ کو اپنے لڑکے کی پیدائش کی خوشی یا ہنسلی کھنڈوے کے صلہ میں دو بھینسیں دیں، ایک بھینس ہندہ نے فروخت کر کے اس کی قیمت سے اپنے شوہر کے روپے میں ملا کر غلہ کی تجارت کی اور نفع ہُوا، دوسری بھینس کا بچہ ہندہ نے اپنے گھر رکھا اور بھینس کو بیچ کر کچھ اور روپیہ شوہر کے روپیوں میں سے ملا کر اور بھینس شوہر سے خرید والی جواب مع بچہ کے موجود ہے ۔ غرض فی الحال دو بھینسیں اور

ایک بچہ موجود ہے مگر گوت یعنی چارہ وغیرہ کا خرچ بھینسوں کا شوہر کے ذمہ رہا بلا کسی شرط کے، اور گھی دودھ وغیرہ میاں بی بی دونوں کے تصرف میں ہوتا رہا، اور یہ معلوم نہیں ہنسلی کھنڈوے ہندہ کے روپیہ کے تھے یا شوہر کے داموں سے بنوائے گئے تھے، صورتِ مسئولہ میں اس مال تجارت مع نفع اور ان تینوں جانوروں کا مالک شوہر ہوگا یا ہندہ ؟

الجواب

وہ خریداری ہندہ نے اگر اپنے لئے کی ہے مالک صرف ہندہ ہے اگرچہ قیمت میں شوہر کا روپیہ بھی شریک ہے، پھر یہ روپیہ اگر شوہر نے ہبۃً دیا فبہا ورنہ اس قدر روپیہ ہندہ سے واپس لے سکتا ہے اور اگر قیمت میں شوہر کا روپیہ شامل کرنے سے اُس شئے میں شرکت مراد تھی تو وہ مال زن وشوہر دونوں میں مشترک ہے، زوج زوجہ میں انبساط کامل ہونے کے سبب یہ نہ دیکھا جائے گا کہ چارہ کس نے دیا اور دُودھ دہی کس کے کام آیا، ہنسلی کڑے کسی کے روپیہ سے ہوں، وہ بھینسیں کہ بھائی نے بہن کو دیں بہن کی مِلک ہوئیں، بہنوئی کا کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۰ از سیتاپور محلہ عالم نگر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالقادر صاحب طالب علم

۴ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کچھ جائداد کو بعد انتقال اپنے لڑکے کے اُس کے دو صغیر بچوں کے نام ہبہ کرکے تاحیات بحیثیت متولی قابض رہا، بعد وفاتِ واہب عمرو مدعی اہلیتِ زید دعوٰی فسخ ہبہ وعدم جواز بنا بر مشاعیت موہوب وعدم قبضہ بذاتِ خود صغیرین کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی جائداد بلاتقسیم وتفریق حصص بینہما مسلم دو موضع جس میں واہب نے اپنا کسی قسم کا کچھ قبضہ وشرکت باقی نہیں رکھی، ہبہ کرکے بحیثیت متولی۔ کیونکہ یہ یتیم بچے اُسی کی پرورش میں تھے قابض رہے، یہ ہبہ جائز ہے یا ناجائز بالاتفاق یا باختلاف، اور فتوٰی کس کے قول پر ہے، اور یہ قبضہ واہب منجانب صغیرین ان کا قبضہ برائے جواز ہبہ متصور ہوگا یا نہیں ؟ اور قول مشہور ہے کہ وقتِ اختلاف ائمہ ثلٰثہ معاملات میں قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی مفتی بہ ہوتا ہے، اس کی کیا اصل ہے ؟ بوضاحت مع حوالہ کتب جواب باصواب سے مشرف وممتاز فرمائیے گا۔

الجواب

اگر وہ دونوں بچے فقیر تھے اپنے باپ یا اور کسی سے ارثاً یا ہبۃً کسی مال بقدر نصاب کے مالک نہ تھے تو یہ جائداد کہ دادا نے بعد وفاتِ پسر انھیں مشترکاً ہبہ کی اور اپنا کوئی حصہ اس میں نہ رکھا، یہ ہبہ

بلاشبہہ صحیح وتام ولازم ہوگیا، نہ مشاع ہونا اس کی صحت کو مُضر، نہ موہوب لہما کا قبضہ ہونا اس کی تمامی کو ضرور کہ جب وُہ دونوں مالکِ نصاب نہ تھے تو اُن کے لئے ہبہ صدقہ ہوا، اور ایسا شیوع صحتِ صدقہ کا مانع نہیں اور جبکہ وُہ یتیم ونابالغ ہیں تو دادا کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے، ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوگیا، درمختار میں ہے:

(او وھبھا لفقیرین صح) لان الھبة للفقیر صدقة والصدقة یراد بھا وجه الله وھو واحد فلا شیوع[1]

(یا مشاع چیز دو فقیروں کو ہبہ کرے تو صحیح ہے) کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے جبکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے تو شیوع نہ ہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وھبة من له ولایة علی الطفل فی الجملة تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ اوفی ید مودعه لان قبض الولی ینوب عنه والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیه بالایجاب[2]

اور بچّے کے ولی کا بچّے کو ہبہ کرنا عقد سے تام ہوجاتا ہے بشرطیکہ موہوب چیز معلوم ہو اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس کی امانت والے کے قبضہ میں ہو کیونکہ ولی کا قبضہ بچّے کے قبضہ کے قائم مقام ہوگا، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص فریقین کی طرف سے ولی بن سکتا ہو تو ایسے عقد میں صرف ایجاب کافی ہوتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر وہ دونوں یتیم یا ایک غنی ومالکِ نصاب تھا تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہ ہوا اور موتِ واہب سے باطل ہوگیا۔ تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبه لا[3]

دو افراد نے ایک شخص کو مشاع چیز ہبہ کی تو جائز ہے اور اگر عکس ہو تو ناجائز ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱
[2] " " " ۲/ ۱۶۰
[3] درمختار شرح تنویر الابصار " " ۲/ ۱۶۱

اطلق ذٰلك فافاد انه لافرق بین ان یکون کبیرین اوصغیرین او احدھما کبیرا والاٰخر صغیرا وفی الاولین خلافھما۔[1]

اس کو مطلق بیان کیا تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ موہوب لہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یا ایک بالغ اور ایک نابالغ ہو، پہلی دو صورتوں میں صاحبین کا خلاف ہے (ت)

اور فتوٰی ہمیشہ قولِ امام پر ہوتا ہے،

کما حققناہ فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علٰی قول الامام۔

جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے (ت)

امام اجل برہان الملۃ والدین صاحبِ ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ بکل حال۔[2]

میرے نزدیک واجب ہے کہ ہر حال میں فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر دیا جائے۔ (ت)

یہ کہیں نہیں ہے کہ معاملات میں فتوٰی قولِ امام ابی یوسف پر ہے، ہاں مسائلِ وقف و قضا میں ایسا کہا گیا وہ بھی نہ کلیہ ہے نہ اعطائے قاعدہ کہ ائمہ ترجیح کا فتوٰی دیکھو یا نہ دیکھو مسائل کتاب القضا وکتاب الوقف میں قولِ ابی یوسف پر فتوٰی سمجھ لو ایسا نہیں بلکہ بلحاظ کثرت بیان واقع ہے ان دونوں کتابوں کے خلافیات میں مشائخ نے بہت جگہ قولِ ابی یوسف اختیار کیا ہے یہ فتوٰی انھیں مواضع پر مقتصر رہے گا، کما افادہ فی رد المحتار ولا یمتری فیہ من لہ ممارسۃ بالفقہ (جیسا کہ اس کا افادہ ردالمحتار میں کیا اور جس کو فقہ میں ممارست ہے وہ اس میں شک نہ کریگا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کانپور محلہ انور گنج مرسلہ سید محمد باقر حسین پسر سید علی حسین خاں بہادر مرحوم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کاروبار کے بہی کھاتے میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴
[2] التجنیس والمزید

بدفعات وتواریخ سنہ وسال مختلف کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے بیٹے اور کبھی مشترکہ دونوں تینوں کے ناموں سے بہی کھاتہ جات میں اکثر رقومات مثل نقدیا آمدنی کمیشن یا منافع تجارت وغیرہ کو بمد جمع اندراج کرتا رہتا تھا اور بعد اندراج جملہ رقومات کو اپنے قبضہ تصرف میں رکھتا تھا چونکہ اسی درمیان میں زید دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کرگیا، لہذا اب جس قدر مال و متاع ہے اس میں سے نمبرا و نمبر۲ و نمبر۳ کے ناموں سے جو رقومات بمد جمع اندراج بہی کھاتہ جات ہیں تو کیا وہ رقومات جن کے ناموں سے زید نے اندراج بہی کھاتہ جات کئے ہیں وہ انھیں کی خاص سمجھی جائیں گی جبکہ ان رقومات پر متوفی خود ہی قابض و دخیل تھا اور اپنے کاروبار میں لگائے ہوئے تھا اور نہ خاص ان رقومات کا کوئی منافع علیحدہ کرتا تھا، یا جملہ رقومات شرعاً زید کے کل ورثہ کا حق ترکہ قرار پائے گا۔

الجواب

ان میں اگر اس کا کوئی بیٹا اس وقت نابالغ تھا تو اس کے نام سے جو رقم مندرج کی وہ اس بیٹے کی ٹھہرے گی، باقی جو رقمیں کسی بالغ کے نام مندرج کیں اور اُسے قبضہ نہ دیا، یا دو کے نام مشترکا درج کیں خواہ وہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ، یا ایک بالغ ہو اور ایک نابالغ، ان چاروں صورتوں میں وہ اندراج باطل محض ہے، اور ایسی جملہ رقوم متروکہ زید ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲ مرسلہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب علی گڈھ کالج ۲۴ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی کوئی اولاد صلبی نہیں ہے ایک دختر زادی ہے، ایک زوجہ، و نیز علاتی بھائی ہیں، وہ شخص عاقل بالغ ہے وہ اپنی جائداد دختر زادی کے نام بوجہ محبت ذاتی کے، اور زوجہ کے نام بوجہ خدمات اور ادائے حقوق زوجیت کے منتقل کرنا چاہتا ہے، یہ شخص اس قسم کے تصرفات کا مستقل طور پر مجاز ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ دوسرے ورثاء اس کے حینِ حیات اس کارروائی میں کسی قسم کے عذر اور مزاحمت کرنے کے مجاز ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں شخص مذکور کو شرعاً اختیار ہے، اپنی جائداد اپنی بی بی اور نواسی کو خواہ جسے چاہے دے دے، اُس کے بھائی وغیرہم کسی کو اصلاً حقِ مزاحمت نہیں، اگر مزاحمت کریں باطل و نامسموع محض ہے، مِلک ایک اختصاص حکمی ہے کہ انسان کو اس کے مال میں اطلاق تصرف کا ثمرہ دیتا ہے کسی مالک کا اس کی ملک میں تصرف ممنوع النفاذ ہونا دو ہی طور پر معقول ہے، یا تو اس کی اہلیت میں قصور ہو

جیسے مجنون یا صبی لا یعقل کہ ان کے تصرفات مطلقاً باطل یا معتوہ یا صبی عاقل کہ ان کے تصرفات ضارہ باطل اور دائر بین النفع والضرر اجازت ولی پر موقوف قولِ صاحبین پر سفیہ بھی اسی کے ساتھ ملتحق ہے وہ کہ اپنا مال فضول ولغو باتوں میں برباد کرے گا امام محمد کے نزدیک بنفس سفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بعد حجر حاکم وھو الراجح ، یا اہلیت تو کاملہ ہے مگر حق غیر متعلق ہے یہ حق اگر بعینہ اُس شے سے متعلق ہے جس میں تصرف کرنا چاہتا ہے جب تو منع نفاذ ظاہر ہے، جیسے راہن شے مرہون میں بے اذن مرتہن تصرف نہیں کر سکتا یا مواجر شے مواجر میں بے اذن مستاجر جب تک رہن واجارہ باقی ہیں، بخلاف عاریت کہ وہ محض اس کی طرف سے تبرع ہے، حق مستعیر اس سے متعلق نہیں، اور اگر عین شی سے تعلق حق نہ ہو تو منع نفاذ حجر حاکم پر موقوف ہے، مثلاً زید مدیون ہے اور دین اس کے جائداد کو مستغرق ہے، تو قبل حکم حجر اگر وہ اپنی جائداد کسی کو ہبہ کردے، یقیناً یہ تصرف نافذ ہو جائے گا کہ دین عین سے متعلق نہ تھا، بلکہ اس کے ذمہ پہ، ہاں اگر دائنوں نے درخواست دی کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ یہ جائداد تلف کردے گا تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اب بھی اسے تصرف سے منع نہ کیا جائے گا کہ وہ مالک ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس خیال سے کہ شاید تلف کردے دائنوں کا ضرر محتمل ہے، اور اُسے ممنوع التصرف کر دینے میں اسے اہلیت سے خارج اور بہائم سے ملحق کر دینا اس کا شدید ضرر حاضر ہے، ایک ضرر ضعیف موہوم سے بچنے کے لئے دوسرے کو بالفعل ضرر شدید پہنچانا مقتضائے عدل وحکمت نہیں، مگر صاحبین بنظر فساد زمانہ حاکم کو اس صورت میں اجازت حجر دیتے ہیں یعنی اس کے ممنوع التصرف ہونے کا حکم کردے، اس حکم سے پہلے وہ بالاجماع ممنوع التصرف نہ ہوگا، اور امام کے نزدیک بعد حکم حاکم بھی، بلکہ یہ حکم ہی باطل ہوگا اسی تعلق حق غیر سے صورت[11] مرض الموت ہے کہ مریض کے دو ثلث مال سے شرعاً حق ورثہ بایں معنی متعلق ہو جاتا ہے کہ وہ نہ اسے ہبہ کر سکتا ہے نہ کسی ایک وارث کے ہاتھ بیع، اگرچہ[12] ثمن مثل کو ہو، اور[13] اگر کسی نے حالت مرض میں ایک وارث یا اجنبی کو اپنا کچھ مال یا کل ہبہ کر دیا اور قبضہ دے دیا اور پھر وہ اچھا ہو گیا اگرچہ چند روز کے بعد مرگیا، تو اب وہ تصرف بالاجماع صحیح ونافذ ہو گیا، تنہا موہوب لہ اس مال کا مالک قرار پائے گا اور ورثہ کو اس پر کچھ دعوٰی نہ پہنچے گا کہ دو ثلث مال سے ان کے حق کا تعلق بحال مرض الموت تھا جب وہ اچھا ہو گیا ظاہر ہوا کہ وہ مرض الموت نہ تھا، اور[14] تندرست کو اختیار ہے کہ اپنا کل مال ایک وارث خواہ راہ چلتے کو دے دے کوئی اس سے مزاحمت نہیں کر سکتا نہ کوئی حاکم ایسا دعوٰی سُن سکتا ہے نہ اس کے ممانعت کا حکم دے سکتا ہے، اور اگر دے گا تو بالاجماع باطل ہوگا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حق عاقل بالغ پر حجر ہو سکتا ہی نہیں اگرچہ سفیہ ہو اگرچہ مدیون ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر

حجر ہے تو بوجہ سفہ یا دَین، اور یہاں دونوں مفقود، تو حجر محض باطل ومردود، یہ حکم قضا ہے، رہا حکم دیانت اس کا تعلق آخرت سے ہے قاضی اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا، اور دیانۃً بھی بعض ورثہ کو محروم کرنا اس حالت میں منع ہے جبکہ محض بلا وجہ شرعی ہو۔ اگر ایسا کرے گا گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں فرمایا:

"جو اپنے وارث کے میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائیگا"۔

والعیاذ باللہ۔ (رواہ ابن ماجۃ[1] وغیرہ)

ورنہ اگر وہ[1] وارث مسرف ہے کہ مال فضول تباہ وبرباد کرے گا یا فاسق ہے کہ مال ملنے سے اس کے فسق وفجور کو مدد پہنچے گی یا بدمذہب ہے کہ فسق عقیدہ فسق عمل سے بدتر ہے اور اسے مال ملنے سے دین پر احتمال ضرر ہے تو ان صورتوں میں دیانۃً بھی وہ ایسے وارثوں کو محروم کرسکتا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو کوئی دوسرا اس کے اس تصرف میں رکاوٹ نہیں کرسکتا، نہ کسی مدعی کو دعوی پہنچتا ہے نہ کسی حاکم کو حکم کہ وہ اپنے خاص ملک میں متصرف ہے، اُن[1] کی نہ ملک ہے نہ حق پھر مزاحمت کیا معنی۔ بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادہ نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک غلام ہبہ کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ انور میں حاضر ہوئے کہ ان کی ماں رضی اللہ تعالٰی عنہا چاہتی ہیں کہ حضور اس پر گواہ ہوجائیں۔ ارشاد فرمایا: اکل بنیک نحلت مثل ھذا کیا تم نے سب بیٹوں کو ایسا ہی ہبہ کیا ہے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: لاتشھدنی علی جور[2] مجھے جور پر گواہ نہ کر۔ یہ حکم دیانت کی طرف اشارہ تھا اسے قضا سے کوئی تعلق نہیں کہ نہ کوئی مدعی تھا نہ تنازع[1] اور قضا بے خصم حاضر ناممکن ہے۔

بالجملہ اس کارروائی پر کسی کو اختیارِ دعوٰی ومزاحمت اصلاً نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

الاشباہ ص ۲۶۳:

قال فی فتح القدیر الملك قدرۃ یثبتھا الشارع ابتداء علی التصرف فخرج نحو الوکیل اھ وینبغی ان یقال	فتح القدیر میں ہے، ملک ایسی قدرت ہے جس کو شارع نے ابتداءً تصرف کے لئے ثابت کیا ہو تو اس سے وکیل خارج ہوگیا" اھ لغیر مانع"

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵

مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸

الا انہ کالمحجور علیہ فانہ مالك ولا قدرۃ لہ علی التصرف والمبیع المنقول مملوك للمشتری ولا قدرۃ لہ علی بیعہ قبل قبضہ وعرفہ فی الحاوی القدسی بانہ الاختصاص الحاجز وانہ حکم الاستیلاء[1]

کی قید لگانا مناسب ہے جیسا کہ محجور شخص کہ مالک ہے لیکن تصرف کی قدرت نہیں، اور وہ مبیع جو منقولہ چیز ہو تو مشتری اس کا مالک ہوتا ہے لیکن قبضہ سے قبل فروخت کا تصرف نہیں کرسکتا اور حاوی قدسی میں اس کی تعریف یوں ہے' وہ ایسا اختصاص ہے جو دوسرے کے دخل کو روک سکتا ہے اور وہ غالب کردیتا ہے (ت)

جوہرہ نیرہ جلد اوّل :

ولا یجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقلہ بحال والصبی والمجنون لایصح عقودھما ولا اقرارھما لانہ لاقول لھما اما النفع المحض فیصح منھا مباشرتہ مثل قبول الھبۃ والصدقۃ[2]۔

مجنون مغلوب العقل اور بچے کا تصرف جائز نہیں اور ان دونوں کا عقد صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ان کا اقرار صحیح ہے کیونکہ ان کا قول معتبر نہیں ہے لیکن خالص نفع والے معاملہ کو اپنانا ان کو جائز مثلاً ہبہ اور صدقہ کو قبول کرنا۔ (ت)

درمختار جلد ۵ ص ۱۲۸ :

وتصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام صح بلا اذن وان ضارا کالطلاق لا وان اذن وما تردد توقف[3] (اختصار)۔

بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کو سمجھتے ہوں اگر ان کا تصرف خالص فائدہ مند ہے جیسا اسلام قبول کرنا تو پھر ان دونوں کا تصرف صحیح ہے اور ان کے لئے وہ مضر ہو تو ولی کی اجازت سے بھی جائز نہیں اور اگر نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہو تو اجازتِ ولی پر موقوف ہوگا، مضر کی مثال طلاق ہے (اختصار) (ت)

بدائع ج ۷، ص ۱۶۹ :

واختلف ابو یوسف ومحمد فی السفیہ

یہ وقوف کے متعلق امام یوسف اور امام محمد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الحجر مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۹۳-۲۹۲

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

قال ابو یوسف لا یصیر محجورا الا بحجر القاضی وقال محمد ینحجر بنفس السفه[1] (باختصار)

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا آپس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں وہ مجور نہ بنے گا مگر قاضی مجور بنائے تو مجور ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ سفاہت و بیوقوفی پائے جانے سے خود بخود مجور قرار پائے گا (باختصار)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وظاهر کلامهم ترجیحه علی قول محمد[2]

فقہاء کا ظاہر قول امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ترجیح میں ہے۔ (ت)

الفقرویہ جلد ۲ ص ۲۸۲:

بخلاف ما اذا کان فی ید الغاصب او فی ید المرتهن او فی ید المستاجر حیث لاتجوز الهبة لعدم قبضه لان کل واحد منهم قابض لنفسه وعامل لنفسه[3]

جب چیز غاصب یا مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو اس کا ہبہ ان کو جائز نہیں کیونکہ موہوب لہ کا قبضہ نیا نہیں بلکہ پہلا قبضہ ہے جو ان کو اپنے حق کی وجہ سے ہے نیز وہ ہبہ کا قبضہ کریں بھی تو خود اپنے لئے عامل قرار پائیں گے۔ (ت)

ایضاً ص ۲۸۲:

وما لو کانت باعارۃ لعدم اللزوم، بزازیۃ فی الجنس الثالث فی هبة الصغیر[4]

اور لیکن عاریۃً قبضہ ہو تو جائز ہوگا کیونکہ اس میں لزوم نہیں ہے، بزازیہ کی تیسری جنس نابالغ کے ہبہ کے بیان میں ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

یرکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی

ایک شخص پر اتنا قرض ہوگیا جس میں اس کا تمام مال مستغرق ہوگیا تو قرض خواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ مقروض پر پابندی عائد کرے تاکہ

---

[1] بدائع الصنائع | کتاب الحجر والحبس | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۷/۱۶۹
[2] ردالمحتار | کتاب الحجر | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۹۳
[3] و [4] فتاوٰی الفقرویہ | کتاب الہبہ | دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان | ۲/۲۸۲

لا یھب مالہ ولایتصدق بہ فالقاضی یحجر علیہ عندھما و یعمل حجرہ حتی لاتصح ھبتہ ولاصدقتہ بعد ذٰلک لکن یشترط علم المحجور علیہ بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ قبل العلم بہ یکون صحیحًا (باختصار)۔[1]

وہ ہبہ یا صدقہ نہ کرے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی اس پر پابندی نافذ کرے تو وہ مؤثر ہوگی حتی کہ اس کا ہبہ اور صدقہ صحیح نہ ہوگا بشرطیکہ اس کو پابندی کا علم ہوجائے لہذا اگر علم سے پہلے اس نے کوئی تصرف کیا تو صحیح ہوگا (باختصار) (ت)

ایضًا:

وقال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لااحجر علی السفیہ اذا کان حرا بالغا عاقلا والسفیہ خفیف العقل الجاھل بالامور الذی لاتمیز لہ العامل بخلاف موجب الشرع وانما لم یحجر علیہ عند ابی حنیفۃ لانہ مخاطب عاقل ولان فی سلب ولایتہ اھدار اٰدمیتہ والحاقہ بالبھائم و ذٰلک اشد علیہ من التبذیر فلا یحتمل الاعلٰی لدفع الادنی۔[2]

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں بیوقوف کو پابند نہ کروں گا بشرطیکہ وہ آزاد عاقل بالغ ہو، اور امام صاحب کے نزدیک یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ عاقل مخاطب ہے اور اس لئے کہ اس پابندی سے اس کی ولایت ختم ہوجانے سے اس کی آدمیت کو ضائع کرنا اور اس کو حیوانات سے ملحق کرنا لازم آتا ہے اور یہ چیز اس کی فضول خرچی سے زیادہ شدید ہے لہذا ادنٰی کی وجہ سے اعلٰی سزا کا احتمال نہیں ہوگا اور سفیہ، خفیف العقل، امور سے ناواقف معاملات کی تمیز نہ رکھنے اور شریعت کے خلاف عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ (ت)

بدائع جلد ۷ ص ۱۶۹:

ولو حجر القاضی علی السفیہ و نحوہ لم ینفذ حجرہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی حتی لو تصرف بعد

اگر قاضی سفیہ کو تصرف سے روک دے تو پابندی نافذ نہ ہوگی حتی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اگر قاضی کی پابندی کے بعد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۶۱
[2] ایضًا

الحجر ینفذ تصرفہ عندہ[1]

وہ شخص کوئی تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ قرار پائے گا۔ (ت)

ہدایہ[11] میں ہے:

ولاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ[2] (باختصار)۔

اور ہبہ تہائی مال سے زائد جائز نہیں کیونکہ وہ ورثاء کا حق ہے (باختصار)۔ (ت)

نتائج[12] الافکار جلد ۸ ص ۴۲۱ میں ہے:

واوضحہ صاحب الکافی بان قال ولانہ انعقد سبب زوال املاکہ عنہ الی غیرہ لان المرض سبب الموت وبالموت یزول ملکہ لاستغنائہ عنہ ولو تحقق السبب لزال من کل وجہ فاذا انعقدت ثبت ضرب حق اھ[3]۔

اور اس کو صاحب الکافی نے مزید واضح فرمایا کہ مریض کے املاک کا دوسروں کو منتقل ہونے کا سبب پایا گیا ہے اس لئے کہ یہ مرض موت کا سبب ہے اور موت سے اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ ملک سے مستغنی ہوجاتا ہے اور جب یہ سبب پایا جائے تو مکمل طور پر اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے اور جب سبب محقق ہوگیا تو ایک طرح سے ورثاء کا حق ہوگیا اھ۔ (ت)

در[13] مختار جلد ۴ ص ۶۱۵ میں ہے:

ووقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی[4]

مریض کی اپنے وارث سے بیع باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ (ت)

رد[14] المحتار میں ہے:

ای ولوبمثل القیمۃ وھذا عندہ[5]۔

یعنی اگرچہ وہ بیع مثلی قیمت پر ہو، اور یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے (ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹

[2] الہدایہ کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] نتائج الافکار تکملہ فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۶

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱ و ۳۲

[5] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

عالمگیری[15] ج ۳ ص ۵۲:

ومن الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذلک المرض ولم تجز الورثة بطل البیع۔[1]

بیع موقوف کی ایک صورت یہ ہے کہ جب مریض اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو اپنے مال میں سے کسی عین چیز کی بیع کرے اگر تندرست ہوجائے تو بیع جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے اور باقی ورثاء اجازت نہ دیں تو باطل ہوجائے گی۔ (ت)

عالمگیری[16] ج ۴ ص ۱۴۱:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان برئت من مرضها صح، وان ماتت من ذلک المرض فان کانت مریضة غیر مرض الموت فکذلک الجواب وان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة۔[2]

مریضہ نے اپنے خاوند کو مہر ہبہ کیا اگر وہ تندرست ہوگئی تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو وہ مرض اگر موت کا باعث نہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے اگر وہ مرض الموت ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

بحر[17] ج ۷ ص ۳۱۴:

وان وهب ماله کله لواحد جاز قضاء وهو اٰثم کذا فی المحیط۔[3]

اگر کسی نے اپنا تمام مال ایک شخص کو ہبہ کردیا تو قضاءً جائز ہے جبکہ وہ گنہگار رہوگا۔ محیط میں یوں ہے۔ (ت)

ابوالسعود[18] ج ۲ ص ۲۲۱:

ولو وهب ماله کله لواحد جاز قضاء واٰثم والمختار التسویة بین الذکر

اگر ایک کو ہی تمام مال ہبہ کردیا تو صحیح ہے اور گنہگار ہوگا، اور مختار یہی ہے مرد وعورت کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۴
[2] " کتاب الہبہ الباب العاشر " " " ۴/ ۴۰۲
[3] بحر الرائق کتاب الہبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۸

والانثیٰ فی الھبة[۱] ، وفی الخانیة لاباس بتفضیل بعض الاولاد علی البعض فی المحبة لان المحبة عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصده یسوی بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتوی ولو وهب فی صحته کل المال للولد جاز واثم انتهت[۲] (ملخصاً)

مساوی ہبہ دے ، اور خانیہ میں ہے اولاد میں سے بعض کو محبت میں فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے ، اور یوں ہی عطیہ میں بشرطیکہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو ، اگر ضرر کی صورت ہو تو پھر لڑکی اور لڑکے کو مساوی دے ، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ، اور اگر تمام مال بیٹے کو اپنی صحت میں دے دے تو جائز ہے مگر گنہگار ہوگا (ت)

خلاصة الفتوی[۱۹] :

ولو اعطی بعض ولده شیئا دون البعض لزیادة رشده لاباس به وان کانا سواء لاینبغی ان یفضل ، ولو کان ولده فاسقا فاراد ان یصرف بماله الی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث هذا خیر من ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة ، ولو کان ولده فاسقا لایعطی له اکثر من قوته انتهت[۳] ، وان کان بعض اولاده مشتغلا بالعلم دون الکسب لاباس بان یفضله علی غیره وعلی جواب المتأخرین لاباس بان یعطی من اولاده من

اگر اولاد میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اگر زیادہ نیک ہونے پر ایسا کیا تو کوئی حرج نہیں ، اور اگر تمام مساوی ہوں تو ایسا نہ کرے اگر بیٹا فاسق ہو تو چاہے کہ اپنا تمام مال خیرات میں کرے اور فاسق کو محروم رکھے تو مال کو باقی رکھنے کے بجائے یہ بہتر ہے کیونکہ مال ترکہ چھوڑنے میں فاسق کی معصیت میں اعانت ہوگی ، اور اگر بیٹا فاسق ہو تو اس کو وقت کی خوراک سے زیادہ نہ دے اھ ، اور اولاد میں سے بعض علم میں مشغول ہوں اور کسب نہ کریں تو اسکو دوسروں پر فضیلت دینے میں حرج نہیں ہے ، اور متاخرین کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو

---

[۱] فتح المعین علی شرح الکنز لمنلا مسکین کتاب الہبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۲۱
[۲] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبہ فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۰۶-۷۰۵
[۳] خلاصۃ الفتاوٰی ر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۴۰۰

كان عالما متأدبا ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا ولو كان ولدها فاسقا فاراد صرف ماله فى الخير فحرمانه هذا خير من تركه لانه فيه اعانة على المعصية۔

عالم اور تربیت والا ہو اس کو دے اور جو فاسق فاجر ہو اس کو نہ دے، اور اگر بیٹا فاسق ہو اور چاہے کہ تمام مال خیر میں صرف کردے تو اس طرح فاسق کو محروم کرنا بہتر ہے کیونکہ ترکہ چھوڑنے میں معصیت میں اعانت ہوگی۔ (ت)

بند۲۰ غنیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المبتدع فاسق من حيث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حيث العمل[1]

بدعقیدہ شخص اعتقادی فاسق ہے اور یہ عملی فسق سے زیادہ شدید ہے (ت)

۲۱ تنویر الابصار جلد ۴ ص ۴۴۵ میں ہے:

الدعوى هى قول مقبول يقصد به طلب حق قبل غيره او دفعه عن حق نفسه[2]

دعوٰی، ایسا مقبول قول ہے جس کے ذریعہ غیر سے اپنا حق طلب کیا جائے یا اپنے حق کا دفاع کیا جائے۔ (ت)

۲۱ تنویر الابصار ج ۴ ص ۴۵۹:

القضاء ھو فصل الخصومات وقطع المنازعات[3]

قضاء، منازعات کا فیصلہ اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا نام ہے۔ (ت)

۲۲ درمختار ج ۴ ص ۵۰۲ و ۵۰۳ تحت قول الماتن اذا رفع اليه حكم قاضٍ نفذه (جب اس کو قاضی کا فیصلہ مل جائے تو نافذ کرے۔ ت) فرمایا:

بعد دعوى صحيحة من خصم على خصم حاضر والا كان افتاء[4]

ایک فریق کا صحیح دعوٰی مخالف حاضر فریق پر ہو ورنہ وہ فتوٰی ہوگا۔ (ت)

۲۳ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۴
[3] 〃 〃 〃 کتاب القضاء 〃 〃 〃 ۲/ ۷۱
[4] 〃 〃 〃 فصل فی الحبس 〃 〃 〃 ۲/ ۷۸

قال فی البحر اول کتاب القضاء فان فقد ھذا الشرط لم یکن حکما و انما ھو افتاء صرح بہ امام السرخسی۔[1]

بحر کی کتاب القضاء کے ابتداء میں فرمایا اگر یہ شرط مفقود ہو جائے تو یہ فیصلہ اور حکم نہ ہوگا وہ صرف افتاء ہوگا، امام سرخسی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (ت)

درمختار صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴:

فی ایمان البزازیۃ المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاھر۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

بزازیہ کی کتاب الایمان میں ہے مفتی دیانت پر فتوٰی دے گا اور قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء، فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۲۶

[illegible] ۲/۴۳

کتاب الاجارۃ

(اجارہ کا بیان)

مسئلہ ۱۴۳ از کرتولی مرسلہ حضرت مولوی محمد رضا خاں صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بحضور میاں بھائی دام ظلہم العالی بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمین الٰہی آمین!

صورت مسئولہ یہ ہے کہ ربیع ۲۵ف میں بعد اختتام کار ربیع فصل سے خالی زمین کر کے چند کاشتکاران مرزا پور ساکن موضع سلن نگر نے زبانی استعفا دیا جس میں سے ایک شخص نے مجھ سے خود کہا کہ میں نہیں کروں گا بجواب اس کے میں نے کہا کہ تو ہم سے ناتہ توڑ رہا ہے دو روپیہ فارغخطانہ کے دے دے، اس نے وہ بھی دے دئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ زمیندار کاشتکار کو بے دخل نہ کرائے یا وہ استعفا باضابطہ مقررہ نہ دے اس وقت تک نام کاشتکار خارج نہیں ہوسکتا، اور کاشتکار بلا اخراج نام بصورت مداخلت زمیندار اگر چاہے تو دعوٰی مال اور فوجداری میں کرسکتا ہے ۲۶ف کے شروع میں سب کو دوبارہ اطلاع دی گئی کہ چاہے زمین کرو یا پڑی رکھو لگان دینا ہوگا، اس پر بھی انھوں نے زمین کاشت کرنے کا اقرار کیا، نہ کاشت کی، ۲۶ خریف موجودہ کی نالش کردی گئی، آج ان مقدمات کی تاریخ ہے کل حضور کے اقبال سے چار قطعہ نالشات مالعہ روپیہ ملازم کو دئے گئے اور لہ ان شاء اللہ العزیز انہیں دو چار یوم میں اور ملیں گے، یہ روپیہ مجھ کو جائز ہے یا نہیں، بنظر احتیاط ناکارہ غلام نے دو عدد بھیلیاں قیمت ۴ ار کو ہر شخص کو اس کا روپیہ اس کے ہاتھ میں دے کر اور یہ کہہ کر ہم اپنا معاملہ پاک کرنا چاہتے ہیں

نصف بہیل تمہارے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تم اس کو للعہ روپے خرید کرتے ہو، سب نے بخوشی اپنے مطالبہ میں قبول کیا اور عمل بیع واقع ہوگیا، یہ کاشتکار رئیس کھیڑہ کی زمینداری میں آباد ہیں، ان سات کس مدعا علیہم کے ہمراہ ایک کارندہ یا تھقیت زمیندار اور ایک اس کا رفیق تھا، یہ صورت میں نے حضور میں اس بنا پر پیش کی کہ بجز اس کے کہ پٹواری مطلع اور نالشات دائر ہیں اور زیادہ دباؤ کی صورت نہیں، بیع خوشی سے عمل میں آئی کاشتکار سب کفار ہیں۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

جانِ برادر بلکہ از جان ہزار جا بہتر مولوی محمد رضا خان سلمہ الرحمٰن وحفظہ فی کل آن آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک زمیندار بے دخل نہ کرائے یا کاشتکار باضابطہ استعفا نہ دے زبانی استعفا کاشت چھوڑنا نہیں سمجھا جاتا یہاں تک کہ زمیندار مداخلت کرے تو اس پر مال وفوجداری دونوں میں دعویٰ ہو سکے، اور یہ قاعدہ خود اُن کاشتکاروں کے علم میں بھی ہے اور باضابطہ استعفا نہ دیا تو ثابت ہوا کہ وہ اجارۂ زمین سے دستبردار نہ ہوئے، اگر ہونا چاہتے باضابطہ استعفا دیتے، پھر بھی اس میں شبہہ رہتا کہ زبانی تو چھوڑ چکے تھے اگرچہ قانوناً ان کا دعویٰ باقی رہتا، مگر جب تم نے شروع سال میں یہ صاف کہہ دیا کہ لگان بہرحال دینا ہوگا، اور انھوں نے سکوت کیا اگرچہ کاشت بھی نہ کی، تو یہ دوبارہ قبول اجارہ ہوگا اور لگان ان پر لازم آئی، یہ روپیہ بحمد اللہ تمھیں بروجہ حلال ملا، اس کے بعد اس احتیاط کی حاجت بھی نہ تھی، اب کہ کر لی گئی وہ روپے اس بیع کے ہوگئے، لگان ان پر بدستور رہتا، مگر ظاہراً تم نے روپے لگان میں لے کر پھر ان کے ہاتھ میں دے کر بیع کی بہیلی لگان میں لے لینے سے لگان ادا ہوگیا اور وُہ بھی مطالبہ سے بری ہوگئے۔ بہرحال یہ روپیہ تمھارے لئے بفضلہ تعالےٰ حلال طیب ہے، مولیٰ عزوجل اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں دین و دنیا میں تمھارا اقبال دن دُونا رات سوایا کرتا رہے، آمین!

مسئلہ ۱۴۴ از شہر کُہنہ بریلی مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ ر شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مزدوری کرتا ہے، دن روزہ کی مزدوری میں جب کام کرتا ہے تو بدرجہ کمی اور ٹھیکہ میں جب کرتا ہے تو کوشش اس امر کی کرتا ہے کہ زیادہ ہو، ایسی صورت میں اس کی روزی کیسی ہُوتی؟

الجواب

کام کی تین حالتیں ہیں: سُست، معتدل، نہایت تیز۔ اگر مزدوری میں سُستی کے ساتھ کام کرتا ہے گنہ گار ہے اور اس پر پُوری مزدوری لینی حرام۔ اتنے کام کے لائق جتنی اجرت ہے لے، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس دے، وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، اُن کا بھی پتہ نہ چلے مسلمان محتاج پر تصدق کرے اپنے صرف میں لانا یا غیر صدقہ میں اسے صرف کرنا حرام ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں بھی کاہلی سے سُستی کرتا ہو، اور اگر مزدوری میں معتدل کام کرتا ہے مزدوری حلال ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر ایک اجیر پیشہ ور کو معتبر و متدین سمجھ کر سالہاسال اُجرت پر کام بنانے کے لئے زیادہ کاریگر ہمیشہ بہ دیانت تمام کام بنایا کیا، کبھی اس سے تقصیر واقع نہ ہوئی، اب برسوں کے بعد ایک مال اس کی حفاظت سے گُم ہوگیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ناجائز ہے،

فی الوقایة لایضمن ما هلك فی یده وان شرط علیه الضمان و به یفتی[1]، وفی الاصلاح والتنویر[2] بلفظه وفی النقایة کذلك الا قوله و به یفتی وفی الملتقی المتاع فی یده امانة لایضمن ان هلك وان شرط ضمانه	وقایہ میں ہے، اجیر کے قبضہ سے گم شدہ چیز پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی لگاتی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور اصلاح اور تنویر میں یہی الفاظ ہیں، اور نقایہ میں یُونہی ہے سوائے "بہ یفتی" کے۔ اور ملتقٰی میں ہے اس کے قبضہ میں مال امانت ہے، ہلاک ہوجانے پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی ہو،

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارہ باب من الاجارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۰۶
[2] درمختار شرح تنویر الابصار " باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۰
[3] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

بہ یفتی[۱]، وفی الکنز المتاع فی یدہ غیر مضمون بالھلاک[۲]، وفی الغرر لایضمن ماھلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان[۳] اھ، وفی منح الغفار قد جعل الفتوی علیہ فی کثیر من المعتبرات وبہ جزم اصحاب المتون فکان ھو المذھب[۴]، وفی الخانیۃ المختار فی اجیر المشترک قول ابی حنیفۃ[۵] وفیھا قال الفقیہ ابو اللیث علی قول ابی حنیفۃ لایضمن وبہ ناخذ والفتوی علی قول ابی حنیفۃ[۶] اھ ملخصا، وفی الخلاصۃ من جنس القصار القاضی الامام یفتی بقول ابی حنیفۃ قال وانا افتی بہ[۷] وفی التاتارخانیۃ عن الابانۃ اخذ الفقیہ ابو اللیث فی ھذہ المسئلۃ بقول

اسی پر فتوٰی ہے، اور کنز میں ہے اس کے قبضہ میں مال ہلاک ہوجائے تو مضمون نہیں ہے، اور غرر میں ہے اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر ضمان نہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو اھ، اور منح الغفار میں ہے کثیر معتبر کتب میں اسی پر فتوٰی ہے اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا ہے تو یہی مذہب ہے، اور خانیہ میں ہے مشترک اجیر کے متعلق مختار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی میں ہے کہ فقیہ ابواللیث نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ ضامن نہ ہوگا، ہمارا یہی مختار ہے، اور فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے اھ ملخصاً۔ اور خلاصہ کی جنس القصار میں ہے امام قاضیخان امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیتے ہیں، اور انھوں نے فرمایا میں اسی پر فتوٰی دیتا ہوں، اور تاتارخانیہ میں الابانہ سے منقول ہے کہ فقیہ ابواللیث نے اس مسئلہ

---

۱ ملتقی الابحر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۱۶۴
۲ کنز الدقائق " باب فی بیان احکام ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۹
۳ الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب من الاجارۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۲۳۵
۴ منح الغفار
۵ فتاوٰی قاضیخان کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳/۴۴۱
۶ " " " " ۳/۴۴۴
۷ خلاصۃ الفتاوٰی " الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۱۳۶

ابی حنیفة و به افتی[1] و فی الانقرویة
قال القاضی فخرالدین الفتوی علی
انه لایضمن تاتارخانیة[2] اھ، و
فی البزازیة نوع القضاء القاضی
افتی بقول الامام[3] اھ، و فیھا
قال فی العون اخترت قول
الامام[4] اھ وفیھا لو شرط الضمان
علی المشترك ان ھلکت قیل
یضمن اجماعا والفتوی علی
انه لا اثر له و اشتراطه وعدمه
سواء لانه امین[5] اھ، و
فیھا بُعَیْدَہٗ فی مسئلة
لایضمن و به یفتی[6] اھ
وفی جامع الفصولین
قال و فیھا علیه قول
البزازی ث (الفقیه
الامام ابواللیث) به ناخذ
قال ھذ (صاحب الذخیرة)
و فی الھندیة اوائل الفصل الاول فی

میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول لیا ہے
اور اسی پر فتوٰی دیا ہے، اور انقرویہ میں ہے
قاضی فخرالدین نے فرمایا فتوٰی یہ ہے کہ وہ
ضامن نہ ہوگا، تاتارخانیہ اھ۔ اور بزازیہ کی
نوع القضاء میں ہے قاضیخان نے امام ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا ہے اھ،
اور اسی میں یہ بھی ہے انھوں نے العون میں
فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول
کو اختیار کیا ہے اھ، اور اسی میں ہے اگر
مشترک اجیر پر شرطِ ضمان لگائی تو بعض نے
کہا بالاتفاق ضامن ہوگا اور فتوٰی یہ ہے کہ اس
شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے
کیونکہ امین ہے اھ، اور اسی میں ایک مسئلہ میں
تھوڑا بعد فرمایا ضامن نہ ہوگا اسی پر فتوٰی
دیا جائے گا اھ، اور جامع الفصولین میں فرمایا
اور اس میں اس پر بزازی کا "ث" یعنی
فقیہ ابواللیث کا قول، ہم نے یہی اختیار کیا ہے
اور "ھذ" کہا یعنی صاحب ذخیرہ نے
ہندیہ میں اجیر مشترک کی بحث کی ابتداء میں ہے

---

[1] الفتاوی التاتارخانیہ
[2] فتاوی انقرویہ کتاب الاجارہ باب فی ضمان الاجیر المشترک دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/۲۲۵
[3] و [4] فتاوی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ الفصل السادس، نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۸۶
[5] و [6] " " " " " " " " " " " " ۵/۸۶
[7] جامع الفصولین

الاجیر المشترك قال فخر الدین وعلیه الفتوٰی وبه ناخذ[1] اھ، وفیھا اواخر الفصل المذکور ایضا عن الکبرٰی الفتوی علٰی انه لاتضمن الاجیر المشترك الا ما تلف بصنعه[2]

فخر الدین نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے اور ہم نے اسی کو لیا ہے اھ، اور اسی میں فصل مذکور کے آخر میں کہا کہ فتاوٰی کبرٰی میں بھی ہے کہ مشترک اجیر ضامن نہ ہوگا مگر جبکہ وہ خود سامان کو ہلاک کرے۔ (ت)

اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہوجائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال وفتاوٰی سخت مختلف ہیں، مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقًا تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام قاضی شریح وامام عطاء وامام طاؤس وامام مجاہد وامام ابراہیم نخعی وامام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم وغیرہم اکابر تابعین اور امام زفر وامام حسن بن زیاد وغیرہم ائمہ دین کا، اور ایک قول میں امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے امام احمد سے، بلکہ کہا گیا امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا اور حضرات امیر المؤمنین فاروق اعظم وامیر المؤمنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی ایک روایت یونہی وارد ہوئی بلکہ امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی، بلکہ بعض علماء نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے، امام اجل شریح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ سرکار مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے قاضی تھے ہزارہا صحابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرماتا بلکہ خود حضور پُرنور حکم عدل خبیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث وارد، اور بعینہٖ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء سے مروی اور انھیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(ابوحنیفۃ) عن بشر الکوفی عن محمد بن علی عن ابیه عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لاضمان علی قصار ولاصباغ[3]

ابوحنیفہ بشر الکوفی سے اور وہ اپنے والد سے انھوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دھوبی اور رنگریز پر ضمان نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

[2] " " " " " " " " " " ۴/ ۵۱۱

[3] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۹

اور اسی پر جزم فرمایا ملتقی[14] و وقایہ[15] و نقایہ[16] و غرر[17] و اصلاح[18] و تنویر[19] وغیرہا متون میں، اور یہی مقتضی ہے اطلاق قدوری[20] و ہدایہ[21] و کنز[22] و مجمع[23] وغیرہا متون کا۔ غرض عامہ متون اسی پر ہیں، اور اسی پر فتوٰی دیا امام فقیہ ابو اللیث[24] سمرقندی اور امام اجل قاضیخان[25] اور امام ظہیر الدین[26] مرغینانی اور امام افتخار الدین[27] طاہر صاحب خلاصہ وغیرہم اکابر معتمدین نے، بلکہ امام اجل ظہیری اول اس کے قائل نہ تھے بعدہٗ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح و مختار و معتمد و مفتٰی بہ ٹھہرایا مضمرات[28] و ذخیرہ[29] و ابانہ[30] و عون[31] و تاتارخانیہ[32] و فتاوی کبری و فتاوی بزازیہ[33] و محیط و وقایہ و ملتقی و اصلاح و تمہ[34] و تنویر و منح[35] و درر[36] وغیرہا جمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں، اور اس کی ترجیح مقتضی ہدایہ[37] کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایہ ہے۔ عام معتبرات میں اسی پر فتوٰی دیا، اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا۔ ذرا چشم انصاف اس مذہب مہذب کی سطوت و شوکت ملاحظہ کرے۔

اما ان شریحا یقول بہ (فمحمد فی الاٰثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط[1] (قلت) وارسلہ الامام فی المسند عن النخعی، واما عطاء وطاؤس فعزاہ الیھما فی الخلاصۃ والخیریۃ وغیرھما، والی مجاھد ایضا فی الخلاصۃ والی ابراھیم فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار، والی حماد فی غایۃ البیان عن مختصر الامام الکرخی، و الی زفر والحسن فیھا والایضاح وفی الھندیۃ ومجمع الانھر، واما انہ قول للشافعی وروایۃ عن احمد فیستفاد من شرح

لیکن بیشک قاضی شریح اس کے قائل ہیں، تو امام محمد نے آثار میں امام ابو حنیفہ انھوں نے حماد انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا کہ قاضی شریح نے کبھی اجیر کو ضامن نہ بنایا، قلت (میں کہتا ہوں) اور اس کو امام ابو حنیفہ نے مسند میں بطور ارسال ابراہیم نخعی روایت کیا امام طاؤس اور عطاء۔ ان دونوں کی طرف خلاصہ اور خیریہ وغیرہما منسوب کیا اور مجاہد کی طرف بھی خلاصہ میں اور ابراہیم کی طرف درمختار پر حاشیہ طحطاوی میں اور حماد کی طرف غایۃ البیان میں مختصر الامام الکرخی سے منقول اور امام زفر اور امام حسن کی طرف غایۃ البیان، ایضاح، ہندیہ اور مجمع الانہر میں منسوب ہے، لیکن امام شافعی کا قول ہے اور امام محمد سے ایک روایت ہے تو یہ نسفی کے متن

---

[1] کتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ باب ضمان الاجیر المشترک حدیث ۷۸۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۷۳

العینی علی متن النسفی ، وقد ذکر الاتقانی انه الاصح عندھم نقل ذٰلک عن وجیزھم ، وحکایتہ عن محمد ذکرھا الامام قاضیخان فی فتاواہ، واما روایۃ عن عمر وعلی رضی اللہ تعالٰی عنھما فالطوری فی شرح الکنز والسید احمد فی حاشیۃ الدر ، (قلت) ورأیت فی مسند الامام (ابوحنیفۃ) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المؤمنین علی بن ابیطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کان لایضمن القصار والصباغ[1] (واخری) زاد فیھا ولا الحائک[2]، واما رجوع علی الٰی ھٰذا فالطحطاوی عن الاتقانی عن شرح الکافی (قلت) ای للامام شیخ الاسلام الاسبیجابی وقد رأیتہ فی غایۃ البیان نقلاً عنہ واشار الیہ المولی بحرالعلوم فی فواتح الرحموت واما حلولہ محل الاجماع فالاتقانی ایضا حیث قال کان حکم شریح بحضرۃ الصحابۃ والتابعین من

پر عینی کی شرح سے مستفاد ہے اور اتقانی نے ذکر کیا کہ ان کے ہاں اصح ہے یہ بات انھوں نے ان کی وجیز سے نقل کی ہے ، اور امام محمد سے اس نقل کو امام قاضیخان نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے لیکن حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کو توطوری نے کنز کی شرح اور سید احمد نے حاشیہ درمختار میں ان دونوں سے روایت کیا ، قلت (میں کہتا ہوں) میں نے مسند امام ابوحنیفہ میں یونس بن محمد انھوں نے ابوجعفر محمد بن علی انھوں نے امیرالمومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دھوبی اور رنگریز اور دوسری روایت میں حجام کا ذکر بھی ہے کہ آپ ان سے ضمان نہ لیا کرتے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس طرف رجوع کرنا تو اس کو طحطاوی نے اتقانی کے حوالہ سے شرح کافی سے نقل کیا ہے قلت (میں کہتا ہوں) یعنی امام شیخ الاسلام اسبیجابی کی شرح سے ، اور بیشک میں نے اسکو غایۃ البیان میں ان سے منقول پایا ، اور بحرالعلوم نے فواتح الرحموت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا مرتبہ اجماع میں ہونا تو اتقانی نے بھی کہا ہے جہاں انھوں نے بیان کیا کہ قاضی شریح کا فیصلہ صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں ان کی

---

[1] جامع المسانید الباب الثالث عشر دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۰

[2] " " " " " ۲/ ۵۰

غیر نکیر فحل محل الاجماع[1] اھ قلت فیہ ان لانکیر علی القضاۃ فی الاجتہادیات فالسکوت فی امثال المقام لایدل علی الوفاق ونقل الاتقانی نفسہ فقال قال شیخ الاسلام الاسبیجابی فی شرح الکافی قبیل باب الرجل یستصنع الشیئ کانت المسئلۃ مختلفا فیھا بین الصحابۃ والتابعین فابو حنیفۃ رجح اقوال البعض علی البعض[2] اھ واما نصوص الملتقی والوقایۃ والنقایۃ والاصلاح والکنز والغرر والتنویر والمنح والتاتارخانیۃ والبزازیۃ وفتوی ابی اللیث وقاضیخان وابن عبد الرشید وصاحب الذخیرۃ والابانۃ والعون فقد سمعت کل ذٰلک، واما مجمع البحار فعزا الیہ فی رد المحتار اثری الفتوی، وعن الامام الظہیری فی الخلاصۃ والخیریۃ والعلمگیریۃ والعمدۃ والعمادیۃ والمنح وغیرھا، ورجوعہ الی ھذا فیھا الا الخیریۃ وعن المضمرات والذخیرۃ ایضا فی شرح النقایۃ وعن التتمۃ والمحیط فی الایضاح شرح الاصلاح فی حاشیۃ الطحطاوی ورد المحتار، واما ترجیحہ مقتضی صنیع الھدایۃ فلتقدیمہ القول

طرف سے کسی انکار کے بغیر ہوا ہے تو یہ اجماع کے مرتبہ میں ہوا اھ، میں کہتا ہوں اس میں یہ اعتراض ہے کہ اجتہادات میں قاضیوں پر اعتراض نہیں ہوا کرتا لہٰذا ایسے مقام میں سکوت تائید پر دال نہیں ہوگا جبکہ خود اتقانی نے نقل کیا اور کہا کہ شیخ الاسلام اسبیجابی نے شرح کافی میں پیشگی آرڈر پر شیئ بنوانے کے باب سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ اجیر کے ضمان کا مسئلہ صحابہ اور تابعین کے دور میں مختلف فیہ رہا ہے تو امام ابوحنیفہ نے ان کے اقوال میں بعض کو ترجیح دی ہے اھ، لیکن ملتقی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر، تنویر، منح، تاتارخانیہ اور بزازیہ کی نصوص اور ابواللیث، قاضیخان، ابن عبدالرشید، صاحب ذخیرہ، ابانہ اور عون کے فتاوٰی تو آپ سن چکے ہیں، لیکن مجمع البحار تو اس کی طرف ردالمحتار میں فتوٰی منسوب کیا ہے اور امام ظہیری سے خلاصہ، خیریہ، عالمگیریہ، عمدہ، عمادیہ اور منح وغیرہ میں نقل موجود ہے اور ان کا اس طرف رجوع کرنا خیریہ کے علاوہ تمام مذکورہ کتب میں موجود ہے، اور مضمرات، اور ذخیرہ سے بھی شرح نقایہ میں منقول ہے اور تتمہ اور محیط سے ایضاح شرح اصلاح اور حاشیہ طحطاوی اور ردالمحتار میں منقول ہے، اور لیکن اس کی ترجیح تو یہ ہدایہ کی عادت کہ بطور قول مقدم کرنا

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی بحوالہ الاتقانی کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۵

[2] غایۃ البیان

وتاخیرہ الدلیل ، واما انہا ھی ظاھر الروایة عن الامام فالشامی وغیرہ فی العقود الدریة وغیرھا واما الجزم بہ فی المتون والافتاء بہ فی عامة المعتبرات حتی کان ھو المذھب فقد سمعت نص المولی ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ التمر تاشی وتبعہ افندی شیخی زادہ والمدقق الحصکفی ، واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اس کی دلیل کو مؤخر کرنے کا مقتضٰی ہے، لیکن یہ کہ امام سے یہ ظاہر روایت ہے تو یہ شامی وغیرہ کی عقود الدریة وغیرہ میں ہے، لیکن اس پر متون اور فتاوٰی کا جزم تو یہ عام کتب میں موجود ہے حتی کہ اس کو مذہب کہا ہے، آپ اس پر ابوعبداللہ تمرتاشی کی نص سن چکے ہیں اور شیخی زادہ اور مدقق حصکفی نے ان کی اتباع کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ مذہب امام غایت درجہ قوت وجلالت وثبات ومتانت پر واقع ہے بحیث لا تزعزع جوانبہ صیحة صائح ولا تزلزل ارکانہ صولة صائل وانا اقول وللہ التوفیق (ایسے کہ اس کے اطراف کو کسی کی چیخ نے متاثر نہ کیا اور نہ ہی اس کے ستونوں کو کسی طاقتور کی طاقت نے جنبش دی۔ اور میں کہتا ہوں حالانکہ توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ ت) جماہر غن جیب بر نگان امعان ہمارے اس تلخیص عبارت وتحسین اشارت پر نظر کریں توان شاء اللہ تعالٰی اس پر مہر نیمروز وماہ نیم ماہ کی روش روشن وبیّن ہوگا کہ یہاں مذہب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ بوجوہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف ومنافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے اگرچہ وہ بھی مذیل بالافتاء ولتصحیح ہوں کہ مطلقاً اختلافِ فتوٰی مستلزم تعادل واستواء نہیں۔

اوّلاً عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروح اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں وھذا یعرفہ کل من لہ معرفة فی الفقة (اس کو فقہ کی معرفت والا ہر ایک جانتا ہے۔ ت)

علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

اذا اختلف التصحیح والفتوی فالعمل بما وافق اطلاق المتون اولٰی۔[1]

جب تصحیح اور فتوٰی میں اختلاف پایا جائے تو پھر متون کی موافقت میں عمل اولٰی ہے۔ (ت)

علامہ بیری شرح اشباہ میں غیر مذہب امام پر بعض جگہ فتوٰی دیا جانا ذکر کرکے کہتے ہیں:

ینبغی ان یکون ھذا عند عدم ذکر اھل المتون للتصحیح والا فالحکم بما فی المتون

یہ اس وقت مناسب ہے جب متون میں تصحیح کا ذکر نہ ہو ورنہ حکم وہی ہوگا جو متون نے بیان کیا

---

[1] بحر الرائق کتاب الصلوٰة باب فی قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۶

كما لا يخفى لانها صارت متواترة[1] جیسا کہ مخفی نہیں کیونکہ ایسے میں وہ حکم متواتر ہوجاتا ہے۔ (ت)

محقق شامی آفندی حاشیہ در میں بحث تخییر مفتی وقت اختلاف میں لکھتے ہیں :

اقول وينبغی تقييد التخيير ايضا بما اذا لم يكن احد القولين فی المتون لما قدمناه أنفا عن البيری ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انه اذا اختلف التصحيح والفتوٰی فالعمل بما وافق المتون اولٰی[2]

میں کہتا ہوں، اور مفتی کے اختیار پر یہ پابندی بھی مناسب ہے کہ جب متون میں کوئی قول نہ ہو تو پھر اسے اختیار ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیری سے نقل کیا ہے اور بحر کے قضاء الفوائت سے نقل کی وجہ کہ جب تصحیح اور فتوٰی میں اختلاف پایا جائے تو متون کے موافق عمل بہتر ہے۔ (ت)

ثانیاً یہ قول، قولِ امام ہے اور ہم قولِ امام سے عدول نہیں کرتے جب تک کوئی ضرورت یا ضعفِ حجت نہ ہو اور یہاں ضعف کیسا، جو قوت وشہرت ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قولِ امام نہ ترک کیا جائے اگرچہ مشائخ دوسرے قول پر فتوٰی دیں چہ جائے آنکہ جمہور اکابر کا فتوٰی اسی طرف ہو، پھر اسے مہجور کیا جائے، بحرالرائق میں ہے :

بهذا ظهر انه لا يفتی ولا يعمل الا بقول الامام الاعظم ولا يعدل عنه الی قولهما او قول احدهما او غيرهما الا لضرورة من ضعف دليل او تعامل بخلافه كالمزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوٰی علی قولهما[3]

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا اور عمل کیا جائیگا اور صاحبین رحمہما اللہ یا ان میں سے ایک یا کسی غیر کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا الّا یہ کہ پیش کردہ دلیل کمزور ہو یا تعامل اس کے خلاف ہو مثلاً مزارعت کا تعامل ورنہ مطلقاً فتوٰی امام صاحب کے قول پر ہوگا اگرچہ مشائخ تصریح بھی کردیں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے۔ (ت)

اسی طرح علامہ فہامہ خیرالدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر فرمایا :

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح البیری مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۶

واولہ المفتی رعندنا انہ لایفتی الخ و اٰخرہ لانہ صاحب المذھب والامام المقدم۔[1]

پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ امر ہے کہ فتوٰی اور عمل امام صاحب کے قول پر ہی ہوگا، اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہی صاحب مذہب اور اول امام بھی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا لایتخیر (ای المفتی فی الافتاء بماشاء عند اختلاف الفتیا) لوکان احدھما قول الامام والاٰخر قول غیرہ لانہ لما تعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام الخ۔[2]

یونہی مختار نہ ہوگا (یعنی فتاوٰی میں اختلاف کے موقع پر مفتی کو اپنی مرضی کا فتوٰی دینے کا اختیار نہیں) جبکہ ایک امام صاحب کا قول ہو اور مقابلہ میں کسی دوسرے کا قول ہو، کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں قول ساقط ہوجاتے ہیں تو ہم اصل کی طرف راجع ہوں گے اور وہ امام کے قول کا مقدم ہونا ہے الخ۔ (ت)

ثالثاً جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے یہاں تک کہ قریب اجماع کہا گیا:

ولاشك ان قول الجمھور الذین منھم امامنا خیرلنا من بعض لیس ھو منھم۔

اس میں شک نہیں جمہور جن میں ہمارے امام بھی ہوں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو جمہور میں شامل نہ ہوں۔ (ت)

رابعاً خود حضور سرور عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث مروی بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث مرفوع کا نام بھی سُننے میں نہ آیا۔

خامساً قول امام پر فتوٰی دینے والے اجلّہ ائمہ مالکان ازمہ ترجیح وافتا معروفین بالاتفاق مشار الیہم بالبنان ہیں جیسے امام ابواللیث سمرقندی و امام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیر الدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری وغیرہم من الجلۃ الاکابر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بخلاف مذہب صاحبین کہ اس پر فتوی غالباً بالفاظ نکارت وابہام منقول ہوا: من الناس من افتی بقولھما[3] (بعض لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا۔ ت) دوسری جگہ ہے: قول بعضھم بہ یفتی[4] (بعض نے یہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۹

[4] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۴۱

فتوی دیا۔ت) شرح کنز علینی میں ہے: بہ یفتی بعضھم[1] (اسی پر بعض نے فتوٰی دیا۔ت) خلاصہ وبزازیہ میں ہے: بعض العلماء اخذ وا بقولھما[2] (بعض علماء نے صاحبین کا قول لیا ہے۔ت) شاید یہی وجہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ تو بکثرت ہے کہ صرف قولِ امام پر فتوی نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معرّی رکھا اور اس کا عکس ہرگز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علماء قولِ صاحبین پر مطمئن نہیں رہے تبیین کا حکم بقولھما یفتی[3] (صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا۔ت) سوان اکابر اساطینِ مذہب اور فاضل زیلعی میں جو فرق ہے کسے معلوم نہیں۔

سادسًا جمہور کا فتوی اسی طرف ہے،

لما مران قد جعل الفتوی علیہ فی عامۃ المعتمدات۔

جیسا کہ گزرا کہ عام معتبر کتب میں اس پر فتوٰی جاری ہوا۔ (ت)

اور قولِ جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور،

الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین مما اعتمد علیہ الکبار المعروفون منھم کابی حفص وابی جعفر و ابی اللیث والطحاوی وغیرھم ممن یعتمد علیہ[4]۔

علامہ شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا کہ اگر فقہاء کا اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کو لیا جائیگا پھر اکثریت ان لوگوں کی جن پر مشہور اکابر نے اعتماد کیا ہو، ان میں جیسا کہ ابوحفص، ابوجعفر، ابواللیث اور طحاوی وغیرہم معتمد علیہ لوگ ہیں (ت)

سابعًا اس قول پر فتوی دینے والے ایک امام علامہ فخر الملّۃ والدین حسن بن منصور اوزجندی ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، اور یہ امام فارس میدان ترجیح و تصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتوٰی سے عدول نہ کیا جائے، علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں:

علیك بما فی الخانیۃ فان قاضیخان من اھل التصحیح والترجیح[5]۔

خانیہ کا بیان کردہ تجھ پر لازم ہے کیونکہ قاضیخان اہل تصحیح و ترجیح میں سے ہیں (ت)

---

[1] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۵۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی " الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۱۳۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/۱۳۵

[4] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

[5] اللآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریۃ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں :

مایصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس[1]

قاضیخان کا تصحیح کردہ قول دوسرے کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وُہ فقیہ النفس ہیں۔ (ت)

سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں :

الذی یظھر اعتمادھا فی الخانیۃ لقولھم ان قاضیخان من اجل من یعتمد علی تصحیحاتہ[2]

قاضیخان کے بیان پر اعتماد کی وجہ فقہاء کا یہ فرمان ہے کہ قاضیخان جلیل الشان وُہ شخص ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (ت)

فاضل محمد امین ابن عابدین عقود دریہ میں فرماتے ہیں :

مایصححہ قاضیخان مقدم علی مایصححہ غیرہ[3]

قاضیخان کی تصحیح شدہ غیر کی تصحیح شدہ پر مقدم ہے۔ (ت)

اب تو بحمد اللہ عرش تحقیق مستقر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں قولِ امام بلاشبہہ امام الاقوال و اقوی الاقوال ہے جس سے بلاضرورت ہرگز تجاوز نہ چاہئے، یہ تو اصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح و متدین ہے تو ضمان نہیں، اور خائن دغاباز ہے، تو ہے، اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں، صاحبِ محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا،

کما فی الخیریۃ[4] عن جامع الفصولین۔

جیسا کہ خیریہ میں جامع الفصولین سے منقول ہے۔ (ت)

بہت بعد متاخرین نے اس پر فتوٰی دیا، کما فی الحامدیۃ (جیسا کہ حامدیہ میں ہے۔ ت) بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں فقیہین جلیلین ابوجعفر و ابواللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول

---

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۵
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵
[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۰۳
[4] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارہ باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

سب سے اولیٰ اور اسلم ہے[1] اور یہی فتوٰی ہے امام جلال الدین اہدون کا، کما فی المنح الغفار والطحطاویۃ[2] (جیسا کہ منح الغفار اور طحطاوی میں ہے۔ ت) علامہ خیر الدین رملی استاد صاحبِ درمختار، علامہ سید اسعد مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحبِ مجمع الانہر اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں: ما احسن التفصیل الاخیر[3] (آخری تفصیل کیا ہی اچھی ہے۔ ت) فاضل شامی فرماتے ہیں:

قد اختلف الافتاء وقد سمعتَ ما فی الخیریۃ۔[4]	فتوے مختلف ہیں جبکہ آپ نے خیریہ کا بیان سُن لیا ہے۔ (ت)

اور فی الواقع یہ اس اعلیٰ درجہ نفاست ومتانت واحتیاط رزانت ومراعات جانبین وحفظ مذہب و لحاظ زمانہ پر واقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی نخواہی قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشتت اقوال و فتاوٰی کے پریشان کئے ہوئے ذہن اسے سنتے ہی سکون واطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی ما نحن فیہ (زیر بحث مسئلہ) میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر دیانتدار ہے سالہا سال سے کام کرتا رہا کبھی اس سے کوئی خیانت یا حفظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقاً اس کے پاس سے یہ مال گم ہوگیا، یوں تو آدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظِ تام و احتیاطِ کامل ضائع وہلاک ہوجاتا ہے، پھر یہ نہ کہا جائیگا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر فقہی کی مجال ہے صورتِ مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے

ولئن تنزلنا فلا شك فی شدۃ قوتہ وانہ لمن احسن ما افتی بہ فلا یمکن حجر المفتی عن الافتاء بہ ابدا فیاخیبۃ من^{عہ} حکم علیہ بالغلط	اگر بطور تنزل مان بھی لیں پھر بھی اس کی قوت میں شک نہیں اور وہ فتوٰی کے لئے نہایت احسن ہے تو کسی وقت بھی مفتی اس پر فتوی سے باز نہ رہے، خسارہ ہے اس شخص کو جس نے اس پر غلط ہونے کا

عہ مولوی امیر احمد سہسوانی

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۴-۱۱۳
[2] حاشیۃ الطحطاوی کتاب الاجارہ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶
[3] فتاوٰی خیریۃ " " " ۲/ ۱۴۱
الفتاوی الاسعدیۃ " المطبعۃ الخیریۃ مصر ۲/ ۲۶۶
[4] رد المحتار " باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱

بغیاً وحسداً وکیف یسوغ ذلك مع اختلاف الفتیا ھنالك ولکن المحسد حسك من تعلق بہ ھلك وفیما ذکرنا عبرۃ لمن اعتبر وتذکرۃ لمن اراد ان یتذکر وھو جملۃ یسیرۃ من مباحث کثیرۃ فلئن قنع فقیہ مقنع والا فعندنا بحمد اللہ افواج من الکلام فی میدان ھذا المقام فیھا العدد والعدۃ والباس والشدۃ فلئن لم ینتہ فسیری ان شاء اللہ تعالٰی شوارق تحقیقات نا ھرت فبھرت عیون المنافقین وبوارق تدقیقات سطحت فقطعت قلوب العارضین وقولہ وانا متبری من الحول والقوۃ اذ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد و اٰلہ واصحابہ اجمعین اٰمین!

حکم لگایا ہے حسد اور بغاوت کرتے ہوئے، فتاوٰی کے اختلاف کے باوجود اس کی کیا گنجائش ہے لیکن حسد ایسی مرض ہے جس کو لاحق ہو جائے ہلاک کر دیتی ہے، اور جو کچھ ہم نے ذکر کر دیا ہے اس میں سوچ والے کے لئے عبرت ہے اور نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے اس میں تذکرہ ہے اور یہ کثیر مباحث کا آسان خلاصہ ہے اگر فہم والا اس پر قناعت کرلے تو یہ کافی ہوگا، ورنہ بحمداللہ تعالٰی ہمارے پاس اس مقام میں کلام کا ذخیرہ ہے اس میں تعداد، تیاری، سختی اور شدت سب کچھ ہے اگر باز نہ آئے تو ان شاء اللہ وہ ایسی روشن تحقیقات کو دیکھے گا جو رونق افروز ہوکر منافقین کی آنکھوں کو پریشان کر دیں گی اور ایسی چمکدار تدقیقات کو بھی جو پھیل کر معارضہ کرنے والوں کے دلوں کو کاٹ دیں گی اور اس کی بات کو ختم کر دیں گی اور میں حول اور قوۃ سے برأت رکھتا ہوں کیونکہ حول اور قوۃ اللہ تعالٰی اعظیم و بلند کے سوا کسی نہیں ہے وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین، آمین! (ت)

مسئلہ ۱۴۶

جناب مولوی صاحب! قبلہ وکعبہ دوجہان سلامت! بعد آداب وتسلیمات کے فدوی خدمت مبارک میں یوں عرض کرتا ہے کہ کمترین پہلے پیشہ معماری میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا پھر منشی ثناء اللہ صاحب نے ایک مدرسہ تکیہ میں واسطے تعلیم قرآن مجید کے تعمیر کرادیا اس میں انھوں نے مجھ کو واسطے تعلیم اطفال کے مقرر کیا اس طرح کہ تم فقط لڑکوں کو قرآن پڑھاؤ اور ہم تمھارے اہل وعیال کے خورد ونوش کے واسطے مبلغ چار روپیہ ماہوار فقط دیا کریں گے۔ میں اس امر کو قبول ومنظور کرکے پڑھاتا رہا، اسی تنخواہ پر قانع رہا کسی لڑکے سے کچھ

طلب نہ کیا، دو سال تو منشی صاحب تنخواہ برابر دیتے رہے بعد کو انھوں نے موقوف کردیا، چونکہ اور کوئی میری معاش نہ تھی مجبوراً مکتب کو بدستور قائم رکھا اور درس دیتا رہا، لیکن کسی شاگرد سے کچھ ماہوار متعین نہ کیا کہ مواخذہ آخرت نہ ہو، ہاں جو کسی نے دے دیا سو لے لیا اور جس نے نہ دیا اس سے طلب نہ کیا، اب لڑکے بہت قلیل رہ گئے ہیں ان میں سے بھی بعض دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے، جس میں کوئی ۱۲ر ماہوار کا حساب ہوجاتا ہے، نوبت فاقہ کی بھی پہنچ جاتی ہے، اس پر قناعت کرکے شکر الٰہی بجالاتا ہوں، اب مجھ پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ جو کچھ لڑکوں سے مجھ کو ملتا ہے ہر طرح حرام ہے خواہ وہ اُجرت سمجھ کر دیں یا بطور للہ۔

پس اس مسئلہ کو آپ سب صاحبوں سے دریافت کرتا ہوں آیا یہ مال حلال ہے یا حرام؟ براہِ خدا اس کا جواب مزیّن بمہر کرکے عنایت ہو کہ تردد رفع ہو اور وہ معترض حدیث کا قائل ہے فقہ کا نہیں۔

الجواب

سائل پر شرعاً کوئی الزام نہیں، اور جو کچھ اُسے ماہوار مل جاتا ہے حلال طیب ہے اور کیفیت مذکورہ سوال اس کے نہایت صبر و استقلال و طلب وجہ حلال و خوف مولٰی ذوالجلال پر دال، جزاہ اللہ تعالٰی خیراً، بلکہ اگر وہ سب پڑھنے والوں سے اپنا ماہوار مقرر کرلے جب بھی جائز ہے اور مذہب مفتٰی بہ پر اصلاً مضائقہ نہیں،

فی حاشیۃ البحر الرائق للعلامۃ خیر الدین الرملی فی کتاب الوقف المفتی بہ جواز الاخذ استحساناً علی تعلیم القراٰن[1] الخ و مثلہ فی کثیر من الکتب۔

بحرالرائق پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں کتاب الوقف کی بحث میں ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا مفتٰی بہ قول پر جائز ہے الخ ایسی عبارت کثیر کتب میں موجود ہے۔ (ت)

معترض کا اعتراض محض بیجا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ للہ سمجھ کر دیتے ہیں جب بھی حرام ہے، شریعتِ مطہرہ پر کُھلا ہوا افتراء، اگر پڑھنے والوں نے اتنے تنگدست استاد کی لوجہ اللہ خدمت کی کیا گناہ ہوا، اور استاد کو اس کا لینا کیونکر حرام ٹھہرا، یہ محض جہالت و تعصب ہے۔ اللہ جل و علا فرماتا ہے:

لاتقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا

اپنی زبانوں پر جاری جھوٹ والا قول نہ کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالٰی پر

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۸

علی اللہ الکذب ، ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون[1] — جھوٹ افترا بناؤ، بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ افترا بناتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ت)

اور اس سے بڑھ کر اس کا جہل مرکب یہ ہے کہ مسائلِ شرع سے انکار رکھتا ہے، سبحان اللہ جہالت کی یہ حالت اور فقہاء سے نفرت، بیشک ایسے ہی لوگ حدیث سے احکام سمجھنے کے قابل ہیں! انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خیر اگر وہ حدیث ہی مانگیں تو خاص صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احق مااخذتم علیہ اجرًا کتاب اللہ[2] — یعنی قرآن مجید سب چیزوں سے زیادہ اس لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

امام علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تیسیر شرح جامع صغیر حدیثی میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاخذ الاجرۃ علی تعلیمہ جائز[3] الخ — یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے الخ (ت)

معترض پر فرض ہے کہ ان جہالتوں سے باز آئے اور مسائل شرع میں بے علم وفہم زبان کھولنے سے توبہ کرے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی جل جلالہ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷ تا ۱۴۹: مرسلہ حاجی الٰہ یار خاں صاحب ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ فی زماننا زمیندار[1] اپنے اپنے گاؤں کے تالابوں یا جھیلوں یا دریا سے جو اپنے گاؤں کی حد میں ہوتا ہے مچھلیاں پکڑواتے ہیں اور نصف حقِ زمینداری سے آپ لیتے ہیں اور نصف پکڑنے والے کو دیتے ہیں، اور زمیندار تالاب یا جھیلوں یا دریا کو اپنا مملوکہ جانتے ہیں اور تالاب وغیرہ سے بغیر جال کے مچھلیاں پکڑنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور[2] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مچھلیاں ان تالابوں یا جھیلوں کی فروخت کر ڈالتے ہیں، یعنی کھار وغیرہ، وہ تالاب مول لے لیتے ہیں جس قدر مچھلیاں اس میں ہوتی ہیں وہ جال وغیرہ سے شکار کرکے لے جاتے ہیں، جابجا گاؤں میں اس کا رواج ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشرط فی الرقیۃ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی تحت حدیث ان احق مااخذ علیہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۰۹

اور کسی اسامی کو اس میں کچھ عذر بھی نہیں ہوتا۔ اور ۳ گھاس بھی گاؤں کی زمیندار فروخت کرتا ہے، اُس کو بھی اپنا مملوکہ سمجھ رہا ہے، اور رواج بھی ہے، اس میں بھی کسی دوسرے گاؤں وغیرہ کی رعایا کو کچھ عذر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خود خرید لیتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ یہ سوال تین مسئلوں پر شامل ہے:

مسئلہ اولیٰ: زمینداروں کا اپنے دیہات کے تالابوں سے مچھلیاں نصف پر صید کرانا۔

اقول وباللہ التوفیق اس کے جواب میں اول تنقیح اس امر کی ضرور ہے کہ آیا وہ مچھلیاں زمینداروں کی مملوک ہیں یا نہیں، اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر زمینداروں نے وہ تالاب اس غرض کے لئے مہیا کئے ہیں کہ برسات کے پانی جو ندیوں سے مچھلیاں بہا کر لائیں ان میں فراہم ہو کر ہمارے ملک میں آئیں، تو بلاشبہ جو مچھلیاں ان میں جمع ہوں گی ان زمینداروں کی ملک خاص ہوں گی، اور اگر تالاب اس لئے مہیا نہ کئے مگر جب پانی بہا کر لایا انھوں نے ان کی روک کر لی، کوئی مینڈھا وغیرہ ایسا باندھ دیا کہ اب مچھلیاں بہاؤ میں نہ نکل جائیں تو بھی وہ مچھلیوں کے مالک ہوگئے، ان دونوں صورتوں میں کسی کو بلا اذن زمیندار ان مچھلیوں کا پکڑنا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی صید کرے تو زمیندار کہ شرعاً اس کا مالک ہے، ایک ایک مچھلی اس سے واپس لے سکتا ہے، اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، نہ تالاب انھوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے، نہ بعد مچھلیاں آنے کے ان کی روک کی، تو البتہ وہ مچھلیاں اپنی اباحتِ اصلیہ پر باقی ہیں کہ انھیں جو پکڑے گا مالک ہو جائے گا، اور زمیندار کو اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں، ردالمحتار و فتح القدیر وغیرہما میں ہے:

اذا دخل السمك فی حظیرۃ فاما ان یعد ھا لذلك اولا ففی الاول یملکه ولیس لاحد اخذہ، ثم ان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعه لانه مملوك مقدور التسلیم والالم یجز لعدم القدرۃ علی التسلیم، و

جب مچھلی تالاب میں آجائے تو اگر جال اسی غرض سے لگایا گیا تھا تو مچھلی کا مالک ہو جائے گا، اس موقعہ پر دوسرے کو وہ مچھلی پکڑنے کا حق نہیں پھر اس حال میں وہ تالاب میں آئی مچھلی کو حیلہ سازی کے بغیر پکڑ سکتا ہے تو اس حالت میں اس مچھلی کو فروخت کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک ہو چکی ہے جس پر قبضہ دینا ممکن ہے اور اگر حیلہ

فی الثانی لا یملکہ فلا یجوز بیعہ لعدم الملک الا ان یسد الحظیرۃ اذا دخل، فحینئذ یملکہ ثم ان امکن اخذہ بلا حیلۃ جاز بیعہ و الا فلا۔[1]

کے بغیر پکڑی نہ جا سکے تو اس کی بیع ناجائز ہے کیونکہ وُہ مقدور التسلیم نہیں ہے اور دوسری یعنی تالاب اس مقصد کے لئے نہ لگایا گیا ہو، اس صورت میں مچھلی کا مالک نہ بنے گا لہذا فروخت بھی نہ کر سکے گا، ہاں اگر اس صورت میں مچھلی داخل ہوجانے پر تالاب کو بند کرلے تو اب مالک ہوجائے گا اور حیلہ کے بغیر پکڑنے پر قادر ہو تو جائز ورنہ نہیں۔ (ت)

پس دُو صورتیں پیش ہیں کہ زمیندار مالکِ ماہی ہیں اگر انھوں نے نصف خود لیں ہرگز ظلم نہ کیا کہ وُہ کل انھیں کی ملک تھیں بلکہ اگر زمیندار بعد اخذ و شکار ایک نصف مچھلیوں کا جُدا کرکے برضائے خود اپنی طرف سے ہبہ صحیحہ تامہ نہ کردیں تو ان کے پکڑنے والوں پر لازم کہ یہ نصف بھی زمینداروں ہی کو واپس دیں، اگرچہ ان میں باہم اس شکار کی اُجرت میں نصف مچھلیوں کا قرار داد ہو لیا ہو کہ ایسا اجارہ ہی شرعًا فاسد ہے۔ غایت یہ کہ اس عقد اجارہ کی صورت میں اپنی محنت کی اجرت مثل لے لیں جو ان نصف مچھلیوں کی قیمت سے زائد نہ ہو، مثلاً جتنی دیر انھوں نے دام کشی کی اس کی اجرت مثل ۴ر ہوتے ہیں اور مچھلیاں ۸ر یا اس سے زائد قیمت کی پکڑی گئیں جب تو یہ پورے ۴ر کے مستحق ہیں اور کم کی شکار ہوئیں تو آدھی مچھلیوں کے جو دام ہوں اُس سے زیادہ نہ پائیں گے، فرض کیجئے جال میں ۶ر کی مچھلیاں آئیں تو انھیں ۳ر ملیں گے اور ۲ر کی تو ایک ہی آنہ، اور سَو روپے کی تو وہی ۴ر۔ درمختار میں ہے:

لو دفع غزلا لاٰخر لینسجہ لہ بنصفہ ای بنصف الغزل، او استاجر بغلا لیحمل طعامہ ببعضہ او ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ، فسدت فی الکل لانہ استاجرہ بجزء من عملہ۔[2]

اگر کسی دوسرے کو سُوت دیا کہ نصف پر بُن دے، یا خچر والے کو کہا غلہ نصف کے بدلے اٹھا لے جا، یا بیل والے کو کہا گندم کو کچھ آٹے کے بدلے پیس دے تو کل میں اجرت فاسد ہوگی کیونکہ اجیر کے بعض عمل کے بدلے اجارہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۶
فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹
[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

قولہ فسدت فی الکل ویجب اجر المثل لایجاوز بہ المسمی، زیلعی قولہ بجزء من عملہ، ای ببعض مایخرج من عملہ، والقدرۃ علی التسلیم شرط، وھو لایقدر بنفسہ زیلعی[1]

ماتن کا قول "کل میں فاسد ہوگا" اور مثلی اجرت واجب ہوگی جو مقررہ سے زائد نہ ہو، زیلعی، اور اس کا قول "اس کے عمل کے بعض پر" یعنی اس کے عمل سے حاصل شدہ کے بعض کے بدلے، اور قبضہ دینے کی قدرت شرط ہے جبکہ وُہ خود بنفسہٖ اس پر قادر نہیں ہے، زیلعی۔ (ت)

اور صورت سوم میں جہاں زمیندار مالکِ ماہی نہیں ہوتے اگر زمینداروں نے ان شکار کرنے والوں کو اجارہ پر لیا اور وقت متعین کردیا، مثلاً آج دوپہر یا شام تک جال ڈالو، تو اس صورت میں جتنی مچھلیاں جال میں آتی جائیں گی سب مِلکِ زمیندار ہوتی جائیں گی جن میں شکار کنندگان کا کوئی حق نہیں بلکہ وہی اپنے عمل کی اُجرت پائینگے تو اب بھی نصف مچھلیاں لینا ہرگز ظلم نہیں، بلکہ پکڑنے والے جو نصف لیں گے انھیں ناجائز ہے، ہاں اگر وقت معین نہ کیا تو بیشک مذہب راجح پر وہ مچھلیاں ملک شکار کنندگان ہوں گی، اور وہ کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے لکونہم عاملین لانفسھم (اس لئے کہ وُہ اپنے لئے خود عامل بن گئے۔ ت) صرف اس چوتھی صورت میں یہ حکم ہے کہ زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہے۔ تنویرالابصار و درمختار میں ہے:

استاجرہ لیصید لہ فان وقت لذلك وقتا جاز والالا، مجتبی، وبہ یفتی صیرفیۃ[2] اھ ملخصًا۔

اگر کسی شخص کو شکار کرنے کے لئے اجرت پر رکھا اگر اس کے لئے وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں، مجتبٰی۔ اور اسی پر فتوٰی ہے، صیرفیہ اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وبہ یفتی صیرفیۃ قال فیہا ان ذکر الیوم فالعلف للأمر، والا فللمامور، وھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی، قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم

اس کا قول، اسی پر فتوٰی، صیرفیہ، اس کتاب میں ہے، اگر آج دن، کا ذکر کیا ہو، تو چارہ آمر پر ہوگی ورنہ اجیر پر ہوگی، یہ حاوی کی روایت ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور منح میں کہا، مجتبٰی سے ہم نے جو پہلے نقل کیا ہے یہ اس کے موافق ہے اسی وجہ سے ہم نے مختصر میں اس پر اعتماد کیا ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] درمختار " " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

[3] ردالمحتار " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

مسئلہ ثانیہ : تالاب کی مچھلیاں بیچ ڈالنا۔

اقول یہاں بھی وہی تین صورتیں ملحوظ ہوں گی :

صورت[1] سوم میں کہ مچھلیاں ملکِ زمیندار نہیں، یہ بیع بالاجماع باطل ہوگی لانہ بیع مالیس فی ملکہ (کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو ملک میں نہیں ہے۔ ت) اور مچھلیاں کہ خریدنے والوں نے پکڑیں ان کی ملک خاص ہوں گی جن میں زمینداروں کو مزاحمت نہیں پہنچتی لانھم سبقوا الی مباح (کیونکہ مباح چیز میں انھوں نے سبقت کرلی ہے۔ ت) اور جو قیمت ان سے لی واپس کریں لانعدام العقد شرعا (شرعی عقد نہ ہونے کی وجہ سے۔ ت) اور اگلی دو[2] صورتوں میں کہ مچھلیاں ملکِ زمیندار ہیں، اگر بلاحیلہ تالاب سے پکڑی جاسکتی ہیں تو بیع بالاجماع صحیح لانہ بیع مملوک مقدور التسلیم (کیونکہ یہ مقدور التسلیم مملوکہ چیز کی بیع ہے۔ ت) اس صورت میں قیمت زمینداروں اور مچھلیاں خریداروں کو بالاجماع حلال وطیب ہونگی کما لایخفی، وقدمنا جوازہ عن الفتح[1] وقال فی الذخیرۃ یجوز البیع عندھم جمیعا[2] (جیسا کہ مخفی نہیں، اور ہم اس کا جواز فتح کے حوالے سے پہلے ذکر کرچکے ہیں اور ذخیرہ میں کہا ہے کہ سب کے نزدیک بیع جائز ہے۔ ت) اور اگر بغیر جال وغیرہ طرق شکار کے ہاتھ نہیں آسکتیں اور اکثر یہی ہوتا ہے تو بیع ناجائز ہونے پر اتفاق، اور اس کے بطلان وفساد میں اختلاف، امام شیخ الاسلام ومشائخ بلخ اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے ایک جماعت کے مذہب پر ایسی بیع باطل ہے،

لان محل البیع مال مقدور التسلیم فاذا انتفی انتفی۔ (کیونکہ بیع کا محل وہ چیز ہے جو مقدور التسلیم مال ہو، تو جب یہ نہ ہو تو بیع نہ ہوگی۔ (ت))

اسی پر امام بلخی یا ثلجی[علہ] فتوٰی دیتے اور اسی کو امام برہان مرغینانی صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے اختیار فرمایا اور

علہ علی اختلاف العزو فی الدر[3] بالموحدۃ والخاء، وفی الفتح بالمثلثۃ والجیم کما فی ش[4] عن ط ۱۲ منہ۔ (نسبت کا اختلاف، درمختار میں ب اور خ کے ساتھ بلخی اور فتح میں ث اور ج کے ساتھ ثلجی ہے جیسا کہ شامی نے طحطاوی سے نقل کیا ہے۔ (ت))

---

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹
[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۴
[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵
[4] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳

یہی من حیث الروایۃ اظہر ہے،

یظہر ذٰلک بمراجعۃ الھندیۃ والدر المختار ورد المحتار۔[1]

یہ بات ہندیہ، درمختار، ردالمحتار وغیرہا کی طرف مراجعت کرنے پر ظاہر ہوگی۔ (ت)

غیاثیہ میں فرمایا:

قالوا المختار ھذا نقل عنھا فی العلمگیریۃ۔[3]

فقہاء نے فرمایا مختار یہی ہے کہ عالمگیری میں یہ اس سے منقول ہے۔ (ت)

اس مذہب پر مچھلیاں کہ مشتریوں نے پکڑیں بدستور ملک زمینداران پر ہیں اور قیمت کہ زمینداروں نے لی بدستور ملک مشتریان، ان پر فرض کہ قیمت پھیریں، ان پر لازم کہ پکڑی ہوئی مچھلیاں زمینداروں کو دیں، اگر انھوں نے مچھلیاں صرف کرلیں تو بازار کے بھاؤ سے جو قیمت مچھلیوں کی ہو زمینداروں کے لئے ان کے ذمے واجب الادا ہوئی۔ درمختار میں ہے:

البیع الباطل حکمہ عدم ملك المشتری ایاہ، اذا قبضہ فلاضمان لو ھلك المبیع عندہ لانہ امانۃ الخ۔[4]

باطل بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری اس کا مالک نہ بنے گا، اس کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس یہ چیز امانت تھی الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لانہ امانۃ، وذٰلك لان العقد اذا بطل بقی مجرد القبض باذن المالك، وھو لایوجب الضمان الا بالتعدی، درر۔[5]

ماتن کا قول "کیونکہ امانت ہے" یہ اس لئے کہ جب عقد باطل ہوگیا تو اب نرا قبضہ رہ گیا جو مالک کی اجازت سے حاصل ہوا تھا لہذا تعدی کے بغیر اس پر ضمان واجب ہوگا، درر۔ (ت)

---

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵
[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳
[3] فتاوٰی غیاثیہ کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۴۳
[4] درمختار " باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴
[5] ردالمحتار " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

اسی میں ہے، یکون مضمونا بالمثل او بالقیمۃ[1] (تعدی کی صورت میں ضمان بالمثل یا بالقیمۃ ہوگا۔ ت)

پس اگر یہ قیمت اور وہ زرِ ثمن کہ زمینداروں نے ان سے لیا تھا برابر ہیں، فبہا، ورنہ جس کی طرف زیادتی ہو دوسرے کو ادا کرے، مثلاً مشتریوں نے پانچ روپے دیئے تھے اور مچھلیاں کہ صرف کرلیں بازار کے بھاؤ سے دس روپے کی تھیں، تو پانچ روپے زمینداروں کو اور دیں، اور ایک روپیہ کی تھیں تو چار روپے زمینداروں سے پھیرلیں، اور اگر مشتریوں نے بیچ ڈالیں تو جن جن کے ہاتھ بیچیں وہ سب بیعیں اجازت زمینداروں پر موقوف رہیں گی، جب تک مچھلیاں اور وہ بائع ومشتری وزمیندار باقی ہیں زمینداروں کو اختیار ہے چاہے بیع جائز کردیں اور قیمت خود لے لیں یا فسخ کردیں اور مچھلیاں واپس لیں،

کما ھو حکم بیع الفضولی، ومعلوم ان الاجازۃ انما تلحق الموجود دون المعدوم، فیشترط لہا قیام العاقدین والمعقود علیہ، وکذا المجیز، حتی لم یکن لوارثہ ان یجیز کما فی الدرالمختار وغیرہ۔

جیسا کہ بیع الفضولی کا حکم ہے اور ظاہر ہے اجازت موجود چیز کو لاحق ہوسکتی ہے معدوم چیز کو نہیں، تو اس لئے اس وقت عاقدین اور معقود علیہ چیز کا موجود ہونا شرط ہے اور یُوں اجازت دینے والے کا موجود ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے اس کے وارث کو اجازت دینے کا حق نہ رہے گا جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر ہنوز زمینداروں نے اجازت نہ دی تھی کہ مچھلیاں ان مشتریوں سے خریدنے والوں کے پاس صرف ہوگئیں تو زمیندار مختار ہیں، بازاری نرخ سے ان مچھلیوں کی قیمت، اپنے مشتریوں، خواہ ان کے خریداروں جس سے چاہیں وصول کرلیں، اگر اپنے مشتریوں سے لینا چاہیں تو وہی حکم ہوگا کہ ثمن ان سے لے چکے تھے اس کا حساب کرلیں، اور دوسروں سے لیں تو وہ اپنا دیا ہُوا ثمن مشتریوں یعنی اپنے بائعوں سے واپس لیں اور مشتری اپنا دیا ہوا ثمن زمینداروں سے۔

غرض ان احکام کے بیان سے یہ ہے کہ اس قول پر کیا کچھ انقلاب ہوتے ہیں اور کیسی کیسی دقتیں لازم آتی ہیں، جن کا اثر شہر کی عام مخلوق پر پہنچے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

للمالک تضمین ایہما شاء، ثم ان ضمن المشتری بطل البیع

مالک کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہے ضامن بنائے پھر اگر مشتری کو ضامن بنایا تو بیع

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۰۵

وللمشتری ان یرجع علی البائع بثمنه، لابما ضمنا[1] اھ ملخصًا۔

باطل ہوجائے گی، اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ بائع سے ثمن واپس لے لے، دیا ہوا ضمان نہ لے اھ ملخصًا۔ (ت)

یہ سب احکام اس مذہب پر تھے کہ بیع مذکور بوجہ عدم قدرت علی التسلیم باطل ٹھہرے، اور حضرت امام مذہب سیدنا امام اعظم و محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت پر ایسی بیع صرف فاسد ہوتی ہے، نہ باطل،

لقیام الملك والمالیة فکان عقدًا صادرًا عن اھلہ فی محلہ، فلاوجہ لبطلانہ، و یاتیك کلام الفتح لبیانہ۔

ملک اور مالیت موجود ہونے کی وجہ سے تو یہ ایسا عقد ہے جو اہل سے اپنے محل میں صادر ہوا لہٰذا اس کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس کے بیان میں فتح کا کلام آئے گا۔ (ت)

اسی کو امام اجل قاضی اسبیجابی اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے دوسری جماعت نے اختیار کیا، کما فی الھندیة (جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ ت)، اور اسی کو امام ابو الحسن کرخی نے اخذ فرمایا، کما فی الدرر (جیسا کہ درر میں ہے۔ ت)، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ترجیح دی، اور اس کی تحقیق میں بحث نفیس افادہ کی، اور اسی کو متن تنویر میں مقدم و مرجح رکھا۔ درمختار میں ہے،

القول بفسادہ رجحہ الکمال[2]

اس کے فساد کے قول کو کمال نے ترجیح دی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے،

حیث قال والوجہ عندی ان عدم القدرة علی التسلیم لامبطل واطال فی تحقیقہ[3]

جہاں انھوں نے فرمایا میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ دینے کی قدرت نہ ہونا مفسد ہے مبطل نہیں ہے، اور انھوں نے اس کی تحقیق میں طویل کلام فرمایا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار

[2] درمختار | کتاب البیوع | باب البیع الفاسد | مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵

[3] ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۱۳

اور ظاہراً یہی من حیث الدلیل اظہر ہے، فتح میں فرمایا:

وقول من قال المحلیة کونہ مالا مملوکا مقدور التسلیم، ان عنی محلیة البیع الصحیح فنعم والافلا، بل محل البیع المال المملوك للبائع اولغیرہ، فان کان لہ فنافذ، اولغیرہ فموقوف، والنافذ اما صحیح ان کان مبیعہ مقدور التسلیم لیس فیہ شرط فاسد، والاففاسد[1] اھ۔

جس نے یہ کہا ہے کہ محل بیع چیز کا مملوک ہو کر مقدور التسلیم ہونا ہے اگر اس سے مراد صحیح بیع کا محل ہے تو درست ہے ورنہ اس کو مطلق بیع کا محل قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ مطلق بیع کا محل صرف مال کا بائع کی ملک ہونا یا غیر کی ملک ہونا ہے تو اگر بائع کی ملک ہو تو بیع نافذ ہوگی اگر غیر کی ملک ہو تو نافذ نہ ہوگی بلکہ موقوف رہے گی، اور بیع نافذ کبھی صحیح ہوتی ہے جب مبیع مقدور التسلیم ہو اور اس میں کوئی فاسد شرط نہ ہو ورنہ فاسد ہوتی ہے اھ (ت)

اس مذہب پر اگرچہ یہ عقد ناجائز وممنوع، اور عاقدین پر واجب کہ اسے فسخ کرلیں، زمیندار مشتریوں کو ثمن پھیر دیں، مشتری تالاوں سے کنارہ کریں،

لان الفساد لحق الشرع فیجب اعدامہ برفع العقد۔

کیونکہ یہ فساد شرعی حق کی بناپر ہے تو عقد کو ختم کرکے اس فساد کو ختم کرنا ضروری ہے (ت)

مگر اگر انھوں نے فسخ نہ کیا یہاں تک کہ مچھلیاں تالاب سے شکار ہوئیں، اور قبضے میں آگئیں تو اب وہ بیع کہ فاسد تھی صحیح ہوگئی کہ سبب فساد کہ تعذر تسلیم وتسلّم تھا، نہ رہا، کہ ان سے جو مقصود تھا یعنی مشتری کا قبضہ، وہ حاصل ہوگیا۔ فتح القدیر میں ہے:

انك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا، لان البیع قائم مع الفساد وارتفاع المبطل لا[2] الخ۔

تجھے معلوم ہے کہ فاسد میں مفسد کا ختم ہوجانا بیع کو صحیح بنادیتا ہے کیونکہ فاسد صورت میں بیع باقی مع الفساد رہتی ہے اور باطل صورت میں مبطل کے ختم ہوجانے پر بیع صحیح نہیں ہوسکتی الخ۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۶۰

[2] " " " ۶/۶۰

اسی میں ہے :

المقصود من القدرۃ علی التسلیم ثبوت التسلم فاذا کان ثابتا حصل المقصود[1]۔
قدرۃ علی التسلیم سے مقصود قبضہ دینے کا ثبوت ہے تو جب یہ حاصل ہے تو مقصود حاصل ہے۔ (ت)

بالجملہ یہ دو قول ہیں، دونوں قوت پر، دونوں جانب ائمہ فتوٰی، دونوں طرف ترجیح و افتا، ایک اگر من حیث الروایۃ اقوٰی، دوسرا من حیث الدرایۃ اجلٰی، مگر قول اول یعنی بطلان پر وہ روپیہ کہ بنام ثمن زمینداروں نے لیا ان کے لئے حرام، مچھلیاں کہ مشتریوں نے لیں ان کے لئے حرام، کھائیں تو حرام، کھلائیں تو حرام، بیچیں تو حرام، بیچ کر جو ثمن حاصل کریں وہ حرام، ان سے جو لوگ مول لیں واقع میں ان کے لئے خریداری حرام، کھانا حرام، کھلانا حرام، زمیندار غاصب، تالاب لینے والے غاصب، شہر بھر کی مچھلیاں مول لینے والے غاصب، یہ عالمگیر دقتیں ہیں، بخلاف قول ثانی یعنی فساد ابتدائی و صحت انتہائی کہ اس میں یہ ساری خرابیاں مرتفع ہیں، تو مسلمانوں پر آسانی کے لئے اگر اسی قول پر فتوٰی دیں بیشک انسب و الیق ہے۔ حضور پُرنور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا[2]۔ اخرجہ احمد والشیخان والنسائی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔
آسانی کرو اور دشواری میں نہ ڈالو، اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ (اس کو احمد، بخاری و مسلم اور نسائی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اس تقدیر پر خلاصہ حکم یہ ٹھہرا کہ اگر مچھلیاں ملکِ زمینداران نہ تھیں تو بیع باطل، اور مچھلیاں شکار کرنے والوں کی ملک ہوئیں، اور ان سے خریدنا بلاتکلف روا۔ زمینداروں پر فرض کہ جو روپیہ بنام قیمت ان سے لیا انھیں واپس دیں، اور اگر مملوکِ زمینداران تھیں اور بے شکار کے قبضہ میں آسکتیں تو بیع صحیح، اور ثمن و سمک ہر بائع و مشتری و مشتریِ مشتری کے واسطے حلال وطیب، اور بے شکار ہاتھ نہ آئیں تو زمیندار و مشتری اس بیع سے گنہگار ہوئے، مگر جب مچھلیاں عہ شکار کرلی گئیں تو مچھلیوں

عہ اصل میں یہاں "ترک" کی علامت بنی ہوئی ہے اس لئے اندازے سے عبارت بنادی گئی ۱۲

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۹
[2] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

اور قیمتوں کا وہی حکم ہوگیا جو بیع صحیح میں تھا کہ سب کے لئے حلال، غرض اس مذہب پر مشتریوں اور ان سے خریدنے والوں کے لئے مچھلیاں بہرصورت حقیقۃً وحکماً حلال ہی رہتی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ثالثہ : نجروں کی گھاس بیچ ڈالنا۔

اقول اگر زمینداروں نے وہ زمین اس غرض کے لئے مہیا کی ہے کہ اس میں جو گھاس پیدا ہو ہم بیع کیا کریں، اور انھوں نے گھاس کی افراط و عمدگی کے لئے اس زمین کو پانی دلوا دیا جو گھاس جمنے کا باعث ہوا، یا خودرو گھاس آپ ہی جم آئی، اور انھوں نے اس کی رکھوالی کرائی، اس کے گرد کھائی کھدوادی، یا باڑھ رکھوادی کہ روک ہوجائے، ہر جانور وغیرہ کے تصرف سے بچے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گھاس زمینداروں کی ملک ہوگئی، اور اس کی بیع صحیح و جائز، یہی قول راجح و مختار ہے، اور اسی کی طرف اکثر ائمہ کبار، اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا تو بیشک وہ گھاس ہر شخص کے لئے مباح ہے اور جو کاٹ لے گا اسی کی ملک ہوجائے گی، زمیندار اگر یونہی زمین میں قائم بیچ ڈالیں گے بیع باطل ہوگی، اور قیمت واپس دیں گے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

لایجوز بیع الکلاء واجارتہ وان کان فی ارض مملوکۃ ھذا اذا نبتت بنفسہ فاما اذا کان سقی الارض واعدھا للانبات فنبتت ففی الذخیرۃ والمحیط والنوازل یجوز بیعہ لانہ ملکہ وھو مختار الصدر الشہید ومنہ مالوخندق حول ارضہ وھیاھا للانبات حتی نبتت القصب صار ملکا لہ وعلیہ الاکثر، ھکذا فی البحر الرائق ولو احتشہ انسان بلا اذنہ کان لہ الاسترداد، ھو المختار کذا فی جواھر الاخلاطی[1]، واللہ سبحنہ و

کھڑی گھاس فروخت کرنا اور اس کو اجرت پر دینا صحیح نہیں ہے اگرچہ ذاتی زمین میں ہو، یہ جب ہے کہ گھاس خود اُگی ہو لیکن اگر زمین والے نے زمین کو سیراب کرکے گھاس کے لئے تیار کیا تو یہ گھاس فروخت کرنی جائز ہے کیونکہ اس عمل سے وہ گھاس کا مالک ہوگیا۔ یہ ذخیرہ، محیط اور نوازل میں ہے، اور یہی صدر شہید کا مختار ہے، اور اسی صورت میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی زمین کے اردگرد کھائی کھودی اور پیداوار کے لئے تیار کیا حتی کہ وہاں ناڑ اگا تو وہ اس کی ملک ہوگا اور اسی پر اکثریت ہے، بحرالرائق میں بھی یوں ہے، اور اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر کاٹا تو اس کو واپس لینے کا حق ہوگا یہی مختار ہے۔ جواہر الاخلاطی میں یوں ہے۔ واللہ سبحنہ و

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۹

تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم و احکم (ت)

مسئلہ ۲۵۰: از سنبھل ضلع مراد آباد مرسلہ محمد ذکاوت حسین ۶ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنّی حنفی نے طریقہ وعظ بغرض افشائے رسالت خاتم النبیین واعلان طریقہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم اختیار کیا ہے، اور اس کے وعظ کے اثر سے شرک وبدعات وغیرہ کافور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ہزارہا اہل اسلام جو ضروری شعائرِ اسلام اور ارکانِ صوم وصلوٰۃ سے بھی واقفیت نہ رکھتے تھے وُہ خود معلم نماز و امام مساجد ہوگئے، اور یہ شخص جابجا مواضع ومواسم میں بے تکلف علیٰ رؤس الاشہاد بمقابلہ اعدائے دین جہادِ لسانی کرتا ہے، اگر ایسے شخص کو اہلِ اسلام عالم باعمل اور منجلہ ورثہ انبیاء تصور کرکے بلحاظ اسکی حالت بیکاری اور فکر معاش کے غمخواری کے کچھ نقد وغیرہ بلا اس کی طمع اور درخواست کے تعظیماً نذر کریں، تو یہ پیشکش اور نذر اس کے حق میں حلال وطیب ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام ایسے شخص کو معتقد علیہ تصور کریں یا نہیں؟ اور اس نذر اور تحفہ کے بدلے اجر عظیم پائیں گے یا نہیں؟ استفتاء ہذا کو اپنے دستخط مبارک اور مواہیر تلامذہ راشدہ سے مزیّن فرماکر ہدایت کیجیے۔

الجواب

اگر فی الواقع وُہ شخص علمائے اہلسنّت وجماعت ایدہم اللہ تعالیٰ سے ہے اور جو باتیں حقیقۃً شرک ہیں انھیں کے معتقد کو مشرک کہتا ہے اور احکامِ مشرکین میں داخل کرتا ہے، اور جو نو پیدا باتیں مخالفِ شریعت ومزاحمِ سنّت ایجاد کی گئیں انھیں کو بدعت شرعیہ ومذمومہ وشنیعہ جانتا اور ان سے نہی وتحذیر کرتا ہے، اور شعائرِ اسلام صلوٰۃ وصیام وغیرہا کے احکام صحیح صحیح سکھاتا، اور برعایت شرائط وقواعد احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاتا ہے، اور وعظ میں روایاتِ باطلہ وخرافات مخترعہ وبیانات مشیرہ اوہام ومفسدہ خیالات عوام سے احتراز رکھتا، اور علم کافی وفہم صافی کے ساتھ ہدایت وارشاد میں ٹھیک معیار شرع پر چلتا ہے، تو اسے نہ صرف عالم بلکہ اس زمانہ میں ارکین دین وسنت وخلفائے رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ واولیائے جناب احدیت آلاء جلت سے سمجھنا چاہئے اور اس کی جو خدمت ہوسکے صلاح وفلاحِ دارین ورضائے رب المشرقین وخوشنودی سیّد الکونین ہے جل جلالہٗ وصلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

قال تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لوگوں کے لئے تمھیں بہترین امت ہونے کی حیثیت سے ظاہر کیا تم بھلائی

ف: 28

وتنھون عن المنکر[1] الآیۃ ۔ کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو، الآیۃ۔ (ت)

اور جبکہ حسبِ اظہارِ سائل اُس کی نیت خالص لوجہ اللہ ہے، اور ہرگز نہ کسی سے سوال کرتا نہ طمع رکھتا ہے، بلکہ مسلمان بطورِ خود عُلماء کی اعانت اور اپنی سعادت کی نیت سے خدمت کرتے ہیں، تو (بشرطیکہ یہ مال جو اسے دیا جائے بعینہٖ وجہ حرام سے نہ ہو) بلاشبہہ اس کا لینا جائز، اور وہ اس کے لئے حلال وطیب، حضور اقدس سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اذا جاءك من ھذا المال شئ وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہ فتمولہ فان شئت کلہ وان شئت تصدق بہ ومالا فلا تتبعہ نفسك[2]۔ رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

جب تیرے پاس یہ مال آئے جبکہ تو اس کے انتظار میں نہ ہو اور نہ تو اس کے لئے سائل بنا تو اسے لے کر مال بنا اگر چاہے تو کھالے اور اگر چاہے صدقہ کر دے، اور مال نہ ملے تو اس کا پیچھا نہ کر۔ اس کو بخاری ومسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے (ت)

ہاں وعظ کو کہ عمدہ طاعات وقربات سے ہے ذریعہ طعام دنیا بنانے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں، اور علماء نے بھی اس سے ممانعتیں فرمائیں۔ خلاصہ پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

الواعظ اذا سأل الناس شیئا فی المجلس لنفسہ لا یحل لہ ذٰلك لانہ اکتساب الدنیا بالعلم[3]

واعظ نے اگر مجلس میں لوگوں سے اپنے لئے کچھ سوال کیا تو یہ عمل حلال نہیں کیونکہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کا حصول ہے۔ (ت)

یہ امر ان لوگوں پر وارد جنھوں نے وعظ کو پیشہ اور تجارۂ دنیا حاصل کرنے کا تیشہ بنا رکھا ہے، اور شک نہیں کہ عبادات وحسنات پر اُجرت لینا حرام، اور اس کی تحریم علی الاطلاق پر احادیث ومذہب منصوص ائمہ کرام، مگر جس کی نیت لوجہ اللہ ہو اس پر اوروں کے فعل سے اعتراض نہیں،

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعاملین علیہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۲
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب جواز الاخذ بغیر سوال " " " ۱/ ۳۳۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1]۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح[2]۔ وایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3]۔	اعمال کا مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی۔ اور اللہ تعالٰی مصلح اور مفسد کو جانتا ہے۔ اور تُو بدگمانی سے پرہیز کر کیونکہ بدگمانی بُری بات ہے۔ الحدیث (ت)

بلکہ بعض علمائے نے وعظ کو بھی ان امور مستثناۃ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذ اجرت مشائخ متاخرین نے بحکم ضرورت جائز رکھا۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الھدایۃ وبعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القراٰن الیوم لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القراٰن وعلیہ الفتوٰی اھ وقد اقتصر علی الاستثناء تعلیم القراٰن ایضا فی متن الکنز، ومتن مواھب الرحمٰن وکثیر من الکتب، وزاد فی مختصر الوقایۃ، ومتن الاصلاح، تعلیم الفقۃ وزاد فی متن المجمع الامامۃ، ومثلہ فی متن الملتقٰی و درر البحار، وزاد بعضھم الاذان والاقامۃ والوعظ، وذکر المصنف معظمھا ولکن الذی فی اکثر الکتب الاقتصار علی مافی الھدایۃ، فھذا مجموع ما افتی بہ المتاخرون	ہدایہ میں فرمایا ہمارے بعض مشائخ نے آج کل دینی امور میں سستی کی وجہ سے قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو بہتر قرار دیا ہے تو اس سے پرہیز کرنے پر قرآن پاک کا حفظ خطرہ میں پڑسکتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اھ، اور قرآن کی تعلیم پر اجرت کو عدم جواز سے مستثنٰی قرار دیا ہے، کنز، مواہب الرحمان اور بہت سی کتب میں بھی اسی طرح ہے اور مختصر وقایہ اور الاصلاح کے متن نے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ کو زائد کردیا ہے، اور مجمع کے متن میں امامت کو زائد ذکر کیا، اور اسی طرح ملتقٰی و درر البحار میں ہے، اور بعض نے اذان واقامت اور وعظ کو بھی شامل کیا ہے اور مصنف نے مذکور معظم امور کو ذکر کیا لیکن اکثر کتب نے ہدایہ میں مذکور پر اکتفار کیا ہے اور ہمارے مشائخ متاخرین کے فتوؤں کا یہ مجموعہ ہے

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۴

من مشائخنا، وھم البلخیون علی خلاف فی بعضہ، مخالفین ماذھب الیہ الامام وصاحباہ، وقد اتفقت کلمتھم جمیعا فی الشروح والفتاوی علی التعلیل بالضرورۃ وھی خشیۃ ضیاع القراٰن کما فی الھدایۃ الٰی اٰخرما افادواجادرحمہ الجواد۔[1]

اور بلخی حضرات ہیں جبکہ ان میں سے بعض نے بعض میں اختلاف بھی کیا ہے، ان متاخرین نے خلاف کیا مسلک امام اور صاحبین کے، اور شروح و فتاوٰی سب نے جواز کی علت ضرورت کو قرار دیا ہے، اور وہ قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں تا آخر اس کا بہترین افادہ فرمایا، اللہ تعالٰی ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔ (ت)

فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

صاحب العلم اذا خرج الی القری لیذکرھم فیجمعوالہ شیئا حکی عن ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال کنت افتی انہ لایخرج الی القری ثم رجعت عن ذٰلک[2]

عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کے لئے جائے اور وہ اس کے لئے کچھ نذرانہ جمع کریں تو اسے چاہئے کہ وہ دیہات میں نہ جائے، یہ بات ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے انھوں نے فرمایا میں یہ فتوٰی دیا کرتا تھا پھر میں نے اس سے رجوع کرلیا۔ (ت)

اسی طرح خلاصہ میں نقل کیا:

(وزاد اخذ الاجرۃ علی تعلیم القراٰن ودخول العالم علی السلطان) وقال فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القراٰن (والعلم والحقوق) ولحاجۃ الخلق، ولجھل اھل الرستاق[3] اھ ما نقلہ عن الفقیہ النبیہ رحمہ اللہ تعالٰی۔

اور تعلیم قرآن پر اُجرت اور عالم کا سلطان کے پاس جانا زائد بیان کیا اور فرمایا میں نے اس سے رجوع کرلیا قرآن، علم، حقوق کے ضیاع سے بچاؤ کیلئے اور عوام الناس کی حاجت اور دیہاتیوں کی جہالت کی وجہ سے۔ انھوں نے جو بیدار مغز فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا وہ ختم ہوا (ت)

پس اگر صورت مظہرہ فی السوال واقعی ہے اور حالت زید وہ ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی تو بیشک

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۴، ۳۵

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراہیۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۱-۳۳۰

ایسے بندۂ خدا کو بدو حرام خور کہنا سخت گناہ و ناسزا، اور قائل شرعاً مستوجب تعزیر و سزا۔ ہندیہ میں ذکر ہے:

ان ذکر اھل العلم بالتحقیر وجب علیہ التعزیر[1] — جو اہلِ علم کا ذکر تحقیر سے کرے وہ واجب التعزیر ہے۔ (ت)

بخلاف ان مبتدعان سنی نما کے جو اس زمن فساد و فتن میں اضلال و اغوائے جہال کو ادعائے تسنن کرتے اور اپنی ضلالت مخترعہ و جہالت مبتدعہ کو کہ قریب زمانے میں ان کے تازہ پیشواؤں نے تراشیں، بنام سنت جلوہ دیتے، اور ان کی مخالفت کو بدعتِ ضالہ و مخل اصل اصل ایمان بتاتے، اور صدہا امور جائزہ بلکہ مستحبہ کو بزورِ زبان و زور بہتان شرک و بدعت ویقینی العقوبۃ و ناقابلِ مغفرت ٹھہراتے، اور شرقاً و غرباً و عجماً و عرباً بلکہ سلفاً و خلفاً عامۃ المسلمین و اہلِ دیانت و دین کو مشرک بدعتی بتاتے ہیں ایسے لوگوں کے بدو بدتر از بد ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، نہ وہ ہرگز تعظیم علم و علماء کے مستوجب، بلکہ شرعاً ان کی تحقیر واجب۔ حدیث میں ہے:

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام[2] — جس نے اہلِ بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔ (ت)

پھر ایسے لوگوں کی تذکیر ضلالت تحقیر ہرگز اس فتوٰی بعض متاخرین میں داخل نہیں ہوسکتی کہ انھوں نے ضرورتِ دینی کے لئے جواز رکھا نہ کہ معاذ اللہ ضرر دینی کے لئے، ان کا وعظ معصیت ہے اور معاصی پر اجارہ مطلقاً اجماعاً بلا استثناء حرام۔ تو یہ لوگ اگر اپنے وعظ پر اُجرت لیں خواہ بتصریح شرط یا بصورت حال معہود و معروف، فان المعھود عرفا کالمشروط لفظا (عرف میں معلوم چیز لفظی مشروط کی طرح ہے۔ ت) تو بلاشبہہ وہ ان کے لئے حرام اور یہ حرام خور ہوں گے، جہاں یہ صورت ہو وہاں بدو حرام خور کہنے والے پر اصلاً الزام نہیں، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے اس امر کا لحاظ ضرور چاہئے، فنسأل اللہ الھدایۃ الی سبیل الاقوم (ہم اللہ تعالٰی سے مضبوط راستے کے طلبگار رہیں۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: مسئولہ مولوی محمد حسین صاحب عظیم آبادی مدرس مدرسہ جعفر خانی ۱۰ شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدرسہ اسلامیہ کا نوکر تھا اور موافق دستور العمل

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۱۶۹-۱۶۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۶۷۷۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/۳۹۶

مدارس عربیہ کے بعد فراغ امتحان ایامِ تعطیل میں اپنے مکان کو چلا گیا، اور قبل اس کے ایام تعطیل ختم ہوں حاضر خدمت ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ ہو کر ان سے درخواست کی کہ یا تو مجھے اجازت ہو کہ سابق دستور کام کروں یا مجھ کو جواب دیا جائے کہ اپنا اور کچھ بندوبست کروں، لیکن کچھ جواب نہ ملا، اور نہ اثنائے تعطیل میں کوئی اطلاع نامہ قطع تعلق کا زید کو ملا، اس صورت میں زید مستحق پانے تنخواہ ایامِ تعطیل کا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب

تعطیلات معہودہ میں مثل تعطیل ماہِ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی، فان المعھود عرفا کالمشروط مطلقا (عرف میں معلوم متعین چیز مطلقاً مشروط کی طرح ہے۔ت) اشباہ میں ہے:

البطالۃ فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشوراء وشھر رمضان فی درس الفقہ علی وجھین ان مشروطۃ لم یسقط من المعلوم شیئ، والا فینبغی ان یلحق ببطالۃ القاضی، ففی المحیط انہ یاخذ فی یوم البطالۃ، وقیل لا، وفی المنیۃ یستحق فی الاصح، واختارہ فی منظومۃ ابن وھبان، وقال انہ الاظھر[1] اھ ملخصاً۔ اقول ھذہ الترجیحات حیث لم یشترط فکیف اذا شرط، ھذا لیس محل نزاع وقد علمت ان المعروف کالمشروط۔

عید کے دنوں، عاشورہ اور ماہِ رمضان جیسی مدارس میں فقہی تعلیم کی تعطیلات دو طرح سے ہے اگر معاہدہ میں مشروط ہیں تو مشاہرہ بالکل ساقط نہ ہوگا، ورنہ قاضی کی تعطیلات کے موافق ہونا مناسب ہے، تو محیط میں ہے کہ مدرس ایامِ تعطیلات کا مشاہرہ حاصل کرے گا اور بعض نے کہا حاصل نہ کرے گا۔ اور منیہ میں ہے اصح یہ ہے کہ وہ مستحق ہوگا، اور ابن وہبان کے منظوم میں اسی کو مختار فرمایا ہے اور انھوں نے فرمایا یہی اظہر ہے اھ ملخصاً۔ میں کہتا ہوں یہ ترجیحات مشروط نہ ہونے کی صورت میں ہیں مشروط ہوں تو کیسے مستحق نہ ہوگا حالانکہ محلِ نزاع یہی صورت ہے اور تو معلوم کر چکا کہ معروف چیز مشروط کی طرح ہوتی ہے۔ (ت)

اور کسی شخص کو اصلاً اختیار نہیں کہ بے اطلاعِ اجیر جب چاہے بطورِ خود عقد اجارہ فسخ کر دے،

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۹

مگر جب کہ فی عذر بیّن واضح ظاہر پیدا ہو جس میں اصلاً محلِ اشتباہ نہ ہو جب تک ایسا نہ ہو اجیر بیشک مستحق تنخواہ ہوگا،

فی الدرالمختار الاجارة تفسخ بالقضاء والرضاء[1] الخ وفی ردالمحتار الاصح ان العذران کان ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لاینفرد[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ اجارہ رضامندی یا قضاء کے ذریعہ فسخ ہوسکتا ہے الخ، اور ردالمحتار میں ہے کہ اصح یہ ہے اگر ناغہ کا عذر ظاہر ہو تو مدرس کے اختیار میں ہے اور اگر عذر مشتبہ ہو تو پھر وہ مختار نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو "طلوہائے" آہنی نیشکر کے تجارۃً کرایہ پر چلاتا ہے اور اہلِ دیہات سے معاملات اجارہ کے کرتا ہے، اور باشندگانِ دیہات کو جو دس دس بیس بیس کوس کے باشندے ہیں، کولھو کرایہ پر دیتا ہے، اور تقرری کرایہ اور میعاد ادائیگی کرایہ اور زمانہ واپسی "کولھو" جملہ امورات وقت عقد طے ہوجاتے ہیں مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وُہ لوگ اپنے وعدہ پر روپیہ ادا کریں، بمجبوری ان سے روپیہ وصول کرنے کے واسطے نوکر رکھ کر ان کے مکانوں کو بھیجا جاتا ہے، اور وُہ سپاہی تقاضا گیر چند چند بار ان کے مکان پر جاکر تقاضا کرتا ہے، بلکہ اپنی تنخواہ اور خوراک وغیرہ کا بار ان پر ظاہر کرتا ہے اور قسم قسم کے خوف نالش اور خرچہ پڑنے کا دلاتا ہے، تب وُہ لوگ روپیہ لاتے ہیں، اس پر بعض مطلق خیال میں نہیں لاتے، اور نالشوں وغیرہ کی نوبت آتی ہے۔

پس ایسی حالت میں کہ یہ سپاہی جو محض ان سے تقاضا کرنے کے واسطے رکھا گیا ہے، جس کے مکان پر جاکر بضرورت تقاضا ٹھہرے، اور ان سے اپنی خوراک لے، یا اس کے سوا جس کے یہاں ٹھہرا ہے، دوسروں سے اسی گاؤں میں، اس کے قریب دوسرے گاؤں والوں سے اپنی خوراک لے، یا زید ان کرایہ داران سے اصل کرایہ میں تنخواہ تقاضا گیر کے بقدر ایام آمد و شد کے، یا اس تقاضا گیر کی خوراک شامل کرکے وصول کرے، یا وقت عقد کرایہ کے ان سے زید شرط کرے کہ روپیہ ہمارا کرایہ کا

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۳

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۸

اگر تم وعدہ معینہ مقررہ پر نہ ادا کرو گے، اور ہم کو تمہارے پاس تقاضاگیر بھیجنا پڑے گا، تو تم کو اجرت اس تقاضاگیر کی مثلاً ۴ر اور خوراک اس کی مثلاً ۲ر یوم کے حساب سے دینا پڑے گی، اور ہم تم سے وصول کرلیں گے پس اول صورت میں خوراک اور اجرت تقاضاگیر کی بلاشرط کرایہ داران سے وصول کرنا، اور دوسری صورت میں شرط مذکور کرنا اور حسب شرائط مذکور اجرت مقررہ اور خوراک سپاہی تقاضاگیر کی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

یہ نوکر اسی شخص کا نوکر اور اسی کے کام پر مقرر، اس نے خود ہی اسے اپنے کام کے لئے رکھا تو تنخواہ یا خوراک جو کچھ ٹھہری ہو اسی پر ہے، قرضداروں سے کچھ تعلق نہیں، نہ اُن سے خواہ دوسرے اہلِ دیہہ سے کوئی جبراً لے سکے، ہاں وہ رضامندی اپنا مہمان سمجھ کر کھانا دے دیں تو یہ جُدا بات ہے اور یہ خیال کہ آخر ان کی نادہندگی کے باعث نوکر رکھنا پڑا محض بے سُود، فان الحکم انما یضاف الی المباشر دون المسبّب (حکم مرتکب پر عائد ہوتا ہے سبب مہیا کرنے والے پر نہیں ہوتا۔ ت) ولہذا مدعی کو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، اگرچہ بوجہ نادہندگی مدعا علیہ ضرورت نالش ہوئی ہو، اور اگر خود عقد اجارہ میں شرط مذکور فی السوال لگالی جب تو وہ عقد ہی فاسد ہو جائے گا، اور اس کا فسخ کرنا واجب ہوگا کما ھو حکم کل عقد فاسد رفعا للاثم حقا للشرع (جیسا کہ ہر فاسد عقد کا حکم ہے کہ گناہ کو ختم کرنا شرعی حق کے طور پر لازم ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع یفسدھا کشرط طعام عبد و مرمۃ دار[1] اھ ملخصاً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

عقد کے مخالف شرائط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اور جو شرط بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے مثلاً غلام کی خوراک اور مکان کی مرمت کی شرط، اھ ملخصاً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از میرٹھ بالائے کوٹ مکان قاضی صاحب مرسلہ مولوی ابو محمد صادق علی صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، در بارہ جواز و عدم جواز حصول منفعت بذریعہ کرایہ مکانات سکنٰی، ولگان اراضیات زرعی۔ ایسے لوگوں سے نصارٰی کے پادری، ہنود کے

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

پنڈت، یہود کے معلم، شیعوں کے مجتہد، غیر مقلدوں کے واعظ، کسبیاں، ڈھاری، بھانڈ، شراب کھینچنے بیچنے والے، اور دیگر منشی اشیاء کے تاجر، فساق، فجار، مشرک و کفار، خصوصاً وہ جو اپنے مذاہب وغیرہ کی اشاعت پر مامور ہوں، اور عموماً وہ کہ مامور باشاعت ہوں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہاں دو مقام ہیں: اوّل یہ کہ ان لوگوں کو سکونت کے لئے مکان، زراعت کے لئے زمین کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں۔ دوم برتقدیر جواز ان کے مال سے اجرت لینا کیسا۔

اوّل کا جواب جواز ہے کہ اس نے تو سکونت و زراعت پر اجارہ دیا ہے نہ کسی معصیت پر اور رہنا، بونا فی نفسہٖ معصیت نہیں، اگرچہ وہ جہاں رہیں معصیت کریں گے، جو رزق حاصل کریں معصیت میں اٹھائیں گے، یہ ان کا فعل ہے جس کا اس شخص پر الزام نہیں،

لاتزر وازرة وزر اخری[1]۔ قلت وبه ظهران المسئلة ینبغی ان تکون علی الوفاق بین الامام وصاحبیه رضی اللّٰه تعالٰی عنهم، وهو المستفاد من کلمات العلماء۔

کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کے وفاق ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور علماء کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔ (ت)

ہندیہ میں بعد مسئلہ "اذا استاجر الذمی من المسلم بیتا یبیع فیه الخمر جاز عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی خلافا لهما کذا فی المضمرات[2]" (جب ذمّی کسی مسلمان سے مکان کرایہ پر حاصل کرکے شراب فروشی کرے تو جائز ہوگا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بخلاف صاحبین کے، مضمرات میں یوں ہے۔ ت) نقل کیا:

واذا استاجر الذمی من المسلم دارا لیسکنها فلا باس بذلك وان شرب فیها الخمر وعبد فیها الصلیب اوادخل فیها الخنازیر ولم یلحق المسلم

جب ذمی نے مسلمان سے رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لیا تو کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ مکان میں شراب نوشی کرے یا صلیب کی پوجا کرے یا اس میں خنزیر لائے، اس کا بوجھ مسلمان پر

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۹

فی ذٰلک باس لان المسلم لا یواجرھا لذٰلک انما اٰجرھا للسکنیٰ، کذا فی المحیط۔[1]

نہ ہوگا کیونکہ اس نے اس ارادہ سے کرایہ پر نہیں دیا اس نے تو رہائش کے لئے دیا ہے۔ محیط میں یوں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے زیر قول درمختار:

جاز اجارۃ بیت سواد الکوفۃ لیتخذ بیت نار اوکنیسۃ اوبیعۃ اویباع فیہ الخمر وقالا لاینبغی ذٰلک، زیلعی[2] اھ ملخصا۔

کوفہ کی آبادی میں ذمی کو مکان کرایہ پر دینا تاکہ وہ آتشکدہ یا گرجا، عبادت خانہ بنائے یا شراب فروخت کرے تو جائز ہے۔ صاحبین نے فرمایا: یہ مناسب نہیں ہے زیلعی اھ ملخصًا۔ (ت)

انھیں علامہ زیلعی و علامہ بدرالدین عینی و علامہ حسام سغناقی و علامہ جلال کرلامی صاحبان بنایہ و نہایہ و کفایہ شروحِ ہدایہ سے نقل کیا:

والدلیل علیہ انہ لو اٰجرہ للسکنیٰ جاز وھولابد لہ من عبادتہ فیہ[3] اھ۔

اس پر دلیل یہ ہے اگر رہائش کے لئے کرایہ پر دے تو جائز ہے حالانکہ وہ اس میں ضرور عبادت کرے گا اھ۔ (ت)

یہ جواب فقہ ہے باقی دیانۃً اس میں شک نہیں کہ جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو یحبون ان تشیع الفاحشۃ[4] (وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔ ت) حقیقۃً نہ سہی اس کی طرف منجر ہے، وانما الدین النصح لکل مسلم[5] دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیرخواہی کیجئے۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتبخانہ پشاور ۴/۴۵۰

[2] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۷

[3] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۵۱

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[5] صحیح البخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵
صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ " " " ۱/ ۵۵-۵۴

دوم کا جواب یہ کہ جس مال کا بعینہ حرام ہونا معلوم ہو اس سے اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً اجارہ دینے والے کو خبر ہے کہ یہ روپیہ زید نے غصب یا سرقہ، یا رشوت، یا ہندہ نے زنا یا غنا کی اُجرت، یا کسی مسلمان نے خمر و خنزیر کی قیمت میں حاصل کئے ہیں، تو ان کا لینا اسے روا نہیں، نہ اپنے آتے میں، نہ ویسے۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن محمد فی کسب المغنّیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یأخذہ[1]۔

ہندیہ میں محیط اس میں امام محمد سے منقول ہے کہ مغنیہ عورت کی کمائی سے قرض کی ادائیگی کرنا چاہے تو قرضخواہ کو وہ لینا ناجائز ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھایۃ قال بعض مشائخنا کسب المغنّیۃ کالمغصوب لم یحل اخذہ[2]۔

نہایہ میں فرمایا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ مغنّیہ کی کمائی مغصوب چیز کی طرح ہے اس کا لینا جائز نہیں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

جاز رزق القاضی من بیت المال لو بیت المال حلالا جمع بحق والا لم یحل[3]۔

بیت المال سے قاضی کو وظیفہ جائز ہے بشرطیکہ بیت المال میں حلال مال کو حق کے طور پر جمع کیا گیا ہو ورنہ وہاں سے وظیفہ لینا جائز نہیں (ت)

تنویرالابصار میں ہے:

جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر بخلاف المسلم[4]۔

کافر سے قرض کی وصولی میں شراب فروشی سے حاصل شدہ رقم کو لینا جائز ہے بر خلاف مسلمان کے۔ (ت)

ورنہ فتویٰ مطلقاً جواز پر ہے، یعنی اگرچہ اس کے پاس اموال حرام ہونا یقینی ہو، مگر یہ روپیہ کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۹
[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۴۷
[3] درمختار " " " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۶
[4] درمختار شرح تنویرالابصار " " " " " " ۲/۲۴۵

اس کرایہ میں دیتا ہے، بعینہٖ اس کا حرام ہونا معلوم نہیں تو لینا جائز، اگرچہ اس کا اکثر مال حرام ہی ہو۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ عن الامام الفقیہ ابی اللیث قال بعضھم یجوز مالم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد وبہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی واصحابہ[1]۔

ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالے سے امام ابو اللیث سے منقول ہے کہ بعض نے فرمایا جب تک حرام سے ادائیگی کا علم نہیں ہے اس وقت تک لے سکتا ہے، امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہمارا یہی مختار ہے کہ جب تک بعینہٖ حرام ہونے کا علم نہیں ہے یہی امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

ان لم یعلم الاٰخذ انہ من مالہ او من مال غیرہ فھو حلال حتی یتبین انہ حرام[2]۔

اگر لینے والے کو معلوم نہیں کہ اس کا مال ہے یا غیر کا، تو اس کو حلال ہے تاوقتیکہ حرام ہونا واضح نہ ہوجائے۔ (ت)

مگر اس صورت میں یعنی بحالت غلبۂ حرام تقوٰی احتراز ہے،

فان للاکثر حکم الکل بل منھم من نص عند ذلک علی عدم الجواز، فالاسلم الاحتراز۔

کیونکہ اکثر پر کل کا حکم ہوتا ہے بلکہ بعض نے نص فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں ناجائز ہے تو پرہیز میں سلامتی ہے۔ (ت)

خصوصًا مقتدٰی کے لئے لحدیث:

ایاک ومایسوء الاذن عہ[3]، ولحفظ دین العوام عن اقتحام الحرام۔

تو بدگمانی سے بچ، اور عوام کے دین کی حفاظت کے لئے حرام سے دُور رہ۔ (ت)

باقی اس مسئلہ کے متعلق تفصیل جلیل وتنقیح جمیل فتاوٰی فقیر سے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے فلینظر ثمہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عہ فی الاصل ھکذا لعل الصواب "الظن"۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۲

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۷۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۷۶

مسئلہ ۱۵۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے "دعوی وراثت" میں قابضانِ متروکہ سے واصلات اپنے حصہ کی مانگی، اس میں عذر تمادی کا ازجانب مدعا علیہم پیش ہوا۔ فقط تین برس کے دینا چاہتا ہے بموجب قانون کے چونکہ شرع میں تمادی نہیں ہے لہذا اس نے اپنے حصہ جائز سے محروم ہونے کے سبب یہ کہا کہ مجھ کو سُود دو، اور یہ سمجھا کہ سُود کے حیلہ سے بھی میری اصلی رقم کا کوئی جُز ہی مل جائے۔ اس صورت میں یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر اس شریک نے جس نے واصلات نہ پائی، شریک قابض کو اپنے حصہ کے تحصیل کا وکیل و مجاز کیا تھا، تو جو توفیر حاصل ہوا کی اس سب میں اس کا بھی حصہ تھا، اور تمادی کوئی شئے نہیں، اگر ویسے نہیں لے سکتا جس نام سے ملے وصول کر سکتا ہے۔ اور اگر اس نے وکیل نہ کیا تھا بلکہ وہ بطور خود غصبًا اس کے حصہ پر قابض رہا اور زمین اٹھاتا محصول لیتا رہا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ اس کے حصہ کا روپیہ اسے دے یا تصدق کردے، اور افضل وہی ہے کہ اسے دے مگر اس کو دعوٰی نہیں پہنچتا، نہ یہ اس کا مالک ہوا، بلکہ وہی غاصب بملک خبیث مالک ہے تو اُسے اُس سے بحیلہ ناجائزہ لینے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۵

۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب آسامیانِ دیہہ سے لگتہ اراضی مفوضہ آسامیان مقرر ہے، تو سوا لگتہ مقررہ کے اوگاہی بھوسہ ومورکین ورس وغیرہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ناجائز ہے کہ اجرت مقررہ سے زیادہ لینے کا کیا استحقاق ہے، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے دیتے تو جائز تھا مگر خوشی معلوم، بلکہ صریح جبر ہوتا ہے، اور اگر اس کی طرف سے جبر نہ بھی ہوا مگر انھوں نے اسے زمینداری یا ٹھیکہ داری کے دباؤ سے دیا، تو بھی ناجائز و مثلِ رشوت ہے۔

فی ردالمحتار (بعد نقل عبارۃ الفتح تعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ[1]) ذکر ما نصہ

ردالمحتار میں فتح کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا علت کو بیان کرنا ایسے ہدیہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو، انکی ذکر کردہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۰

قلت ومثلهم مشائخ القری والحرف وغیرھم ممن لہ قھر و تسلط علی من دونھم فانہ یھدٰی الیھم خوفا من شرھم اولیروج عندھم[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

عبارت یوں ہے میں کہتا ہوں ان کی مثل دیہاتوں اور اہل حرفت وغیرہم کے چودھریوں کی ہے جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان چودھریوں کے شر کے خوف یا رواج کی وجہ سے ان کو ہدیے ملتے ہیں الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶

۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک عورت مطلقہ غیر ہے جس کی ابھی عدت نہ گزری، وہ بعد عدت اس سے نکاح چاہتا ہے مگر خوف ہے کہ شاید قبل عدت معصیت واقع ہو، زید عمرو سے مکان کرایہ پر مانگتا ہے، اس صورت میں عمرو کو جائز ہے یا نہیں کہ زید کو اپنا مکان کرایہ پر دے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے اگرچہ معصیت کا خوف نہیں بلکہ صراحۃً معصیت کرتا ہے، یہ اپنی جائز نیت سے کرایہ پر دے، اس کی معصیت کا وبال اُس پر ہے، عمرو پر کوئی مواخذہ نہیں،

لتخلل فعل فاعل مختار، قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فاعل مختار کا فعل درمیان میں آنے کی وجہ سے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۷

مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب

۲۵ ر ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ[3] الآیۃ

اگر تم کسی امر میں تنازع کرو تو اس کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ الآیۃ (ت)

---

[1] جد الممتار

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت السہلۃ الغراء ومفتیان ملت السمحۃ البیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارۂ تدریس فنون عربی بمشاہرہ ۱۰۰؎ ایک اور ۵۰؎ دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی وشمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی، اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اُس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلم پر شرعاً عقلاً عرفاً ہے یا نہیں، اور استاذین وشیوخ آبا معنوی ہیں، اس کا کہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قال اللہ عزوجل یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج[1]

اے نبی! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں نئے چاندوں کا حال، تو فرما وہ وقت ٹھہرائے ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے واسطے۔

آیۂ کریمہ شاہد ہے کہ اہلِ اسلام کے نہ صرف عبادات بلکہ معاملات میں بھی یہی قمری مہینے معتبر ہیں، مدارک شریف میں ہے:

مواقیت للناس والحج ای معالم یوقت بھا الناس مزارعھم ومتاجرھم ومحال دیونھم وصومھم وفطرھم وعدۃ نسائھم وایام حیضھن ومدۃ حملھن وغیر ذٰلک ومعالم للحج یعرف بھا وقتہ[2]

مواقیت للناس والحج یعنی علامات جن سے لوگ اپنی مزارعت، اجارہ، قرض اور دیون کی ادائیگی، روزہ، افطار، عورتوں کی عدت حیض کے ایام اور حمل کی مدت وغیرہ کا وقت معلوم کریں گے اور حج کی علامات جن سے لوگ اس کا وقت پہچان سکیں گے (ت)

عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیہ خفاجی علی البیضاوی میں ہے:

اجیبوا ببیان الغرض من ھذا الاختلاف من بیان مواقیت العبادات والمعاملات[3]

صحابہ کو چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کی غرض سے جواب بیان فرمایا کہ عبادات اور معاملات کے مقرر اوقات کا بیان ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۹

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیت قل ھی مواقیت للناس الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۹۷

[3] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی ،، ،، ،، ،، دار صادر بیروت ۲/ ۲۸۴

وقال تبارك وتعالیٰ ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض منھا اربعۃ حرم[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک گنتی مہینوں کے اللہ کے نزدیک بارہ ۱۲ مہینے ہیں، کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین، اس میں سے چار ماہ حرام ہیں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب)۔

یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ ۱۲ مہینے قمری ہلالی عربی معتبر ہیں کہ چار ماہ حرام انھیں مہینوں میں ہیں، تو اہل اسلام کو انھیں کا اعتبار چاہئے کہ شرع مطہرہ کے سب احکام عبادات و معاملات انھیں پر مبنی ہیں، معالم میں ہے:

المراد منہ الشھور الھلالیۃ وھی الشھور التی یعتد بھا المسلمون فی صیامھم وحجھم واعیادھم وسائر امورھم[2]

اس سے مراد قمری مہینے ہیں اور ان مہینوں کے ذریعہ مسلمان اپنے روزوں، حج، عیدوں اور تمام امور کا حساب لگاتے ہیں۔(ت)

نسفی میں ہے:

المراد بیان ان احکام الشرع تبتنی علی الشھور القمریۃ المحسوبۃ بالاھلۃ دون الشمسیۃ[3]

مراد یہ ہے کہ شرعی احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جو چاند کے حساب سے ہوتے ہیں شمسی مہینوں پر نہیں۔(ت)

ولہذا بحمد اللہ اب تک عامہ مسلمین اپنے عامہ امور میں انھیں شہور کو جانتے، انھیں پر مدار کار رکھتے ہیں کہ ان کے رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انھیں پر صادق، مہینہ منسوب بماہ ہے، شہر شمسی مہینہ نہیں مہرینہ ہے، بلکہ تفسیر کبیر میں زیر کریمہ انما النسئی ہے:

اللہ تعالیٰ امرھم من وقت ابراھیم و اسمٰعیل علیھما الصلوٰۃ والسلام ببناء الامر علی رعایۃ السنۃ القمریۃ،

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان قمری سال پر اپنے امور کی بنا کا حکم دیا تو انھوں نے قمری سال کی رعایت

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۸۹

[3] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۲۵

فهم ترکوا امر اللّٰه تعالٰی فی رعایة السنة القمریة واعتبروا السنة الشمسیة رعایة لمصالح الدنیا۔[1]

کے حکم باری تعالٰی کو ترک کرکے اپنے مصالح کی بناء شمسی سال پر کرلی۔ (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

قال اھل العلم الواجب علی المسلمین بحکم ھذہ الآیة ان یعتبروا فی بیوعھم ومدد دیونھم واحوال زکاتھم وسائر احکامھم السنة العربیة بالاھلة ولایجوز لھم اعتبار السنة العجمیة والرومیة[2] اھ، اقول فمن خلاف عندنا فی تأجیل العنین ھل ھو بالسنة القمریة ھو المذھب، خزانة وغیرھا وھو الصحیح[3]، ھدایة وغیرھا وعلیه اکثر اصحابنا[4]، ایضاح الکرمانی او بالسنة الشمسیة، وھی روایة الحسن عن امامنا الاعظم رضی اللّٰه تعالٰی عنه، وروایة ابن سماعة عن الامام محمد، واختارہ شمس الائمة السرخسی والامام فقیه النفس قاضیخان والامام ظھیر الدین المرغینانی[5]، فتح۔ وقیل وبه

اہل علم نے فرمایا اس آیہ کریمہ کے حکم پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کاروبار اور لین دین، زکوٰۃ اور تمام احکام میں عربی قمری سال کا اعتبار کریں اور ان کو عجمی اور رومی شمسی سال کا اعتبار جائز نہیں ہے اھ میں کہتا ہوں ہمارے ہاں نامرد شخص کو مہلت دینے کے مسئلہ میں اختلاف ہے خزانہ وغیرہ میں ہے کہ قمری سال ہی مذہب ہے، ہدایہ وغیرہ میں فرمایا یہی صحیح ہے، اور نیز فرمایا ہمارے اکثر اصحاب اس پر ہیں، کرمانی کی ایضاح میں، یا شمسی سال، فرمایا، یہ امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی کی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے، اور امام محمد علیہ الرحمۃ سے بھی ابن سماعہ کی یہ روایت ہے، اور شمس الائمہ امام سرخسی، امام فقیہ النفس قاضیخان اور امام ظہیر الدین مرغینانی نے اسے اختیار کیا ہے، فتح۔ اور اسی پر فتوٰی

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة انما النسئ زیادة الخ المطبعة البھیة المصریة مصر ۱۶/ ۵۶
[2] " " " ان عدة الشھور الخ " ۱۶/ ۵۳
[3] جامع الرموز بحوالہ الہدایة کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴
[4] " " بحوالہ الکرمانی " " ۲/ ۵۷۴
[5] فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲

يفتى، درمختار[1]، وعليه اكثر المشائخ، محيط۔ وعليه الفتوى، خلاصة اھ من رد المحتار وجامع الرموز[2]۔ نعم عدم الجواز فى العبادات والعدد الشرعى مقطوع به مجمع عليه۔ واللّٰه تعالٰى اعلم۔

ہے، درمختار۔ اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں محیط۔ اسی پر فتوٰی ہے، خلاصہ۔ یہ ردالمحتار اور جامع الرموز سے منقول ہے، ہاں عبادات اور شرعی اعداد قمری سال ہی متفق علیہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ اجارات وغیرہا معاملات میں مدار تعارف پر ہے، اور مسلمین میں متعارف یہی مہینے، تو عندالاطلاق انھیں کی طرف انصراف، ردالمحتار و فتح القدیر میں ہے:

اهل الشرع انما يتعارفون الاشهر والسنين بالاهلة فاذا اطلقوا السنة انصرف الى ذلك مالم يصرحوا بخلافه[3]۔

اہل شرع نے قمری مہینے اور سال اپنا عرف قرار دیا ہے، تو جب وہ مطلق سال ذکر کرتے ہیں غیر کی تصریح نہ کریں تو قمری مراد ہوتا ہے۔ (ت)

اگر بعض مسلمانان باتباع نصارٰی شہور شمسیہ پر حساب رکھنے لگیں تو اس کا اعتبار نہیں کہ معتبر عرف عام وشائع ہے، نہ قرار داد خاص بعض ناس، اشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادة اذا اطردت اوغلبت، ولذا قالوا فى البيع لو باع بدراهم ودنانير وكانا فى بلد اختلف فيه النقود مع الاختلاف فى المالية والرواج انصرف البيع الى الاغلب قال فى الهداية لانه

عادت جب عام اور غالب ہوجائے تو وہی معتبر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ بیع کے باب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مطلق دراہم یا دنانیر کو بیع میں ذکر کیا تو شہر میں مالیت اور رواج کے لحاظ سے نقود کا اختلاف ہو تو وہاں غالب نقد پر بیع مانی جائے گی، ہدایہ میں فرمایا کیونکہ وہ

---

[1] درمختار | کتاب الطلاق | باب العنین وغیرہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۵۳
[2] ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۹۵
جامع الرموز | " | " | مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران | ۲/۵۰۴
[3] فتح القدیر | " | " | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۴/۱۳۲
ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۹۵

هو المتعارف، فینصرف المطلق الیہ[1]۔ متعارف ہے تو مطلق اسی کی طرف ہی راجع ہوگا۔ (ت)

اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہاں کے مسلمان میں شہورِ شمسیہ بھی بکثرت رواج پاگئے تاہم اس میں کلام نہیں کہ مدرسانِ علومِ عربیہ دینیہ کا تقرر عام طور پر انھیں شہورِ الٰہیہ ہلالیہ پر متعارف ہے کہ وہ خاص دینی کام ہے، اور عام مسلمین پر بحمد اللہ ہنوز اتباعِ نصارٰی ایسا غالب نہ ہوا کہ اپنے دینی امور میں بھی ان کی تقلید کریں، تو اس تقرر میں قطعاً شہورِ ربانیہ ہی معتبر ہوں گے نہ کہ شہورِ نصرانیہ، کما لایخفٰی علی اولی النہٰی (جیسا کہ عقلمندوں پر مخفی نہیں۔ ت) تعلیم علوم دینیہ پر اُجرت لینی صدہا سال سے بمذہب مفتٰی بہ علماء نے نظر بفسادِ زمانہ حلال فرمائی، یہ تحلیل اس لئے تھی کہ اہلِ علم ناشرانِ علمِ دین کی خدمت ہوتی رہے، وہ تلاشِ معاش میں پریشان ہوکر اس وراثتِ انبیاء کی اشاعت سے مجبور نہ رہیں، نہ اس لئے کہ معاذ اللہ استاذِ علمِ دین کی تعظیم و توقیر نہ کی جائے، اساتذہ و شیوخِ علومِ شرعیہ بلاشبہہ آبائے معنوی و آبائے رُوح ہیں جن کی حرمت و عظمت آبائے جسم سے زائد ہے کہ وہ پدرِ آب و گِل ہے اور یہ پدرِ جان و دل۔ علامہ مناوی تیسیر جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

من علم الناس ذاک خیر اب ذا ابو الروح لا ابو النطف[2]

یعنی استاد کا مرتبہ باپ سے زیادہ ہے کہ وہ روح کا باپ ہے، نہ نطفہ کا۔

علامہ حسن شرنبلالی "غنیہ ذوی الاحکام" حاشیہ "درر وغرر" میں فرماتے ہیں:

الوالد ھو والد التربیۃ فرتبتہ فائقۃ مرتبۃ والد البنیۃ[3]۔ یعنی اعلٰی درجہ کا باپ، استاد مربی ہے، اس کا مرتبہ پدرِ نسب کے مرتبہ سے زائد ہے۔

عین العلم شریف میں ہے:

یبر الوالدین فالعقوق من الکبائر، ویقدم حق المعلم علی ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرے کہ انھیں ناراض کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور استاد کے حق کو

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث انما انا لکم بمنزلۃ الوالد الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۶۱
[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام

حقھما فھو سبب حیاۃ الروح[1] | ماں باپ کے حق پر مقدم رکھے کہ وہ زندگی روح کا سبب ہے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں:

ماکتبت عن احد حدیثا الا وکنت لہ عبدا ماحیی[2] | میں نے جس کسی سے ایک حدیث بھی لکھی میں عمر بھر اس کا غلام ہوں۔

فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

حق العالم علی الجاھل، وحق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السواء وھوان لایفتتح بالکلام قبلہ ولا یجلس مکانہ وان غاب ولا یرد علی کلامہ ولا یتقدم علیہ فی مشیہ[3] | عالم کا جاہل پر اور استاد کا شاگرد پر برابر یکساں حق ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے، وہ موجود نہ ہو جب بھی اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، اس کی کوئی بات نہ اُلٹے، نہ اس سے آگے چلے۔

وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸

۲۶ رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے کارندہ نے عمرو سے وعدہ کیا کہ جائداد آپ کی زید سے بکوادوں گا مگر مجھے محنتانہ دیجئے گا۔ اس نے اقرار کیا، اور زید کو بھی اس کا حال معلوم ہے، کارندہ مذکور نے اس کی بیع میں بہت کوشش کی، چنانچہ بیع تمام ہوگئی، اور مشتری کو دھوکا بھی کچھ نہ دیا، یہ اُجرت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب

اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت وکوشش کی وُہ اپنے آقا کی طرف سے تھی بائع کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے خرید لینی چاہئے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں، اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی،

---

[1] عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبع امرت پریس لاہور ص ۳۵-۲۳۳

[2] المقاصد الحسنۃ تحت حدیث ۱۱۶۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی البزازیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۷۳

جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے محنت کرنے کی ہوتی ہے، نہ بیٹھے بیٹھے دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے، مشورہ دینے کی۔ ردالمحتار میں بزازیہ و ولوالجیہ سے ہے :

الدلالۃ والاشارۃ لیست بعمل یستحق بہ الاجر، وان قال لرجل بعینہ ان دللتنی علی کذا فلك کذا، ان مشی لہ فدلہ فلہ اجر المثل للمشی لاجلہ، لان ذٰلك عمل یستحق بعقد الاجارۃ الخ[1]۔

محض بتانا اور اشارہ کرنا ایسا عمل نہیں ہے جس پر وہ اجرت کا مستحق ہو، اگر کسی نے ایک خاص شخص کو کہا اگر تو مجھے فلاں چیز پر رہنمائی کرے تو اتنا اجر دوں گا، اگر وہ شخص چل کر رہنمائی کرے تو اس کو مثلی اجرت دینا ہوگی کیونکہ وہ اس خاطر چل کرلے گا کیونکہ چلنا ایسا عمل ہے جس پر عقد اجارہ میں اجرت کا مستحق ہوتا ہے الخ (ت)

غمز العیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے :

اما لودلہ بالکلام فلا شیئ لہ[2]۔

اگر صرف زبانی رہنمائی دے تو اس کے لئے کچھ نہیں۔ (ت)

اور اگر بائع کی طرف سے محنت و کوشش و دوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہوگا، یعنی ایسے کام اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائے گا اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ کا ہو، اور اگر قرارداد اجرمثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوطِ زیادت پر خود راضی ہوچکا۔ خانیہ میں ہے :

ان کان الدلال الاول عرض تعنّی و ذھب فی ذٰلك روزگار کان لہ اجرمثلہ بقدر عنائہ وعملہ[3]۔

اگر روزگار کے سلسلہ میں دلال نے محنت کی اور آیا گیا تو اس کی محنت اور عمل کے مطابق مثلی اجرت ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے :

بعہ لی بکذا ولك کذا فباع فلہ اجر المثل[4]۔

اگر دوسرے کو کہا تو میرے لئے اتنے میں اس کو فروخت کر تو اس نے وہ چیز فروخت کردی تو دلال مثلی اجرت کا مستحق ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتّی من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۰

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۴۴

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

حموی میں ہے :

ای ولایتجاوزبہ ماسمی ، وکذا لوقال اشترلی کمافی البزازیۃ ، وعلی قیاس ھذا السماسرۃ والدلالین الواجب اجرالمثل کمافی الولوالجیۃ۔[1]

یعنی مقررہ اجرت سے زائد نہ ہوگی ، اور یوں ہی اگر کہا تو مجھے خرید دے ، جیساکہ بزازیہ میں ہے اور اس پر قیاس ہوگا دلال حضرات کا معاملہ کہ ان کو مثلی اُجرت دی جائے گی جیساکہ ولوالجیہ میں ہے (ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے :

فی الدلال والسمسار یجب اجرالمثل و ماتواضعوا علیہ ان فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذلک حرام علیھم۔[2]

آڑھتی اور دلال حضرات کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور وہ جو دس دنانیر میں اتنا طے کرتے ہیں تو یہ حرام ہے۔ (ت)

پھر از انجا کہ یہ شخص مشتری کا نوکر واجیر خاص تھا جتنی مدت اس نے بائع کے کام میں صرف کی اتنی تنخواہ ساقط ہوگئی ، مثلاً دس روپے ماہوار کا نوکر تھا ، تین دن بائع کی طرف سے اس سعی میں گزرے تو ایک روپیہ تنخواہ کا مستحق نہ رہا ، اور اگر بائع سے یہ عقد اجارہ بے اذن واجازت مشتری ہوا ، تو گناہ علاوہ کہ اجیر خاص کو بے اجازت آقا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے :

لیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من اجرتہ بقدر ما عمل ، فتاوی النوازل۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اجیر خاص کو جائز نہیں کہ دوسروں کا کام کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اتنا اس کی اجرت سے کاٹا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۹ از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں رامپوری ۲۲ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور کو برائے مزدوری اسّی کوس یا پچاس کے فاصلہ پر لے جائے ، بعد ازاں اس سے چار پانچ ماہ تک کام کرائے ، اور بروقت حساب کے اُس کو تیس روپے کے کام کے بیس دے اور اس پر سختی کرے اور اسے پریشان کرے ،

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[3] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۱

جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حرام، حرام، حرام، کبیرہ، کبیرہ کبیرہ۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالٰے فرماتا ہے:

ثلثۃ انا خصمھم یوم القیمۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا فاکل ثمنہ، ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یوفہ اجرہ۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والبخاری وابن ماجۃ وابویعلی وغیرھم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قال اللہ تعالٰی فذکرہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

قیامت کے دن تین شخصوں کا میں مدعی ہوں گا، اور جس کا میں مدعی ہوں میں ہی اس پر غالب آؤں گا، ایک وُہ جس نے میرا عہد دیا پھر عہد شکنی کی، دوسرا وُہ جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی، تیسرا وہ جس نے کسی شخص کو مزدوری میں لے کر اپنا کام تو اس سے پُورا کرالیا اور مزدوری اسے پُوری نہ دی (اسے امام احمد، بخاری، ابن ماجہ، ابویعلٰی وغیرہم ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا، فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے تو حدیث ذکر کی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ت)

مسئلہ ۱۶۰: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو نے بتعین چند شرائط مفصلۂ ذیل خالد سے ٹھیکہ اراضی کا بزمان واحد بغیر بیان کرنے شرکت نصف اور ربع کے لیا، شرط اوّل یہ کی کہ زرِ ٹھیکہ بموجب اقساط معینہ مندرجہ قبولیت وپٹہ ادا کریں گے، دوسری شرط یہ کی کہ ضمانت یا امانت

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۷ وکتاب الاجارۃ ۱/ ۳۰۲
مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۵۸
سنن ابن ماجہ ابواب الرھون باب اجر الاجراء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

حسب الطلب خالد کے دیں گے، اور درصورت نہ دینے ضمانت اور نہ ادا کرنے کسی ایک قسط کے خالد کو اختیار فسخ اجارہ حاصل ہے، پس ہر دو مستاجران نے دونوں شرطوں کو وفا نہیں کیا، اور نوبت دعوٰی فسخ رُوبرو قاضی پہنچی، تو ایک شریک کو دعوٰی خالد سے اقبال ہے، اور دوسرے کو دعوی فسخ خالد سے انکار ہے، آیا ایسی صورت میں خالد کو اختیار فسخ اجارہ ہر دو مستاجران سے حاصل ہے یا کیا؟ بیّنوا توجروا۔

بحضور لامع النور، زبدۃ العلماء والفقہاء جناب مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب دام فضلہم

جناب عالی!

صورت مسئولہ میں یہاں پر مفتیان نے بموجب اقوال تحت فیصلہ فرمایا، حضور نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، لہذا استفتا منسلکہ عرضداشت ہذا ابلاغ کرکے امیدوار کہ جواب جلد مرحمت فرمایا جائے،

قال شمس الائمۃ السرخسی قال بعض اصحابنا اضافۃ الفسخ الی مجیئ الشھر و غیرذٰلک من الاوقات صحیح وتعلیق الفسخ بمجیئ الشھر وغیرذٰلک لایصح والفتوی علی قولہ کذا فی فتاوی قاضیخان[1]۔ ثانی، والشیوع الطاریٔ لایفسدھا اجماعا کما لو اٰجرثم تفاسخا فی بعض او مات احدھما او استحق بعضھا تبقی فی الباقی[2]؎ عالمگیری۔ مؤیدآں در الغیاثیۃ رجلان اٰجرا دارھما من رجل جاز وان فسخ احدھما برضا المستاجر اومات لاتبطل فی النصف الاٰخر[3]؎ بحرالرائق۔

شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے فسخ کی اضافت مہینہ کی آمد کی طرف کرنا اور ایسے ہی دیگر اوقات کی طرف کرنا صحیح ہے، اور فسخ مہینہ وغیرہ اوقات کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہے، اور فتوٰی اس بعض کے قول پر ہے فتاوٰی قاضیخان میں یوں ہے۔ دوسرا، یہ کہ بعد میں طاری ہونے والا شیوع بالاجماع اجارہ کو فسخ نہ کرے گا، مثلاً اگر مکان اجارہ پر دیا پھر فریقین نے کچھ حصہ میں اجارہ فسخ کردیا، یا کوئی ایک فریق فوت ہوگیا یا مکان کا کچھ حصہ کسی غیر کا حق ظاہر ہُوا، تو باقیماندہ حصہ میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ عالمگیری۔ اس کی تائید یہ ہے کہ، غیاثیہ میں ہے دو حضرات نے اپنے مشترکہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۰

[2] " " الباب السادس عشر " ۴/ ۴۴۸

[3] بحرالرائق باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۱

مکان کو اجارہ پر ایک شخص کو دیا تو جائز ہے اور اگر ایک نے مستاجر کی رضامندی سے اپنے نصف حصہ کا اجارہ فسخ کردیا، یا ایک فوت ہوگیا تو باقی نصف میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ البحرالرائق (ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں خالد کو ضرور اختیارِ فسخ حاصل ہے، بلکہ ہر فریق پر اجارۂ مذکورہ کا فسخ واجب ہے، اگر وہ نہ کریں حاکم جبراً فسخ کردے، اگر نہ کرے گا گنہگار ہوگا، وجہ یہ کہ اجارہ مذکورہ شرعاً بوجوہ فاسد ہے،

اوّلاً اُس میں ضمانت مجہولہ شرط کی گئی، نہ ضامن حاضر تھا، نہ مجلس عقد میں قبل تفرق عاقدین حاضر ہوا، ایسی شرط ضمانت بیع و اجارہ میں ناجائز و مفسد ہے۔

ثانیاً مجلس عقد میں کسی ضامن کی طرف سے قبولِ ضمانت واقع نہ ہوا، ایسی ضمانت نامقبولہ، اگرچہ غیر مجہولہ ہو مفسدِ عقد ہے۔

ثالثاً اگر امانت سے مراد رہن ہے، تو اس کا بھی کوئی تعین پیش از تفرق عاقدین نہ ہوا، ایسے رہن کی شرط بھی مفسد ہے۔ دُرمختار میں ہے،

یصح البیع بشرط یقتضیہ العقد او یلائمہ کشرط رھن معلوم وکفیل حاضر، ابن ملک[1] اھ ملتقطا۔

جو عقد کا مقتضی ہو یا عقد کے مناسب ہو ایسی شرط کے ساتھ بیع صحیح ہے مثلاً بیع میں معلوم رہن یا حاضر کفیل کی شرط لگانا، ابن ملک اھ ملتقطاً (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وان کان ملائما للبیع لا یفسدہ کالبیع بشرط کفیل بالثمن اذا کان حاضرا وقبلھا اوغائبا فحضر وقبل قبل التفریق وکشرط رھن معلوم بالاشارۃ او التسمیۃ، فان حاصلھما

اگر شرط بیع کے مناسب ہو تو اس سے بیع فاسد نہ ہوگی مثلاً بیع میں ثمن کے کفیل کی شرط جب کفیل موجود حاضر ہو اور قبول کرلے یا غائب تھا تو موقعہ پر حاضر ہوگیا اور فریقین کے متفرق ہونے سے قبل کفیل نے قبول کرلیا ہو، اور مثلاً بیع میں اشارہ یا نام ذکر کرکے متعین

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷ و ۲۸

التوثق للثمن، قيدنا بحضرة الكفيل لانه لوكان غائبا فحضر وقبل بعد التفرق اوكان حاضرا فلم يقبل لم يجز، وقيدنا بكون الرهن مسمى لانه لولم يكن مسمى ولا مشارا اليه لم يجز الا اذا تواضيا على تعيينه فى المجلس ودفعه اليه قبل ان يتفرقا او يعجل الثمن ويبطلان الرهن[1] اھ۔

رہن کی شرط لگانا، کیونکہ ان مذکورہ دونوں شرطوں کا مقصد ثمن کا وثوق حاصل کرنا ہوتا ہے، ہم نے کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ اگر وہ غائب ہو تو حاضر ہو کر قبول بھی کرلے لیکن فریقین کے تفرق کے بعد کرے یا حاضر ہو کر قبول ہی نہ کرے تو بیع جائز نہ ہوگی اور ہم نے رہن کے معین معلوم ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ وہ معین ومعلوم نہ ہو اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہو تو بیع جائز نہ ہوگی الّایہ کہ دونوں فریق اسی مجلس میں اس کے تعین پر راضی ہوجائیں اور تفرق سے قبل مرہون چیز دے دی جائے یا رہن کو باطل کردیں اور ثمن نقد ادا ہوجائے اھ (ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع مما مر یفسدھا[2]۔

اجارہ میں ایسی شرائط سے فاسد ہوجاتا ہے جو عقد کے مخالف ہوں تو جو شرائط مذکورہ بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں۔ (ت)

رابعًا ان شرائط کے انتفاء پر خالد کو اختیارِ فسخ ملنے کی شرط یعنی خیارِ شرط ہے، ردالمحتار میں حواشی الدرر للعلامہ خادمی آفندی سے ہے:

قد قال صدر الشریعة انه (ای خیار النقد) فرع مسئلة خیار الشرط لانه انما شرع لیدفع بالفسخ الضرر عن نفسه سواء کان تاخیر اداء الثمن او غیرہ[3]۔

صدر الشریعۃ نے فرمایا کہ خیارِ نقد، خیارِ شرط والے مسئلہ کی فرع ہے کیونکہ اس کو مشروع قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فسخ کرکے اپنے پر عائد ہونے والے ضرر کو ختم کرسکے یہ ضرر ثمن کی تاخیر ہو یا کوئی اور۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۵
[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷
[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۹

اسی میں اسی سے ہے:

الواقع فی الزیلعی کونہا من صورہ۔[1] زیلعی میں شرط اجارہ کا شرط خیار کی طرح ہونا مذکور ہے۔(ت)

اور یہاں اسے مشروط و معلق بالحظر کیا، اور خیار شرط صالح تعلیق بالشرط نہیں۔ بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے: لایصح تعلیق خیار الشرط بالشرط[2] (خیار شرط کی تعلیق کسی شرط سے جائز نہیں۔ ت)

اور اشتراط شرط فاسد ان عقود کا مفسد،

ولیس من باب خیار النقد المشروع ولو لم یکن ھناك تعلیق بعدم الاتیان بضمانۃ و امانۃ اصلا، واقتصروا علی التعلیق بعدم نقد الاجرۃ علی النجوم المقدرۃ وذلك لان خیار النقد فی ھذہ الصورۃ انما یکون لمن بیدہ النقد وترکہ اذھو المتمکن من امضائہ وعدمہ، وھھنا علی خلاف ذلك شرط الخیار للمواجر۔ فی البحرالرائق لو باع علی انہ ان لم ینقد الثمن الی ثلثۃ ایام فلا بیع صح، و الی اربع لایصح، والاصل فیہ ان ھذا فی معنی اشتراط الخیار اذ الحاجۃ مست الی الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلۃ فی الفسخ فیکون

اور خیار نقد جو مشروع ہے شرط فاسد اس کی طرح نہیں ہے، خیار نقد جائز ہے اگرچہ وہاں ضمانت و امانت پیش نہ کرنے کی تعلیق نہ بھی ہو، بحر اور درمختار دونوں نے خیار نقد کی صورت میں مقررہ قسطوں پر نقد اُجرت نہ دینے سے معلق کرنے پر اکتفار کیا اس لئے کہ خیار نقد اس صورت میں ایسے شخص کو ہوتا ہے جس کو نقد دینے نہ دینے کا اختیار ہو کیونکہ وہی اجارہ کو قائم رکھنے نہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ خیار کی شرط اجرت پر دینے کے لئے ہے۔ بحرالرائق میں ہے اگر کسی نے چیز کو اس شرط پر فروخت کیا کہ اگر مشتری تین دن تک ثمن نقد نہ دے تو بیع ختم ہوگی، یہ شرط صحیح ہے، اور اگر چار دن تک کہا تو صحیح نہیں ہے، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ خیار شرط کے معنٰی میں ہے کیونکہ نقد نہ ملنے پر فسخ کی حاجت ہے تاکہ فسخ کا معاملہ موخر ہونے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۹

[2] " " " " " " ۴/ ۴۵

ملحقا به، کذا فی الھدایۃ، و اشار المصنف الی جواز ھذا الشرط للبائع، وفی الذخیرۃ اذا باع عبدا ونقد الثمن علی ان البائع ان رد الثمن الی ثلثۃ فلا بیع بینھما کان جائزا، وھو بمعنی شرط الخیار للبائع اھ ففی مسألۃ الکتاب المنتفع بھذا الشرط ھو البائع مع انھم جعلوا الخیار للمشتری باعتبار انہ المتمکن من امضاء البیع بالنقد، ومن فسخہ بعدمہ وفی عکسہ المنتفع بھذا الشرط ھو المشتری مع انھم جعلوا الخیار للبائع باعتبار ان البائع متمکن من الفسخ ان رد الثمن فی المدۃ ومن الامضاء ان لم یردہ[1] اھ ملتقطا، ونحوہ فی رد المحتار عن النھر۔

محفوظ رہے، لہذا یہ خیار شرط سے ملحق ہے ایسے ہی ہدایہ میں ہے، اور مصنف نے بائع کے لئے اس شرط کے جواز کا اشارہ کیا ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ جب عبد کو فروخت کیا اور مشتری نے ثمن نقد دے کر شرط لگائی کہ اگر بائع نے تین دن تک ثمن واپس کر دیئے تو بیع ختم ہو گی، تو یہ شرط جائز ہے اور یہ بائع کی شرط خیار معناً قرار پائے گی اھ، تو کتاب کے مسئلہ میں اس شرط کا فائدہ بائع کو ہے حالانکہ خیار پر شرط انھوں نے مشتری کے لئے قرار دی ہے، یہ اس اعتبار سے کہ مشتری ہی نقد دینے نہ دینے کی بناء پر بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے پر قادر ہے، اور اس کے عکس والی صورت میں شرط کا فائدہ مشتری کو ہے اس کے باوجود انھوں نے خیار شرط بائع کے لئے قرار دیا ہے یہ اس اعتبار سے کہ یہاں بائع تین دنوں میں ثمن واپس کرنے نہ کرنے کی بناء پر بیع کو فسخ یا قائم رکھنے پر قادر ہے اھ ملتقطاً، اور یوں ہی ردالمحتار میں نہر سے منقول ہے۔ (ت)

ان کے سوا اور بعض وجوہ سے بھی اس عقد کا فساد ظاہر کما لایخفی علی المتامل الناظر وفیما ذکرنا کفایۃ للمتبصر۔

ان تقریرات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ صورت تعلیق الفسخ بالشرط کی نہیں بلکہ خیار الفسخ بالشرط ہے، اور اول ہی فرض کیجئے تو جب بھی اس کا حکم یہ ہرگز نہ ہوگا کہ فسخ بوجہ تعلیق باطل اور اجارہ صحیح اب کہ ایک مستاجر فسخ پر راضی ہوا اسی کے حق میں فسخ ہو گیا دوسرے کے حق میں باقی ہے کہ شیوع طاری مفسد نہیں، یہ تو اس وقت ہوتا کہ یہ فسخ فاسد معلق بالشرط عقد سے جداگانہ واقع ہوتا،

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۶

جب نفس عقد اسی شرط فسخ فاسد سے مشروط تو قطعاً اصل اجارہ فاسد،

فانها کالبیع لا تحتمل الاشتراط بالشروط الفاسدة وقد قال فی الهدایة فی مسئلة خیار النقد فی هذه المسئلة قیاس اٰخر مال الیه زفر، وهو انه بیع شرط فیه اقالة فاسدة لتعلقها بالشرط، واشتراط الصحیح منها فیه مفسد للعقد، فاشتراط الفاسد اولٰی، ووجه الاستحسان ما بینا[1] اھ وهو ما قدمنا عن البحر انه فی معنی خیار الشرط فیصح الی ثلثة ایام لا ازید ولا مجهولا ولا مطلقا کما هنا، قال فی البحر لا یصح اشتراطه اکثر من ثلثة ایام عند ابی حنیفة رالی ان قال واطلاق المدة عنده کاشتراط الاکثر فی عدم الجواز وافساد البیع، ولو قال المؤلف ولو اکثر او مؤبدا او موقتا بوقت مجهول لکان اولٰی لان البیع فاسد فی هذه کلها کما فی التتارخانیة[2] اھ، قلت والمعنی اذا کان مشروطا

تو اجارہ بیع کی طرح فاسد شرائط سے مشروط نہیں ہوسکتا، اور ہدایہ میں خیارِ نقد کے مسئلہ میں فرمایا اس مسئلہ میں ایک اور قیاس بھی ہے جس کی طرف امام زفر کا میلان ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں فاسد اقالہ کی شرط ہے کیونکہ اس کو شرائط سے معلق کیا گیا ہے جبکہ اس میں صحیح اقالہ کی شرط مفسدِ عقد ہے تو فاسد کی شرط بطریق اولٰی مفسد ہوگی، اور استحسان کی وجہ وُہ ہے جو ہم نے بیان کردی ہے اور اس کو ہم بحر سے نقل کرچکے ہیں کہ خیار شرط کے معنٰی میں ہے لہذا تین دن کی شرط صحیح اس سے زائد کی صحیح نہیں اور نہ ہی مجہول شرط اور عام شرط صحیح ہوگی جیسا کہ یہاں ہے۔ بحر میں کہا ہے کہ تین دن سے زائد کی شرط امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور آگے یہاں تک کہا کہ مطلق مدت کی شرط بھی امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین دن سے زائد کی طرح جائز نہیں اور بیع فاسد ہوگی، اور اگر مؤلف یوں بیان کرتے، اگر مدت تین دن سے زائد یا ہمیشہ یا کسی مجہول وقت کی ہو تو ناجائز ہے، کیونکہ ان تینوں صورتوں میں بیع فاسد ہوتی ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے اھ، میں کہتا ہوں، مراد

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۳۵

[2] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۴-۵

فی صلب العقد کما ھنا لابعدہ والاجارۃ الاطلاق وتقید بالمجلس کما فی البحر، وجازت الزیادۃ علی الثلثۃ فی الاجارۃ کما فی بیوع البحر عن الذخیرۃ ولسنا ھٰھنا بصدد تنقیح تلک المسائل۔

یہ ہے جب صلب عقد میں یہ شرائط ہوں جیساکہ یہاں ہے عقد کے بعد والی شرائط مطلق ہوں یا مقید ہوں جائز ہوں گی اور اطلاق و تقیید مجلس میں ہو سکے گا، جیساکہ بحر میں ہے، اور اجارہ میں تین دن سے زائد کی شرط صحیح ہے جیساکہ بحر کے باب البیوع میں ذخیرہ سے منقول ہے اور ہم یہاں پر ان مسائل کی تنقیح کے درپے نہیں ہیں (ت)

بہرحال اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی کلام نہیں، اور عقد فاسد کا یہی حکم ہے کہ ہر فریق باختیار خود اسے فسخ کرسکتا ہے بلکہ ان پر اس کا فسخ واجب، وہ نہ مانیں تو حاکم پر لازم، کما نصوا علیہ فی البیع وغیرہ (جیساکہ انھوں نے بیع وغیرہ میں اس پر نص فرمائی ہے۔ ت)، ہندیہ میں ہے:

اراد الاٰجران ینقض عقدہ بحکم الفساد فلہ ذٰلک کذا فی التاتارخانیۃ[1]

اگر آجر فساد کے حکم پر عقد اجارہ کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ تاتارخانیہ میں ایسے ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسخت الاجارۃ دفعا للفساد[2]

فساد کو ختم کرنے کے لئے اجارہ فسخ کردیا جائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ابطلھا القاضی لان العقد الفاسد یجب نقضہ وابطالہ، ذخیرۃ[3]، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

یعنی قاضی اسے باطل کردے کیونکہ فاسد عقد کو ختم کرنا ضروری ہے، ذخیرہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۶۰
[2] درمختار " باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹
[3] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۸

مسئلہ ۱۶۱ از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ

بحضور لامع النور جناب مستطاب معلی القاب دام فیضہ، سابق حضور نے بدرخواست فدوی فتوٰی ارسال فرمایا تھا اس کو داخل عدالت کردیا، بجواب اس کے حاکم مرافعہ نے عدالت دیوانی کے حاکم سے صحت فتوٰی مرسلہ حضور کی طلب کی ہے۔ عالیجاہا! یہ امر ضرور ثابت ہے کہ حاکم مجوز اپنی تجویز کو خراب نہیں کرسکتا ہے، اور فتوٰی جو حضور نے کرم فرما کر ارسال فرمایا تھا اس میں جس قدر روایات مندرج ہیں بیع سے تعلق رکھتے ہیں، اجارہ کے معاملے میں کوئی روایت نہیں تھی جس کی صحت حاکم مرافعہ نے کرائی ہے، اس واسطے حضور کو دوبارہ تکلیف دیتا ہوں اور نقل روبکار کی من وعن بھیجتا ہوں۔

الجواب

فتوٰی سابقہ میں مفصلاً ثابت کردیا گیا کہ یہ اجارہ فاسد اور اس کا فسخ واجب ہے، وہ روایات سب متعلق اجارہ تھیں، انھیں متعلق بیع کہنا ہی متعلق اجارہ ماننا ہے کہ یہاں اجارہ وبیع کا ایک ہی حکم ہے بلکہ اجارہ معنیً بیع کی ایک قسم ہے۔

ارشادات علماء بر سبیل اختصار سنئے، منح المستغنی پھر عقود الدریہ میں ہے:

البیع والاجارۃ اخوان لان الاجارۃ بیع المنافع[1] بیع واجارہ بھائی بھائی ہیں اس لئے کہ اجارہ منافع کی بیع ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

الاجارۃ نوع من البیع اذھی بیع المنافع[2] اجارہ بیع کی ایک قسم ہے کہ وہ بیع منافع ہے۔

مختصر امام ابوالحسن قدوری و ہدایہ میں ہے:

(الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع) لانھا بمنزلتہ[3] اجارہ کو شرطیں فاسد کرتی ہیں جس طرح بیع کو کہ اجارہ بمنزلہ بیع ہے۔

کافی امام نسفی و کفایہ شرح ہدایہ و برجندی شرح نقایہ و طحطاوی علی الدرالمختار

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۵۳

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹

[3] الھدایۃ " " " مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۹

میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فتفسد بالشرط۔[1] | اجارہ بیع کی طرح ہے تو شرط لگانے سے فاسد ہوجائے گا۔

کنز[10] اور اس کی شرح تبیین[11] الحقائق پھر تکملۃ[12] البحر للعلامۃ الطوری میں ہے:

(یفسد الاجارۃ الشرط) لانہا بمنزلۃ البیع۔[2] | اجارے کو شرط فاسد کردیتی ہے کہ وہ بمنزلہ بیع ہے۔

فتاوٰی[13] خیریہ میں ہے:

الاجارۃ کالبیع یفسدھا الشرط الفاسد فیجب علیھم فسخھا۔[3] | اجارہ مثل بیع ہے شرط فاسد اسے فاسد کردیتی ہے تو ان پر اس کا فسخ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

اختیار[14] شرح مختار پھر خزانۃ[15] المفتین میں ہے:

الاجارۃ تفسد بالشروط کما یفسد البیع وکل جہالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ۔[4] | اجارہ شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جیسے بیع فاسد کرتی ہے اور جو جہالت بیع کو فاسد کرے گی اجارہ کو بھی فاسد کردے گی۔ (ت)

فتاوٰی[16] سراجیہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط الفاسدۃ فکل جہالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ۔[5] | اجارے کو فاسد شرطیں فاسد کردیتی ہیں، پس جو جہالت بیع میں خلل ڈالے گی اجارے میں بھی خلل انداز ہوگی۔

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/۳۴

شرح النقایۃ للبرجندی " " " " " نولکشور لکھنؤ ۳/۷۷

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " " " " دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۴

[2] تبیین الحقائق " " " " " المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/۱۲۱

[3] فتاوٰی خیریہ " " " " " دار المعرفۃ بیروت ۲/۱۳۲

[4] خزانۃ المفتین " " " " " قلمی نسخہ ص ۱۶۵

[5] فتاوٰی سراجیہ " " " " " مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

وقایہ[۱۷] امام برہان الشریعۃ وشرح[۱۸] امام صدر الشریعۃ و اصلاح[۱۹] متن و ایضاح[۲۰] شرح علامہ ابن کمال باشا میں بے تفاوت حرفے ہے:

(الشرط یفسدھا) المراد شرط یفسد البیع[۱]
شرط اجارے کو فاسد کردیتی ہے، مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

غرر الاحکام[۲۱] و درر الحکام[۲۲] مولٰی خسرو میں ہے:

تفسد بالشرط المفسد بالبیع[۲]
اجارہ انھیں شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہیں۔

نقایۃ[۲۳] امام صدر الشریعۃ میں ہے، یفسدھا شروط تفسد البیع[۳] اجارے کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں کہ بیع میں فساد لاتی ہیں۔

بحر الرائق پھر فتح اللہ المعین[۲۵] للسید الازہری میں ہے:

کل ما افسد البیع یفسدھا[۴]
جو کچھ بیع کو فاسد کرے اجارے کو بھی فاسد کرتا ہے۔

تنویر الابصار و درمختار[۲۶] میں ہے:

(کل ما افسد البیع) مما مر (یفسدھا)[۵]
جتنی چیزوں کا ذکر بیع میں گزرا کہ اسے فاسد کرتی ہیں سب اجارے کو بھی فاسد کرتی ہیں۔

غایۃ البیان[۲۸] شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فکل ما افسد البیع افسدھا[۶]
اجارہ مانند بیع ہے تو جو کچھ بیع کو فاسد کرے گا اس میں بھی فساد لائے گا۔

یہ سروست بعد منازل قراٹھائیس[۲۸] کتب معتمدہ کی روشن عبارات ہیں، ان عبارات جلیلہ سے واضح ہوا کہ شروط مفسدۂ اجارہ کے باب میں روایات متعلقۂ بیع کو ذکر کرنا عین حق وصواب ہے، یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ فقہائے کرام ہی یہاں ان کے بیان کو اسی بیان کتاب البیوع پر محوّل فرماتے ہیں وہاں سے ان کے

---

[۱] شرح الوقایۃ کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۷
[۲] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ " " " میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰
[۳] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۱
[۴] فتح المعین علی شرح الکنز کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۴۳
[۵] درمختار شرح تنویر الابصار " " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷
[۶] غایۃ البیان

احکام دیکھنے کی ہمیں راہ بتاتے ہیں، اسی لئے فتوائے سابقہ میں عبارت مذکورہ درمختار نقل کردی تھی کہ جن چیزوں کا مفسد بیع ہونا کتاب البیوع میں مذکور ہوا وہ سب مفسدِ اجارہ بھی ہیں' اسے پیشِ نظر رکھ کر یہ دیکھئے کہ اس عقدِ اجارہ میں ضمانت مجہولہ مشروط ہوئی، امانت نامعینہ کی شرط کی گئی مجلس عقد میں پیش از تفرق عاقدین نہ کسی کفیل کی طرف سے قبول واقع ہوا، نہ رہن کی تعیین، یا بہ ابطال رہن اجرت کی تعجیل کی گئی' اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ ایسی شرطیں مفسدِ بیع ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہی عباراتِ کثیرہ مذکورہ یک زبان شہادت عادلہ دیں گی کہ یہ شرطیں فساد اجارہ کا ذمہ لیں گی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور یہ امور مفسدِ بیع ہیں' توحسبِ تصریحات ائمہ قطعاً مفسد اجارہ بھی ہیں، شرح مجمع ابن فرشتہ وشرح التنویر علامہ علائی وبحرالرائق کی عبارات، فتوائے سابقہ میں گزریں اور ردالمحتار وحاشیۂ علامہ سید احمد مصری علی الدر المختار میں زیرِ قول شارح "یصح البیع بشرط رھن معلوم وکفیل حاضر" (معلوم رہن کی شرط پر اور کفیل حاضر ہونے کی شرط پر بیع جائز ہے۔ ت) فرمایا:

فلولم یکن مسمی ولامشارا الیہ لم یجز الا اذا تراضیا علی تعیینہ فی المجلس ودفعہ الیہ قبل ان یتفرقا او ان یعجل الثمن ویبطل الرھن وقید بحضرۃ الکفیل لانہ لوکان غائبا اوحاضرا لم یقبل لم یجزاھ بلفظ[1] ، ملخصًا۔

اگر رہن معلوم اور اس کی طرف اشارہ بھی نہ ہو تو جائز نہیں، ہاں اگر دونوں فریق مجلس میں ہی رہن کے تعین پر متفق ہوجائیں اور وہ سپرد بھی کردیا گیا ہو تو جائز ہوجائے گا، یا پھر رہن کو باطل کرکے ثمن موقع پر ادا کرے اور کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی اس لئے کہ اگر وہ غائب ہو یا حاضر ہو کفالت کو قبول نہ کرے تو جائز نہ ہوگا، اھ، طحطاوی کے الفاظ۔ ملخصًا (ت)

پھر اس اجارے کے فساد میں کیا شُبہہ وکلام ہوسکتا ہے، معہذا جو کچھ اس عقد مبحوث عنہ میں شرط کیا گیا، خود اسے فسخ اور فسخ بھی کیسا بوجہ تعلیق بالشرط فاسد مان کر نفس اجارہ کو صحیح ٹھہرانے کی طرف اصلاً کوئی سبیل نہیں، اجارہ قطعاً شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوجاتا ہے جس پر ابھی نصوص واضحہ سُن چکے' خاص شرطِ فسخ کا جزئیہ لیجئے۔ وجیز امام کردری تفریعات نوع اوّل فصل ثانی کتاب الاجارات میں محیط سے ہے:

اٰجرتک داری ھذہ او اراضی ھذہ

میں نے تجھے یہ مکان یا یہ زمین اجرت پر اس لئے دی

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفۃ بیروت ۳/۶۷
ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۲۲

على انك تفسخ العقد متى اردت فالاجارة فاسدة[1]۔ کہ تو جب چاہے فسخ کردے، تو اجارہ فاسد ہوگا۔(ت)

بالجملہ اس اجارے کا فاسد ہونا ایسا جلی و واضح ہے جس میں کسی خادم فقہ کو توقف نہیں ہوسکتا تو خالد کو ضرور اختیارِ فسخ حاصل ہے، رضامندی فریقین کی حاجت عقد صحیح لازم میں ہوتی ہے، عقود فاسدہ میں کیا ضرورت، خالد کو اختیار ہونا کیسا، اس پر اور نیز ہر مستاجر پر فسخ کرنا واجب ہے، وہ نہ کریں حاکم پر لازم، وہ بھی باز رہے تو سب گنہ گار و آثم۔ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ثلثا جنینة معلومة وثلثها الاخر ملك عمرو فأجر زید ثلثیه من بکر فھل یملك المستاجر الدعوی بفسادھا الجواب نعم الاجارة والبیع اخوان لان الاجارة تملیك المنافع والبیع تملیك الاعیان وقد قال فی الدرالمختار فی باب البیع الفاسد یجب علی کل واحد منھما ای من البائع والمشتری فسخه اعداما للفساد، لانه معصیة فیجب رفعھا، بحر۔ واذا اصر احدھما علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیھما حقا للشرع، بزازیة[2]، اھ باختصار۔

ان سے سوال ہوا کہ ایک باغ کا دو تہائی حصہ زید کا ہو اور ایک تہائی حصہ کا مالک عمرو ہو تو زید نے اپنا دو تہائی بکر کو اجارہ پر دے دیا تو کیا مستاجر کو حق ہے کہ اجارہ کے فساد کا دعوٰی کرے۔ الجواب ہاں، کیونکہ بیع اور اجارہ ہم مثل ہیں کیونکہ اجارہ میں منافع کا مالک اور بیع میں عین شئی کا مالک بنانا ہوتا ہے اور درمختار میں بیع فاسد کے باب میں فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں پر فسخ کرنا واجب ہے تاکہ فساد ختم ہوسکے، کیونکہ وہ گناہ ہے جس کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے، بحر۔ اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کو قائم رکھنے پر مصر ہو اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبراً فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہو، بزازیہ اھ اختصاراً (ت)

خاص اس وجوب فسخ اجارہ بوجہ فساد کے جزئیہ میں عبارات کثیرہ علماء فقیر کے پیش نظر موجود ہیں جن سے بعض فتوائے سابقہ میں منقول ہوئیں اور عبارت خیریہ ابھی گزری، مگر یہاں بالقصد

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۱-۱۳۰

یہ عبارت لکھی جس میں علامہ حامد آفندی مفتی دمشق الشام نے حکم اجارے پر فرمایا اور روایت متعلق بیع ذکر کی، اور علامہ منقح آفندی زین العابدین نے مقرر رکھی تاکہ روشن ہو کہ ایسی جگہ علمائے کرام کا داب کیا رہا ہے۔ وباللہ التوفیق، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۲ از بانکی پور ضلع پٹنہ محلہ لال باغ گلی بیگم مرسلہ مولوی حکیم محمد یوسف حسن صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید مثلاً حرفۂ طبابت می کند با شخصے مثلاً بکر چنیں قرار یافت کہ زید مداوات بکر مے کند "حالا بلا اجرت" اگر بکر صحت یافت در مدت معینہ و مرض زائل شد صد روپیہ از زید خواہد گرفت، اجرۃً یا انعاماً وگرنہ ہیچ اجرت بروے عائد نخواہد شد، آیا ایں معاملہ صحیح ست یا نہ، بعضے ایں جا می گویند کہ ایں معاملہ اصلاً صحیح نیست وبعضے می گویند کہ ایں از قبیل قمار بازی ست، چہ صحت شخصے غیر اختیاری ست، از روئے شرع شریف ہرچہ حکم باشد ارشاد فرمودہ شود تفصیلاً۔ بینوا توجروا۔

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید طبیب ہے جس نے بکر سے طے کیا کہ فی الحال تیرا علاج مفت کرتا ہوں اگر تو مقررہ مدت میں صحت یاب ہوجائے اور مرض ختم ہوجائے تو تجھ سے سو روپیہ بطور اجرت یا بطور انعام حاصل کرونگا ورنہ کوئی اجرت تیرے ذمہ نہ ہوگی، کیا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہرگز درست نہیں، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جُوا اور قمار ہے کیونکہ صحت یابی غیر اختیاری چیز ہے، شریعت کے مطابق جو حکم ہو ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قول قائل "حالا بلا اجرت" سہ معنی را محتمل ست، یکے نفی اجارہ یعنی حالا ہیچ عقد اجارہ نیست، زید ہمچناں بطور خود دار وے اجارہ کند، دوم نفی اجرت یعنی حالا عقد اجارہ بلا اجرت ست، سوم نفی حلول اجرت مقررہ فی الحال، دادنی نیست، ہمچناں در قول او "اجرۃً یا انعاماً" محتمل کہ تردید از جانب سائل باشد،

یہ کہنا کہ فی الحال کوئی اجرت نہ ہوگی اس میں تین احتمال ہیں، ایک یہ کہ فی الحال اجارہ کی نفی ہے یعنی اس وقت عقد اجارہ نہیں ہے اور زید اپنے طور پر خود علاج کرے گا۔ دوم یہ کہ فی الحال عقد اجارہ ہے مگر اجرت فی الحال نہیں ہے۔ سوم یہ کہ عقد اجارہ، اجرت مقررہ ہے مگر اجرت فی الحال دینی لازم نہیں ہے، یونہی یہ کہنا کہ بطور اجرت یا انعام اس میں بھی ایک

یعنی معاملہ کنندگاں اجرۃً گفتند یا انعاماً، یا ہم درکلام ایشاں باشد کہ گفتند "اجرۃً یا انعاماً" خواہد گرفت، ایں نیز سہ صورت شد و کذلک قولش "وگرنہ ہیچ اجرت برشے عائد نخواہد شد" می شاید کہ بربنائے نفی اجارہ باشد یعنی اجارہ خود نبود کہ اجرت لازم آمدے، و می تواند بربنائے انتفائے شرط مقرر فی الاجارہ بود۔ بالجملہ ایں سخن پہلوہائے بسیار دارد برتقدیریکہ زید وبکر اقتصار برلفظ اجرۃً کردہ باشند اجارہ خود متعین ست والنفی ان کان نفی المطلقۃ لا النفی المطلق لتحقق المشروط عیانا، ورنہ اثبات ونفیش ہر دو بدستور محتمل، زیراکہ انعام اگرچہ صلہ یا تبرع را گویند، درہمچو مقام بر بدل و معاوضہ ہم اطلاقش کنند، ولفظ انعام تنہا یا مردداً اگر رو بعدم اجارہ دارد قید "حالا" در سابق "وشرط "ورنہ" در لاحق رو بتحقیق اوست۔، وسخن ضابطہ دریں مقام آنست کہ اگر زید وبکر ازیں کلام عقد اجارہ خواستہ اند و دادن اجرت مشروط بالشرط مذکور داشتہ، و از ہمیں قبیل ست تقرر معاوضہ و بدل بر عمل، اگرچہ اجرتش

احتمال یہ ہے کہ سوال بھیجنے والے کا خیال ہے دونوں حضرات نے اجرت کی بات کی ہے یا انعام لکھا ہے جو اسے متعین طور پر معلوم نہیں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے اپنی گفتگو میں کہا ہے اُجرت کے طور پر یا انعام کے طور پر لے گا، پھر زید طبیب کا یہ کہنا کہ "لے گا" اس میں تین صورتیں ہیں، اور یوں ہی زید کا کہنا، کہ ورنہ کوئی اجرت بکر کے ذمہ نہ ہوگی کہ اجارہ کے طور پر نہ ہوگی یعنی اجارہ ہی نہیں تو اُجرت کیا ہوگی، اور ہوسکتا ہے اجارہ میں مقررہ اجرت کی شرط کی نفی کی ہو، غرضیکہ یہ بات بہت سے پہلو رکھتی ہے اس تقدیر پر کہ زید اور بکر نے صرف اجارہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہو تو اجارہ کی صورت ہوگئی ہے اور (ورنہ کچھ اجرت نہ ہوگی) یہ نفی مطلق اجرت کی ہوگی مکمل نفی نہ ہوگی کیونکہ مشروط (مرض) واضح طور پر متحقق ہے، ورنہ مکمل نفی میں اثبات ونفی دونوں احتمال بدستور باقی ہوں گے، کیونکہ انعام اگرچہ صلہ اور تبرع ہوتا ہے مگر ایسے مقام میں بدل اور معاوضہ بھی مراد ہوتا ہے اور انعام کا لفظ صورتاً اگر عدم اجارہ ہے تو پہلے "فی الحال" کی قید اور بعد میں "ورنہ" کی شرط، اجارہ کے تحقق کی صورت ہے، اور ضابطہ کی بات، یہاں یہ ہے کہ اگر زید وبکر نے یہ

ع: اظنہ "اگرچہ" ۱۲۔

نگویند وبنام انعام تعبیر کنند فان المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود کما نص علیہ فی الھدایۃ وغیرھا، آنگاہ در فساد وحرمت این عقد سخنے نیست، زیرا کہ این تعلیق بالخطر ست، وعقد اجارہ ہیچ تعلیقات را بر نتابد، ونیز صحت خاصہ واین قدر مدت مقدور طبیب نیست، دریں صورت طبیب مستحق اجرت مثل خواہد بود، اما بیش از قدر معقود اعنی صد روپیہ نیابد، اگر در ہمچو مدت ہمچو مرض را این چنیں مداوا پیش مردم بصد روپیہ یا بیش ازاں مے ارزد، صد روپیہ دہند بس، واگر مثلاً یک روپیہ اجر مثل ست ہمیں یک دہند، ودگر ہیچ نہ، واگر مقصود سخن منفی اجارہ حقیقۃ ووعدہ مجردہ انعام محض بروجہ تبرع باشد، مثلاً زید گفت حالا ہمچناں مفت ورائگاں کار مے کنم ہیچ اجارہ درمیان نیست اگر بمدت معلومہ صحت دست نداد چیزے نہ دہند کہ کار باجرت خود نبودہ است، ورنہ بطور تبرع صد روپیہ انعام بخشند، بکر گفت ہمچناں کنم این روا وبے غائلہ است، زیراکہ وعدے بیش نیست

کلام عقد اجارہ کے طور پر کیا ہے اور اجرت کی ادائیگی کو شرط مذکور سے مشروط کیا، اسی قبیل سے معاوضہ اور بدل کا تقرر عمل پر کرنا ہے اگرچہ اجرت نہ کہیں اور اس کا نام انعام رکھیں، تو ایسی صورت میں اس عقد کے فساد اور حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ ان عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ وغیرہا میں نص موجود ہے، اور فساد کی وجہ اس میں یہ ہے کہ اجرت کو ہونے نہ ہونے والی چیز سے معلق کیا گیا ہے جبکہ عقد اجارہ ایسی تعلیق کو قبول نہیں کرتا، نیز مکمل صحت اور مدت کی مقدار طبیب کا مقدور نہیں ہے لہذا ایسی صورت میں طبیب مثلی اجرت کا مستحق ہوگا تاہم وہ مثلی اجرت مقررہ سو روپیہ سے زائد نہ ہوگی، یعنی اگر ایسی مرض کا اتنی مدت میں ایسا علاج لوگوں کے ہاں سو روپیہ یا اس سے زائد میں ہوتا ہو تو سو روپیہ ہی دیا جائے گا اور ایک روپیہ میں ہوتا ہو تو صرف ایک ہی روپیہ مثلی اجرت دی جائے گی اور اگر زید و بکر کا کلام حقیقی اجارہ کی نفی پر مبنی ہے اور انعام کا صرف وعدہ بطور تبرع ہے مثلاً زید نے کہا فی الحال مفت علاج کرتا ہوں اور کوئی اجارہ نہیں ہے اور مدت معینہ میں صحت یابی نہ ہو تو کچھ نہ دینا کیونکہ یہ کام اجرت پر نہیں ہے ورنہ صحت یابی کی صورت میں تبرع کے طور پر سو روپیہ انعام بخشش کر دینا، بکر نے جواب میں تسلیم کر لیا کہ ایسا کروں گا، تو یہ بالکل جائز ہے کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جس میں کوئی

والوعد لاحجر فيه وما كان يخشى من جهة تعيين شئ بازاء العمل على تقدير الصحة فقد زال بتصريح نفى الاجارة وكون ذلك تبرعا بلا عقد فان الصريح يفوق الدلالة كما لايخفى، فى الهندية سئل شمس الائمة الاوزجندى عمن دفع الى طبيب جارية مريضة وقال له عالجها بمالك، فما يزداد من قيمتها بسبب الصحة فالزيادة لك ففعل الطبيب و برئت الجارية فللطبيب على المالك اجر مثل المعالجة، وثمن الادوية والنفقة وليس له سوى ذلك شئ، كذا فى المحيط، وفيها عن البزازية دفع جارية مريضة الى طبيب وقال عالجها فان برئت فما زاد من قيمتها بالصحة بيننا فعالجها حتى صحت له اجر المثل[1] الخ، و فيها عن المحيط الاصل ان العقد اذا فسد مع كون المسمى كله معلوما المعنى اخر يجب اجر المثل ولا يزاد على المسمى، حتى ان المسمى اذا كان خمسة و اجر المثل عشرة يجب خمسة لا غير، و ينقص عن

حرج نہیں ہے اور یہ احتمال کہ عمل کے مقابلہ میں اجرت کا تعین ہے تو یہ احتمال اجارہ کی صراحۃً نفی سے ختم ہوجاتا ہے کیونکہ صریح بات محض دلالت پر فائق ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ہندیہ میں ہے کہ شمس الائمہ اوزجندی سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے طبیب کو کہا میری مریضہ لونڈی کا اپنے خرچ سے علاج کرو اور صحت ہوجانے پر اس کی جتنی زائد قیمت ہوگی وہ تیری ہوگی تو طبیب کے علاج سے وہ تندرست ہوگئی تو مالک پر طبیب کے لئے مثلی اجر ہوگی اور ساتھ ہی دوائیوں کی قیمت اور لونڈی کی خوراک کا خرچہ بھی طبیب کو دے گا، طبیب کو اس سے زائد کچھ استحقاق نہ ہوگا، محیط میں یوں ہے، ہندیہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ مریض لونڈی طبیب کے سپرد کرکے کہا کہ اس کا علاج کرو اور اس کی صحت پر جتنی قیمت زائد حاصل ہوگی وہ میرے اور تیرے درمیان تقسیم ہوگی، تو اگر مریضہ تندرست ہوگئی تو معالج کو صرف مثلی قیمت دی جائیگی الخ، اور ہندیہ میں محیط سے منقول ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر عقد کسی خارجی وجہ سے فاسد ہوجائے تو مثلی اُجرت لازم ہوتی ہے، اور مقررہ اجرت سے زائد نہ ہونی چاہیے، حتی کہ اگر مقررہ اجرت پانچ درہم ہے اور مثلی اجرت دس درہم ہے تو پانچ ہی دے جائیں گے، زائد نہیں، مثلی اجرت

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارات الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۸

المسمی حتی انہ اذا کان اجر المثل خمسۃ والمسمی عشرۃ یجب خمسۃ[1] اھ مختصرا، وفیہا عن الخانیۃ ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی الحیلۃ فی استیجار السمسار وقال یامرہ ان یشتری لہ شیئا معلوما او یبیع ولا یذکر لہ اجرا ثم یواسیہ بشیئ اما ھبۃ او جزاء للعمل فیجوز ذٰلک لمساس الحاجۃ[2] اھ قلت فاذا جاز لعدم ذکر الاجر فلان یجوز بذکر عدم الاجر اولٰی کما لایخفی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مقررہ سے کم ہونے کی صورت میں کم ہی دی جائے گی، مثلاً مثلی اُجرت پانچ ہے اور مقررہ اجرت دس درہم ہو تو پانچ دئے جائیں گے اھ مختصراً۔ اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ آڑھتی کی اُجرت کا حیلہ یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی خرید یا فروخت کا آرڈر دے کر اس کو اجرت نہ بتائے پھر عمل کے بعد اس کو کچھ امداد کے طور پر ہبہ یا جزاء کی صورت میں دے، تو یہ ضرورت پڑنے پر جائز ہے اھ، میں کہتا ہوں، جب اُجرت کے ذکر نہ کرنے پر دینا جائز ہے تو اجرت کی نفی پر بطریق اولٰی کچھ دینا جائز ہوگا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۳

از شہر کہنہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزوں کی نوکری سلائی کے کام کی کرنا، یا ان کا کپڑا مکان پر لاکر سینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

انگریز کی سلائی کی نوکری کرنے یا گھر پر لاکر اس کا کپڑا سینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ کسی محذورِ شرعی پر مشتمل نہ ہو۔ فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

أجر نفسہ من نصرانی ان استاجرہ لعمل غیر الخدمۃ جاز[3] الخ، وتمامہ فی غمز العیون۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسلمان نے اپنے آپ کو عیسائی کا اجیر بنایا اگر اس کی ذاتی خدمت کے علاوہ کوئی کام اجرت پر کرے تو جائز ہے الخ۔ اور اس کی مکمل بحث

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۴

[2] ״ ״ ״ ״ ״ الفصل الاول ״ ״ ۴/ ۴۴۱

[3] فتاوٰی قاضیخاں ״ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۳۳

وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ غمز العیون میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۴ از شہر کہنہ غرہ محرم الحرام شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے ایک مکان معہ صحن واحاطہ کے ایک سال کے واسطے کرایہ پر لیا اور احاطہ کی دیواریں نصف بنی ہوئی تھیں۔ ——————

—————— زید نے عمرو سے کہا کہ احاطہ کی دیواریں پوری بنوادو۔ عمرو نے وعدہ کیا کہ میں دو تین روز میں دیواریں بنوادوں گا، تم لکڑی ڈالو اور کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دو۔ زید نے کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دیا عہ ؍ ماہواری حساب سے، زید نے اپنا ایک شریک کرکے اس میں لکڑی ڈالی، اور زید نے عمرو سے کہا کہ اپنے وعدہ کے موافق دیواریں بنوادو، عمرو نے جواب دیا کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے دو مہینے کے بعد بنوادوں گا، تم ایک آدمی اپنے مال کی حفاظت کے واسطے نوکر رکھ لو، جب تک دیواریں نہ تیار ہوں، زید نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں اس قدر مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ میں نوکر بھی رکھوں اور کرایہ مکان بھی دوں، اور جو شریک زید کا ہوا تھا وہ بھی دو چار روز کے بعد شرکت چھوڑ کر چلا گیا، بعد ایک ہفتہ کے زید نے مجبور ہوکر بوجہ اپنے نقصان کے لکڑی اس مکان سے اٹھالی اور کنجی عمرو کو دے دی، عمرو نے زید سے کہا کہ میں تم سے کرایہ ایک سال کا لوں گا۔ زید نے کہا کہ جب دیواریں بنوادو گے اس وقت میں ثانی لکڑی ڈالوں گا تب کرایہ تم کو دوں گا، پھر عمرو خاموش ہو رہا، اور اب چار مہینے کے بعد عمرو نے دیواریں بنانے کا قصد کیا ہے اور زید سے کہتا ہے کہ تم لکڑی ڈالو۔ زید نے کہا کہ اب میرے پاس روپیہ نہیں ہے بوجہ ناداری کے مجبور ہوں۔

پس اس صورت میں زید سے جبراً کرایہ سال بھر کا عمرو کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، مکرر یہ ہے کہ مقدار دیواروں کی ڈیڑھ گز کی اونچائی اور ایک جانب مکان کا دروازہ اور بنیا د دیوار ہے اور اس جانب کچھ حفاظت نہیں ہے دیواروں کا بنوا دینا عقد سے پہلے ہوا تھا اور وقت فیصلہ کرایہ کے بھی عمرو نے اقرار کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تین تین گز کی دیواریں اونچی کرادوں گا چاروں طرف۔، اور بعد ایک ہفتہ کے چابی عمرو نے زید سے طلب کی، زید نے چابی دی، عمرو کی جانب سے خاموشی ہوئی۔ فقط۔ بینوا توجروا!

الجواب

یہ سوال مختلف وجوہ پر پیش کیا گیا، اگر صورت واقعہ یہی ہے تو اس شکل میں زید پر سال بھر کا کرایہ لازم نہیں۔ دیواریں اس قدر چھوٹی ہونا جس میں مال کی حفاظت نہ ہو بلاشبہہ عذر صحیح ہے

اور اس کا مضر و مخل منفعت مقصودہ ہونا ظاہر وصریح ہے، تو مذہب اصح ومعتمد پر زید باختیار خود اس اجارے کو فسخ کرسکتا تھا اگرچہ عمرو نہ مانے، یہاں جبکہ خود عمرو نے کنجی مانگ لی اور زید نے دے دی، جب عمرو نے کہا میں کرایہ سال بھر کا لے لوں گا، اس نے وُہ جواب دیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت اجارہ باقی نہیں رکھتا بعد دیواریں بنوادینے کے اس کا وعدہ کرتا ہے، اور عمرو اس جواب پر خاموش ہو رہا، تو ہر طرح اجارہ فسخ ہوگیا، اور روزِ سپردگی کلید سے زید کے ذمہ کرایہ لازم نہ رہا،

فی رد المحتار عن حاشیۃ الاشباہ للسید ابی السعود عن العلامۃ البیری، الحاصل ان کل عذر لایمکن معہ استیفاء المعقود علیہ الا بضرر یلحقہ فی نفسہ او مالہ یثبت لہ حق الفسخ[1]۔

ردالمحتار میں ہے سید ابوسعود کے حاشیہ الاشباہ سے بحوالہ علامہ بیری منقول ہے، حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی وجہ سے معقود علیہ بغیر ضرر پورا نہ ہوسکتا ہو خواہ ضرر جان کا ہو یا مال کا ہو تو عذر والے کو اس عقد کے فسخ کا حق ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے،

عمارۃ الدار المستأجرۃ و تطیینھا و اصلاح المیزاب وما کان من البناء علی رب الدار وکذا کل مایخل فان ابی صاحبھا ان یفعل کان للمستأجر ان یخرج منھا، الا ان یکون استأجرھا وھی کذلک وقد راٰھا لرضاہ بالعیب وفی الجوھرۃ ولہ ان یتفرد بالفسخ بلا قضاء، قلت و فی حاشیۃ الاشباہ معزیا للنھایۃ، ان العذر ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لا وھو الاصح[2] ملخصا، قلت و ظاھر

کرایہ والے مکان کی تعمیر، لپائی اور پرنالہ اور جو بھی مرمت مکان کی عمارت کی اصلاح کے لئے ہو وہ مالک مکان کے ذمہ ہے، اگر وہ اس سے انکار کرے تو کرایہ دار کو حق ہے کہ وُہ مکان چھوڑ دے، ہاں اگر کرایہ دار نے اسی حالت میں دیکھ کر لیا تو اس کو یہ حق نہیں کیونکہ وہ عیب دیکھنے کے باوجود لینے پر راضی ہوا تھا' اور جوہرہ میں ہے کہ کرایہ دار قضائے بغیر خود عقد کو فسخ کرسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں، اور الاشباہ کے حاشیہ میں نہایہ کی طرف منسوب ہے کہ اگر واضح عذر ہو تو اسے فسخ کا اختیار ہے اور اگر مشتبہ معاملہ ہو تو پھر اختیار نہیں،

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۳

ان الثنيا المذکورۃ بقولہ "الا ان یکون استأجرھا الخ" لایتعلق بماھنا فانہ و ان رأہ لم یرض بہ کان شارطہ ان یبنی الجدران۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اصح یہی ہے اھ ملخصاً۔ میں کہتا ہوں، ظاہر یہ ہے "مگر دیکھ کرلیا ہو" الخ والا استثناء مذکور اس مسئلہ سے متعلق نہیں کیونکہ اگر دیکھ لیا ہو تو راضی نہ ہُوا بلکہ اس نے اس وقت مالک سے مرمت کی شرط کرکے لیا ہو تو مالک کے انکار پر فسخ کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۵: ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈی کو جو کسبی ہے مکان کرایہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہرگز نہ دیا جائے، اگر وُہ زانیہ ہے، اور اگر صرف ناچ گانے کا پیشہ رکھتی ہو تو حرج نہیں کہ فاسقہ ہے اور فاسق کو مکان اجارہ پر دینے میں کچھ حرج نہیں، بخلاف زنا پیشہ کہ وُہ مکان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اس میں زنا ہو۔ والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶: از بنگالہ ۲۶ رجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم دام طولکم فی العھدۃ الرائجۃ فی بلادنا التی یقال لھا "سب رجستراری" کیف ھی فی نفسھا نظرا الی ما ھو لازم لھا الاٰن من حفظ صکوک الربا وغیرھا من العقود الفاسدۃ المحرمۃ شرعا، و لایمکن لاحد ان یقوم بھا ھٰھنا الاحتراز عن ذٰلک فھل ھی حرام ام لا۔ بینوا توجروا۔

آپ کی درازی عمر ہو، آپ کا ارشاد کیا ہے، مروجہ سب رجسٹراری جس کے لوازمات میں سُود کی رسیدات اور دیگر شرعی طور پر حرام اور فاسد عقود کے ریکارڈ کی حفاظت ہے، ان لوازمات کے پیشِ نظر اس عہدہ کا کیا حکم ہے جبکہ اس عہدہ پر فائز کوئی شخص مذکورہ مفاسد سے بچ نہیں سکتا ــــــــ بینوا توجروا۔

الجواب

نعم ھی حرام شرعا، والحال ما وصف فانھا احدی الشھادات علی تلک الصکوک،

ہاں یہ شرعاً حرام ہے جبکہ صورت وہی ہے جو ذکر کی ہے، کیونکہ یہ عہدہ ان سودی چیکوں رسیدوں

بل اعظمها فی القانون الرائج حیث لایقبل کثیرمن الصکوک الابها، فکان القائم بها معینا فی ثبوت الربا الحرام شرعا، وقد قال تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] ثم ھو ینسخ الصك ویحفظ نسختہ فی قمطرہ، فکان احد الکاتبین بل الکاتب الاعظم لما مر، وقد اخرج مسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال "لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الرباء ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال ھم سواء[2]" واخرج ابوداؤد والترمذی، وصححہ وابن ماجۃ وابن حبان فی صحاحھم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الرباء وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ[3]، واخرج احمد وابویعلی وابنا خزیمۃ وحبان فی صحیحہما عنہ

پر بڑی شہادت ہے، بلکہ رائج قانون میں کوئی بھی رسید وچیک وغیرہ اس عہدہ کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کئے جاتے تو اس عہدہ پر قائم شخص سودی اور حرام معاملات پر معاون ہوتا ہے، اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: گناہ اور عداوت پر باہمی تعاون نہ کرو، پھر یہ عہدیداران چیکوں کو لکھتا اور اپنے محافظ خانہ میں اس کی تحریر کو محفوظ کرتا ہے تو بھی ایک کاتب بلکہ بڑا کاتب ہے جیسا کہ گزرا، حالانکہ مسلم رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُود کھانے، کھلانے، اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا یہ سب برابر مجرم ہیں، اور ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں اسکو صحیح کہا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُود کھانے، کھلانے، اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور احمد، ابویعلٰی اور ابن خزیمہ ابن حبان دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی اکل الربٰو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵

سنن ابی داؤد ۲/ ۱۱۷، سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶، موارد الظمآن حدیث ۱۱۱۲ المطبعۃ السلفیۃ ص ۲۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاھداہ اذا علموا بہ ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] ھذا مختصر، واخرج الطبرانی فی الکبیر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن مرفوعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "لعن اللہ الربا واکلہ ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وھم یعلمون"[2] الحدیث، فقد جمع ثلثۃ وجوہ للتحریم اعانۃ الاثم وکتابۃ الربا وشہادتہ، والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: سُود کھانے، کھلانے والا، اس کے کاتب اور گواہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ملعون ہیں، یہ مختصر ہے۔ اور طبرانی نے اپنی کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن سند کے ساتھ مرفوع حدیث میں روایت کیا کہ اللہ تعالٰی نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور گواہی دینے والے پر جبکہ وہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں، لعنت فرمائی ہے الحدیث، تو بیشک حرمت کے تین وجوہ، گناہ میں اعانت، سُود کی کتابت اور گواہی، کاسبِ حرام جامع ہوتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از شہر کہنہ مسئولہ ظہور محمد خاں ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت آئین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں کے درمیان دوستی محض اللہ واسطے ہو، ایک شخص اپنے دوسرے دوست کی اولاد کو کلام مجید محض اللہ واسطے پڑھاتا ہے، تنخواہ نہیں لیتا، لڑکوں کا باپ محض اپنے اخلاص اور محبت سے اس دوست کو کوئی چیز بلا قیمت کے دے، اور یہ اس کا خیال نہ ہو کہ پڑھانے کا بدلہ کرتا ہوں، تو ایسی حالت میں عوض پڑھانے کا تو نہیں ہو جائیگا؟

الجواب

جبکہ اس کی نیت نہ اُجرت لینے کی ہے نہ اس کی نیت اُجرت دینے کی، تو اُجرت تو وہ ضرور نہیں، نہ اس سے بچنا لازم، مگر ورع کا مقام برتنا چاہے تو یہ نظر کرے کہ بغیر اس علاقہ کے پہلے بھی وہ کبھی اس کو اس قسم کا ہدیہ دیتا تھا، جب تو وہ بلا دغدغہ ہدیہ خالصہ ہے، اس کا قبول کرنا

---

[1] مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۹
موارد الظمآن حدیث ۱۱۵۴ ص ۲۸۱ و مسند ابو یعلٰی ۵/ ۱۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۵۷ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۳

سنت ہے، اور اگر پہلے کبھی ایسا معاملہ نہ تھا اُس علاقہ کے بعد ہی اس نے ایسا کیا تو جو اپنے لئے ثواب خالص رکھنا چاہے اُسے اس سے بچنا اولیٰ ہے، امام حمزہ زیات رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کہ قرائے سبعہ سے ہیں، پیاسے تھے راہ میں ایک محلہ پر گزر ہُوا، چاہا کہ کسی مکان سے پانی منگا کر پی لوں، پھر یاد آیا کہ اس محلہ کے بعض لڑکوں نے مجھ سے قرآن عظیم پڑھا ہے، خوف فرمایا کہ مبادا اس کا عوض نہ ہو جائے، پیاسے تشریف لے گئے، اور وہاں پانی طلب نہ فرمایا، مگر یہ مقام تقوٰی کے مقام سے بھی اعلٰی دقیق ورع کا ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸

زید نے اپنی ایک قطعہ زمین چار سال میعاد معین کر کے عمرو کے پاس اس شرط پر اجارہ دیا کہ اس زمین کی پیداوار کے تم مالک ہو، خواہ پیدا ہو یا نہ ہو صرف چار من دھان ہر سال مجھ کو دینا۔

الجواب

یہ اجارہ فاسد اور عقد حرام وواجب الفسخ ہے کہ اس میں مالکِ زمین کے لئے ایک مقدار معین دھان کی شرط کی گئی، اور وہ قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ چار ہی من دھان پیدا ہوں، یا اتنے بھی نہ ہوں،

فی تنویر الابصار، المزارعۃ تصح بشرط الشرکۃ فی الخارج فتبطل ان شرط لاحدھما قفزان مسماۃ[1] اھ ملتقطا۔

تنویر الابصار میں ہے زمین مزارعت پر دینا جائز ہے بشرطیکہ پیداوار میں دونوں کی شرکت ہو اور اگر ایک فریق کے لئے مقررہ مقدار مثلاً دو قفیز کی شرط کی ہو تو مزارعت باطل ہے اھ ملتقطا (ت)

بلکہ یُوں کہنا لازم ہے کہ مثلاً نصف یا ثلث یا رُبع پیداوار پر یہ زمین تیرے اجارہ میں دی پھر اگر کچھ نہ[عہ] پیدا ہو تو حسبِ قرار داد اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک زمین کے لئے ہوگا، اور کچھ نہ پیدا ہو تو کچھ نہیں، یہ شرط لگانا کہ کچھ نہ پیدا ہو جب بھی مجھے اتنا ملے یہ بھی مفسد وحرام ہے،

فی الدر المختار واذا صحت فالخارج

درمختار میں ہے مزارعت صحیح ہو تو پیداوار میں

عہ ھذا اذلۃ الناسخ والصحیح "کچھ پیدا ہو" ۱۲۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۳

علی الشرط ولاشیئ للعامل ان لم یخرج شیئ فی الصحیحۃ الخ[1] فی ردالمحتار قبیل ھذا قولہ العامل المراد منہ من لا بذر منہ اھ[2] وفیہ ھٰھنا وانما لم یکن لہ شیئ لانہ یستحقہ شرکۃ، ولا شرکۃ فی غیر الخارج بخلاف ما اذا فسدت لان اجر المثل فی الذمۃ، ولا تفوت الذمۃ بعدم الخارج، ھدایۃ[3]۔

مشروط تناسب کے مطابق حصہ ہوگا، اور اگر صحیح مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو کاشتکار کو کچھ نہ ملے گا الخ، اور اس سے تھوڑا پہلے ردالمحتار میں ہے، ماتن کا قول "العامل" اس سے مراد وہ فریق ہے جس کا بیج نہ ہو اھ اور اسی میں اس مقام پر ہے کہ اس کو اس لئے کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ پیداوار میں شرکت کا حقدار تھا اور جب پیداوار نہ ہوئی تو اس کی شرکت نہ ہوئی، اس کے برخلاف وہ صورت جس میں مزارعت فاسد ہو کیونکہ کاشتکار کے ذمہ زمین کی مثلی اجرت ہوگی وہاں اگر پیداوار نہ ہو تو بھی اجرت سے اس کے ذمہ میں ہوگی، ہدایہ۔ (ت)

یہ حکم کہ ہم نے بیان کیا اسی حالت میں ہوتا جب یہ اجارہ صحیح طور پر کیا جاتا، اب کہ فاسد ہوا، اس کا فسخ واجب ہے، اور پس از فسخ جو سال گزرے اس میں حکم یہ ہے کہ پیداوار ہو یا نہ ہو بہر حال مالک زمین کو اُس کی زمین کا اجر مثل ملے گا، جو چار من دھان کی قیمت سے زیادہ نہ ہو، مثلاً اتنی زمین کی اُجرت مثل ایک سال کی دس روپے ہوتے ہوں، اور چار من دھان چار روپے کو آتے ہوں تو چار ہی روپے دیے جائیں گے، زیادہ نہیں، اور زمین کی اجرت مثلاً دو روپے ہوں اور دھان چار روپے کے تو دو ہی روپے ملیں گے، چار نہ ہوں گے،

فی الدرالمختار متی فسدت فالخارج لرب البذر وللاٰخر اجر مثل ارضہ و لایزاد علی شرط وان لم یخرج شیئ فی الفاسدۃ فان کان البذر من العامل فعلیہ اجر مثل

درمختار میں ہے کہ جب مزارعت فاسد ہو تو پیداوار کا مالک بیج والا ہوگا، اور دوسرے فریق کو مثلی اُجرت ملے گی تاہم یہ اجرت عقد میں طے شدہ سے زائد نہ ہوگی، اور اگر فاسد مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو اگر بیج عامل کا

---

[1] درمختار | کتاب المزارعۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۲۴
[2] ردالمحتار | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۱۷۵
[3] 〃 | 〃 | 〃 〃 〃 | ۵/۱۷۷

الارض اھ[1] مختصرا، وانما اقتصرنا علی هذا لان الواقع فی بلادنا الهندیة هو ان البذر والبقر والعمل کلها انما یکون من قبل المزارع ولیس من رب الارض الا الارض. واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

ہے تو اس پر زمین کی مثل اجرت ہو گی اھ مختصراً۔ ہم نے اتنی عبارت پر اکتفاء اس لئے کیا کیونکہ ہمارے علاقہ ہندوستان میں بیج، بیل اور عمل مزارع کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ زمین والے کی صرف زمین ہوتی ہے۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹

زید کا ایک تالاب ہے، اس کو بعوض بیس روپیہ ایک ماہ کی میعاد مقرر کرکے عمرو کے تصرف میں دیا، اور کہا اس ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کر سکتے ہو، اور نیز اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو۔ یہ درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

یہ مسئلہ معرکۃ الآراء ہے، عامہ کتب میں اس اجارہ کو محض حرام و ناجائز و باطل فرمایا اور یہی موافق اصول و قواعد مذہب ہے،

کیف وهی اجارۃ وردت علی استهلاك عین اعنی الماء والسمك، والارض التی تحت الماء لا تصح للانتفاع بها فی الحال، وهو شرط جواز الاجارۃ، ولذا لم یجز اجارۃ الجحش للرکوب، فی وجیز الامام الکردری الاجارۃ اذا وقعت علی العین لایجوز فلا یصح استیجار الاجام والحیاض لصید السمك او

جائز کیسے ہو جبکہ یہ اجارہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہوا ہے یعنی پانی، مچھلی کو حاصل کرنے پر، اور وہ زمین جو تالاب میں پانی کی تہہ ہے وہ پانی کی موجودگی میں ابھی قابلِ انتفاع نہیں ہے، حالانکہ اجارہ کے جواز کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ چیز فی الحال قابلِ انتفاع ہو اسی لئے گھوڑی کا بچہ سواری کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے، اور امام کردری کی وجیز میں ہے کہ اجارہ اگر کسی عین چیز کو ہلاک کرنے پر ہو تو صحیح نہ ہوگا، اس لئے جھاڑیوں اور حوض کو اجارہ پر دینا

---

[1] درمختار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۲۴

رفع القصب، وقطع الحطب، اولیسقی ارضه، اوغنمه منها وکذا اجارة المرعی[1] اھ وفی الدر المختار عن البحر الرائق لم تجز اجارة برکة لیصاد منها السمك[2] اھ وفی رد المحتار نقل فی البحر عن الایضاح عدم جوازها قال و ما فی الایضاح بالقواعد الفقهیة الیق لعدم الصحة[3] (ملخصا)۔

مچھلی پکڑنے یا کانٹے اکھاڑنے اور ایندھن کاٹنے یا حوض کا پانی اپنے پینے یا جانوروں کو پلانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے، اور یوں چراگاہ کو اجارہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے اھ، اور درمختار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ جوہڑ کا اجارہ مچھلی پکڑنے کے لئے جائز ہے اھ، اور ردالمحتار میں بحر سے انھوں نے ایضاح میں اس کا عدم جواز نقل کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ ایضاح کا بیان قواعد فقہیہ کے مطابق عدم جواز کے زیادہ مناسب ہے (ملخصاً)۔ (ت)

اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوٰی دیا،

فی الدر المختار وجاز اجارة القناة والنهر مع الماء به یفتی لعموم البلوی مضمرات انتهی[4]۔

درمختار میں مضمرات سے منقول ہے کہ نہر اور راجباہ کو پانی سمیت اجارہ پر دینا ہے، عموم بلوٰی کی وجہ سے اسی پر فتوٰی ہے اھ (ت)

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مباح کردے، یوں اسے کرایہ، اور اسے پانی، مچھلی، گھاس جائز طور پر مل جائیں گے،

فی البزازیة بعد ما قدمنا عنها والحیلة فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیة ویبیح الماء والمرعی[5] الخ۔

بزازیہ میں ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا ان سب چیزوں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہاں جانور کے باڑہ کے لئے جگہ کو اجارہ پر دے اور حوض وغیرہ کا پانی اور چراگاہ کو جانوروں کے لئے مباح کردے۔ الخ (ت)

یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر اسے پر

[1] فتاوٰی بزازیة علی ہامش الفتاوی الہندیة کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۷، ۴۸
[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴
[3] ردالمحتار ” دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۰۷
[4] درمختار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۰
[5] فتاوٰی بزازیة علی ہامش الفتاوی الہندیة کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۸

دے کہ تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہوجائے،

فی البزازیۃ لم تصح اجارۃ الشرب لوقوع الاجارۃ علی استھلاك العین مقصودًا الا اذا اجراو باع مع الارض فحینئذ یجوز تبعا، ولو باع ارضا مع شرب ارض اخری، عن ابن سلام انہ یجوز[عـہ]، ولو اجرارضا مع شرب ارض اخری لایجوز، لان الشرب فی البیع تبع من وجہ، اصل من وجہ حیث انہ یقوم بنفسہ وتبع من حیث انہ لایقصد لعینہ فمن حیث انہ تبع لایباع من غیرارض ومن حیث انہ اصل یجوز مع ای ارض کان، والشرب فی الاجارۃ تبع من کل وجہ لان الانتفاع بالارض لایتھیأ بدونہ، فلم تجز اجارۃ الشرب مع ارض اخری، کما لم یجز بیع اطراف العبد تبعا رقبۃ اخری[1] اھ

بزازیہ میں ہے کہ پانی کی باری کا اجارہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں عین چیز کو مقصودًا ہلاک کرنے پر اجارہ ہے، ہاں اگر زمین کے ساتھ پانی کو فروخت کیا جائے یا اجارہ پر لیا جائے تو اس صورت میں جائز ہے اور اگر زمین کے ساتھ دوسری زمین کے سیرابی پانی کو فروخت کرے تو ابن سلام سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے اور اگر زمین کو اجارہ پر دوسری زمین کے سیرابی پانی کے ساتھ دے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ سیرابی پانی زمین کی بیع میں من وجہ اصل ہے کیونکہ وہ بنفسہٖ قائم ہے اور من وجہ تابع ہے کیونکہ بنفسہٖ مقصود نہیں ہے تو تابع ہونے کی حیثیت سے زمین کی بیع کے بغیر اس کی بیع ناجائز ہے اور اصل ہونے کی حیثیت سے اس کی بیع کسی بھی زمین کے ساتھ جائز ہے جبکہ سیرابی پانی اجارہ میں ہر لحاظ سے تابع ہے کیونکہ اجارہ میں زمین سے انتفاع پانی کے بغیر مہیا نہیں ہوتا تو پانی کو دوسری زمین کے اجارہ کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جیسے ایک غلام کے اعضاء کو دوسرے غلام کے تابع بنا کر فروخت کرنا جائز نہیں ہے اھ

عـہ فی الاصل "یجز" لعلہ من قلم الناسخ، عبدالمنان۔

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الشرب الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۲-۱۲۱

اقول ووقع فی رد المحتار ھنا زلل قلم فانہ قال فی شرح قول المضمرات المار ما نصہ قولہ مع الماء ای تبعا قال فی کتاب الشرب من البزازیۃ لم تصح اجارۃ الشرب[1] الی اٰخرہ و ذکر بعض ماذکرنا من عبارتہا، فجعل مورد المضمرات والبزازیۃ معا واحدا، وعندی لیس کذٰلک فان اجارۃ البزازی فیما اذا اٰجر ارضا للمزارعۃ ولہا شرب تسقی بہا فاٰجر شربہا معہا، وجواز ھذا ماش علی الاصول غیر محتاج الی استناد لعموم البلوی فکم من شیئ یجوز ضمنا لا قصدا، اما اجارۃ مع المضمرات فانما حکم بجواز اجارۃ النھر و لم یقل مع الارض بل مع الماء، وانما قالہ لان النھر الیابس ارض قراح فلا یعتری شک فی جواز اجارتہ قال فی الوجیز کما نقل عنہ فی رد المحتار

اقول (میں کہتا ہوں) رد المحتار میں اس مقام پر قلمی خطا واقع ہُوئی ہے کیونکہ انھوں نے مضمرات کی مذکورہ عبارت کی شرح میں یہ عبارت لکھی قولہ مع الماء ای تبعا پانی سمیت یعنی بالتبع، اور انھوں نے کتاب الشرب میں لکھا بزازیہ سے منقول ہے کہ سیرابی پانی کی بیع جائز نہیں ہے الی آخرہ۔ اور ساتھ ہماری نقل کردہ عبارت ذکر کی، اس طرح انھوں نے مضمرات اور بزازیہ دونوں کی ذکر کردہ مورد کو ایک ہی معنی دیا جبکہ میرے نزدیک ایسے نہیں ہے کیونکہ بزازیہ میں اجارہ کی صورت یہ ہے کہ زمین زراعت کے لئے اجارہ پر دی اور اس زمین کا سیرابی پانی ہو جس سے اس کو سیراب کیا جاتا ہو تو زمین کے ساتھ اس پانی کا اجارہ جائز ہے اور یہ جواز اصول پر مبنی ہے کسی عموم بلوٰی کی طرف منسوب کرنے کی اسے ضرورت نہیں ہے بہت سے امور ضمناً جائز اور مقصوداً ناجائز ہوتے ہیں، لیکن مضمرات نے نہر کے اجارہ کے جواز کی بات کی ہے انھوں نے نہر کے ساتھ پانی کو ذکر کیا نہ کہ زمین کو، انھوں نے یہ بات اس بناء پر فرمائی ہے کہ خشک نہر خالص زمین ہے اس کے اجارہ کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وجیز میں فرمایا جیسا کہ رد المحتار میں چند سطروں

---

[1] رد المحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

بعد اسطر، استاجر نهرا یابسا، او ارضا، او سطحا، مدة معلومة ولم یقل شیئا صح، وله ان یجری فیه الماء[1] اھ، اما النھر مع الماء فھذا ھو الذی تقتضی القواعد ببطلان اجارته لانھا اجارة وقع علی استھلاك عین فاحتاج الی الاستناد لعموم البلوی کما جاز اجارة الظئر مع انھا ایضا علی استھلاك عین، وان قیل ان المراد اجارة ارض النھر التی تحت الماء ویکون الماء تبعا لھا وحمل علیه قول البزازی "الا اذا أجر او باع مع الارض" فمع ظھور بطلانه بما ذکرنا من تمام کلام البزازی" فانه نص صریح فی ان المراد تبعیة الشرب للارض تسقی منه لا لارض تحته لا یستقیم ایضا قطعا لما قدمنا الاشارة الیه ان الاجارة تعتمد صلاحیة الانتفاع بالنفع المقصود المعتاد فی الحال لا فی المآل، ولذا لم تجز اجارة

کے بعد فرمایا کہ کسی نے خشک نہر یا زمین یا چھت معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لی اور کسی عمل وغیرہ کو ذکر نہ کیا تو یہ اجارہ صحیح ہے اور وہ نہر میں پانی جاری کرے تو جائز ہے اھ، لیکن پانی سمیت نہر کا اجارہ یہ ایسی صورت ہے جس کو قواعد باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اس لئے اس اجارہ کے جواز کو عموم بلوٰی سے استناد کی ضرورت ہے جیساکہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ جائز ہے حالانکہ یہ بھی عین چیز (دودھ) کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے، اگر ردالمحتار کی توجیہ میں یہ کہا جائے کہ ان کی مراد نہر کی وُہ زمین جو پانی کے تحت ہے اس کے اجارہ میں پانی کا اجارہ بالتبع جائز ہے، اور اسی معنی پر بزازیہ کے قول "الّا یہ کہ زمین سمیت پانی کا اجارہ ہو" کو محمول کرتے ہوئے انھوں نے یہ بات کی ہے، تو اس توجیہ کا بطلان بزازیہ کی مکمل عبارت جس کو ہم نے ذکر کیا ہے، سے ظاہر ہے کیونکہ وہ صریح نص ہے کہ یہاں مراد وہ سیرابی پانی ہے جس سے وہ بیع شدہ یا اجارہ پر دی ہوئی زمین سیراب ہوتی ہے نہ کہ پانی کے تحت والی زمین مراد ہے، نیز ہمارے پہلے اشارۃً ذکر کردہ ضابطہ کہ اجارہ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ چیز مقصود نفع کی فی الحال صلاحیت رکھتی ہو نہ کہ بعد میں متوقع صلاحیت والی ہو، کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

الجحش، ومعلومات ارض النهر مع الماء لا تصلح للانتفاع غير الانتفاع بالماء وهو استهلاك العين، فاذا لم تستقم في الاصل فكيف يجوز في التبع، و ما تقدم من الحيلة فانما هو فيما اذا أجر ارضا حول الماء فانها الصالحة للعطن، فيحصل له الاجر بوجه جائز، وللمستاجر الماء والكلاء، فالحق ان الماشي على الاصول في اجارة البركة والقناة والنهر من دون الارض تسقى منه هو البطلان، وان ما ذكر في البزازية وغيرها من صور الجواز فلا مساس لها به، ولا يمكن حملها في جامع المضمرات على شئ منها، ولقد احسن اذ علل الافتاء بعموم البلوى لا بحصول الجواز بالتبع، فاذن ان عمل بقوله به يفتى فلا شك ان قضية اطلاق الجواز وهو الايسر، والاحوط ما مر، فعليه فليقتصر هذا ما عندي والعلم

پیش نظر یہ توجیہ قطعاً باطل ہے کیونکہ پانی والی نہر کی زیریں زمین فی الحال انتفاع کی صلاحیت نہیں رکھتی جس کو مستقل طور پر اجارہ پر دیا جائے، اسی قاعدہ کی بناء پر گھوڑی کا بچہ سواری کے لئے اجارہ پر دینا ناجائز ہے، پھر خالص پانی کا اجارہ ہوگا تو اس سے عین کو ہلاک کرنے پر اجارہ لازم آئیگا' نیز جب اصل نہر کی زمین کا اجارہ درست نہیں ہے تو اس سے تابع پانی کا کیسے جائز ہوگا، اور گزشتہ حیلہ جواز وہ صرف اس صورت میں ہے کہ پانی والے حوض کے اردگرد والی زمین کو اجارہ پر حاصل کرے کیونکہ وہ فی الحال جانوروں کو باندھنے اور رکھنے کے لئے قابل انتفاع ہے جس سے جائز طریقہ پر اجرت حاصل ہوگی اور مستاجر کو پانی اور گھاس بالتبع حاصل ہوگا، اصول کے مطابق حق یہ ہے کہ جوہڑ، راجباہ اور نہرہ کے پانی کا اجارہ اس سے سیراب ہونے والی زمین کے اجارہ کے بغیر باطل ہے اور بزازیہ وغیرہ میں مذکور وجہ جواز سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی مضمرات کے بیان کو کسی طرح اس پر محمول کیا جاسکتا ہے، تو بہت اچھا کیا کہ فتوی جواز کی وجہ عموم بلوی کو بنایا ہے بالتبع حصول جواز کو نہ بنایا، تو اب اس کے قول بہ یفتی (اسی پر فتوی ہے) پر اگر عمل کیا جائے تو مطلق جواز کی راہ آسان ہے، اور زیادہ احتیاط جو پہلے گزرا ہے، تو اسی کو اپنایا جائے، یہ مذکورہ بحث میری ہے جبکہ حق

بالحق عند عزیز الاکبر۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از شہر میمن سنگھ ملک بنگالہ ڈاکخانہ پاکنڈا موضع کروا مرسلہ محمد زینت اللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ملک بنگالہ میں جب کسی نے برائے ثواب رسانی اپنے میت کے ملّاؤں یا طلباؤں سے قرآن شریف پڑھوایا، یا بعد کو جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ خود نہیں مانگتے، بلکہ خود پڑھوانے والا ان کو دیتا ہے، یہ طریقہ ہمارے یہاں عام رواج ہے، تو یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طریقہ پر ہے؟ اور ایسے ہی بعد پڑھوانے مولود شریف کے جو کچھ دیا جاتا ہے بغیر طلب کرے مولود خواں کے یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا، بحوالہ کتب جواب عنایت ہو بادلیل۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین و اذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کہ جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقاً حرام ہے، اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور،

کما حققہ السید المحقق محمد بن عابدین الشامی فی رد المحتار علی الدر المختار، ولہ رحمہ اللہ تعالٰی رسالۃ مستقلۃ فی تحقیق المسئلۃ سماھا "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتھالیل" قال واطلع علیھا محشی ھذا الکتاب (یعنی الدر) فقیہ عصرہ ووحید دھرہ السید احمد الطحطاوی مفتی مصر سابقاً فکتب علیھا واثنی الثناء الجمیل فاللہ یجزیہ الاجر الجزیل وکتب علیھا غیرہ من

سید محقق محمد بن ابن عابدین شامی نے درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں جیسا کہ اس کی تحقیق فرمائی، اس مسئلہ میں ان کا ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتھالیل" رکھا ہے، انہوں نے خود فرمایا کہ درمختار کے محشی اپنے زمانہ کے فقیہ العصر، وحید دہر سید احمد طحطاوی سابق مفتی مصر نے اس رسالہ کا مطالعہ فرما کر اس پر تقریظ لکھی اور تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو اللہ تعالٰی اجر عظیم سے نوازے، اور دیگر

فقہاء العصر[1]، قلت وقد تشرف الفقیر بمطالعتھا فوجدتہ بحمد اللہ تعالٰی کفی وشفی وصفاو وفی فرحمنا اللہ وایاہ والمسلمین بعبادہ الذین اصطفی، اٰمین!

فقہاءِ عصر نے بھی تقریظات لکھی ہیں۔ میں کہتا ہوں اس فقیر نے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا ہے تو میں نے بحمد اللہ تعالٰی اس کو کافی، شافی اور بھرپور صاف پایا، تو اللہ تعالٰی ہم پر اور ان پر، تمام مسلمانوں اور اپنے تمام اہل دین بندوں پر رحم فرمائے، آمین! (ت)

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے، عرفاً شرط معروف ومعہود سے بھی ہوجاتا ہے مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا، انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہوگیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد۔ یہ دوسرا حرام۔

ای ان الاجارۃ باطلۃ وعلی فرض الانعقاد فاسدۃ فللتحریم وجہان متعاقبان، وذلک لما نصوا قاطبۃ ان المعہود عرفا کالمشروط لفظا[2]۔

یعنی اجارہ باطل ہے اور فرضِ انعقاد پر وہ فاسد ہے، تو اس کے حرام ہونے کی یکے بعد دیگرے دو وجہیں ہیں، اور یہ اس لئے کہ تمام فقہاء کی نص ہے کہ عرف میں مشہور ومسلّم لفظوں میں مشروط کی طرح ہے۔ (ت)

پس اگر قرارداد کچھ نہ ہو، نہ وہاں لین دین معہود ہوتا ہو تو بعد کو بطور صلہ وحسنِ سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا،

ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[3] واللہ یحب المحسنین[4]۔

احسان کی جزاء صرف احسان ہے، اور اللہ تعالٰی احسان کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔ (ت)

مگر جبکہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے، تو صورت ثانیہ میں داخل ہوکر حرام محض ہے، اب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

[4] " " ۳/ ۱۳۴

حلال ہونے کے دو طریقے ہیں :

اوّل یہ کہ قبل قرأت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے، پڑھوانے والے صاف انکار کردیں کہ تمھیں کچھ نہ دیا جائے گا، اس شرط کے بعد وہ پڑھیں، اور پھر پڑھوانے والے بطور صلہ جو چاہیں دے دیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا۔

لانتفاء الاجارۃ بوجھیھا، اما اللفظ فظاھر واما العرف فلانھم نصوا علی نفیھا والصریح یفوق الدلالۃ، فلم یعارضہ العرف المعھود کما نص علیہ الامام فقیہ النفس قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی فی الخانیۃ وغیرہ فی غیرھا من السادۃ الربانیۃ۔

دو وجہ سے اجارہ نہ ہونے کی وجہ سے، ایک لفظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے۔ دوسرا عرف کی وجہ سے کیونکہ انھوں نے اس وجہ کی نفی پر نص کردی ہے اور صریح بات فائق ہوتی ہے، تو عرف معہود اس کے معارض نہ ہوسکے گا جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضیخان نے اس پر اپنے فتاوٰی اور دیگر فقہائے نے دوسری کتب میں نص فرمائی ہے (ت)

دوم[۱] پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت واُجرت ان سے مطلق کار خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں، مثلاً یہ ان سے کہیں، ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا، وہ کہیں ہم نے قبول کیا۔ اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے، وہ جو کام چاہیں لیں، اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں، اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں کو بخش دو، یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو، یہ جائز ہوگا، اور لینا دینا حلال،

لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لاعلی الطاعات والعبادات۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ اجارہ ان کے ابدان سے انتفاع پر ہوا ہے نہ کہ ان کی عبادات اور طاعات پر ہوا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از شیوپوری سرولی ضلع بریلی مرسلہ واحد نور صاحب ۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک اراضی جو اس کی

---

[۱] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۴

ملک ہے، عمرو کو واسطے کاشت مدت پندرہ سال کو دخلی رہن دی، اور اس کا لگان مبلغ ما فے[۱۵] ر میعاد معینہ کا پیشتر لے لیا، بعد مدت معینہ اراضی کا چھوڑنا قرار پایا، میعاد مقررہ تک عمرو اس سے منفعت حاصل کرے، لیکن زید کو پندرہ سال کے لگان بنرخ ایک روپیہ بیگھہ خام دیا گیا ہے، اور وہ اراضی عمرو کے قبضہ میں ایک دو روپیہ بیگھہ خام اٹھ سکتی ہے، رہن اس حالت میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب

رہن و اجارہ دو[۲] عقد منافی میں جمع نہیں ہو سکتے، جب اس نے ما فے[۱۵] ر اجرت مانی، رہن نہ ہوئی، بلکہ اجارہ پر دی گئی، عمرو کو اختیار ہے کہ خود کاشت کرے، جو پیدا ہو اس کا ہے، خواہ دوسرے کو اجارہ پر اٹھا دے، مگر اس تقدیر پر اسے زیادہ لینا صرف تین صورت میں جائز ہو سکتا ہے ورنہ حرام؛

(۱) زمین میں نہر یا کنواں کھود دے یا اور کوئی زیادت ایسی کرے جس سے اس کی حیثیت بڑھائے، اب چاہے پانچ روپیہ بیگھہ پر اٹھا دے۔

(۲) جس شے کے عوض خود اجارہ پر لی ہے اس کے خلاف جنس کے اجارہ کو دے مثلاً ما فے ر دے، اب اپنے مستاجر کو اشرفیوں یا نوٹوں پر دے۔

(۳) زمین کے ساتھ کوئی اور شئی ملا کر مجموعاً زیادہ کرائے پر دے کہ اب یہ سمجھا جائے گا کہ زمین تو وہی روپیہ بیگھہ کو دی گئی اور باقی زیادت جس قدر ہو دوسرے شے کے عوض رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲

۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی طرف سے اس کے پیروکار نے ایک دکان زید کو کرائے پر دی مگر ابھی تک نہ کرایہ نامہ تحریر ہوا نہ کوئی اقرار کسی میعاد معین برس یا چھ مہینے کا ہوا اور نہ مالک دکان کی جانب سے اظہار کسی مدت برس یا چھ مہینے کا ہوا تھا کہ زید کرایہ دار نے اپنے مصارف سے بقدر آرام مرمت دکان کی کرائی، ابھی بیٹھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید کو حاجت اس دکان کی نہ رہی، اور عرصہ تخمیناً ایک ہفتہ میں زید نے پیروکار مالکہ دکان کے پاس تالی دکان کی واپس بھیج کر اطلاع دی کہ دکان دوسرے کو دے دو مجھ کو حاجت نہ رہی، اور آج تک کے دنوں کا کرایہ مجھ سے لے لو، اس کے جواب میں سال بھر کے کرایہ کی طلب زید سے کی گئی، بعد زیادہ گفتگو کے آخر تصفیہ حکم شرعی پر قائم ہوا ہے لہذا حکم فرمائیے کہ اس حالت میں زید کے ذمہ از روئے احکام شرعی

کس قدر کرایہ ادا کرنا واجب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر ماہوار کرایہ قرار پایا تھا کہ ہر مہینے پر مثلاً دس روپے جب تو اجارہ ایک مہینہ کے لئے صحیح و نافذ تھا، اور باقی مہینوں کے لئے بوجہ عدمِ تعیین مدت ہنوز معدوم، تو جب تک یہ مہینہ ختم ہوکر دوسرے مہینے کی ایک رات ایک دن نہ ہوجائے دوسرے مہینے کا اجارہ ہی متحقق نہ ہوگا، سال بھر کے توبارہ مہینے ہیں، درمختار میں ہے:

ان کان استاجرها مشاهرة فانها توجر لغیرہ اذا فرغ الشهر، ان لم یقبلها لانعقادها عند راس کل شهر[1]

اگر ماہانہ کرایہ پر لیا تو اس ماہ کے بعد دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے جبکہ پہلے نے دوسرے ماہ کو قبول نہ کیا ہو کیونکہ ماہانہ کرایہ ہر ماہ کی ابتداء میں منعقد ہوتا ہے (ت)

اسی میں ہے:

(أجرحانوتا کل شهر بکذا صح فی واحد فقط) وفسد فی الباقی لجهالتها، واذا تم الشهر فلکل فسخها بشرط حضور الاخر لانتهاء العقد الصحیح (وفی شهر سکنه فی اوله) هو اللیلة الاولٰی ویومها عرفا، وبه یفتی (صح العقد فیه) ایضاً[2]

دکان فی ماہ مقرر اجارہ پر دی تو پہلے ماہ میں صحیح ہے فقط اور باقی مہینوں کے لئے جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور پہلا مہینہ گزرجائے تو فریقین میں سے ایک کو دوسرے کی موجودگی میں فسخ کا حق ہے کیونکہ صحیح ختم ہوگیا ہے، اور ماہانہ کرایہ پرلے کر ایک رات اور دن سکونت کرلی یہ پہلی رات اور دن ہے، اسی پر فتوٰی ہے، تو اس نئے ماہ میں بھی عقد صحیح ہوجائے گا۔ (ت)

اس صورت میں تو سال بھر کا کرایہ مانگنا ظاہر ہے کہ صریح ظلم و حرام ہے، اور اگر سالانہ کرایہ قرار پاتا ہو، اگرچہ ماہوار کی اجرت بھی بتادی گئی ہو، مثلاً کہا یہ دکان ہر سال ساٹھ روپے کرائے پر تجھے دی ہر مہینے پر پانچ روپے، تو اس تقدیر پر اگرچہ پہلے سال کے لئے اجارہ صحیح ہوگیا،

فی الدر المختار واذا أجرها سنة

درمختار میں ہے اگر سالانہ کرایہ پر لیا تو صحیح

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۱

[2] " باب الاجارۃ الفاسدۃ " ۲/۱۷۸

بلکہ اصح و ان لم یسم اجرکل شہر[1] ہے اگرچہ ماہانہ اجرت نہ ذکر کی ہو۔ (ت)

مگر جبکہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دار نے کنجی واپس بھیج دی، اور مالکہ کے کارکن نے لے لی، اور اس کے فسخ اجارہ کو قبول کرلیا، تو جبکہ یہ کارکن مالکہ کا مختار عام ہو یا اس عقد خاص کے فسخ و قبول کا مالکہ نے اسے اختیار دیا ہو، یا اسے اختیار نہ تھا، مگر اس نے مالکہ کو اطلاع دی اور وہ فسخ پر راضی ہوگئی، تو ان سب صورتوں میں صرف اسی ہفتہ کا کرایہ زید پر لازم آیا۔ زیادہ کی طلب محض بے معنی ہے، یونہی اگر نہ اسے قبول فسخ کا اختیار تھا نہ مالکہ نے فسخ مانا، مگر زید نے یہ فسخ کسی ایسے عذر واضح صریح بلا اشتباہ کی بنا پر کیا کہ اس کے ساتھ اجارہ باقی رکھے تو اسے اس کی جان یا مال میں صریح ضرر لاحق ہو، جس کے لحوق میں کوئی تردد و خفا نہ ہو، تو اس صورت میں بھی صرف اسی ہفتہ کا کرایہ واجب رہا، اور عقد تنہا زید کے فسخ کردینے سے فسخ ہوگیا لحدیث لاضرر ولا ضرار فی الاسلام[2] (اسلام میں کوئی دکھ نہیں اور نہ کسی کو دکھ پہنچانا ہے) ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان کل عذر لایمکن معہ استیفاء المعقود علیہ الابضرر یلحقہ فی نفسہ اومالہ یثبت لہ حق الفسخ[3]

حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی بناء پر معقود علیہ کا پورا ہونا ایسا ضرر جو جان یا مال کو لاحق ہو تو اس کی بنا پر اس کو فسخ کا حق ثابت ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ان العذر ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لاینفرد وھو الاصح[4]

اگر ایسا عذر ظاہر ہے تو صاحبِ عذر فسخ میں خود مختار ہے اور اگر ظاہر نہ ہو تو وہ اکیلا مختار نہیں۔ (ت)

اور اگر یہ بھی نہ تھا بلکہ بلاعذر اس نے اجارہ چھوڑا، یا عذر واضح و صریح نہ تھا، اور نہ خود مالکہ یا اس کے وکیل نے کہ قبول فسخ کا اختیار رکھتا ہو، اس فسخ کو قبول نہ کیا، نہ دکان اس کے قبضہ سے واپس لی، تو بیشک اس صورت میں دکان بدستور زید کے کرائے میں ہے، پھر اگر صرف ماہوار کرایہ

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/۹۱

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰

[4] درمختار " باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۳

ٹھہرا تھا تو ہر ختم ماہ پر زید کو دکان چھوڑ دینے کا اختیار رہوگا' خواہ پہلے مہینے کے ختم پر چھوڑ دے خواہ کسی اور مہینے کے ختم پر، اور جس مہینے کے شروع میں ایک دن گزر جائے گا وہ مہینہ بھر پھر اجارہ صحیح ہوجائے گا' اور زید کو تنہا اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا، اور اگر سالانہ کرایہ ٹھہرا تھا تو بعد ختم سال زید کو دکان چھوڑنے کا اختیار رہوگا، یوں سال دو سال یا ماہ دو ماہ جس قدر مدت تک دکان اس کے اجارہ میں رہے گی، اس قدر کرایہ اس پر لازم آئے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اراضی کاشت اپنی بعوض مبلغ ایک سو روپے کے رہن رکھی' اور مرتہن سے یہ شرط ٹھہری کہ اراضی تم اپنی کاشت میں رکھو، اور اس کی پیداوار سے لگان اراضی زمیندار کو ادا کرتے رہو، بقیہ منافع تم لے لیا کرو۔ اور اگر کم پیداوار ہو یا بالکل نہ ہو، تو مجھ سے کچھ تعلق نہیں، اس کا نفع نقصان سب تمہارے ذمہ ہے، تو اب مرتہن اس اراضی کو خود کاشت کرے یا کسی ذیلی کاشتکار سے کاشت کرائے، اور بعد ادائے لگان جو کچھ منافع ہو وہ منافع سود ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر زید نے بہ اجازت زمیندار کہ مالکِ زمین ہے، یہ زمین رہن رکھی تو رہن صحیح ہوگیا، زمین زید کے اجارہ سے نکل گئی،

وکان من باب رھن المستعار للرھن حیث یجوز، قال فی الھندیۃ عن البدائع، یجوز رھن مال الغیر باذنہ کما لو استعار من انسان لیرھنہ بدین علی المستعیر[1]

تو یہ رہن کے لئے طلب کردہ کا رہن ہے، یہ جائز ہے۔ ہندیہ میں بدائع کے حوالہ سے فرمایا غیر کا مال اس کی اجازت سے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کوئی شخص اپنے قرض میں رہن رکھنے کے لئے کسی سے کوئی چیز عاریۃً لے۔ (ت)

اور اس کا یہ کہنا کہ زمین اپنی کاشت میں رکھو، زمیندار کو لگان دیتے رہو، اجارہ فضولی کا ہے' اگر زمین دار نے اسے جائز رکھا اجارہ نافذ ہوگیا، اور جب مرتہن نے اس پر کاشتکارانہ قبضہ کیا رہن باطل ہوگیا، زید کو کچھ تعلق نہ رہا۔ مرتہن اصلی کاشتکار ہوگیا، جو منافع بچے وہ اس کے لئے حلال ہیں'

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۲

خود کاشت کرے یا اسے لگان پر ذیلی کاشتکار کو دے سب جائز ہے،

فی الھندیۃ عن شرح الطحاوی لو استأجرہ المرتھن صحت الاجارۃ و بطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ[1]۔

ہندیہ میں شرح طحاوی سے منقول ہے کہ اگر مرتہن رہن والی چیز کو اجارہ پر لے تو اجارہ صحیح ہوگا اور رہن باطل ہوجائے گا بشرطیکہ اجارہ کے لئے نیا قبضہ لے (ت)

اور اگر زمیندار نے اس اجارہ کو ناجائز کردیا، اجارہ رَد ہوگیا، مرتہن کو نہ خود کاشت کرنا جائز ہے نہ ذیلی کو دینا، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا خبیث ہوگا، مرتہن پر واجب ہے اُسے تصدق کردے، اور اگر سرے سے یہ رہن رکھنا ہی بے اجازتِ زمیندار ہے تو راہن و مرتہن دونوں غاصب ہیں، مرتہن کو کاشت وغیرہ حلال نہیں، پھر اگر زمیندار کو لگان دی اور اس نے قبول کرلی، تو زید کے اجارہ سے نکل گئی، زمین مرتہن کے اجارہ میں آگئی، اب جو منافع بچے اسے حلال ہوں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالک مکان اور کرایہ دار سے ایک سال کے واسطے ایک مکان قرار پایا تھا یہ کرایہ دو روپے ماہوار کے، کرایہ دار نے بلا اجازت کرایہ نامہ دو سال کے واسطے پس غیبت مالک مکان کے تحریر کرا کر مالک مکان کے پاس بھیج دیا، اب چونکہ کرایہ دار نے بدعہدی کی اس واسطے کرایہ دار مذکور کو دینا مکان منظور نہیں ہے، اب اس حالت میں مالک مکان کے ذمہ کوئی مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

تحریر کاغذ سے پہلے کچھ گفتگو عاقدین میں ہوتی ہے، وہ گفتگو کبھی خود عقد ہوتی ہے، اور تحریر کاغذ محض اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے، اس صورت میں شرعاً اس گفتگو کا اعتبار ہے، کاغذ اگر اُس کے خلاف ہو بیکار ہے،

کما نص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ ان العبرۃ بما تلفظ لا بما کتبت فی الصک[2]

جیسا کہ ہندیہ میں نص فرمائی ہے کہ زبانی بات کا اعتبار ہے اسٹام میں لکھی کا اعتبار نہیں ہے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۶۵

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۰-۱۳۹

" " کتاب الدعوٰی " ۲/ ۶۴

اور کبھی وہ گفتگو خود عقد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، تحریر ہی سے تکمیلِ عقد ہوتی ہے، پس صورت مذکورہ میں اگر سال بھر کے لئے عقد اجارہ ان کی گفتگو میں تمام ہوچکا تھا، مثلاً زید نے عمرو سے کہا میں نے اپنا مکان ایک سال کے لئے اتنے کرایہ پر تجھے دیا، اس نے کہا میں نے قبول کیا، یا میں نے لے لیا، یا مجھے منظور ہے، جب تو عقد تمام ہوگیا، اور مکان ایک سال کے لئے دینا مالک پر ضرور ہوگا، فقط اس بدعہدی کے سبب کہ اس نے ایک سال کے بجائے دو سال لکھوایا، ایک سال کے لئے دینے سے انکار نہیں کرسکتا کہ بدعہدی کی غایت فسق ہے، اور فسق مستاجر فسخ اجارہ کے لئے عذر نہیں،

فی مطالب ردالمحتار فسق المستاجر لیس عذرا فی الفسخ ونقل نصه فیه عن لسان الحکام[1]۔

ردالمحتار کے مطالب میں ہے کہ مستاجر کا فسق فسخ کے لئے عذر نہیں ہے اور انھوں نے اس پر لسان الحکام سے نص نقل فرمائی ہے۔ (ت)

اور اگر گفتگو میں تمامی عقد نہیں ہوئی تھی، مثلاً عمرو نے کہا اپنا فلاں مکان اتنے کرایہ میں ایک سال کے لئے مجھے کرایہ پر دو گے، زید نے کہا ہاں۔ عمرو نے کہا تو کرایہ نامہ لکھوالوں، زید نے کہا ہاں فان ھذا وعد لا عقد (کیونکہ یہ وعدہ ہے عقد نہیں ہے۔ ت) اب اس نے دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا اور زید نے قبول نہیں کیا تو ایک دن کے لئے بھی مکان کرایہ دار کو دینا مالک پر لازم نہیں کہ پہلے عقد نہ ہوا تھا اور کرایہ نامہ بلا رضا مالک لکھا گیا اور اس نے قبول نہیں کیا، تو عقد اصلاً موجود نہ ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۵: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی موضع سندیپ مرسلہ محمد حسن

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ، اجرت گرفتن بر تعلیم قرآن و زیارت قبور و میلاد شریف و اذان و امامت بدعوی یا بغیر آں از روئے شرع شریف جائز ست یا نہ، و بعضے بر ہر دو تقدیر حرام گویند، بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعلیم قرآن، زیارت قبور، میلاد شریف، اذان و امامت پر طلب کر کے یا بغیر طلب اجرت لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات دونوں صورتوں کو حرام کہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰

الجواب

فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم و دیگر
علوم و اذان و امامت جائز ست علی
ما افتٰی بہ الائمۃ المتأخرون نظرا
الی الزمان حفظا علی شعائر
الدین والایمان، و بربقیہ طاعات
مثل زیارت قبور، و سیپارہ خوانی برائے
اموات، و قرأت میلاد پاک سید الکائنات علیہ
وعلٰی آلہ افضل الصلوات والتحیات، بر اصل
منع باقی است والمعہود عرفا کالمشروط
لفظا[1]، پس اگر قرار داد اجرت کنند یا بحسب
عرف معلوم باشد کہ ایناں برائے گرفتن میخوانند
و آناں برائے خواندن می دہند، اگر ایناں
نخوانند آناں نہ دہند، و اگر آناں نہ دہند
ایناں نہ خوانند، گرفتن و دادن ہر دو روا
نیست الآخذ والمعطی آثمان، اگر نہ چناں
باشد بلکہ ایناں لوجہ اللہ تعالٰی می خوانند و در ہیچ
چیز بدل بہ دل ہم نہ خواہند تا آنکہ اگر یقیناً دانند
کہ چیزے نیابند نیز بخوانند آنگاہ بے قرار داد لفظی و
عرفی چیزے خدمت ایشاں کردہ شود مضائقہ
نیست ہمچناں در جائیکہ گرفتن و دادن معہود عرف
شدہ است، اگر خوانندگان پیش از خواندن
صراحۃً شرط کنند کہ مارا ہیچ نہ دہند

قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم، اذان اور امامت
پر اُجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متاخرین ائمہ نے
موجودہ زمانہ میں شعائرِ دین و ایمان کی حفاظت کے
پیشِ نظر فتوٰی دیا ہے، اور باقی طاعات مثلاً
زیارت قبور، اموات کے لئے ختم قرآن، قرأت
میلادِ پاک سید الکائنات علیہ وعلٰی آلہ افضل
الصلوات والتحیات، پر اصل ضابطہ کی بنا پر منع باقی
ہے، اور عرف میں مقررہ و مشہور لفظاً مشروط کی
طرح ہے، لہٰذا ان باقی امور پر اجرت مقرر کی گئی یا
عرفاً معلوم ہے کہ اُجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے
والے اُجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور
وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور
دینا جائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں
گنہ گار ہونگے۔ اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ
یہ لوگ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل
میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے
اس کے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی
یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ
نہیں، ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو،
پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور
اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز
ہے کیونکہ صراحت فائق ہوتی دلالت پر،

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۱

بعدہ[ع] دہندگان خدمت از پیش خویش کنند نیز روا ست لان الصریح یفوق الدلالۃ[1] کما فی الفتاوی امام قاضیخان ، واگرخواہند کہ شرط کنند وحلال باشد، صورتش آنست کہ حافظاں وقاریان را برائے وقت معین ، مثلاً روز فلانے از ہفتہ ، ساعت صبح تا دہ ساعت ، برائے کار وخدمت خویش براجرت معینہ ، ہرچہ براں تراضی طرفین شود ، اجیر کنند ، بقدر آں ساعات ایناں نوکر شدند وتسلیم نفس براناں واجب شد، مستجراں را می رسد کہ ہر خدمت کہ خواہند فرمایند ، از انجملہ کہ میلاد مبارک بخوانند ، یا قرآن عظیم خواندہ ثواب بفلاں مسلمان رسانند ، ایں روا باشد و دادن واجب ، و گرفتن حلال ، زیراکہ حالا اجارہ بر منافع نفس ایناں واقع شد نہ برطاعات ۔ واللہ تعالٰی اعلم

جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے ، اگر اجرت کی شرط پر پڑھنا حلال ہوجائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ قرّاء اور حفاظ حضرات کو مقررہ وقت مثلاً کوئی دن ہفتہ میں ، یا گھنٹے مثلاً صبح سے دس بجے تک ، اپنی خدمت یا کام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں ، اجیر بنالیں ، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں ، انہی خدمات میں سے میلاد خوانی اور قرآن خوانی برائے ایصال ثواب فلاں ، بھی ہوگی ، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے ، طاعات وعبادات پر نہیں ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۸ از قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور مرسلہ محمد مہدی حسین بریلوی قانونگو ۱۴ ستمبر ۱۹۱۲ء

(۱) نوکری گرداور قانونگوئی جس میں حسب ذیل کام کرنا ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں :

(۱) کاغذات پٹواری جن میں زمینداران وکاشتکاران کی صحت اندراج کی بابت موقع پر اور نیز کاغذات ماضیہ کی بابت جانچ کی جاتی ہے ۔

(۲) تحقیقات موقع بابت حقوق کاشتکاران وزمینداران بمقدمات تنازع اراضیات لگان ۔

(۳) تصدیق پٹہ وقبولیت وتیاری نقشہ جات متعلقہ وکوشش ادائے مالگذاری و زرتقاوی تقسیم شدہ وغیرہ ۔

ع در اصل لبعض است وظنی انہ بعدہ است ۔ عبدالمنان

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوی باب دعوی الرجلین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۴

(۲) جو گرداور قانون گو لینا پسند کرتے ہیں، ان کو حسب ذیل آمدنی ہوتی ہے یہ آمدنی جائز ہے یا نہیں:

(۱) علاوہ تنخواہ معینہ کے پٹواریاں بعوض اس رعایت کے کہ ان کے کام میں جو تاخیر خلاف ان کے قواعد کے ظہور میں آئے اس کی رعایت کی جائے، اور اُن کو جرمانہ سے بچایا جائے، کچھ ماہوار یا سال تمام پر دیتے ہیں، لیکن سب کام سرکاری میعاد انتہائی کے اندر ختم کرالیا جاتا ہے۔

(۲) تصدیق پٹہ و قبولیت میں مقر کچھ حقوق خوشی سے دیا کرتے ہیں۔

(۳) تحقیقات موقع میں جس فریق کے حقوق فائق متصور اور امید کامیابی معلوم ہوتی ہے، اُس سے بعوض تحریر رپورٹ واجبی کے جو کچھ وہ دیتا ہے لیا جاتا ہے۔

(۴) دیہات میں منجانب زمیندار مقدم، و پدھان نذر دیتے ہیں، بلحاظ افسری بلا اُس وقت کسی کام کے۔

(۳) اس تنخواہ مندرجہ سوال اول و آمدنی مندرجہ سوال دوم کے اندوختہ سے مصارفِ حج و زیارت و دیگر ضروریات دینی جائز ہیں یا نہیں، اور بحالت عدمِ جواز کوئی طریقہ اس روپے سے اجرائے کارروائی مندرجہ بالا کا ہوسکتا ہے، مثلاً تبادلہ اس روپے کا اگر اشرفی ہائے خزانہ سے کرلیا جائے وغیرہ۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر ان کاموں کو دیانت و امانت سے انجام دے، اور ان میں جو ظلم اور لوگ بڑھالیتے ہیں ان سے مخلوق کو بچانے کی نیت سے یہ نوکری کرے اور اس سے زائد اور کوئی ناجائز کام اُسے کرنا نہ ہو، تو یہ نوکری جائز ہے بلکہ خلق پر دفع ظلم و دیگر اہلکاران کی نیت پر ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ سب مدین رشوت و حرام ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) تنخواہ بشرائط مذکورہ حلال ہے، اور اس سے ہر نیک کام جائز، اور آمدنی سوال دوم حرام ہے اور اسے کسی کام میں صرف کرنا جائز نہیں، سوا اس کے کہ جن سے لی ہے ان کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کردے، ایسی آمدنی والا اگر حج وغیرہ چاہے تو روپیہ بے سودی قرض لے لے، وہ حلال ہوگا، اور وہ قرض اگرچہ اس مجلس میں اپنے ناپاک روپے سے ادا کرے گا تو قرض لئے ہوئے روپے میں خباثت نہ آئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹ از گونڈہ محلہ تبی گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحٰق

کوئی طوائف جو اپنے پیشہ میں مبتلا ہے، قرآن شریف پڑھنے یا پڑھوانے کی خواہش رکھتی ہے اور اس کے عوض میں استاد معلم حافظ خواہ ناظرہ خواں کی کچھ خدمت کرے، تو یہ پیسہ جو طوائف پیشہ کا قطعاً حرام ہے، لینا استاد معلم کو جائز ہے یا نہیں، اور ایسے حافظ و قاری کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عالمگیریہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ یہ روپیہ جو اجرت زنا یا غنا کا ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے، وہ ان کے ہاتھ میں مثل غصب کے ہے، وہ کسی شیئ کے معاوضہ میں لینا جائز نہیں، امام اگر اس پر اصرار کرے تو اسے امامت سے معزول کرنا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۰ از نواکھالی ڈاکخانہ رائے پور ملک بنگالہ مسئولہ فضل حق صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

علمائے کرام و فضلائے عظام کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ یہ استیجار علی الطاعات خصوصاً تلاوتِ قرآن و تسبیح و تہلیل، ایصال ثواب کی نیت سے ارواح موتٰی کے واسطے ایک مدتِ دراز سے رواج چلا آرہا ہے، فی الحال دیوبندی محصل بعض علماء نے حرام کہہ کر اٹھا لینے میں بڑے کوشاں ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ فی زماننا استیجار علی الطاعات خصوصاً تلاوتِ قرآن و تسبیح و تہلیل پر اُجرت لینا حسب الحکم کتبِ فقہیہ جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جواز شامی و برکوی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تحریرات جو حرمت استیجار علی التلاوۃ و التسبیح کو ثابت فرمائے ہیں، اس کا کیا جواب ہے، مترصد کہ حضور از راہِ مہربانی استفتاء ہذا کا جواب مع اپنے مہر اور متعلقین علماء کی مُہر و دستخط سے مزین کرکے جلد تکلیف ارسال منظور فرمائیں۔

الجواب

حق یہی ہے کہ استیجار علی الطاعات حرام و باطل ہے سوا تعلیم علوم دین و اذان و امامت وغیرہا بعض امور کے کہ متاخرین نے بضرورت فتوائے جواز دیا، تلاوتِ قرآن و تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز و حرام ہیں،

كما حققه المولى المحقق السيد امين الدين الشامي رحمه الله تعالٰى في شفاء العليل[1]

جیسا کہ محقق امین الدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی نے شفاء العلیل میں تحقیق فرمائی ہے۔ (ت)

[1] شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۷۵-۱۷۶

دیوبندی عقیدے والے ضرور کفار مرتدین ہیں جن کے کفر وارتداد پر علمائے کرام حرمین شریفین نے فتوے دئے، کہ حسام الحرمین وتمہید ایمان بآیات قرآن میں شائع ہوئے، مگر یہ ضرور نہیں کہ کافر جو بات کہے باطل ہو، نصارٰی کہتے ہیں یہود کا دین باطل ہے، اور اُن کا یہ کہنا حق ہے، یہود کہتے ہیں نصارٰی کا دین باطل ہے، اوران کا یہ کہنا حق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۱: مسئولہ ظہور محمد صاحب از شہر کہنہ ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی کے چند مالک وزمیندار ہیں ان میں سے ایک نمبردار ہے، کل کارروائی تحصیل وصول وغیرہ کی نمبردار کرکے تقسیم کردیتا ہے، چنانچہ ایک اراضی کا کرایہ نامہ نمبردار نے ایک سال کے لئے ایک شخص کو لکھ دیا، کرایہ دار ونمبردار کی مرضی سے کرایہ نامہ میں کرایہ دار نے یہ بات تحریر کرادی کہ درصورت اراضی خالی پڑی رہنے کے بھی کرایہ مقررہ ادا کرے گا، اب وہ کرایہ دار بعد ۹ ماہ کے کہتا ہے کہ اراضی میں نے خالی کردی، تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، ایسی صورت میں نمبردار کو کرایہ دار سے ان تین ماہ کا کرایہ کہ جس سے کرایہ دار کو نفع نہیں پہنچا ہے، لینا چاہیے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ نمبردار کو بلا منشاء اپنے شرکاء یا ان کے کرایہ دار کو تین ماہ مذکور کا کرایہ اپنے اختیار سے چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ کرایہ دار نے زمین باختیارِ خود خالی چھوڑی، تو اس پر ان تین ماہ کا بھی کرایہ واجب ہے نمبردار کو اگر شرکاء کی طرف سے کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہے تو وہ کرایہ سب کی طرف سے ہوا تین ماہ کا کرایہ اگر وُہ کرایہ دار پر چھوڑ دے گا، اور شریکوں کے حصہ کا کرایہ اُسے دینا پڑے گا، اور اگر شرکاء کی طرف سے اُسے اختیار نہ دیا گیا، بطور خود بزعمِ خود نمبرداری اس نے ایسا تصرف کیا تو اور شرکاء کے حصوں کا غاصب ہُوا، مگر ازانجا کہ عقد اجارہ اس نے کیا ہے، کرایہ کا مالک وہی ہوگا، اگرچہ حصہ شرکاء کے کرایہ میں ملک خبیث ہوگی، اس صورت میں وہ تین ماہ کا کرایہ باختیار خود چھوڑ سکتا ہے، اور اس صورت میں اسے لازم ہے کہ باقی شرکاء کے حصے کا کرایہ یا تو ان کو دے اور یہی بہتر ہے، یا فقراء پر تصدق کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ منشی مجید حسن صاحب از جنگل بن بٹول ڈاکخانہ بڑھاپور ضلع بجنور ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے یہاں کام ہنڈی کا

ہوتا ہے اور بینک میں روپیہ کا لین دین ہے، روپیہ سود پر جو کہ بینک کو دیتے ہیں، اور ایسے ہی جو کہ بینک سے لیتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں سود کا برتاؤ ہے، اور یہی قرضہ پر سود چلاتے ہیں۔

فدوی کی یہ عرض خدمت شریف میں ہے کہ جبکہ شیخ صاحب کے یہاں سود کا لین دین ہے، ایسی صورت میں ایسے شخص کے کارخانہ میں نوکری کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نزدیک کیا ہے، اگر اجازت ہے تو اس کی بھی دلیل ارقام فرمادیں، اگر ناجائز ہے اس کی وجہ بھی فرمادیں، جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانہ کے مالک کے یہاں سود کا لین دین ہے میرا دل ایک منٹ ٹھہرنے کو نہیں چاہتا ہے، اسی وجہ سے خدمت میں گزارش کی گئی خدا جاہے جیسا ارشاد فرمادیں گے اس پر عمل کیا جائیگا۔

اور ایک یہ دریافت کرنا ہے کہ وکیلوں کے یہاں کی محرری کرنا جائز ہے یا نہیں ہے، ان کے یہاں بھی مقدمات رجوع سود کے ہوتے اور بلا سود کے بھی ہوتے ہیں، ایک میرے عزیز ہیں حافظ عبدالرشید، وکیل ہیں، وہ کہتے ہیں جو کام بلا سود کا ہوا کرے گا وہ تم سے کرالیا کروں گا، اور سودی دعوٰی میرا دوسرا محرر کرلیا کرے گا، مگر شرعاً جیسا حکم ہو ارشاد فرمادیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جس کے پاس مال حلال وحرام مختلط ہو، مثلاً تجارت بھی کرتا ہے اور سود بھی لیتا ہے، اس کے یہاں کی نوکری شرعاً جائز ہے، اور جو کچھ بھی وہ دے اس کے لینے میں حرج نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمیں دے رہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے،

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کذا فی الہندیۃ[1] عن الظہیریۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب کسی چیز کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو، یہی ہمارا موقف ہے، یوں ہندیہ میں ذخیرہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے حوالے سے منقول ہے (ت)

وکلاء کے یہاں کی محرری میں کچھ خیر نہیں، سودی معاملہ کے سوا ان کے یہاں اور معاملات بھی اکثر خلاف شرع طے ہوتے ہیں، اکثر دعاوی باطلہ ہوتے ہیں جن کو وہ حق کرنا چاہتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں انھیں بھی باطل کی آمیزش بغیر اپنے لئے سرسبزی نہیں جانتے، غرض ان کے معاملات ناحق سے شاذ ونادر ہی شاید خالی ہوتے ہیں، اور تحریر اعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے،

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2]	گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور حدیث میں ہے :

وعلی الکاتب مثلہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کاتب پر بھی اس کی مثل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۳: مسئولہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ از سورت سید واڑہ روز دوشنبہ ۶ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسلمان اپنا مکان شراب بیچنے کے لئے اور شراب نوشی کے لئے کرایہ سے دے تو درست ہے یا نہیں؟ اور اس کی ایسی کمائی کا کھانا دوسرے مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مسلمان مکان کرایہ پر دے اس کی غرض کرایہ سے ہے، اور اعمال نیات پر ہیں، یہ نیت کیوں کرے کہ اس لئے دیتا ہے کہ اس میں شراب نوشی و شراب فروشی ہو، ایسی حالت میں کرایہ اس کے لئے حلال اور اس کے یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں، ہاں جو اس حرام نیت کو شامل کرلے وہ اب خود ہی گنہگار بنتا ہے، اور اگر وہ مکان ایسی جگہ واقع ہے جہاں ان مفاسد کا اظہار باعثِ ضرر و خرابی ہمسائگان ہوگا، تو ناجائز، یہ باعثِ فتنہ ہوا، اور فتنہ حرام، بہرحال نفس اجرت کہ کسی فعل حرام کے مقابل نہو[ع] حرام نہیں، یہی معنی ہیں اس قول حنفیہ کے کہ :

یطیب الاجر وان کان السبب حراما کما فی الاشباہ[2] وغیرھا فاحفظ فانہ علم عزیز فی نصف سطر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہے، جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے۔ اس کو محفوظ کرلو۔ یہ ایک سطر میں نادر علم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ع میرے خیال میں یہاں بھی ناسخ سے لغزش ہوگئی اس میں "نہو" کے بجائے "ہو" لکھا ہے

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲

غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات " " " ۲/ ۶۱

رد المحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ بنّے خاں سوداگر پارچہ محلہ نالہ متصل کٹرہ مانِدرائے بریلی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

مجلس میلاد پڑھنے کے لئے پیشتر ٹھہرالینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے، اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے، اور وہ بھی اس سے بطور پیشگی بطور بیعانہ یا سائی تجع کرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لا تشتروا باٰیٰتی ثمنًا قلیلا۔[1] میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ (ت)

یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵: مسئولہ محمد لطف علی محکمہ سروے آف انڈیا رام نگر منڈی ضلع نینی تال ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب، السلام علیکم! بعد ادائے آداب کے عرض یہ ہے کہ کمترین محکمہ سروے میں بملازمت سرکار ممتاز ہے اور اپنی زندگی کا بیمہ مبلغ چار ہزار روپیہ کے واسطے محکمہ ڈاک خانہ میں کیا ہے شرح ماہوار چندہ تیرہ روپیہ سات آنہ ہے، کمترین نے شروع یکم اگست ۱۹۱۳ء کو کیا تھا، اور شرط یہ تھی کہ اگر کمترین ۵۴ سال کی عمر تک زندہ رہے گا تو کمترین کو چار ہزار روپے دئے جائیں گے، اور اگر کمترین کا اس سے پہلے انتقال ہُوا تو انتقال ہونے پر کمترین کے عزیزوں کو چار ہزار روپے دے دئے جائیں۔

اب التجا یہ ہے کہ مہربانی فرماکر آپ فتوٰی دیں کہ یہ شرعًا درست ہے یا نہیں، اور اگر شرعًا درست ہے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ عنایت فرماکر مفصل تحریر فرمائیے گا، عین نوازش ہوگی فقط۔

الجواب

یہ شرعًا قمار محض ہے، وہ ماہوار کہ اس میں دیا جاتا ہے وقتِ مشروط سے پہلے واپس نہیں لیا جاسکتا، نہ شرعًا وہ محکمہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، وقت واپسی جتنا جمع ہوا تھا اس کی ہر سال کی زکوٰۃ لازم آئے گی، اور اگر اس سے زائد ملے گا تو اس کی زکوٰۃ نہیں کہ بیمہ کرانے والے کی ملک نہ تھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۶: از شہر رجمنٹ اکاکور ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب بہار نپوری ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام مجید کا پڑھنا اور پڑھانا، امامت کا کرنا، اور ماہواری یا فصل پر روپیہ وصول کرکے کلام مجید کے ذریعہ پر اپنی پرورش اپنے بال بچّوں کی کرتے ہیں، زید ان امامت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

کرنے والوں سے بہت نفرت کرتا ہے، اور جو لوگ امامت اللہ کے واسطے کرتے ہیں، اور پرورش اپنے بچوں کی محنت مزدوری سے کرتے ہیں ان سے زید بہت خوش رہتا ہے اور ان کو نگاہِ عبرت سے دیکھتا ہے۔

الجواب

جو اللہ عزوجل کے لئے امامت و تعلیم و تعلم کرتے ہیں ان سے خوش ہونا بہت بجا ہے، اور جو تنخواہ لیتے ہیں ان سے نفرت بیجا ہے کہ اب ان کاموں پر اجرت لینا روا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۷ از گوری ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

اجرت تعلیم قرآن و امام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

متاخرین نے تعلیم امامت پر اخذ اجرت کے جواز پر فتویٰ دیا ہے،

کتب الحنفیۃ طافحۃ بذلک ومن لایعلم فحسبہ جواب من یعلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حنفی کتب اس سے لبریز ہیں اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے والے کا جواب کافی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸، ۱۸۹ از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اجرت کی چیزوں کی، مثل گاڑی و کشتی وغیرہ کی اجرت نہ دینا کیسا ہے؟

(۲) جس زمین کی مالگزاری مالک لیتا ہے اس میں اگر پانی ٹھہرا اور مچھلی ٹھہری تو مالک کہتا ہے یہ مچھلی ہماری ہے اگر رعایا نہ دے تو گنہگار تو نہیں ہے؟

الجواب

(۱) حرام ہے۔

(۲) مباح مچھلی جو پکڑے اسی کی ہے، مالک کو اس پر دعویٰ نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۰ از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ پیشہ ور کام کراتے ہیں آدمیوں سے، اور اس شرط پر کہ آدھ آنہ روپیہ کے حساب سے گیارھویں شریف کے لئے کاٹتے رہیں گے، اس

میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے نہیں دیتے، ہم چاہے اپنے گھر یا جیسے جی چاہے گا ویسے ہی دیں گے ایسی پابندی کا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس کو جبر کا کوئی اختیار نہیں، اگر جبراً کاٹے گا ظلم ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۱ از شہر مدرسہ اہل سنت و جماعت مسئولہ مولوی محمد عثمان طالبعلم بنگالی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک جائیداد نیلام کی خریدی جس میں رنڈیاں رہا کرتی ہیں ان سے کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو کرایہ وہ اپنے زرِ حرام سے دیں کہ زنا یا غنا کی اجرت میں ملا ہے اس کا لینا حرام ہے، اور اگر زرِ حلال سے دیں مثلاً کسی سے قرض لے کر یا وہ بلا اجرت و رشوت محض انعام میں ملا تو حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲ از فیض آباد گھڑی علی بیگ مسئولہ سید عبداللہ صاحب سب انسپکٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خالد کا ایک مقدمہ دس پندرہ ہزار کا کچہری میں تھا، خالد نے زید سے کہا کہ میری ڈگری ہو جائے، زید نے بایں شرط دعا کرنے کا وعدہ کیا کہ درصورت ڈگری کے مبلغ دو ہزار روپیہ بطور حق الدعا خالد زید کو دے گا۔ خالد نے منظور کر لیا، اتفاق سے ڈگری ہوگئی۔ خالد نے زید کو زرِ نذر کر دیا، یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

خالی دعا پر اُجرت ٹھہرا لینا بوجوہ حرام ہے، اور وہ روپے کہ اسے ملے محض حرام ہے، ان کا لینا دینا سب حرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ وہ روپے خالد کو واپس کر دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۳ از شہر محلہ ملوکپور مسئولہ محمد شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان معمار کو بتکدہ کی نو تعمیر یا مرمت کرنا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو کوئی ایسا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

مکروہ ہے اور جو کرے مستحقِ سزا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۴: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین و دریں مسئلہ کہ دریں ملک عرف است کہ یک شخص چند گوسفنداں یا مادہ گاواں وغیرہم باجارہ با دیگر بایں وعدہ می دہد کہ تا سال چار یا ہفت، ہشت، ایں مال را بچراند، اقرار این است کہ اصل مال خود ملک من است، وہرچہ افزاید یعنی زاید، نصف نصف است، ایں را نیم سودی می گویند، آیا ایں اجارہ جائز است یا نہ؟

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک میں عرف یہ ہے، بکریاں اور گائے وغیرہ دوسرے کو اس شرط پر بطور اجارہ دیتے ہیں، ایک یا سات یا آٹھ سال اس مال کو چراؤ اور قرار دیتے ہیں کہ اصل مال مالک کا اور زائد ہوجائیں تو زائد میں نصف نصف ہوگا، اسے نصف سُود کہتے ہیں، کیا یہ اجارہ جائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب

ایں اجارہ حرام است بوجوہ منہا الجہالۃ، ومنہا الغرر، ومنہا معنی قفیز الطحان۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اجارہ حرام ہے کئی وجوہ سے، ایک جہالت، ایک دھوکا، اور ایک چکّی کی پسائی میں قفیز کا معنٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۵: از پوکھریرا ضلع مظفر پور ڈاکخانہ رائے پور مرسلہ شریف احسن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ میں دس روپے کا تحصیلدار ہے، چونکہ وہ امانت دار ہے، اور مواخذہ آخرت سے بھی خرچ ہوجانے پر ڈرتا ہے اس لئے انجمن سے استدعا کر کے للعہ ماہانہ داخل انجمن کرنے پر ٹھیکہ لیا، اور بقیہ آمدنی اپنے اور اپنے اہل وعیال و زاد راہ وغیرہ کے لئے اپنی تنخواہ مقرر کرالی ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

حرام ہے کہ بوجہ عدم تعین تنخواہ اجارہ فاسد ہوا، اور عقود فاسدہ سب حرام اور واجب الفسخ ہیں، اس صورت میں وہ صرف اجر مثل لے سکے گا، اور وہ بھی اس کے حق میں خبیث ہوگا، اجر مثل سے زیادہ جو کچھ بچے انجمن میں داخل کرنا لازم ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۶: از لاہور انجمن نعمانیہ مرسلہ سلیم اللہ خاں جنرل سیکرٹری انجمن ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دینی مجالس میں دینی تعلیم کے لئے جو مدرسین وغیرہ ملازم رکھے جاتے ہیں، اور قواعد ضبط مجلس پر ان سے بوقت قبولیت ملازمت کے دستخط کرالئے جاتے

ہیں، بعد میں اگر ایسے ملازم ان قواعد کی خلاف ورزی کر کے ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جائیں، یا کوئی ایسا امر کریں جو قواعد مذکورہ کے خلاف ہو جس کو منظور کر چکے ہوں تو ایسے ملازمین کے کارکردگی کی تنخواہ ضبط کر لینے اور نہ دینے کا مجلس مذکور کو شرعًا اختیار رہوگا یا نہیں' اور ایسے قواعد ہر ایک مجلس انجمن مدرسہ مکاتب اسلامی میں مندرج ہیں' رائج ہیں، کیا یہ شرعًا بھی درست اور قابل تعمیل ہیں یا نہیں؟ ملازمین کی طرف سے حجت کی جاتی ہے کہ ان کی کارکردگی کی تنخواہ ان کا حق واجب ہے اور وہ کسی طرح رکھ لینا شرعًا جائز نہیں ہو سکتا۔ براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعیہ بہت جلد مطلع فرمائیں۔

المستفتیان: سلیم اللہ جنرل سکریٹری، تاج الدین احمد سکریٹری، نور بخش سکریٹری۔

الجواب

مدرسین وامثالہم اجیر خاص ہیں' اور اجیر خاص پر وقت مقررہ معہود میں تسلیم نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ ہو، مثلاً مدرس وقت معہود پر مہینہ بھر برابر حاضر رہا، اور طالب علم کوئی نہ تھا کہ سبق پڑھتا، مدرس کی تنخواہ واجب ہوگئی، ہاں اگر تسلیم نفس میں کمی کرے مثلاً بلا رخصت چلا گیا' یا رخصت سے زیادہ دن لگائے، یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دئے، یا حاضر تو آیا لیکن وقت مقرر خدمت مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام اگرچہ نماز نفل یا دوسرے شخص کے کام میں صرف کیا کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہوگئی، یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے، طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں کہ اگرچہ اجیر کام کی نہیں تسلیم نفس کی ہے، مگر یہ منع نفس ہے نہ کہ تسلیم۔ بہرحال جس قدر تسلیم نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی، معمولی تعطیلیں مثلاً جمعہ و عیدین و رمضان مبارک کی، یا جہاں مدارس میں سہ شنبہ کی چھٹی بھی معمولی ہے، وہاں یہ بھی اس حکم سے مستثنٰی ہیں کہ ان ایام میں بے تسلیم نفس بھی مستحق تنخواہ ہے، سوا اس کے اور کسی صورت میں تنخواہ کل یا بعض ضبط نہیں ہو سکتی، تسلیم نفس کامل کر کے اور بات میں باوصف قبول واقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام، معہذا حقوق العباد میں مطلق اور حقوق اللہ میں جرم کر چکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صور معدودہ کے سوا قاضی شرع کو ہے، نہ عام لوگوں کو، اور امر ناجائز رائج ہو جانے سے جائز نہیں ہو سکتا، یونہی ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت سے تنخواہ قطع کرے گا نہ کہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط، اور اس پر کسی تاوان کی شرط کر لینی مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی، یہ سب باطل و خلاف شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیان سوال سے

ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز و گناہ ہے کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقد فاسد حرام ہے، اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقرر کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ اجر مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہو، اجر مثل اگر مسمی سے کم ہے تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلاً نہ کریں، درمختار میں ہے:

الاجیر الخاص ویسمی اجیر وحد وھو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص و یستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعمل کمن استؤجر شھرا للخدمۃ، ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ (بل ولا ان یصلی النافلۃ "شامی") ولو عمل نقص من اجرتہ بقدر ما عمل، فتاوی النوازل[1]

اجیر خاص کا نام اجیر وحد ہے، اور جو کسی کے لئے خاص ہو کر مقررہ عمل کرے اور مقررہ مدت میں اپنے آپ اس کے سپرد کردے اگرچہ عمل نہ کرے مثلاً کسی نے ایک ماہ خدمت کے لئے ملازم رکھا ہو، اجیر خاص کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کا کام کرے بلکہ اس کو اس وقت میں نفل نماز بھی نہ چاہیے، شامی۔ اور اگر اس نے کسی اور کا کام کیا تو اس کی اجرت میں اتنی کمی کی جاسکے گی، فتاوی نوازل۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ[2]

جہاں منگل اور جمعہ اور رمضان و عیدین کی تعطیل مروج ہے وہاں ان کا مشاہرہ لینا جائز ہے۔ (ت)

بزازیہ پھر بحر پھر شامی میں ہے:

معنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساک شیئ من مالہ عنہ مدۃ

تعزیر بالمال کا جہاں قول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ملزم کا وہ مال کچھ مدت کیلئے روک لیا جائے

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۱
ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۴
[2] " کتاب الوقف " " " ۳/۳۸۰

لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ، لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ او لبیت المال، کما یتوھمہ الظلمۃ، اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]۔

تاکہ وہ جرم سے باز آجائے اور پھر حاکم مال واپس کردے یہ معنی نہیں کہ حاکم اس مال کو اپنے لئے یا بیت المال کے لئے وصول کرے جیسا کہ ظالم لوگوں نے خیال کر رکھا ہے کیونکہ کسی مسلمان کو شرعی وجہ کے بغیر کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے (ت)

شرح معانی الآثار امام طحاوی پھر مجتبٰی پھر ابن عابدین میں ہے:

التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[2]۔

تعزیر بالمال ابتداء اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی (ت)

شرح ہدایہ امام عینی میں ہے: العمل بالمنسوخ حرام[3] (منسوخ پر عمل حرام ہے۔ ت)

درمختار میں ہے:

یقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ وبعدہ لیس ذٰلک لغیر الحاکم والزوج والمولٰی[4]۔

گناہ میں مشغول کو ہر مسلمان تعزیر کرسکتا ہے اور بعد میں حاکم، خاوند اور آقا کے غیر کو یہ حق نہیں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یقیمہ ای التعزیر الواجب حقا ﷲ تعالٰی بخلاف التعزیر الذی یجب حقا للعبد فانہ لتوقفہ علی الدعوی لا یقیمہ الا الحاکم الا ان یحکما فیہ اھ، فتح[5]۔

"ہر مسلمان تعزیر قائم کرسکتا ہے" کا مطلب یہ ہے وہ تعزیر جو اللہ تعالٰی کے حق پر واجب ہو بخلاف اس تعزیر کے جو بندے کے حق پر واجب ہو کیونکہ وہ بندے کے دعوٰی پر موقوف ہوتی ہے اس کو حاکم کے سوا کوئی نہیں قائم کرسکتا الا یہ کہ دونوں فریق اس کے لئے کسی کو ثالث بنالیں اھ، فتح۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷۸/۳
[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷۹/۳
[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ
[4] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۳۲۷/۱
[5] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۸۱/۳

فتاوٰی غیاثیہ میں ہے:

الاتری انھم لوتعاملوا علی بیع الخمر اوعلی الربا لایفتی بالحل[1]

کیا دیکھ نہیں رہے کہ اگر لوگ شراب فروخت یا سُود کے معاملات مروّج کرلیں تو حلال ہونے کا فتوٰی نہ دیا جائے گا۔ (ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل، وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق، رواہ الشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا[2]

لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ ایسی شرطیں بناتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور جو شرط کتاب اللہ کی رُو سے جائز نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں، اللہ تعالٰی کا فیصلہ حق ہے اور اللہ تعالٰی کی جائز کردہ شرط حق ہے۔ اس کو شیخین (بخاری ومسلم) نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے (ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد[3]

ایسی شرائط اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں جو مقتضٰی کے مخالف ہوں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ان فسدت بجھالۃ المسمی وبعدم التسمیۃ وجب اجر المثل باستیفاء المنفعۃ بالغا ما بلغ والا تفسد بھما بل بالشروط او

اگر اجارہ شئی کی جہالت اور عدم ذکر کی وجہ سے فاسد ہو تو منافع حاصل کرنے پر مثلی اجرت لازم ہوگی خواہ جتنی بھی ہو، ورنہ ان دونوں صورتوں میں بلکہ ایسی دیگر شرائط سے بھی فاسد ہوگا، یا

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النساج مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۸۹-۹۰ وکتاب المکاتب ۱/ ۳۴۸ وکتاب الشروط ۱/ ۳۷۷

صحیح مسلم کتاب العتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

الشیوع مع العلم بالمسمّٰی لم یزد اجر المثل علی المسمی لرضاھما بہ و ینقص عنہ لفساد التسمیۃ۔[1]

مقررہ معاوضہ معلوم ہونے کے باوجود شیوع پایا جائے تو مثلی اُجرت مقررہ سے زائد نہ ہوگی کیونکہ مقررہ پر دونوں راضی تھے، کم ہو تو کم کردی جائے کیونکہ مقرر فاسد ہوچکا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

یجب علی کل واحد منھما فسخہ اعداما للفساد، لانہ معصیۃ فیجب رفعھا، بحر۔ ولذا لایشترط فیہ قضاء قاض، لان الواجب شرعًا لایحتاج للقضاء، درر، واذا اصراحدھما علی امساکہ، وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقا للشرع، بزازیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

دونوں فریقوں پر واجب کہ اس کو فسخ کریں کیونکہ گناہ کو ختم کرنا ضروری ہے، بحر۔ اور اسی لئے اس فسخ کے لئے قاضی کی قضاء ضروری نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعًا واجب ہو وہ قضاء کی محتاج نہیں، درر۔ جب دونوں فریق قائم رکھنے پر مصر ہوں اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبرًا فسخ کرے تاکہ شرعی حق قائم ہوجائے، بزازیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مسئولہ محمد مسعود علی میر محلہ بدایوں بروز دوشنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ممالک متحدہ میں ایک عرصہ سے جدید بنک کھولے گئے ہیں جن کو زبان اُردو میں دیہاتی بنک کہا جاتا ہے، اور جن کے دفتروں میں صدہا مسلمان ملازم ہیں، تنخواہ پاتے ہیں، ان بنکوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی پونجی بالعموم حسبِ ذیل تین طریقوں سے فراہم کی جاتی ہے:

اوّل: دس دس یا بیس بیس روپیہ کی قیمت کے حصص قائم کئے جاتے ہیں اور کم از کم ایک حصّہ کا خریدار ممبر مانا جاتا ہے اس ہر بنک میں صدہا ممبر ہوتے ہیں، ہر حصہ کی قیمت بالعموم بیس چھ ماہی قسطوں میں یعنی دس سال میں قابلِ ادا ہوتی ہے۔

دوم: اکثر قوم بمد امانت جمع ہوا کرتے ہیں۔

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[2] " کتاب البیوع باب البیع الفاسد " ۲/ ۲۸

سوم: قرض لیا ہوا روپیہ بھی اس کی پونجی میں شامل ہوتا ہے۔

اصل مقصد ان بنکوں کا یہ ہے کہ اپنے ممبروں کو سخت ضرورت کے وقت سادہ سود کے کم نرخ پر قرض دے کر مہاجنوں کے سود در سود اور بھاری شرح کی مار سے ضرورتمند ممبروں کو جن میں مسلمان اور اہل ہنود دونوں از قسم زمیندار و زراعت پیشہ و تجارت پیشہ و دیگر کاروباری شامل ہیں محفوظ رکھا جائے، ملازمان بنک کے کارہائے مفوضہ میں ممبران بنک کو کفایت شعاری کی ہدایت کرتے رہنا اور غیر ضروری کاموں کے لئے قرض نہ لینے دینا ایک اہم فریضہ ہے، بنک جو اپنے ممبروں کو قرض دیا کرتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ممبران اپنا اپنا کاروبار چلانے کے لئے ضروری روپیہ بنک سے قرض لیتے ہیں جس کی شرح سود بالعموم ایک روپیہ سے سوا روپیہ سیکڑہ تک سادہ ہوتی ہے، اور یہ قرض مع سود بالاقساط ادا کیا جاتا ہے اس طرح پر قرضداروں کو مہاجنوں سے قرض لینے کے مقابلہ میں بہت زیادہ منفعت رہتی ہے، مثلاً کسی معمولی حیثیت کے مسلمان ممبر نے سخت ضرورت کے وقت پانچسو روپیہ بنک سے قرض لے، تو یہ قرض پانچ سال میں بالاقساط مع سادہ سود کے آٹھ سو چھتر روپیہ کی تعداد میں بنک کو ادا کیا جائے گا، اور بالفرض اگر کوئی قسط کسی مجبوری سے نہ ادا ہو سکے تو بلا کسی تاوان کے قرضدار کو مزید مہلت ملے گی، یعنی بجائے پانچ سال کے ساڑھے پانچ سال میں ادا ہو سکتی ہے، درانحالیکہ مہاجن سے پانچسو روپیہ قرض لینے میں دو روپیہ کی سود در سود کی شرح سے کم نہیں ملے گا، اور ششماہی سود شامل اصل ہو کر پانچ برس کے عرصہ میں الصالللعہ روپیہ یعنی بنک کے قرضہ سے دوگنا دینا پڑے گا، اور اگر پانچ سال کے بجائے ساڑھے پانچ برس تک یہ قرض رہ گیا تو تقریباً دو ہزار روپیہ دینا پڑینگے جیسا کہ اکثر مسلمان جو سودی قرض لینے کے عادی ہیں، مہاجنوں کے چنگل میں پھنس کر بغیر تباہ ہوئے نہیں بچتے، اس لحاظ سے یہ بنک ان مسلمان ممبروں کے لئے زیادہ مفید کہی جا سکتی ہے، جو ضروری اور غیر ضروری کاموں کے لئے بلا لحاظ کفایت شعاری سودی قرض لینے کے عادی ہیں قرض پر سود کی رقم جو بنک کو اصل کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بطریق ذیل پیدا کی جاتی ہیں؛

أ۔ زراعت پیشہ لوگ جس میں اکثر مشرکین ہوتے ہیں، بغرض زراعت ضروری روپیہ بنک سے قرض لے کر زراعت کرتے ہیں اور اس کے ماحصل سے جو مقدار قرض سے کئی حصہ زیادہ ہوتا ہے کچھ جزوی رقم سود کے نام سے قرضہ بنک میں ادا کرتے ہیں۔

ب۔ اسی طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی تجارت کے ماحصل سے (یعنی منافع سے)۔

ج - اسی طرح کاروباری مثلاً ایک نجار نے دس روپے قرض لے کر اوزار خریدے اور سال بھر میں دو سو روپیہ پیدا کئے ، اسی آمدنی سے ادائے قرض میں بجائے دس روپے کے بارہ روپے بنک میں داخل ہوتے ہیں ۔

ملازمان بنک کے کارہائے متعلقہ یعنی فرائض حسب ذیل ہوتے ہیں ،

اوّلاً دفتر میں متعلقہ حساب وکتاب درست کرنا ۔

ثانیاً اس بات کی سخت نگرانی کرنا کہ ممبران بنک کسی غیر ضروری کام کے لئے قرض نہ لیں اور فضول کام میں روپیہ خرچ نہ کریں ۔

ثالثاً ماتحتوں کے کام کی نگرانی رکھنا ، جانچ کرنا ، سودی قرض وصول کرنا ، تنخواہ جو ان ملازموں کو ملتی ہے وہ بنک کے منافع سے ملا کرتی ہے جس میں مذکورہ بالا سود کا روپیہ بھی شامل ہے ، نظر براں ان بنکوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا ناجائز ؛ اور ایک ضرورتمند مسلمان ملازمت پیشہ جو اس بنک میں ملازم ہے اور اپنی محنت کے عوض مقرر تنخواہ پاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے ۔ اگر اس کی ایسی ملازمت ناجائز ہے تو کس حد تک ، اور حسب ذیل اشخاص کی حیثیتوں اور ایسے ملازم بنک کی حیثیت میں کیا فرق ہے ؛

(۱) ایک مسلمان جو سرکاری بنک میں اپنا روپیہ امانتاً جمع کراتا ہے اور اسی امانت پر سود کے نام سے منافع حاصل کرتا ہے ۔

(۲) ایک مسلمان جو محض مشرکین سے سود لیا کرتا ہے ۔

(۳) ایک مسلمان جو سود دیا کرتا ہے ۔

(۴) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغۂ مال میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ اس مالگزاری کی آمدنی سے ملتی ہے جس میں بقاعدہ زمینداری بقایا لگان پر کاشتکاروں سے بالعموم سود لیا ہوا ، اور غیر مسلم مالگذار کا جائز و ناجائز طریقہ پر پیدا کیا ہوا روپیہ شامل ہوتا ہے ، کیونکہ یہ سب مخلوط آمدنی مالگذاری سرکار میں داخل ہوا کرتی ہے ۔

(۵) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغۂ دیوانی میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ کورٹ فیس وغیرہ کی آمدنی سے جس میں بیشتر حصہ اُس رقم کا ہوتا ہے جس کو مہاجن سود کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں ملا کرتی ہے ۔

(۶) ایک مسلمان جنگی کا ملازم جس کی تنخواہ جنگی کی آمدنی سے جو بلحاظ ٹیکس وغیرہ بالعموم سود خوار اقوام کی کمائی سے جمع کی جاتی ہے ملا کرتی ہے ۔

(۷) ایک مسلمان جو کسی ایسے غیر محتاط مسلمان رئیس کے پاس ملازم ہے جس نے اپنی آمدنی کے ذرائع کو عام احتیاط سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔

(۸) کسی ایسے انگریزی مدرسہ کا مدرس جس کا کاروبار چندہ پر مبنی ہے، اور چندہ دہندگان میں سُود خوار اقوام بھی شامل ہیں' ایسے چندہ کی آمدنی سے تنخواہ پانے والا مسلمان مدرس۔

(۹) ایک مسلمان تجارت پیشہ جو اپنے مال کو سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کیا کرتا ہے۔

(۱۰) ایک مسلمان زراعت پیشہ جس کو اپنا غلّہ وغیرہ سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کرنے سے کوئی عار نہیں ہے، اور یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ آیا ایسی جائداد (یعنی زمینداری وغیرہ جس کو کسی ڈپٹی کلکٹر یا کسی سب جج یا کسی منصف یا کسی وکیل مختار نے اپنے ایسے پیشہ کی آمدنی سے پیدا کیا ہوا کل حلال سمجھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی محتاط لوگ جائز آمدنی سمجھ سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بنک کی صورتِ مذکورہ حرام قطعی ہے' اور یہ فائدہ کہ بنیوں سے آدھا یا چہارم سُود لیا جائے گا' سُود دینے والے کا ایک دنیوی فائدہ ہی مگر دینے والے اور لینے والے کے اخروی مضرت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وذروا ما بقی من الربٰو[1]، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہ[2]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا چھوڑ دو۔ پھر اگر نہ مانو تو اللہ و رسول سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے:

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[3]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سُود لینے والے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی کرنیوالوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸
[2] " ۲/ ۲۷۹
[3] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربا۔ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

صحیح حدیثوں میں ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الربا ثلثۃ وسبعون حوبا ایسرھا ان ینکح الرجل علی امہ[1]

سُود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

ایک حدیث میں ہے:

من اکل درھما من الربا وھو یعلم انہ ربا فکانما زنی بامہ ستا وثلثین مرۃ۔[2]

جس نے دیدہ و دانستہ سُود کا ایک درہم کھایا (جو یہاں کے تقریباً ساڑھے چار آنے کے برابر ہوتا ہے) اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔

اس حساب سے سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے زنا کرنا ہوتا ہے، تو یہ منفعت جتانا کہ بنئے کو دونا دینا ہوگا، یہ آدھا لیں گے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ، وہاں ہزار بار مثلاً ماں سے زنا کرنا ہوگا، یہاں آؤ کہ ہم تم پانسو باری کریں، یہ کیا خاک فائدہ ہوا، یا اس سے گزر کریوں سمجھے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ وہاں اسّی ہزار جُوتے پڑینگے۔ ہم چالیس ہزار مار کر چھوڑ دینگے ان کے سر کی خیر تو چالیس ہزار میں بھی نہیں، یہ سب شیطانی دھوکے اور مہمل ہوسیں ہیں، شرعی طریقہ برتیں کہ خود بھی ان عظیم آفتوں سے بچیں اور قرض لینے والے بھی اور بنک کو دل خواہ نفع بھی ہوجائے اور لینے والے بھی بنیوں کی مصیبت سے بچیں، اس کے متعدد طریقے ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاھم میں مذکور ہیں، از اں جملہ آسان تریہ کہ مثلاً کوئی شخص سو روپیہ سال بھر کے وعدہ پر قرض لینا چاہتا ہے اور بنک یہ چاہے کہ اسے روپیہ مل جائے اور مجھے نفع ہاتھ آئے تو اسے روپیہ قرض نہ دے بلکہ سُو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سُو دس یا ایک سُو بارہ کو بیع کرے، یہ بیع ہے بلا غبار

قال اللہ تعالیٰ وقالوا ان البیع مثل الربٰو واحل اللہ البیع وحرم الربٰو۔[3]

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سُود، (اس کا جواب کہ) اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۴ و ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴
شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] الترغیب والترھیب الترھیب من الربا مصطفی البابی مصر ۳/ ۷ و ۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

ملازمت کی صورتیں جو سائل نے لکھیں اس کا جواب کلی کہ انھیں اور ان جیسے دس ہزار کو شامل ہو، یہ ہے کہ ملازمت دو قسم ہے،

ایک وُہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت جس میں سُود کا لین دین، اس کا لکھنا پڑھنا تقاضا کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے، وہ مال حلال بھی اس کے لئے حرام ہے، اور مال حرام ہے تو حرام در حرام۔

دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہٖ امر جائز کی ہو مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مال حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے بعینہٖ مال حرام ہے، نہ بدلا نہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا، تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز۔

قال محمد به نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه[1] ھندیة عن الظھیریة۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کریں گے جب تک عین حرام چیز کا علم نہ ہو۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے۔ (ت)

یہ حکم ملازمتوں کا ہے، مزارع یا تاجر کا غلہ و مال کسی کے ہاتھ بیچنا اسی قسم اخیر کے حکم میں ہے، اور سُود لینا خواہ گورنمنٹ سے ہو یا مشرکین سے خود فعل ناجائز ہے۔ یہ قسم اول کے حکم میں داخل ہے، اور سُود دینا اگر محض مجبوری شرعی صحیح ہو جس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، تو اجازت ہے۔

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربا[2]

محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے (ت)

ورنہ حرام، اور دینا لینا یکساں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۸ مولوی حشمت علی صاحب محلہ گڑھیا بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک جگہ پڑھانے پر نوکر ہے، جمعرات کو صبح کے وقت زید کی کچھ طبیعت علیل تھی مگر اس وجہ سے کہ پڑھائی میں حرج نہ ہو پڑھانے چلا گیا، ساڑھے نو بجے تک پڑھایا، بعد ازاں زیادہ طبیعت خراب ہوئی اور پڑھایا نہ گیا تو زید نے اس سے جس کے یہاں پڑھاتا تھا کہا کہ مجھ سے اب باقی وقت کام نہیں ہوتا ہے مجھے چھٹی دے دیجئے، تب اس شخص نے زید کو جواب دیا کہ اپنا وقت گیارہ بجے تک پورا کر دیجئے ورنہ نصف یوم کی تنخواہ وضع ہوگی، زید نے اس کے جواب میں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۶

کہ میں رُبع یوم کی چھٹی چاہتا ہوں، اگر آپ منظور نہ کریں تو صرف ربع یوم کی تنخواہ وضع کرلیں، نصف یوم کی تنخواہ وضع کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ میں نے ربع یوم کام کیا ہے ربع باقی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ جب زید نے ربع یوم کام کیا اور ربع یوم نہیں کیا اور رخصت چاہی، تو شرعاً زید کی ربع یوم کی تنخواہ وضع ہونا چاہیے یا نصف یوم کی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اُس روز جتنے گھنٹے کام میں تھا ان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہوگی، ربع ہو تو ربع، یا کم زیادہ جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہوگی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھا اور ایک گھنٹہ نہ کیا تو اس دن کی تنخواہ کا چھٹا حصّہ وضع ہوگا، زیادہ وضع کرنا ظلم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹ از بدایوں مولوی محلہ مرسلہ شاہ حاجی اعجاز حسین صاحب ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے تین لڑکیاں اور دو لڑکے اپنی وفات پر چھوڑے، اور ایک حقیت چھوڑی، بڑا لڑکا اس حقیت کا کاروبار کرتا رہا، اور بخوشی دیگر بھائی بہن کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاتا رہا، اب اس کا انتقال ہوا، اس حقیت میں سے ایک کھیت برابر اپنی کاشت میں رکھا تھا، اب اس متوفی کا لڑکا وارث ہوا لیکن وہ کھیت جس کا لگان جمع بندی میں للعہ یا کچھ درج ہے، اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیا تو بجائے للعہ کے سعہ میں اٹھا، اب اس موروثی کھیت کا لگان جو اور جس قدر للعہ سے زیادہ ہوا، اس کا مالک متوفی کا صرف لڑکا ہوا، یا وہ زیادتی لگان بھی شرعاً سب میں تقسیم کرنا چاہیے، مکرر یہ ہے کہ وہ کھیت جو قانوناً موروثی بھی ہے وہ علیحدہ کرنے پر لگان مندرجہ جمع بندی کے علاوہ ہر حال میں متوفی کے وارث کو پہنچتا ہے۔

الجواب

جبکہ وہ جائداد غیر منقسم ہے، اس کا ہر جُز جس میں یہ کیفیت بھی ہے، جملہ ورثہ میں مشترک ہے نہ تنہا متوفی کا پسر اس کا مالک تھا، نہ اب پسر اس کا مالک ہو، برضائے دیگر ورثہ اس کی آمدنی صرف ایک کے صرف میں آنا، جائداد کا اس کو ہبہ نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو جائداد قسمت بلا تقسیم اپنے شریک کو بھی ہبہ کرنا باطل و ناتمام ہے، اب کہ موہوب لہ مرگیا ہبہ باطل محض ہوگیا، اور جائداد جملہ ورثہ باقین و وارثان پسر متوفی میں مشترک رہی۔ درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ[1]۔

ہبہ تام نہیں ہوتا قابلِ تقسیم چیز میں، اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۹

اسی کے موانع الرجوع میں ہے :

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]

میم سے مراد فریقین میں سے کسی ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد اور اگر قبضہ سے پہلے موت واقع ہوجائے تو باطل ہوجائے گا۔ (ت)

یہ موروثیت شرعًا کوئی چیز نہیں، نہ پسر متوفی اسے جبرًا اپنی کاشت میں رکھ سکتا تھا، نہ اس کے بیٹے کو یہ دعوٰی پہنچتا ہے، رہا اس کھیت کا لگان، سوال بصیغۂ مجہول ہے کہ اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیا' معلوم نہیں کس نے اٹھایا، اگر سب ورثہ نے اٹھایا' یا سب کے اذن سے ایک نے اٹھایا' یا ایک نے اٹھایا اور باقیوں نے اسے جائز کیا، تو اس کا لگان حصہ رسد سب شرکاء کی ملک ہے للعہ رہو یا سہ ریا ایک پیسہ، یا ہزار روپے اور ایک مثلاً پسر متوفی نے بے رضائے باقی ورثہ اٹھایا، اور باقیوں نے اٹھانے کے بعد بھی اسے نافذ نہ کیا تو اس کا لگان اسی اٹھانے والے کی ملک ہوگا، مگر اپنے حصہ میں ملک طیب اور اوروں کے حصوں میں ملک خبیث کہ اس پر فرض ہے کہ باقی شرکا کو ان کے حصوں کی قدر اس میں سے دے اور یہی افضل ہے اور ان کے لئے طیب ہے، ورنہ فقراء پر تصدق کرے، اپنے صرف میں لانا حرام ہے۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے :

المنافع لا تتقوم الا بالعقد، وھو صادر منہ بلا وکالۃ سابقۃ ولا اجازۃ لاحقۃ فملکہا الشریک العاقد، لکن ملکہ فی غیر ملکہ ملك خبیث، فیجب علیہ التصدق بہ او دفعہ لشرکائہ خروجا من الاثم، و الثانی افضل لخروجہ من الخلاف ایضًا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں جبکہ یہ عقد مالک سے صادر ہو بغیر سابق وکالت اور بغیر اجازت لاحق کے ہو، تو شریک عقد کرنے والا مالک ہوگا لیکن غیر کے حصہ میں ملک خبیث ہوگی جس کا صدقہ کرنا یا اپنے شریک کو دینا واجب ہے تاکہ گناہ سے فارغ ہوجائے۔ دوسری صورت (شریک کو دینا) افضل ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائے' واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

مسئلہ ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اجیراور ملازم میں کیا فرق ہے، ملازم کا ۲۴ گھنٹہ میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہیں جو ملازمت سے خالی ہو، اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ملازم سے جتنے دن چاہے کام لے جتنے دن چاہے چھٹی دے یا کسی خاص کام پر مقرر کرے، یا مختلف کام اس کے منصب کے موافق لے، اگر کوئی شخص کسی خاص کام پر مقرر ہو تو اس کے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کام جس پر مقرر ہے چھڑا کر دوسرے کام پر ضرورۃً بھیج دے، ملازم کو کوئی عذر کرنے کا موقع نہیں، نہ اس کام کے معاوضہ کا مستحق۔ اجیر میں یہ بات نہیں ہے، وہ مقید نہیں، جتنی دیر کام کرے گا اتنی ہی دیر کی اُجرت کا مستحق ہوگا، جب تک چاہے کام کرے گا جب تک چاہے گا نہ کرے گا، ہاں ملازم سے پہلا کام چھڑا کر دوسرے کام کے عوض میں خود آقا اس کا معاوضہ مقرر کرے تو اس کے لینے کا مستحق ہو جائے گا۔ ملازم مقررہ چھٹیوں میں کام نہ کرنے کی حالت میں تنخواہ کا مستحق اور اجیر کام نہ کرنے کی اُجرت نہیں پا سکتا، اسی طرح اجیر مقررہ وقت میں جتنے گھنٹے کام کرے گا اتنے ہی گھنٹوں کی اجرت کا مستحق ہوگا اور ملازم اگر مقررہ مدت سے ایک دو گھنٹہ کام کرکے بغیر منظوری چھوڑ دے، تو آقا اس کے کل دن کی تنخواہ اس کی کاٹ سکتا ہے، یہ قول اس کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

یہ سب ہوس محض، اور اس کا اختراع بے اصل ہے، شرع میں اجیر اجیر خاص و اجیر مشترک دونوں کو عام ہے، اجیر خاص کو اردو میں ملازم اور نوکر کہتے ہیں، اجیر مشترک پیشہ ور، کہ اجرت پر ہر شخص کا کام کرتے ہیں، کسی خاص کے نوکر نہیں، جیسے راج، مزدور، بڑھئی، درزی وغیرہم ملازم کا اگر وقت معین کیا جائے، مثلاً صبح سے شام تک یا رات کے نو بجے تک، یا مدرسوں کی نوکری ہے، مثلاً ۶ بجے سے ۱۲ بجے تک، پھر ۲ بجے سے ۵ بجے تک، تو وہ اتنے ہی گھنٹوں کا ملازم ہے، مقررہ گھنٹوں کے علاوہ خود مختار ہے کہ اس کا اتنا ہی وقت بیکار رہے، تو زید کا کہنا کہ ملازم کا ایک گھنٹہ بھی ملازمت سے خالی نہیں، جہالت سے خالی نہیں، ملازم جو کسی کارِ خاص پر ہو جیسے مدرس، اس سے وہی خاص کام لیا جائے گا، دوسرے کام کو کہا جائے تو اس کا ماننا اس پر لازم نہیں، ہاں خدمت گار ہر گونہ خدمت کرے گا، مقید نہ ہونا صرف اجیر مشترک راج، بڑھئی، اور ان کے امثال میں ہے جن کا کام بکتا ہے وقت نہیں بکتا۔ اس میں یہ بات صحیح ہے کہ جب تک چاہے کام کرے

کرے گا پائے گا ورنہ نہیں، بخلاف اجیرِ خاص کہ اُس کا وقت بکا ہوا ہے، اُس وقت میں اُسے حرام ہے کہ بے مرضیٔ مستاجر کام سے انکار کرے، اور اگر کام نہ ہو اور وقت دے تنخواہ پائے گا، اور وقت نہ دے تو نہ پائے گا، اگر وقت دس گھنٹے مقرر ہے اور ایک دن کی تنخواہ مثلاً دس آنے ہے اور اجیر نے دو گھنٹے وقت دیا، آٹھ گھنٹے غیر حاضر رہا، تو یہ غلط اور جبر وظلم ہے کہ آقا اس کے کُل دن کی تنخواہ کاٹے گا، ہرگز نہیں بلکہ صرف آٹھ گھنٹوں کی ۸، شریعت کے احکام جو نہ جانتا ہو اس پر حرام ہے کہ احکام لگائے، اس پر فرض ہے کہ جاننے والوں سے پوچھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۱ تا ۲۰۳ از لکھنؤ حضرت گنج سول اینڈ ملیٹری ہوٹل مرسلہ رزاق محمد ۸ رجادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید مسلمان پیشہ ور اور تاجر ہے اور ہوٹل جس میں عموماً انگریز لوگ ٹھہرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں، زید ان کے جملہ طعام و قیام کا منتظم ہے، ان سے نفع اٹھاتا ہے اور ہر چیز مہیا کرتا، اپنے مسافروں کا مثل شراب و سور وغیرہ کے پابند ہے، یعنی اس قسم کی چیزیں بھی وہ خرید کرتا ہے اور ان کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، لہٰذا مسلمان کو ایسی تجارت کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۲) زید ہوٹل کا مالک ہے مگر ہوٹل وغیرہ خود نہیں کرتا بلکہ عمارت کرایہ پر دوسرے لوگوں کو دے رکھی ہے جو اس کو مثل ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں، اور وہی کام کرتے ہیں جو زید کرتا تھا لہٰذا اس کو جو کرایہ ملتا ہے مکان ہوٹل کا، وہ کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) زید بوجہ مسلمان ہونے کے ہر قسم کی امداد اسلامی بھی کرتا ہے، اور حج و زکوٰۃ و صدقہ و خیرات و تعمیر مساجد و یتیم خانہ و کفن دفن و دعوتِ خاص و عام و میلاد شریف وغیرہ کرتا ہے شریعت حقہ کا آمدنی عہ کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) حرام حرام اور موجبِ لعنت۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللّٰہ الخمر و شاربھا وساقیھا ومبتاعھا و بائعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا	یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اور جو اسے پئے، جو پلائے، جو مول لے، جو بیچے، جو نچوڑے، جو نچڑوائے، جو اٹھا کر لائے،

عہ اندازہ سے بنایا گیا ہے ۱۲

والمحمولة الیه[1] (رواہ ابوداؤد وابن ماجة وزاد الترمذی واکل ثمنها[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جس کے لئے اٹھا کر لائی جائے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ ت) اور ترمذی نے یہ زیادہ کیا، جو اسکے دام کھائے ان سب پر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ اس نے صرف مکان کرائے پر دیا ہے، کرایہ داروں نے ہوٹل کیا اور افعال مذکورہ کرتے ہیں تو زید پر الزام نہیں لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[3] (کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگی۔ ت) اس صورت میں وہ کرایہ کے لئے جائز ہے، اگر اس نے کسی اسلامی جگہ میں خاص اسی غرض ناجائز کیلئے دیا تو گنہگار ہے، مگر کرایہ کہ منفعت مکان کے مقابل ہے نہ ان افعال کے، اب بھی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

من اٰجر بیتا لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة . او یباع فیه الخمر بالسواد فلاباس به لان الاجارۃ ترد علی منفعة البیت و لامعصیة فیه انما المعصیة بفعل المستاجر[4] (ملخصا) اقول وھذا ھو محمل ما فی الغمز عن القنیة وفی جامع الرموز عن المنیة وفی المنح عن شمس الائمة الحلوانی وفی رد المحتار عن غرر الافکار عن المحیط عن الامام ان الاجر طیب وان کان السبب حراما[5]، کما حققناہ فی ما علقناہ علی رد المحتار

جس نے مکان کرایہ پر دیا کہ اس میں آتش کدہ یا گرجا یا وہاں شراب فروخت کی جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اجارہ کا انعقاد مکان کی منفعت پر ہوا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے گناہ تو کرایہ دار کے فعل سے ہوا ہے (ملخصا) میں کہتا ہوں جو غمز میں قنیہ سے اور جامع الرموز میں منیہ سے اور منح میں شمس الائمہ حلوانی سے اور ردالمحتار میں غرر الافکار اس میں محیط سے اس میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہو، کا یہی محمل ہے جیساکہ اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۹۱
سنن ابن ماجہ ابواب الاشربة باب لعنت الخمر علٰی عشرۃ اوجہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰
[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۵
[3] القرآن الکریم ۱۸/۳۵
[4] الہدایہ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۷۰
[5] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۸
الاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۲۲

فاحفظه فانه مزلة ومعضلة، واللہ تعالٰی اعلم۔ | حاشیہ میں کی ہے اس کو محفوظ کرلو، یہ پھسلنے کا اور مشکل مقام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) یہ سب افعال اس سے جائز ہیں کہ صورت مذکورہ میں وہ آمدنی ناجائز نہیں، کما تقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴ تا ۲۰۶: از پیلی بھیت محلہ احمد زئی مرسلہ مولوی عبدالسبحان صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱) امامِ جمعہ اور امامِ پنجوقتہ کا اکثر جگہوں پر تنخواہیں مقرر کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ختمِ کلامِ مبارک یعنی رمضان شریف میں نقدی ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) تعلیمِ قرآن اور تعلیم فقہ واحادیث کی اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) تین چار باتیں کہ مستثنٰی ہیں ان میں ختم نہیں، اس کے جواز کا حکم نہایت مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۳) جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر ثواب کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۷: از شفاخانہ فریدپور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پلیمبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے ملازمت کی، اور ملازمت کرنے کے بعد جو کچھ قاعدے تھے معلوم ہوئے کہ ان قانون پر نوکری کرنا ہوگا، اوقات کی پابندی بھی معلوم ہوگئی، اگر زید ان قاعدوں کے خلاف کرے، پورے وقت تک کام نہ کرے، اور قاعدوں کے مطابق نہ کرے، بلکہ کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں صَرف کردے، تو اس کو نوکری کا پیسہ کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو جائز پابندیاں مشروط تھیں اُن کا خلاف حرام ہے، اور بکے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا بھی حرام ہے اور ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۸: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۱۸ مسئولہ عبدالسعید ناگوی ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ چند مسلمان اشخاص کی دکان شرکت میں کلکتہ، بمبئی یا کسی اور مقام پر ہے، دکان کی کل رقم میں تقریباً چہارم سود کا روپیہ لگا ہوا ہے، ایسی دکان میں کسی مسلمان کو ملازمت

کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز اس کی آمدنی سے کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی اعانت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اُس دکان کی ملازمت اگر سُود کی تحصیل وصول یا اس کا تقاضا کرنا یا اس کا حساب لکھنا، یا کسی اور فعل ناجائز کی ہے تو ناجائز ہے،

قال تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سُود کھانے والے، اور سُود دینے والے، اور سُود لکھنے والے، اور سود کے گواہوں پر۔ اور فرمایا: وہ سب برابر ہیں۔

اور اگر کسی امر جائز کی نوکری ہے تو جائز ہے، تنخواہ میں وہ روپیہ کہ بعینہٖ سود میں آیا ہو نہ لے، اور مخلوط و نامعلوم ہو تو لے سکتا ہے۔ یونہی ایسے نامعلوم روپے سے مسجد و مدرسہ کی اعانت بھی ہوسکتی، خصوصًا ایسی حالت میں کہ مال حلال غالب ہے،

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں ذخیرہ سے وہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہمارا یہی موقف ہے جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے معاہدہ اور وعدہ اقرار تقریری اور تحریری کیا تھا کہ اگر عمرو اپنے پاس سے خرچ کرے گا اور کامیابی ہوگی تو بجائے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

دینے معاوضہ میں اپنے نصف مقدمہ میں سے مکان وغیرہ دوں گا یعنی نصفا نصف پر تصفیہ ہوگیا تھا، اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ ابتداء تا انتہا عمرو کی کوشش و جانفشانی اور کثیر روپیہ صرف کرنے کے بعد ہر طرح سے تمام و کمال کامیابی حاصل ہوگئی، تو اب زید ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا نہیں کرتا ہے اور اوروں کے بہکانے سے گریز و انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں کل مسلمانوں کو زید اور اس کے بہکانے والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیے، اور جو زید اور اس کے بہکانے والے ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا کریں، تو کیا اجر ملے گا، اور پورا نہ کرنے میں کیا سزا ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ معاہدہ شرعاً فاسد ہے، اور اس کا پورا کرنا شرعاً جائز نہیں، زید و عمرو دونوں کو ناجائز ہے، عمرو نے جتنا روپیہ صرف کیا وہ ذمۂ زید قرض ہے، اور جو کوشش کی اس کی اجرت مثل پائے گا، یعنی ایسی کوشش پر کیا اجرت ہونی چاہیے، یہ زرِ مجموعہ زید سے لے سکتا ہے، جائداد پر اس کا کوئی دعویٰ نہیں، اور عقد فاسد کے ارتکاب سے دونوں گنہگار ہوئے توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۰ از شہر بریلی کہنہ محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو و بکر بذریعہ زمینداری ایک جگہ کے مالک ہیں، اور زید مہتمم و منتظم ذریعۂ آمدنی زمینداری مذکور کا ہے، اور خالد زید کی طرف سے کارپرداز ہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے ایک قطعہ اراضی کی بابت باہم خالد کارپرداز زید و عبداللہ کے معاہدہ ہوا، کہ ایک مدت تک پاس عبداللہ کرایہ پر رہے گی اور عبداللہ کرایہ ماہ بماہ بحالت خالی رہنے اور کام لانے کی صورت میں زید کو ادا کرے گا اور قبل معاہدہ جو عیب کہ اراضی مذکورہ میں تھا خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا یعنی عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ سابق میں جو کرایہ دار اس اراضی پر بیٹھا تھا اس پر اعتراض محکمہ جنگی کی طرف سے ثابت نہ بیٹھنے اس اراضی پر ہوچکا ہے چنانچہ اس کے جواب میں عبداللہ نے خالد سے کہہ دیا تھا کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا، بعد گزرنے تخمیناً چار ماہ کے وہ صورت عیب کی جس کو خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا عبداللہ پر پیش ہوئی اور حاکمِ وقت کی طرف سے عبداللہ کو جو انتظام کہ اراضی مذکورہ میں عبداللہ کرنا چاہتا تھا اور کررہا تھا، نہ کرنے پر مجبور کیا گیا اور عبداللہ پر مقدمہ قائم ہوکر ایک روپیہ جرمانہ ہوا، اس واقعہ کے چند روز بعد اراضی مذکورہ کو خالی کردیا، خالد کارپرداز زید نے عبداللہ سے کوئی عہد شکنی نہیں کی، اب عبداللہ کو کرایہ خالی اراضی کا دینے میں عذر ہے بلکہ جتنی مدت عبداللہ کا واقعی قبضہ رہا اس قدر بھی کرایہ دینے پر رضامند نہیں، جرمانہ کا روپیہ اور خرچ مقدمہ میں جو روپیہ صرف ہوا ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ

مالکان اراضی پر ہونا چاہئے، ایسی صورت میں عبداللہ کو بموجب تحریر کرایہ نامہ کے کرایہ ادا کرنا چاہئے، یا اراضی خالی کرنے کی تاریخ تک، یا جرمانہ کا ایک روپیہ اور مقدمہ میں جو خرچ ہوا تھا وُہ مجرٰی کرکے ادا کرنا چاہئے، اور خالد کو بھی بموجب کرایہ کے وصول کرنا چاہئے، یا کس قدر اور عبداللہ و زید و عمرو سب مسلمان بھی ہیں۔

الجواب

جرمانہ و خرچ مقدمہ ذمہ مالکان ڈالنا ظلم محض ہے،

قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

دفع مغارم سلطانیۃ بغیر اذن شریکہ لایلزم شریکہ شیئ مما دفع حیث لم یاذن لہ بالدفع لیرجع علیہ بحصۃ منھا[2]۔ اپنے شریک کی اجازت کے بغیر سرکاری جرمانہ دیا تو جو کچھ دیا شریک اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، لہذا ادا کرنے والا شریک سے جرمانہ کا حصہ وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

لحقھم خسران بسبب الدعوی غرمہ احدھم بعد ما قال لہ الباقون ادفع ذٰلک مھما غرمت فعلینا بقدر حصتنا فدفعہ و یرید الرجوع علیھم بقدر حصتھم فلہ ذٰلک[3] اھ، فقد شرط للرجوع فاذا کان ھذا فی الشرکاء فکیف ھنا۔ باقی شرکاء نے کہہ دیا کہ جو ٹیکس لاگو ہو تو ادا کر دینا ہم اپنا حصہ ادا کر دیں گے تو اس نے ادا کر دیا اب یہ باقی حضرات سے ان کے حصے کے مطابق وصول کرنا چاہے تو اس کو یہ حق ہے ان حضرات کے اس دعوٰی کے مطابق یہ ادائیگی برداشت کرنی ہوگی اھ، تو جب وصول کرنے کی شرط مفقود ہو اور معاملہ بھی شرکاء میں ہے تو یہاں کیسے ہوسکتا ہے۔ (ت)

حسبِ بیان سائل زمین سے ٹال رکھنا مقصود تھا، اور چنگی نے اس سے ممانعت کر دی،

---

[1] القرآن ۳۵/۱۸

[2] فتاوٰی خیریۃ

[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴۳

توجب تک ٹال رہی اس کا کرایہ ضرور واجب ہے، اور جب سے خالی کردی اس کا اصلاً استحقاق نہیں، اس بیچ میں جتنے دن عبداللہ کے قبضے میں رہی، اگر اس میں کوئی انتفاع اس نے زمین سے حاصل کیا، اس کے حساب سے کرایہ دے گا ورنہ نہیں، اور دونوں صورتوں کا کرایہ مثل دے گا جو اجرِ مسمی یعنی کرایہ قرار یافتہ سے زائد نہ ہو، مثلاً اجر مثل یعنی بازاری نرخ سے اس کام کے لئے کرایہ روپیہ ماہوار ہے، اور ٹھہرا روپیہ یا روپیہ سے زیادہ تو روپیہ دے گا، اور ٹھہرا بارہ آنے تو بارہ ہی آنے دے گا اس لئے کہ یہ اجارہ اس قرار داد پر ہوا کہ اگرچہ جنگی ممانعت کر دے مالکانِ زمین کو اس سے بحث نہیں عبداللہ کرایہ دے گا، یہ شرط خلاف مقتضائے عقد ہے اس سے اجارہ فاسد ہوا، فریقین پر اس کا فسخ واجب تھا کہ ازالۂ گناہ لازم ہے، اور اجارۂ فاسد میں اجر مثل لازم آتا ہے کہ اجر مسمی سے زائد نہ ہو، متنِ ہدایہ میں ہے:

لو انقطع ماء الرحی والبیت مما ینتفع بہ لغیر الطحن فعلیہ من الاجر بحصتہ[1]

اگر آٹے کی پن چکی کا پانی منقطع ہو جائے اور وہ کمرہ پسائی کے بغیر بھی قابل انتفاع ہے تو اس نفع کے حصہ کا اجر کرایہ دار پر لازم ہے (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

فاذا استوفاہ لزمتہ حصتہ[2]

اگر اس نے فائدہ پایا ہو تو اتنے کا معاوضہ لازم ہوگا۔ (ت)

اس مسئلہ کی غایت تحقیق و تنقیح فتاوٰی فقیر میں ملاحظہ ہو، خلاصہ میں ہے:

وفی مجموع النوازل استاجر حماما ببدل معلوم علی ان علیہ الاجر حال جریانہ وانقطاعہ فھذا الشرط مخالف لمقتضی عقد الاجارۃ فیفسد[3]

مجموع النوازل میں ہے کہ ایک حمام مقررہ کرایہ پر لیا اس شرط پر کہ چالو ہو یا نہ ہو ہر حال میں کرایہ لازم ہوگا تو یہ شرط مقتضیٔ عقد کے خلاف ہے لہٰذا یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الہدایہ کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۱۳

[2] تبیین الحقائق " " المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۱۴۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی " الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۲۱

لوشرط شرطا فاسدا قبل العقد ینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الھزل، وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقدا خالیا عن الشرط، فاجاب بانہ صرح فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرھا بانہ یکون علی ما تواضعا[1] اھ اما فی الدر استاجر رحی فمنعہ الجیران عن الطحن لتوھین البناء وحکم القاضی بمنعہ ھل تسقط حصتہ مدۃ المنع قال لا، ما لم یمنع حسا من الطحن[2] اھ قال ط ثم ش المراد واللہ تعالٰی اعلم ان یحال بینہ وبین الدوارۃ فلا یقدر علیھا[3] اھ فکتبت علیہ اقول یجب حملہ علی ما اذا کان منع القاضی جبرا لخاطر الجیران لا حکما حتما لو خالفہ

اگر فاسد شرط لگائی اگرچہ عقد سے قبل لگائی ہو اور اس کو فریقین عقد کی بنیاد بنائیں تو فساد ہوگا جیسا کہ فقہاء نے مذاقیہ بیع میں اس کی تصریح کی ہے، علامہ خیر الدین رملی سے سوال ہوا کہ دو حضرات نے بیع الوفاء کو عقد سے قبل طے کرلیا اور پھر عقد کے وقت شرط کا ذکر نہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض، تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ بیع طے کردہ شرط پر مانی جائے گی اھ، لیکن جو درمختار میں ہے کہ کسی نے آٹے کی پن چکی کرایہ پر لی اور پڑوسی نے اپنی عمارت کے نقصان کے خدشہ سے پسائی سے روک دیا اور قاضی نے روک دینے کا حکم دیا ہو تو کیا اس روکنے کی مدت کا کرایہ ساقط ہوگا، تو فرمایا کہ ساقط نہ ہوگا جب تک عملاً نہ روک دے اھ۔ اس پر طحطاوی نے پھر شامی نے فرمایا کہ عملاً روک دینے کا مطلب یہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم، کہ ایسی رکاوٹ ڈالی جائے کہ چکی چلانے پر قدرت نہ ہو، اھ۔ میں نے اس پر لکھا ہے، میں کہتا ہوں، اس کو اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جس میں قاضی پڑوسی کی درخواست پر منع کردے نہ کہ ایسی صورت پر کہ یہ قاضی کے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱
[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۶
[3] ردالمحتار " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷

لصادرہ او عزرہ کیف وقد صرحوا قاطبۃ ان لحوق ضرر غیر مستحق بالعقد عذر یفسخ بہ، وھذا منہ لا شك۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکم کی خلاف ورزی کرے اور قاضی اس کو تعزیر لگائے، کیونکہ سب نے تصریح کی ہے کہ ایسا ضرر جو عقد میں شامل نہ ہو، اس کا پایا جانا ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے فسخ ہوسکے گا، اور تعزیر والی صورت ایسا ہی عذر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۱ ازموضع دلیل گنج تھانہ امریا پرگنہ جہاں آباد مسئولہ محب اللہ صاحب ضلعدار ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مسلمان اس ضلع پیلی بھیت میں کاشت موروثی کو جس کی نقشی پختہ ہے گرو رکھتے ہیں، اور کچھ روپیہ اصلی کاشتکار کو دے کر اس کی علیحدہ تحریر کرالیتے ہیں، اور زمین کو اپنی کاشت میں رکھ کر اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور نقشی کا روپیہ زمیندار کو خود ادا کرتے رہتے ہیں اور اس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ دو سال تک یا پانچ سال تک باوجود موجود ہونے روپیہ کے اصلی کاشتکار زمین کو نہیں چھڑا سکتا، مگر بعد گزرنے معاہدہ کے کاشتکار اصلی روپیہ کل ادا کرکے زمین گرو سے چھڑا سکتا ہے، اور بعض بعض شخص اصلی روپیہ میں سے ایک روپیہ سال یا ۸ سال کم بھی لے لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علمائے اس صورت میں زمین کا گرو رکھنا جائز قرار دیا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اصلی کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہوتا مالک زمیندار ہے وہ مستاجر ہے، جب اس نے دوسرے کے پاس گروی رکھی اور زمیندار کی باقی اس دوسرے نے دی اور زمیندار نے اس سے قبول کی، تو یہ رہن کی اجازت نہ ہوئی، رہن و اجارہ جمع نہیں ہوسکتے، بلکہ اب یہ دوسرا شخص مستاجر ہوگیا، اب وہ پہلا جدا ہے اس پر اس دوسرے کا صرف خالص قرض رہا، وہ جب دے اسے قبول کرنا لازم ہوگا، اور زمین چھوڑنا کسی وقت ضرور نہیں، اس زمین سے کاشتکار اصلی کو کوئی تعلق نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۲ ؏ از احمد آباد گجرات محلہ جمال پورہ متصل مسجد کارنج مرسلہ مولانا عبدالرحیم صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں شہر احمد آباد میں بعض "حافظ القرآن" حضرات اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر سوم وچہلم منانے جاتے ہیں اور "کلام مجید" پڑھ کر اموات کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور وہاں سے اجرت لیتے ہیں اور اس میں جُہلاء بہت ثواب سمجھتے ہیں۔ آیا یہ ایصال ثواب کرکے اُجرت لینا جائز ہے یا حرام ہے،

اُجرت لے کر ایصال ثواب کرے تو اموات کی خدمات میں ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؛

اور جو حافظ القرآن اُجرت لے کر ثواب کرنے کے لئے احباب اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر تشریف لے جاتے ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؛ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اُجرت پر کلام اللہ شریف بغرض ایصالِ ثواب پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز، اور پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہ گار، اور اس میں میت کے لئے کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کی مرضی وصیت سے ہو تو وُہ بھی وبال میں گرفتار،

قال اللہ تعالٰی لا تشتروا بایٰتی ثمنا قلیلا۔[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ (ت)

اور یہ کہنا کہ ہم اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور دینے والے بھی ہمیں اللہ کے لئے دیتے ہیں محض جھوٹ ہے، اگر یہ نہ پڑھیں تو وُہ ایک حبہ ان کو نہ دیں، اور اگر وہ نہ دیں تو یہ ایک صفحہ نہ پڑھیں، اور شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ المعروف کالمشروط[2] (معروف مشروط کی طرح ہے۔ ت) بلکہ اس ظاہری

؏ ھذہ الفتوٰی وثلٰثۃ بعدہ کانت متفرقۃ فی ابواب شتّٰی ماعدا باب الاجارۃ فی المجلد الثامن ۱۲ عبدالمنان اعظمی

آٹھویں جلد (قدیم ۸، جدید ۱۹) میں یہ اور اس کے بعد کے تین فتوے مختلف ابواب میں متفرق تھے ان کو اجارہ میں یہاں منتقل کیا گیا ہے عبدالمنان اعظمی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۲

الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

شرط نہ کرنے سے ایک اور خباثت بڑھ جاتی ہے، اجارہ جو امر جائز پر ہو وُہ بھی اگر بے تعین اجرت ہو تو بوجہ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقد حرام ہے، نہ کہ وہ اجارہ کہ خود ناجائز تھا، وہ تو حرام در حرام ہوگیا، یہ حاوی جس میں یہ بیہودہ حکم ۵ ہم درم والا لکھا ہے، حاوی قدسی نہیں، حاوی زاہدی ہے؛ کما فی ردالمحتار[1] (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ ت) اور یہ زاہدی ایک معتزلی بدمذہب تھا' کما فی السد المحتار فی الاسفار[2] (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے۔ ت) اور اس کا یہ حکم قوانین شرع سے محض جُدا، اور یہ تحدید شرع مطہر پر صریح افترا ہے۔

جو حافظ اس کا پیشہ رکھے فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ اسے امام بنانا گناہ، اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب، ہاں اگر اس کی حلت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پڑھوانے والے وقت معین کے ساتھ مثلاً روزانہ صبح کے ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک اور شام کے ۲ بجے سے ۴ بجے تک، یا جو وقت مقرر کریں، ایک اجرت معینہ پر مثلاً ۴ روز یا جو قرار پائے، ان حافظوں کو اپنے کار خدمت کے لئے نوکر رکھیں، اس وقت معین کے لئے یہ ان کے ملازم ہوگئے انھیں اختیار ہے جو کام چاہیں لیں، از انجملہ یہ کہ فلاں میت کے لئے قرآن عظیم پڑھو، اب یہ حلال ہے، دینا واجب اور لینا روا، کہ اب یہ اجارہ قرآن خوانی پر نہیں، بلکہ ان حافظوں کے منافع نفس پر ہے، یہاں تک کہ اگر یہ اس وقت مقرر پر پابندی کے ساتھ حاضر رہیں اور مستاجرین ان سے کچھ کام نہ لیں، جب بھی تنخواہ واجب ہوگی،

لان المستحق علیھم انما کان تسلیم النفس وقد حصل کما ھو حکم "اجیرالواحد"۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ وُہ پابند تھے کہ اپنے نفس کو سونپ دیں اور یہ کام ہوگیا جیسا کہ اجیر خاص کا حکم ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: ازشہر محلہ ملوکپور مسئولہ مولوی امیر اللہ صاحب ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ۵ روپیہ ماہوار کا نوکر تھا، اس نے خود نوکری ترک کر دی، رقعہ کے ذریعہ سے بقیہ تنخواہ مانگی، ذلیقعدہ ستہ حال کی ۲۸ سے چھوڑی، چنانچہ عبارت اس کی بلفظہٖ درج ہے: "میں نے ۲۰ ذلیقعدہ بروز پنجشنبہ کو

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۶

[2] ردالمحتار

کام چھوڑا، اسی ماہ مذکور کی تنخواہ چاہی ہے"۔ چونکہ یہ ذیقعدہ ۳۰ کا ہوا تو ۲۸، ۲۹، ۳۰ تین دن کی تنخواہ منہا ہونی چاہئے یا ایک دن ہفتہ کی، جمعہ کی تعطیل تھی، ترک روزگار کے بعد بھی تعطیل جمعہ و جمعرات ملنا چاہئے، یا ۲ یوم کی واجب ہے؛ اتنے دن کی تنخواہ مجموع آٹھ آنہ ہوئے، ایک دن کی ۲ ء ۲ پائی ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں ۲ء ۲ پائی کاٹو اور دو دن تعطیل کے مجھے ملنا چاہئے، آیا یہ قاعدہ شرعی یا عرفی وغیرہ ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایامِ تعطیل کی تنخواہ بحالِ ملازمت ملتی ہے، شرعاً عرفاً یہی قاعدہ ہے، اگر ترک ملازمت تاریخ ۲۸ سے ہوا تو تین دن کی تنخواہ کا وہ مستحق نہیں،

فان البطالة ترفیة عما علیه من الاشتغال وبعد ترك الاجارۃ لاشغل علیه فلا ترفیة فلا اجرۃ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔

کیونکہ تعطیل لازمی مشغولیت سے آرام کیلئے ہوتی ہے تو اجارہ ختم ہونے کے بعد کوئی مشغولیت نہ رہی تو آرام کا ہے کا تو اجرت کا استحقاق نہ رہا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۱۴: مسئولہ احمد حسن بنگالی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

واعظ یا حافظ نے وعظ یا قرآن ختم کیا اور بغیر طلب کے اگر کسی نے کچھ دیا تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے اگر نہ مشروط ہو نہ معروف، ورنہ واعظ کے لئے علی الاختلاف جائز، اور قرآن خوانی پر بالاتفاق ممنوع علی ما نقلہ "ط" حققہ علامۃ الشامی فی ردالمحتار[1] (طحطاوی کی نقل پر جس کو علامہ شامی نے ردالمحتار میں ثابت رکھا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۵: از بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مقدمہ کے اندر گرفتار ہو کر کسی دوسرے شخص سے اپنی حالت کے واسطے دعا کروائے، اور بھی اس دعا خواں کو کچھ روپیہ چاہئے یا نہیں، اور ان کو روپیہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۴

الجواب

حلال ہے اگر کچھ نہ دینے کا ذکر آیا نہ عرف ورواج کی راہ سے معاوضہ ثابت تھا، اور یونہی بطور حسن سلوک اسے کچھ دے دیا جب تو خود ظاہر کہ اسے لینے میں اصلاً حرج نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کو نماز عمدہ طور پر پڑھتے دیکھے اس کا دل خوش ہو، کچھ روپیہ بطور نذر یا ہدیہ یا انعام کے اسے دے تو اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ اُجرت سے اصلاً تعلق نہیں رکھتا، اور اگر باہم قرارداد ہولیا کہ ہمارے مقدمہ کے لئے فلاں ختم پڑھو اور وقت و اُجرت وغیرہ کی صحیح تعیین کردی جس سے اجارہ میں جہالت نہ رہے، تو یہاں یہ بھی حلال ہے کہ اس صورت میں ثواب مقصود نہیں بلکہ قضائے حاجت کی تدبیر وعلاج، تو یہ اس طرح ہوا جیسے مریض پر پڑھ کر پھونکنے کی اُجرت لے، اس کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک گاؤں میں ٹھہرے، وہاں کے لوگوں نے برخلاف عادت عرب مہمانی نہ دی، رئیسِ دیہہ کو سانپ نے کاٹا، لوگ ان کے پاس آئے، انھوں نے تنو دُنبے ٹھہرالئے، سورۂ فاتحہ شریف پڑھ کر دم کر دی، اچھا ہوگیا، پھر صحابہ کو خیال آیا کہ کہیں قرآن مجید پر اُجرت لینا نہ ہوگیا ہو، ان بکریوں کو نہ کھایا، جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور نے اجازت دی اور فرمایا:

ان احق ما اخذتم علیہ اجرًا کتاب اللّٰہ۔[1] رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما۔

جس چیز پر اجرت لو اس میں سب سے زیادہ حق کتاب اللہ کو ہے۔ اس کو بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ردمحتار میں ہے:

ان المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقًا جوزوا الرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقرأن کما ذکرہ الطحطاوی لانہا لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی[2]

متقدمین جو اُجرت لینا منع فرماتے ہیں انھوں نے بھی دَم کرنے پر اُجرت لینا جائز کہا ہے خواہ یہ دَم قرآن کے ساتھ ہو، جیسا کہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ خالص عبادت نہیں بلکہ ایک علاج ہے (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشرط فی الرقیۃ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴
" کتاب فضائل القرآن ۲/ ۷۴۹ و کتاب الاجارۃ ۱/ ۳۰۴

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

ہاں اگر خالی دعا بغیر کسی ختم یا عمل کے ہو تو اس پر اجارہ ٹھہرانے کے کوئی معنی نہیں کہ اتنے کہنے میں اس کا کیا صرف ہوتا ہے کہ الٰہی فلاں کی حاجت بر لا، جس پر اجرت لے گا، نہ اس پر اجارہ معہود ہے۔

والاجارة انما جوزت استحسانًا علی خلاف القیاس لدفع حاجات الناس فمالیس من اجاراتھم لم یکن من حاجاتھم۔

اور اجارہ کا جواز خلاف قیاس، لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے ہے اور لوگوں میں جو اجارہ مروج نہیں وہ لوگوں کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ذخیرہ سے ہے:

اذا استاجر موضعا معلوما من الارض لیتد فیھا الاوتاد یصلح بھا الغزل کی ینسج جاز لانہ من اجارات الناس، ولو استاجر حائطا لیتد فیھا الاوتاد یصلح علیھا ابریسم لینسج بہ شعرًا او دیباجًا لایجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی لان ھذا لیس من اجارات الناس وفی عرف دیارنا ینبغی ان یجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا لان الناس تعاملوا ذٰلک فی فصلین جمیعًا[1]۔

جب کوئی معین جگہ اجرت پر لی کہ وہاں کیلے گاڑ کر سوت کو کپڑا بُننے کے لئے درست کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ لوگوں کی عادت ہے اور اگر کوئی دیوار کرایہ پر لیا کہ وہاں کیلے گاڑ کر بُننے کے لئے ریشم درست کرکے اُونی یا دیباجی کپڑا بنائے تو یہ جائز نہیں، ہمارے بعض مشائخ نے یُوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ لوگوں کے عادی اجارہ میں نہیں ہے اور ہمارے علاقہ کے عرف میں جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں دونوں چیزوں میں لوگوں کا تعامل ہے، بعض ہمارے مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے۔ (ت)

خانیہ وکبرٰی وعالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لھذہ قال للدلال اعرض ضیعتی وبعھا علی انك اذا بعتھا فلك من الاجر کذا فلم یقدر الدلال علی اتمام الامر ثم باعھا دلال اٰخر قال ابو القاسم لو عرضھا الاول وصرف فیہ

عالمگیریہ کے الفاظ میں ہے، دلال کو کہا کہ میری زمین کو فروخت پر لگا جب تو فروخت کرے تو اتنی اجرت دوں گا تو دلال یہ کام مکمل نہ کر سکا پھر دوسرے دلال نے فروخت کر دی، ابو القاسم نے فرمایا اگر پہلے دلال نے فروخت پر لگائی اور اس نے اس پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوی الکبرٰی کتاب الاجارہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۲

روزجاراً یعتد بہ فاجرمثلہ لہ واجب بقدر عنائہ وعملہ، قال ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا ھوالقیاس، ولایجب لہ استحسانا اذا ترکہ وبہ ناخذ وھو موافق قول یعقوب رحمہ اللہ تعالٰی ھوالمختار۔[1]

روزانہ محنت کی ہو تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو مثلی اجرت اس کی محنت اور کام کے مطابق دینی ضروری ہے، حضرت ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا قیاس یہی ہے لیکن جب پہلے نے عمل ترک کردیا تو اُجرت واجب نہ ہوگی، ہمارا یہی مؤقف ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے یہی موافق ہے، یہی مختار ہے۔ (ت)

اسی میں تبیین سے ہے:

منہا (ای من شرائط صحۃ الاجارۃ) ان تکون المنفعۃ مقصودۃ معتاداً استیفاؤھا بعقدالاجارۃ ولایجری بہا التعامل بین الناس فلایجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثیاب علیہا۔[2] واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

ان میں یعنی اجارہ کی صحت کی شرائط میں کہ مقصود منافع وہ ہوں جن کو عقد اجارہ میں حاصل کرنا لوگوں کی عادت ہو اور لوگوں کا اس پر تعامل نہ ہو اسی لئے کپڑے خشک کرنے کے لئے درخت کرایہ پرلینا درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۶ع از ضلع بارہ بنکی مرسلہ منشی کریم الدین ضلعدار کورٹ علاقہ سورج پور تمام بہتھونڈہ ضلع بارہ بنکی ۱۹ محرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بموجب قاعدہ مجریہ صاحبان بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ و اودھ، ملازمان محکمہ کورٹ آف وارڈمیں کی تنخواہ ماہانہ سے فی روپیہ ار وضع ہوتا ہے، اور اس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاست متعلقہ سے لی جاتی ہے، مثلاً عـہ کے تنخواہ دار سے ۱۲/ وضع کیا گیا، اور ۱۰/ ریاست سے لیا گیا کل ۱۴/ وصول ہوکر سیونگ بنک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے اور اُس پر بنک مذکور کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے، جب ملازمت ختم ہوجائے تو یہ کل زراصل

عـہ ثلثۃ مسائل کانت منشورات فی جلد سابع ۔عبدالمنان اعظمی (یہ تین مسائل ساتویں جلد میں متفرق تھے۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱

[2] " " " الباب الاول " " " ۴/ ۴۱۱

سود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا، آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہو کر بعد ختم ملازمت دیا جائے، ہر طرح وہ اس ملازم کی ملک ہے، اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہو اس کا ۱/۱۲ کہ حسب قرارداد معروف و معہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے، وہ بھی حقیقۃً اسی تنخواہ کا جز ہے، عمرو کا ملازم واقع میں بروئے قاعدہ مقررہ عہ۱۲ ماہوار کا ملازم ہے جسے عمرو گورنمنٹ اور ۱۰ ار ریاست سے ملیں گے، اگرچہ ماہ بماہ عہ۱۲ پائے گا، اور عہ۲ گورنمنٹ کا اور ۱۰ ار ریاست کا جملہ عہ۳ تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں گے، شرعاً اگرچہ یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے کہ ایک جز اجرت ایک مدت مجہولہ کے لئے مؤجل کیا گیا، کیا معلوم کہ ختم ملازمت کب ہو، اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسد بیع و اجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد و گناہ ہو جاتا ہے، اختیار شرح مختار و خزانۃ المفتین میں ہے:

کل جہالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ۔[1] ہر وہ جہالت جو بیع کو فاسد کرتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے (ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

کل جہالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ۔[2] جو جہالت بیع میں مؤثر ہے وہ اجارہ میں بھی مؤثر ہے (ت)

درمختار میں ہے:

کل ما افسد البیع یفسدھا۔[3] جو بیع کو فاسد کرے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے (ت)

اُسی میں ہے:

لایصح البیع بثمن مؤجل الی الحصاد للزرع والدیاس للحب، والقطاف للعنب، وہ بیع جس کے ثمن کے لئے فصل کی کٹائی یا گہائی یا انگور کی اترائی کو میعاد بنایا گیا ہو صحیح نہیں کیونکہ

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/۱۶۵
[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳
[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۷

لانها تتقدم وتتأخر[1] (ملخصًا)۔ یہ امور آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں (ملخصاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الزاھدی باعہ بثمن نصفہ نقد ونصفہ اذا رجع من بلد کذا فھو فاسد[2]

زاہدی میں ہے کسی چیز کو یوں فروخت کرنا کہ اس کی نصف قیمت نقد اور نصف فلاں شہر سے واپسی پر دوں گا تو وہ فاسد ہوگی۔ (ت)

مگر اجارۂ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اُجرت، کہ یہاں وہی اجر مثل ہے واجب ہوجاتی ہے اور وُہ اجیر کی ملک ہے۔ درمختار میں ہے:

حکم الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال[3]

فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ استعمال کر لینے پر مثلی اُجرت واجب ہوتی ہے (ت)

بلکہ منیہ وقنیہ وجامع الرموز ومحیط وغمز العیون وغیرہا کی رُو سے اُس ملک میں خبیث بھی نہیں ہوتا، اجیر کے لئے طیب ہوتی ہے اگرچہ اصل عقد گناہ وفاسد تھا۔ ردالمحتار میں ہے:

الاجر طیب وان کان السبب حراما کذا فی المنیۃ قہستانی[4] الخ ونقل مثلہ السید الحموی فی غمز العیون عن القنیۃ ثم عقبہ بقولہ لم یذکر وجہہ فلینظر[5] اھ وذکر الشامی عن منح الغفار ان شمس الائمۃ الحلوانی قال تطیب الاجرۃ فی الاجارۃ الفاسدۃ اذا کان اجر المثل وذکر فی المسئلۃ قولین واحدھما اصح فراجع نسخۃ صحیحۃ[6] اھ۔

اجرت حلال ہے اگرچہ سبب حرام ہو، جیسا کہ منیہ میں ہے، قہستانی الخ، اور سید حموی نے غمز العیون میں قنیہ سے اس کی مثل نقل کیا ہے اور پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ انھوں نے اس کی وجہ ذکر نہ کی تو غور کرنا چاہئے اھ، علامہ شامی نے منح الغفار سے نقل کیا ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے کہ اجارہ فاسدہ میں اُجرت حلال ہے جب وہ مثلی اجرت کے برابر ہو، اور انھوں نے مسئلہ میں دو قول ذکر کئے اور دونوں میں ایک اصح ہے تو صحیح نسخہ کی مراجعت چاہئے اھ۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

[2] ردالمحتار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۴

[4] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

[5] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[6] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

بہرحال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بنک میں بنام ملازم جمع ہوئی ملک ملازم ہے، رہی وہ زیادت کہ ڈاک خانہ بنام سُود دیتا ہے اسے بہ نیت سود لینا ہرگز جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع وحرم الربٰو۔[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مال گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقم جائز بحال استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں فقراء و مساکین و دیگر اہل استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں، اگرچہ دینے والے اُسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی[2] وقد فصلنا القول فی ھذا المرام فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت پر ملے گا۔ اور ہم نے اس مقصد پر تفصیلی قول اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے جس پر زائد کی گنجائش نہیں۔ (ت)

اصل یہ ہے کہ بیت المال اگر اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو جب انتظامات شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہل استحقاق مثلاً طلبۂ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدمات دینیہ مثلاً درس و تدریس و وعظ و افتا و تصنیف میں صرف کر رہے ہوں اگرچہ لکھوکھا روپے کے مالک اغنیا کثیر المال ہوں۔ اور بیوہ، یتیم، لُنجے، اندھے، فقراء، مساکین، جو کچھ اُس میں سے برضائے سلطنت بے غدر و فتنہ وارتکاب جرائم پائیں اُن کے لئے جائز ہے، اگرچہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے،

فانھم انما یأخذون وینوون ماھولھم فلا باس علیھم مما نوی غیرھم۔

کیونکہ وہ لوگ لیتے ہیں اور اپنی نیت پر فائدہ پاتے ہیں تو غیر کی نیت کا ان پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال وظفر بما ھو موجہ لہ لہ اخذہ دیانۃ، وللمودع

جس کا بیت المال میں جتنا حق ہے اس کے مطابق خود لے لینے میں دیانۃً جائز ہے، اور جس کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

صرف ودیعۃ مات ربھا ولا وارث لنفسہ اوغیرہ من المصارف[1]

پاس امانت ہے اگر امانت رکھنے والا فوت ہوجائے اور اس کا کوئی وارث نہ مصرف ہے تو امانتدار کو صرف کرنا جائز ہے۔ (ت)

وجیز کردری وغیرہ میں ہے:

فاذاکان من اھلہ صرفہ الی نفسہ وان لم یکن من المصارف صرفہ الی المصرف[2]

جب امانتدار خود صرف کا اہل ہے یعنی مصرف ہے تو خود صرف کرسکتا ہے اگر خود مصرف نہ ہو تو مصرف صرف کرے۔ (ت)

اسی طرح تنویر الابصار مسائل شتّٰی وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے، اور جب لینے والے کا دینے والے پر کوئی مطالبہ شرعیہ آتا ہو کہ وجہ صحیح شرعی کے نام سے نہ مل سکتا ہو جب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ ومسلمان وغیر مسلمان کسی کا فرق نہیں رہتا، مثلاً زید نے عمرو کے سو روپے چُرالئے، عمرو کے پاس ثبوت قانونی نہیں، اپنا مال یُوں لینے میں عاجز ہے تو جائز ہے کہ سو روپے تک عمرو سے کسی وجہ جائز قانون کے نام سے وصول کرلے، اگرچہ شرعاً وہ نام ناجائز ہو۔ درمختار میں ہے:

لوامتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ[3] اھ، والتفصیل الجمیل فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب قرضدار قرض کی ادائیگی نہ کرے تو قرض خواہ اپنے حق کی جنس پر قبضہ میں کامیاب ہوجائے تو لے سکتا ہے اھ۔ اور بہترین تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۷: از اروہ بنگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

بھنگ اور افیون کا گورنمنٹ سے ٹھیکہ لے کر دکان کرے تو ٹھیکہ لینا اور دکانداری کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

بھنگ اور افیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام ہے، اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قدر قلیل جزو ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تغییر نہ ہو اندرونی بھی جائز، تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں، تو ان کی بیع حرام نہیں، مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خریدے، لیکن اکثر وہی

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوی الہندیہ کتاب الزکوٰۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸۱

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

ہیں تو ان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اسلم احتراز، اور ٹھیکہ یہاں غالباً بایں معنی ہے کہ گورنمنٹ سے ان کو اجازت دی جاتی ہے، دوسرا نہیں بیچ سکتا، یہ ایک قانونی بات ہے جس کا ان پر الزام نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۸: از شہر ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ برمکان جمعدار سمندر خاں مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر مسجد کے احاطہ میں کوئی درخت پھولوں کا ہو اور وہ ٹھیکہ کسی ہندو کو دیا جائے اور وہ پھول بتوں پر چڑھائے جائیں، اور اس کا پیسہ عمارت مسجد میں لگانا، روشنی وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ٹھیکہ دینا حرام ہے اور اس کا روپیہ حرام، بحرِ بتوں پر چڑھانے کی نیت سے ہو تو اور سخت، اور اگر یہ نہیں بلکہ ہندو کا مال اُس کی رضا سے ایک نام عقد کے حیلہ سے حاصل کرنا ہو، اور اُن پھولوں کے توڑنے کے لئے کافر کا مسجد میں آنا جانا نہ ہو تو حرج نہیں، اور وہ روپیہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۹: مسئولہ محمد محمود از قصبہ باندہ ضلع شاسٹی متصل بمبئی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ کوئی شخص مقرر کرکے بطور اجرت کے وعظ کرے اور وعظ گوئی کو پیشہ اور سلسلۂ معاش جان کر بسر اوقات کرنی اختیار کرے، جائز ہے یا ناجائز؟ تفسیر روفی والے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ناجائز اور قریب حرام کے فرماتے ہیں (آیہ کریمہ): ولا تشتروا باٰیٰتی ثمنا قلیلا[1] (اور میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ ت) فقط۔

الجواب

اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اُجرت لینی حرام ہے۔ درمختار میں اسے یہود ونصارٰی کی ضلالتوں میں سے گنا[2]، مگر کم من احکام یختلف باختلاف الزمان، کما فی العلمگیریۃ

عہ مسئلتان من مجلدات سوی ما ذکرت ۱۲ عبدالمنان اعظمی (یہ دو مسئلے مختلف جلدوں میں تھے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[3] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

(بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ ت)

کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالاتِ زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنٰی کیں: اَمامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گنا ولبس، فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں: میں چند چیزوں پر فتوٰی دیتا تھا، اب ان سے رجوع کی، از انجملہ میں فتوٰی دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے، مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہٰذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۰: مسئولہ مولوی عبدالرحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ فیض الغرباء ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

فیض الغرباء آرہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچہری کی ججی، سب ججی، منصفی، رجسٹراری کی نوکری شرعاً جائز بلاکراہت ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

جس نوکری میں خلاف ما انزل اللہ حکم کرنا پڑتا ہو ہرگز جائز نہیں، اگرچہ سلطنت اسلام کی ہو، ائمہ دین نے تیسری صدی کے آخر میں اپنے زمانہ کے سلاطین اسلام کی نسبت فرمایا: من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر (جس نے ہمارے زمانہ کے حاکم کو عادل کہا وہ کافر ہے۔ ت) ان قضاۃ کی نسبت قرآن عظیم میں تین الفاظ ارشاد ہوئے ظالمون[1]، فاسقون[2]، کافرون[3]، جب قاضیانِ اسلام سلطنت کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں۔ رہی رجسٹراری، اس میں اگرچہ حکم نہیں مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انہیں رجسٹر پر چڑھانا، اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت

---

[1] القرآن الکریم ۵/۴۵

[2] " ۵/۴۷

[3] " ۵/۴۴

اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

فرمائی سُود کھانے والے اور سُود دینے والے اور اس پر گواہی کرنے والوں پر، اور فرمایا سب برابر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

۲ ۱۳

اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی

(دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کیلئے بہترین مہمانی)

مسئلہ ۲۲-ب از بدایوں ۷ رجادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ ٹھیکہ دیہات کا جو فی زماننا شائع و ذائع ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ زمین تو مزارعین کے اجارہ میں بدستور ہے، اور توفیر مستاجر کو ٹھیکہ میں دے دی گئی کہ اس قدر توفیر کا گاؤں اتنے میں تمھیں ٹھیکہ دیا، بحساب اقساط اس قدر بلا عذر کمی وصول وغیرہ ادا کرد، پھر اگر ٹھیکہ دار نے رقم معین سے کسی قدر اگرچہ ایک پیسہ ہو یا ہزار روپیہ زائد وصول پایا وہ اس کا حق سمجھا جاتا ہے، اور وصول میں کمی رہے تو اس مقدار کا اپنے گھر سے پورا کرنا پڑتا ہے، یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر بیشی مستاجر کو قدر زائد اور درصورت کمی مؤجر کو مقدار باقی لینا حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر اسے ناجائز کہا جائے تو کیا فرق ہے کہ مزارعین کو زمین ٹھیکہ پر دینا جائز ہے، اور یہ

صورت ناجائز۔ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ ت)

الجواب

یہ ٹھیکہ شرعاً محض باطل و ناجائز ہے، ہرگز ہرگز کوئی صورت اس کے جواز و حلت کی نہیں، نہ یہ معاہدہ کسی قسم کا اثر پیدا کر سکے، نہ عاقدین پر اس کی پابندی ضرور، بلکہ فی الفور اس کا ازالہ واجب، نہ مقدار وصول میں ٹھیکہ دار کا کچھ حق، نہ گاؤں سے اس کو کسی قسم کا تعلق۔ اس پر فرض ہے کہ جس جس قدر منافع خالص وصول ہو کوڑی کوڑی مالک کو ادا کرے، خواہ وہ رقم معین سے زائد ہو یا کم، اگر ایک پیسہ اس میں سے رکھ لے گا اس کے لئے حرام ہوگا، نہ مالک کا مقدار وصول سے زیادہ میں کچھ استحقاق، مثلاً ہزار کو ٹھیکہ دیا نو سو وصول ہوئے، تو اسی قدر مالک کے لئے حلال ہیں، نو سو روپے سے کوڑی زائد لے گا تو اس کے لئے حرام محض ہے، اور گیارہ سو کی نشست ہوئی تو یہ پورے گیارہ سو خاص مالک کے ہیں، ٹھیکہ دار[عہ] کا ان میں ایک حبہ نہیں یہاں تک کہ اگر ٹھیکہ دار توفیر سے دست بردار ہو کر یہ چاہے کہ حق محنت میں کچھ اجرت ہی پاؤں، تو اس کا بھی مطلق استحقاق نہیں،

لانہ انما عمل لنفسہ والباطل شرعا لاینقلب صحیحا بالتراضی فیجب علیھما التخلی عنہ ازالۃ للمنکر وقد اوجبوا التفاسخ فی العقود الفاسدۃ تاثما فما ظنک بالباطلۃ۔

کیونکہ اس نے اپنے لئے کام کیا ہے، اور شرعاً باطل چیز باہمی رضامندی سے صحیح نہیں بن سکتی تو دونوں پر اس سے علیحدگی ضروری ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہو سکے جبکہ فقہاء کرام نے فاسد عقود میں فسخ کرنا لازم قرار دیا ہے تو باطل عقود میں تیرا کیا خیال ہے۔ (ت)

جن لوگوں کے پاس کسی حیثیت دیہی کا چند سال تک ٹھیکہ رہا ہو اُن پر فرض ہے کہ تمام برسوں کی واصل باقی بلحاظ تحصیل خام لگا کر ایک دوسرے کے مواخذہ سے پاک ہو جائیں مثلاً زید نے عمرو کو اپنا گاؤں بعوض ایک ہزار روپے کے تین برس تک ٹھیکہ دیا اور تین ہزار روپے وصول پائے، اب دیکھا جائے کہ عمرو کو ان برسوں میں کیا وصول ہوا تھا، اگر ہر سال مثلاً بارہ سو روپے پائے تھے تو اس پر چھ سو روپے زید کے واجب الادا تھے اور ہر سال آٹھ سو روپے ملے تھے تو چھ سو اس کے زید پر ہے، اور ایک سال ہزار پائے تھے، دوسرے سال آٹھ سو، تیسرے سال بارہ سو، تو دونوں بے باق ہیں افسوس کہ عام بندے یہاں تک کہ علماء اس مسئلہ سے سخت غافل ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

[عہ] فی الاصل "کٹکنہ دار" لعلہ زلۃ من الناسخ ۱۲۔

العلی العظیم۔

اصل کلی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتا ہے یونہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خاص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شئی بدستور ملک مالک پر باقی رہے، اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے، جو اجارہ خاص کسی عین و ذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے اَللّٰھُمَّ اِلَّا مَا اسْتَثْنَاہُ الشَّرْعُ کَاِجَارَۃِ الظِّئْرِ لِلْاِرْضَاعِ (ہاں مگر وہ جس کو شرع نے مستثنٰی کردیا جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ۔ ت) وغیر ذلک۔ اسی لئے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لئے ناجائز، کہ سکونت منفعت اور ثمر عین، گائے کو لادنے کیلئے اجارہ میں لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین، حوض سنگھاڑے رکھنے کیلئے اجارہ میں لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے یونا منفعت ہے، مچھلیاں عین،

فی ردالمحتار عن البزازیۃ الاجارۃ اذا وقعت علی العین لاتصح فلایجوز استیجار الآجام والحیاض لصید السمک او رفع القصب وقطع الحطب او لسقی ارضہا او لغنمہ منہا وکذا اجارۃ المرعی، والحیلۃ فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیۃ، ویبیح الماء والمرعی الخ۔[1] وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ قد صرحوا بان عقد الاجارۃ علی اتلاف الاعیان مقصودا کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنہا، لاینعقد وکذلک لواستاجر بستانا لیاکل ثمرتہ۔[2] والمسئلۃ مصرح بہا فی منح الغفار وکثیر من

ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ جب اجارہ عین کی ہلاکت پر ہو تو صحیح نہ ہوگا جیسے پودوں کے ذخیرے اور حوض مچھلی پکڑنے اور ناڑ کاٹنے اور لکڑی کاٹنے یا ان زمینوں کو سیراب یا جانوروں کو پلانے کے لئے اور یونہی چراگاہ اجارہ پر لینا اور ان سب امور کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہاں کوئی معین جگہ جانور رکھنے کے لئے کرایہ پر حاصل کرے اور پانی اور چارہ کو مالک مباح کردے الخ، اور فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ عین چیز کو تلف کرنے پر اجارہ منعقد نہ ہوگا جیسے گائے دودھ کے لئے اور باغ کو اس کا پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینا، جبکہ یہ مسئلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[2] فتاوٰی خیریہ " دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

الکتب۔ — منح الغفار اور بہت سی کتب میں تصریح شدہ ہے۔ (ت)

اب اسی اجارہ کو دیکھئے تو یہ ہرگز کسی منفعت پر وارد نہ ہوا کہ زمین بغرضِ زراعت تو مزارعین کے ٹھیکہ میں ہے، بلکہ خاص توفیر یعنی زرحاصل یا بٹائی کا غلّہ اجارہ میں دیا گیا اور اسی کا استہلاک مفاد عقد ہوا، اذ من المعلوم ان الحبوب والنقود لاینتفع بہا الا باتلافہا (اور ظاہر ہے دانے اور نقد زر سے ان کی ہلاکت کے بغیر نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ت) اور پُرظاہر کہ زر و طعام اعیان سے ہیں نہ منافع سے اگرچہ محاورۂ ہندیان میں تمام حاصلات دیہی کو بلفظ منافع تعبیر کیا جاتا ہے، عین اشیائے قائمہ بالذات کو کہتے ہیں، اور منفعت معانی حاصلہ فی الغیر، عین امور محسوسہ کی جنس سے ہے اور منفعت معنی معقول، عین کو چند زمانے تک بقا ہے، اور منفعت ہر آن متجدد،

فی ردالمحتار المنفعۃ عرض لاتبقی زمانین[1]۔

ردالمحتار میں ہے نفع ایک عرض چیز ہے جس کا وجود دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔ (ت)

اب نفس جزئیہ کی تصریح کلمات علمائے کرام سے لیجئے، امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ فاضل مدقق صاحبِ درمختار رحمہ اللہ تعالٰی علیہما فتاوٰی خیریہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ، وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنہا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری والمزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ اوما یجب علی المتقبلین من اجرۃ الحوانیت اولاجل تناول ثمرۃ الاشجار من بساتین القری وحصۃ الوقف من الزرع الخارج فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا لافرق

اگر اجارہ عین چیز کے اتلاف پر مقصود ہو تو باطل ہوگا جیسا کہ تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے اور جیسے گائے کو دودھ کے لئے اجارہ پر ہوجائے گا جو منعقد نہ ہوگا تو جب زید نے دیہات زمین اور دکانیں اجارہ پر حاصل کیں تاکہ حصہ کی آمدنی یا مقررہ کرایہ وصول کرے یا دکانوں کا کرایہ حاصل کرے یا دیہاتوں کے باغات کے پھل کھائے یا اوقاف کی زمینوں کا فصلانہ وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لے تو یہ اجارہ باجماع علماء باطل ہے اس میں زید و بکر کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳

بین زید وبکر فی ذٰلك لانہا باطلة والحال ھٰذہ والباطل یجب اعدامہ لاتقریرہ فترفع ید زید وعمرو عن القری والمزارع والحوانیت[2]

کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ باطل ہے جب یہ صورت ہے تو اس باطل کا ازالہ ضروری ہے نہ کہ اس کو بحال رکھنا جائز تو زید وعمرو کا قبضہ ان سے ختم کرنا ضروری ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سئل فی الالتزام والمقاطعة علی مایتحصل من قریة الوقف من خراج مقاسمة وغیر ذٰلك بمال معلوم من احد النقدین یدفعہ الملتزم ویکون لہ مایتحصل منہا قلیلا کان اوکثیرا ھل یجوز ام لا۔ اجاب، الواقع علیہ فی المقاطعة المشروحة اعیان لامنافع فہی باطلة بالاجماع، واذا وقعت باطلة کانت کالعدم[1] الخ ملخصا۔

آپ سے سوال ہُوا کہ وقف گاؤں کے حصہ کی وصولی کا ٹھیکہ وغیرہ مقررہ مال کے بدلے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، ٹھیکہ قلیل مال ہو یا کثیر ہو۔ تو جواب دیا کہ یہ ٹھیکہ عین اشیاء پر ہے منافع پر نہیں ہے لہذا یہ بالاجماع باطل ہے، تو جب باطل ہے تو کالعدم ہے الخ ملخصاً (ت)

اسی میں ہے:

سئل ایضا فی تیماری أجرالمتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم ھل تصح ام لا، اجاب لاتصح وعلی کل واحد منہما رد ماتناولہ[2] الخ۔

کھجور کے باغ والے نے حاصل ہونے والے پھل کا مقررہ نقد پر دوسرے کو ٹھیکہ دیا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور فریقین پر لازم ہے جو کچھ لیا دیا ہے واپس کریں الخ۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریة — کتاب الاجارة — دارالمعرفة بیروت — ۲/۱۲۶

[2] " — " — " " " — ۲/۱۲۶

[3] فتاوٰی خیریة — " — دارالمعرفة بیروت — ۲/۱۲۸

المقرر فی کلام مشائخنا باجمعهم ان الاجارة تملیك نفع بعوض وانها اذا وقعت علی استهلاك الاعیان فهی باطلة ومما صرحوا به ان من استاجر بقرة لیشرب لبنها او کرما لیاکل ثمرته فهو باطل ومما یقطع الشغب قولهم "جعل العین منفعة غیر متصور" فاذا علم ان الاجارة اذا وقعت علی استهلاك الاعیان قصدا وقعت باطلة فعقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزراع ونحوه بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیه اعنی الخراج الموظف والمقاسمة وما علی الاشجار من الدراهم المضروبة فهو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم له باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانه لزم المستاجر ان یرد جمیع ما تناوله من المزارعین من غلال ونقود وغیر ذلك[1]

ہمارے تمام مشائخ کے کلام میں ہے کہ اجارہ منافع کا عوض کے بدلے مالک بننے کا نام ہے اور اگر یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہو تو باطل ہوگا، اور ان کی تصریحات میں ہے کہ جو شخص گائے کو دودھ پینے کے لئے یا انگور کا درخت پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لے تو یہ باطل ہے اور اس عمل کے غلط ہونے پر ان کا یہ قول قطعی ہے کہ عین چیز کو نفع بنانا متصور نہیں ہوسکتا، تو جب معلوم ہوجائے کہ اجارہ قصدًا عین چیز کو ہلاک کرنے پر واقع ہوا ہے تو باطل ہوگا تو اجارہ مذکورہ جب زمین سے انتفاع پر نہیں بلکہ زمین سے حاصل آمدن کو وصول کرنے پر دو طرح سے یعنی مقررہ حصہ کی وصولی اور درختوں کے پھل کی وصولی کے عوض مقررہ دراہم، تو یہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے اور باطل چیز کا ہمارے علماء کے اتفاق کے مطابق کوئی حکم نہیں ہے اور جب ہم نے باطل کہہ دیا تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے جو کچھ مزارعین سے غلّہ یا نقد وصول کیا واپس کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان الاجارة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلة فلا یملك المستاجر ما وجد من تلك الاعیان بل هی

معلوم ہونا چاہئے کہ جب اجارہ قصدًا عین چیز کو تلف کرنے پر ہو تو وہ باطل ہوگا مستاجر جو کچھ بھی ان اعیان چیزوں میں سے حاصل کرے وہ اس کا مالک

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۳۶-۱۳۵

علی ما کانت علیہ قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولہا ویضمنہا بالاستہلاک لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیہا لعدم ملکہ و ذٰلک کاستئجار بقرۃ لیشرب لبنہا او بستان لیأکل ثمرتہ ومثلہ استئجار ما فی ید المزارعین لاکل خراجہ الذی یحصل بالمقاسمۃ فانہ عین وقع علیہا الاستئجار قصدا ومثلہ باطل کما علمت[1]

نہ بنے گا بلکہ یہ اجارہ سے قبل کی حالت پر ہوں گی لہذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لی جائیں گی اور اگر وُہ ان کو ہلاک کرچکا ہو تو ان کا ضمان اس سے وصول کیا جائیگا کیونکہ کسی چیز میں باطل موثر نہیں ہوتا اس لئے اس پر ان میں تصرف حرام ہوگا کیونکہ وہ ان کا مالک نہیں ہے اور یہ گائے کے دُودھ یا باغ کو پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا اور اسی کی مثل مزارعین سے مقررہ حصہ کی وصولی کا مالک بننے کے لئے ٹھیکہ لینا ہے کیونکہ یہ بھی عین چیز پر قصداً اجارہ ہے اور ایسی صورت باطل ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے (ت)

اسی میں ہے :

الاجارۃ المذکورۃ باطلۃ غیر منعقدۃ لما صرح بہ علماؤنا قاطبۃ من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ فاذا علم ذٰلک فلیس للمستاجر ان یتناول شیئا من الغلال[2] اھ۔

مذکورہ اجارہ باطل ہے اور غیر منعقد ہے جیسا کہ تمام علماء تصریح کرچکے ہیں کہ جب اجارہ قصداً عین چیز کو تلف کرنے کے لئے ہو تو وہ منعقد نہیں ہوتا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہیں ہوتا ، جب یہ معلوم ہوگیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ وہ کوئی آمدن وصول کرے اھ۔ (ت)

ردالمحتار علی درمختار میں ہے :

اما ما یفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنہا من لہ ولایتہا لرجل

لیکن وُہ عمل جو اس زمانہ میں کیا جارہا ہے کہ کارمختار کسی مقررہ معاوضہ پر زمینوں کے حصّہ

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹
[2] " " " " " " ۲/ ۱۱۷

بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتہا ونحوہ فہو باطل، اذلا یصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا و لا بیعا لانہ معدوم[1] اھ قلت وھکذا افصح بہ الفاضل المحقق مولٰنا امین الملۃ والدین محمد بن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب رد المحتار علی درالمختار فی کتابہ النفیس الجلیل الحری بان یکتب علی الحناجر ولو بالخناجر المسمّٰی "بالعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" وغیرہ فی غیرہ والعبد الضعیف الاٰن فی قریۃ بعیدۃ عن وطنی لیس عندی ھھنا من الکتب الفقھیۃ الارد المحتار و الخیریۃ لولا ذٰلک لاثبت بتصریحات جلیلۃ اخری تفتح اعین الغافلین وفیما اوردنا کفایۃ للعاقلین، والحمد للہ رب العٰلمین۔

کی وصولی کو ٹھیکہ وغیرہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ درست نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو فنا کرنے پر اجارہ ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ وہ قابلِ وصول حصہ ابھی معدوم ہے اھ، میں کہتا ہوں اور یونہی فاضل محقق مولانا امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی صاحبِ ردالمحتار حاشیہ درمختار نے اپنی کتاب جو کہ نفیس جلیل اس قابل ہے کہ اسکو حلقوموں پر لکھا جائے اگرچہ خنجروں سے لکھا جاسکے جس کا نام "العقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ" ہے اور دیگر علماء نے دیگر کتب میں فرمایا اور بندہ ناتواں بندہ اس وقت اپنے وطن سے دُور ایک قریہ میں ہے میرے پاس سوائے ردالمحتار اور خیریہ کوئی بھی فقہ کی کتاب نہیں ہے اگر یہ عذر نہ ہوتا تو میں ایسی مزید تصریحات جلیلہ کو بیان کرتا جو غافل حضرات کی آنکھوں کو کھول دیتیں، اور جو کچھ میں نے ذکر کردیا ہے وہ عقل والوں کے لئے کافی ہے، والحمد للہ رب العالمین۔ (ت)

ان نصوص صریحہ کے بعد بھی حکم میں کچھ خفا باقی ہے؟ اور یہیں سے ظاہر ہوگیا وہ فرق جس سے سائل سوال کرتا ہے کہ مزارعوں کو زمین بغرضِ زراعت دی جاتی ہے، وہاں اجارہ بونے جوتنے پر وارد ہوتا ہے کہ وُہ منفعت ہے، نہ کسی عین کے استہلاک پر فافترقا، اسی لئے امام خیرالدین نے ارشاد فرمایا:

عقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع

مذکورہ عقد اجارہ زمین سے زراعت کے انتفاع وغیرہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ مسائل شتّٰی فی الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۷

على الانتفاع بالارض بالزراع ونحوه بل اخذ المتحصل[1] الخ كما اسمعناك نصه۔

پرواقع نہیں بلکہ متحصل کی وصولی پر ہوتا ہے الخ، جیسا کہ ہم نے ان کی نص آپ کو سنادی ہے۔ (ت)

معہذا کچھ فرق نہ سہی جب شرع مطہر سے اس کی حلت اور اس کی حرمت ثابت، پھر مجالِ مقال کیا ہے،

قالوا انما البيع مثل الربٰو واحل البيع وحرم الربٰو[2] والله تعالٰى المسئول لاصلاح احوال الامة المرحومة ولاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم۔

انھوں نے کہا بیع بھی ربا کی طرح ہی ہے، حالانکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام فرمایا ہے، اور اللہ تعالٰی سے ہی امت مرحومہ کی اصلاح کے لئے سوال ہے، بھلائی کی طرف پھرنا اور نیکی کی قوت صرف اللہ بلند و عظیم سے ہے (ت)

ہوا یہ کہ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنے دیہات کا کام خود نہ کرنا چاہا اور دوسرے کو بطور کارپردازی بتقرر تنخواہ سپرد کردینے میں غبن کثیر و محنت قلیل و بے پرواہی کارندگاں کا احتمال قوی سمجھا،

كما هو مشاهد فى كثير من ابناء الزمان الا من عصمه الله وقليل ماهم۔

جیسا کہ بہت سے اہل زمان میں یہ مشاہدہ ہے، ہاں اللہ تعالٰی جس کو محفوظ فرمائے، اور وہ قلیل لوگ ہیں۔ (ت)

بخلاف اس صورت کے جب ایک شخص کے ذمہ رقم محدود باندھ دی جائے اور یہ قرار پائے کہ جہاں سے جانے اسے پورا کرے، یہاں تک کہ اس پر ضمانتیں یا ایک سال کی توفیر پیشگی لی جاتی ہے تو احتمال غبن کے تو کچھ معنی ہی نہ رہے، کوشش و دلسوزی اول تو کیونکر نہ کرے گا، اور نہ بھی کرے تو اپنا کیا نقصان، اس قسم کی باتیں ذہن میں جما کر یہ عقد باطل عاطل ایجاد کیا حالانکہ یہ بھی ان کی نادانی کا نتیجہ تھا، کاش! اگر حضرات علماء لاخلا الکون عنھم وکثر اللہ فی بلادہ امثالھم (کائنات ان سے خالی نہیں ہے اللہ تعالٰی ان جیسوں کی کثرت اپنے تمام بلاد میں فرمائے۔ ت) کی طرف رجوع لاتے تو ایسی صورت نکلنا ممکن تھی جس میں ان کا اطمینان بھی رہتا، ٹھیکہ دار کے سر رقم معین ہوجاتی غبن وغیرہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کے خدشوں سے نجات ہاتھ آتی، اور موجر و مستاجر دونوں اکلِ حلال کھاتے نافرمانی ملک جبار سے امان پاتے مگر کم ہیں وہ پاک مبارک بندے جنھیں اپنے دین کا اہتمام ہے، الٰہی اس اذل و ارذل کو اپنے ان محبوبوں کا خاکپا بنا اور امتِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اصلاحِ احوال فرما آمین بجاہ ھذا النبی الکریم علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۱ از شاہجہانپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ بشیر الدین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ زید کا ایک موضع ہے جس میں قدیم الایام سے ایک بُت خانہ ہے اور اس کے چڑھاوہ میں قریب تین سو روپیہ سالانہ کے رقم آتی ہے زید بوجہ قدامت کے بتخانہ کو دفع نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی پرستش کو بند کرسکتا ہے، اصلی آمدنی موضع مذکور کی دو سو روپیہ سالانہ ہے، ایک ہندو ٹھیکہ دار موضع مذکور کا چار سو روپیہ پر لینا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ اصلی آمدنی کی موضع مذکور کی صرف دو سو روپیہ سالانہ ہے، ٹھیکہ دار رقم چڑھاوہ کے خیال سے دو سو روپیہ اصلی آمدنی پر بڑھاتا ہے مگر زید کوئی تفصیل آمدنی موضع اور آمدنی چڑھاوہ کی نہیں کرتا ہے بلکہ یہی کہتا ہے کہ میں ٹھیکہ موضع کا دیتا ہوں، تو زید کا چار سو روپیہ سالانہ پر موضع مذکور کا ٹھیکہ دینا ہندو کو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سرے سے دیہات کا یہ ٹھیکہ ہی جس طرح آج کل رائج کہ زمین زراعت پر مزارعین کے پاس رہتی ہے اور ٹھیکہ دار توفیر کا ٹھیکہ لیتا ہے بالاتفاق حرام ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی تیماری أجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم ھل تصح ام لا، اجاب لاتصح، وعلٰی کل واحد منھما رد ماتناولہ[1]

ان سے سوال ہوا ایک نے اپنے کھجور کے باغ سے حاصل ہونیوالے پھل کو دوسرے کو مقررہ رقم سے ٹھیکہ پر دیا، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں، اور فریقین پر لازم ہے کہ وہ لین دین واپس کریں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

اسی میں ہے :

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافھا فھی باطلۃ، فاذا علم ذٰلک علم الحکم فی اجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ وانہ باطل وقد افتیت بذٰلک مرارا وصورۃ مارفع الحق فی قریۃ اٰجرھا المتکلم علیھا لاٰخر لیتناول ما یحصل من خراجھا ورسوم انکحتھا وزکٰوۃ مواشیھا ھل یجوز فاجبت فانھا باطلۃ لاتجوز[1] الخ۔

ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ جب اجارہ عین چیز کو کھانے یا تلف کرنے پر ہو تو باطل ہوگا، جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے دیہات کی آمدن یا وہاں سے حاصل ہونے والے حصہ کو ٹھیکہ پر دینے کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ باطل ہے، اور اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہوں، اور میرے پاس مسئلہ کی جو صورت پیش ہوئی وُہ یہ تھی کہ ایک قریہ کے مختار نے وہاں سے حاصل ہونے والی آمدن، وہاں ہونے والے نکاحوں کے مروجہ عطیات اور جانوروں کی زکوٰۃ کا ٹھیکہ دوسرے شخص کو مقررہ رقم پر دے دیا تو کیا یہ جائز ہے، تو میں نے جواب دیا کہ یہ ناجائز اور باطل ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اما ما یفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنھا من لہ ولایتھا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا ونحوہ فھو باطل اذ لایصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولا بیعا لانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ[2]۔

لیکن وُہ عمل جو آج کل لوگ کرتے ہیں کہ قریہ سے حاصل ہونے والی آمدن کے حصّے کو مختار کار شخص دوسرے کو ٹھیکہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ عین چیز کو تلف کرنے پر یہ قصداً اجارہ ہے بیع نہیں ہے کیونکہ محصولات ابھی معدوم ہیں جیسا کہ خیریہ میں اس کا بیان ہے (ت)

بلکہ جواز کی یہ صورت ہے کہ جس مال سے ٹھیکہ دے سال تمام پر خیال کرے کہ کتنے مزارعوں کا پٹہ ہنوز باقی ہے، جس جس کا ہوان سے اجازت لے کہ اب ہم یہ سارا گاؤں یا اس کی فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر تمام و کمال فلاں شخص کو زراعت کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دیتے ہیں تم اجازت دے دو

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹-۱۳۰

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

(اور انھیں سمجھا دے کہ یہ زمین ہمیشہ تا میعاد پٹہ تمھارے ہی پاس رہے گی، ہم اپنے ایک مسئلہ شرعی کے لحاظ سے یہ امر کرتے ہیں) جب وہ اجازت دے دیں تو مستاجر سے کہے اس سارے گاؤں یا اس میں فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر کی زمین اس قدر روپے سالانہ پر زراعت کے لئے ہم نے تیرے اجارہ میں دی کہ تجھے اختیار ہے جو چاہے بوئے وہ قبول کرلے، اب اجارہ صحیح ہوگیا، اور جو روپیہ قرار پایا مالک کو لینا حلال ہوگیا خواہ مستاجر خود زراعت کرے یا دوسروں کو اٹھادے۔

غرض زبانی عقد یُوں کرلیا جائے کہ شرع میں اسی کا اعتبار ہے، دستاویز میں اگر یوں لکھا جانا انگریزی طور پر کچھ خلل انداز ہو تو اختیار ہے کہ تحریر ٹھیکہ اسی قاعدہ رائجہ پر کرلے کہ شرعًا وہ تحریر خلاف تقریر کوئی چیز نہیں، خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونہ یصدر من لفظہ فی محکمۃ ویکتب فی حجۃ فی سجلات فلیس بلازم شرعا واللفظ بانفرادہ کاف شرعا والزیادۃ لایحتاج الیھا[1]

لیکن محکمہ میں آرڈر اور رجسٹروں میں اندراج شرعًا کوئی شرط نہیں صرف لفظی عقد ہی کافی ہے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ لا لما کتب الکاتب[2] اھ ملخصین۔

تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کے لکھے ہوئے کا اھ، دونوں عبارتیں ملخص ہیں (ت)

رہا یہ کہ مستاجر کو اس پر نفع لینا مثلاً سو روپے سال پر ٹھیکہ لے، اب اپنی طرف سے ایک سو یا سوا سَو پر اٹھادینا کس حالت میں روا ہوگا، اس کی صورتیں جدا ہیں جن کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں کہ وُہ صورتِ مستفسرہ میں کافر ہے، اُسے احکامِ شرعیہ کی کیا پرواہ، نہ ہمیں کوئی ضرورت کہ اس کے لئے اکلِ حلال کی تدبیر کریں،

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت[3]

خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۱۶

[2] " " " ۱/۳۰-۱۲۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/۲۶

اس طور پر اصل اجارہ بھی جائز ہوگیا، اور وہ مندر کا خدشہ بھی دفع ہوا کہ اس نے تو زمین زراعت کیلئے ٹھیکہ پر دی ہے، آگے جو نافرمانیاں ناحفاظیاں ٹھیکہ دار کرے اس کے سر ہیں، اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ اجارۂ دیہات کی تمام تحقیق فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے رسالہ "اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری" میں ذکر کی جس کی ضرورت نہایت اشد، کہ آج کل ایک زمانہ اس سے غافل، اور صحیح وجائز طریقہ ملتے ہوئے صرف جہالت کے سبب گناہِ عظیم و اکل حرام میں مبتلا، نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۲۲۲: از شہر کہنہ نواده مرسلہ شیخ محمد حسین ولد حافظ اکرام اللہ ۱۳ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی حقیت زمینداری کا ٹھیکہ تین سال کے واسطے اس شرط سے دیتا ہے کہ آمدنی حقیت میں سے بعد ادائے مالگزاری سرکار بیس روپے سالانہ ٹھیکہ دار لیا کرے، اور سو روپے سالانہ زید مالک زمینداری کو دیا کرے، اور تین سال کا زر توفیر زید اپنے ٹھیکہ دار سے پیشگی لیتا ہے، تو اس صورت میں ٹھیکہ دار کو بیس روپے سالانہ لینا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں، اگر نہیں تو اس کے جواز کی کیا صورت شرعاً ممکن ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت ناجائز وحرام ہے،

کما حققناہ فی فتاوٰنا ونص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدرالمختار وردالمحتار وغیرھا من الاسفار۔

جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور فتاوٰی خیریہ، عقود الدریہ، درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتب میں اس پر نص ہے۔ (ت)

ہاں جواز یوں ہوسکتا ہے کہ زید کو یہ شخص تین سو روپے بلاسود دست گرداں دے دے، اور زید اسے اپنی حقیت کی تحصیل تشخیص کے لئے بیس روپے سال پر اجیر مقرر کرے، قرض دہندہ دیانت وامانت کو دے، جو منافع خالص ہو اس سے بیس روپے سال اپنی اجرت تحصیل کے لے اور باقی جس قدر بچے سو روپے ہوں خواہ کم خواہ زائد، وہ سب مالک کو پہنچائے، یا اپنے قرض میں مجرا لے یہاں تک کہ تین سو روپے ادا ہوجائیں، اس کے بعد جو بچے سب مالک کو دے پھر تحصیل پر اس کے اجیر ہونے کو چاہیں دونوں شخص باقی رکھیں یا فسخ کرلیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳ از ریاست رامپور مرسلہ صاحبزادہ ابراہیم علی خاں صاحب خلف صاحبزادہ عباس علی خاں صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کا ٹھیکہ جمع معہ الاسٹہ ہندہ کو سات سال کے لئے دیا اور پٹہ میں چند شرائط کیں، ایک یہ کہ اگر کوئی قسط حسب تفصیل مندرج پٹہ ادا نہ ہوگی تو زید کو اختیار فسخ اجارہ وضبطی زرنقد امانت وضمانت کا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ گاؤں میں نکاسی آٹھ ہزار دوسو روپے کی ہے، کشکنہ دار موضع میں جاکر اسامیان سے تحقیق کرے، اگر اس نکاسی میں کچھ کمی ثابت ہوگی تو کشکنہ دار کو جمع سے مجرا دی جائے، بعدہٗ زید نے ہندہ کو بے دخل کرکے قبضہ اپنا کرلیا، ہندہ نے نالش کی، مدعا علیہ نے حسب شرط پٹہ بوجہ نادہندی ہندہ اختیارِ فسخ حاصل ہونے کا عذر کیا، حاکم نے بریں بنا کہ شرط مجرائی کمی شرط نہیں وعدہ ہے، اور عقد میں نہیں بعد عقد پٹے میں ہے، اور بلفظ شرط نہیں بلفظ (اور) ہے، اور شرط بھی ہو تو مطابق عرف مستاجران ہے، نیز ملائم عقد ہے کہ سرکار میں دستور ہے، اول رقبہ وتعداد قلبہ قائم کرکے تگدمہ آمدنی دیہہ کا نقشہ میں درج فرماتے ہیں، اسی نقشے کے اطمینان پر مخلوق ٹھیکہ لیتی ہے، اگر رقبہ یا شمار قلبہ میں کمی ہوئی تو وقت استغاثہ مستاجر عذر اس کا مقبول ہوکر مستاجر کو زرجمع سے کمی مجرا دلائی جاتی ہے، اور قسط میں بدعہدی باعث فسخ اجارہ نہیں ہوسکتی، شرع میں قاعدہ کلیہ ہے کہ مضاف کرنا فسخ کا طرف کسی زمانے کے صحیح ہے، اور معلق کرنا عموماً جائز نہیں، یہ صورت تعلیق کی ہے، فیصلہ بحق مدعیہ کیا، دیگر علماء سے استفتاء ہوا، انھوں نے اس عقد کو بوجہ شرط فاسد کہ قسط نہ دینے سے ضمانت ضبط کرنا شرعاً ممنوع ہے، اور جبکہ بحال کمی نکاسی مقدار کمی اُجرت سے مجرا ہونی ٹھہری تو اجرت میں جہالت ہے، اجارہ فاسد قرار دیا، اب علمائے دین کی خدمت میں معروض ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکمِ محقق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

انا للہ وانا الیہ راجعون، الی اللہ المشتکی من قلۃ العلم وذلۃ العلماء ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی رب الارض ورب السماء۔

ہم اللہ تعالٰی کے لئے اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور اللہ تعالٰی کے دربار میں ہی علم کی قلت اور علماء کی غلطی کی شکایت ہے، نیکی کی طرف پھرنا اور اس کی قوت زمین و آسمان کے رب اللہ تعالٰی بلند وبالا سے ہے۔(ت)

صورت مستفسرہ میں فیصلہ بحق مدعیہ ہونا سراسر ناجائز وواجب الرد ہے، اور عقد مذکور شرعاً کوئی عقد ہی نہیں، ہرگز نہ اجارۂ صحیحہ نہ فاسدہ، بلکہ محض باطل ومسترد ہے، اس وقت فریقین فتوٰی کے کلام و تحریرات فقیر کے پیشِ نظر ہیں، اگر ان کے مدارک کی طرف تنزل کیا جائے تو دونوں باوقعت فریق سے معارک فقہیہ میں بہت کچھ کہنا ہو، مگر فضول وبے اصل امر میں اضاعتِ وقت کی حاجت نہیں، صحیح یا فاسد ہونے میں غور وبحث کا موقع تو اس وقت ہے جب شرعاً وہ کوئی عقد بھی ہو، یہاں سوا ہوا کے عقد کا نام بھی نہیں محض باطل وبے حقیقت ہے، تو سرے سے دعوٰی مدعیہ اصلاً قابلِ سماعت بلکہ لائقِ التفات ہی نہیں، فیصلہ اس کے حق میں صادر ہونا کیا معنٰی۔

اصل یہ ہے کہ دیہات کا یہ ٹھیکہ جو آج کل ہندوستان کثیر الجہل والطغیان میں جاری ہے کہ زمین دیہہ مزارعین کے اجارہ میں رہتی ہے، اور توفیر محاصل کشکنہ دار کے اجارے میں دیے جاتے ہیں، اور یہی صورت اس مسئلہ دائرہ میں واقع ہوئی (جس پرپٹے کے الفاظ کہ نکاسی اس قدر ہے، کشکنہ دار آسامیوں سے تحقیق کرلے، اور تجویز حاکم کے الفاظ کہ سرکار میں دستور ہے، اول رقبہ وتعداد قلبہ قائم کرکے الٰی آخرہٖ دلیل روشن ہیں) محض ناجائز وباطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت کے بطلان پر ہمارے علماء کا اجماع ہے، اس کا فانی ومعدوم کردینا فرض ہے، نہ کہ باقی رکھنا، کشکنہ دار کا قبضہ فوراً اٹھا دینا لازم ہے، یہ عقد کالعدم ہے محض بے اثر ہے۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس مسئلہ کی تحقیق روشن اپنے فتاوٰی میں ذکر کی، یہاں چند نصوصِ علمائے کرام ذکر کروں کہ مولٰی عزوجل چاہے تو تنبیہ غافلین والقاظ نائمین وہدایت مسلمین ہوں۔ امام علامہ خیر الملۃ والدین رملی اپنے فتاوٰی "خیریہ لنفع البریہ" میں فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا لاتنعقد فاذا استاجر نحو القری والمزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا والباطل یجب اعدامہ

اجارہ جب قصداً عین چیز کے تلف کرنے پر ہو تو باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علمائے تصریح کی ہے اور یہ گائے کو دودھ پینے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا جو ناجائز ہے تو جب زید دیہات، باغات، زمینوں اور دکانوں کو وہاں سے حاصل ہونے والے ذرائع آمدن کو حاصل کرنے کے لئے ٹھیکہ پر لے تو ہمارے علماء کے مطابق یہ اجارہ باطل ہے جبکہ باطل کو ختم کرنا ضروری

لاتقريرہ فترفع يد زيد وعمرو عن القرٰی والمزارع والحوانيت[1] (ملخصًا)

ہے نہ کہ ان کو بحال رکھنا لہذا زید وعمرو کا قبضہ ان دیہات اور زمینوں اور دکانوں سے ختم کرنا ضروری ہے (ملخصًا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

عقد الاجارة المذكورة حيث لم يقع على الانتفاع بالارض بالزرع ونحوه بل على اخذ المتحصل من الخراج بنوعيه اعني الخراج الموظف والمقاسمة وما على الاشجار من الدراهم المضروبة فهو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحكم له باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانه لزم المستاجران يرد جميع ما تناوله من المزارعين من غلال ونقود وغير ذلك[2]۔

مذکورہ اجارہ کا انعقاد زمینوں سے زراعت کے انتفاع پر نہیں ہے بلکہ ان سے حاصل ہونیوالی دونوں قسم کی آمدن یعنی مقررہ حصہ اور سرکاری لگان پر اجارہ ہے تو یہ مقررہ رقم پر اجارہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے، اور باطل چیز علماء کے اتفاق کے مطابق قابل حکم نہیں ہے اور جب ہم نے اس کو باطل قرار دیا ہے تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے مزارع حضرات جو کچھ غلہ یا نقد وغیرہ وصول کیا ہے اس کو واپس کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاجارة اذا وقعت على اتلاف الاعيان قصدا كانت باطلة فلا يملك المستاجر ما وجد من تلك الاعيان بل هي على ما كانت عليه قبل الاجارة فتؤخذ من يده اذا تناولها ويضمنها بالاستهلاك لان الباطل لا يؤثر شيئا فيحرم عليه التصرف فيها لعدم ملكه وذلك كاستئجار بقرة ليشرب لبنها او

اجارہ جب اتلاف اعیان پر قصدًا واقع ہو تو باطل ہوگا اور مستاجر ان اعیان میں سے کسی چیز کا مالک نہ بنے گا، بلکہ اجارہ سے قبل حالت پر باقی رہیں گے لہذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لئے جائیں گے اور ہلاک کر دئے تو ان کا ضمان وصول کیا جائیگا کیونکہ باطل چیز کچھ اثر نہیں رکھتی اس لئے ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا تصرف حرام ہوگا اور یہ ایسے ہوگا جیسے گائے دودھ پینے کے لئے یا

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] " " " ۲/ ۳۶-۱۳۵

بستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار ما فی ید المزارعین لاکل خراجه[1] الخ۔

باغ پھل کھانے کے لئے اجارہ پرلیا ہو، اور اسی طرح اگر اس نے مزارعین سے محاصل کو اپنے کھانے کے لئے ٹھیکہ پرلیا ہو تو باطل ہے الخ۔ (ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے :

سئل فی تیماری اٰجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر وقبض المستاجر قدرا معلوما من متحصل تیمارہ فهل تکون الاجارۃ المزبورۃ غیر صحیحة اجاب نعم وقد افتی بذلك الخیر الرملی مرارا کما ھو مذکور فی فتاواہ من الاجارۃ ونقولها کثیرۃ محصلها انها اجارۃ وقعت علی استهلاك الاعیان وھی باطلة[2]۔

ان سے سوال ہوا کھجور کے باغ والے نے اپنے باغ کی آمدن کو دوسرے کے پاس ٹھیکہ پر دیا اور مستاجر نے اس باغ کی آمدن کی کوئی مقررہ مقدار حاصل کی ہو تو کیا یہ اجارہ صحیح ہے یا نہیں ؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اس پر متعدد بار خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی نے فتوٰی دیا ہے جیسا کہ ان کے فتاوٰی کے باب الاجارہ میں مذکور ہے جس کی کثیر نقول موجود ہیں، ان فتاوٰی کا حاصل یہ ہے کہ یہ اجارہ عین چیز کو تلف کرنے پر ہے اور یہ اجارہ باطل ہے۔ (ت)

عقود الدریة فی تنقیح الحامدیة میں ہے :

لایجوز استئجار الارض لذلك لانه استئجار علی استهلاك العین والاجارۃ انما تنعقد علی استهلاك المنافع[3] الخ۔

استہلاک عین پر اجارہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اجارہ منافع حاصل کرنے پر ہوتا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

الواقع فی زماننا ان المستاجر لیستاجرها لاجل اخذ خراجها لا للزراعة ویسمی ذلك التزاما و

ہمارے زمانہ میں مروج ہے کہ مستاجر زمینوں کو زراعت کی بجائے ان کے محاصل کو مزارعین سے وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لیتے ہیں، اس

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارہ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

[3] العقود الدریة کتاب الاجارہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۳۲

هو غیر صحیح کما افتی بہ الخیر الرملی فی عدۃ مواضع[1]

طریقہ کار کو وہ "التزام" کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مواقع پر یہ فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اما ما یفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنھا من لہ ولایتھا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا و نحوہ فھو باطل، اذ لا یصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولا بیعا لانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ[2]۔

وہ جو ہمارے زمانہ میں لوگ التزام کا عمل کرتے ہیں کہ مختار کار مقررہ رقم پر زمینوں کی وصولیوں کو ٹھیکہ پر دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو تلف کرنے پر قصداً واقع ہوا ہے اور بیع بھی نہیں ہے کیونکہ وہ چیز معدوم ہے، جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں یہ بیان ہے۔ (ت)

یہاں نقول میں کثرت ہے اور قدر مذکور میں کفایت، شرعاً وہ صورت ممکن تھی کہ لوگ اگر اسے اختیار کرتے ان کا مقصود ملتا اور مال حرام وعقد باطل کے وبال و آثام سے محفوظ رہتے مگر اتباع شرع مطہر کی فکر کسے، جب علماء غافل ہوں جہال سے کیا شکایت۔ رامپور اسلامی ریاست ہے، کیا عجب کہ وہاں اس حق مبین کا اثر ہو، محو باطل و اجرائے طریقہ جائزہ پر نظر ہو۔ ارشادات ائمہ کا اسی قدر سننا کارگر ہو، واللہ الھادی وولی الایادی۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۴ - ۲۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) دیہات کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ وزن کشی کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) اجارہ دیہات کی سبیل بھی چنداں دشوار نہیں، زراعت کے لئے جیسا ایک کھیت کا اجارہ پر دینا جائز، یوں ہی سارے گاؤں کا، مگر وقت واحد میں زمین واحد دو مستقل مزارعوں کے اجارہ میں

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخروج دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ مسائل شتی فی الاجارہ " " " " ۵/۵۷

نہیں ہوسکتی، لہذا اس سال تمام پر جن کاشتکاروں کے پٹے کی میعاد ختم ہوگئی وہ تو زمین خالی ہی ہے جن کی میعاد باقی ہے اُن سے کہہ لیا جائے اور سمجھا دیا جائے کہ ہم جوازِ شرعی کے لئے ایسا کرتے ہیں، زمین تم سے نکالی نہ جائے گی، بلکہ مستاجر کی طرف سے تمہارے پاس رہے گی، تم میں ہم میں جو معاہدہ تھا جس کے ابھی اتنے سال باقی ہیں، وُہ فسخ کرلو کہ ہم سارا گاؤں زراعت کے لئے فلاں کو اجارہ پر دے دیں، فلاں کی طرف سے یہ زمین بدستور تا میعاد پٹہ تمہارے پاس رہے گی۔ اس صورت میں ٹھیکہ توفیر کا نہ ہوا جو بالاجماع حرام ہے بلکہ زراعت کے لئے زمین کا جو بالاجماع جائز ہے اور اگر اس صورت میں دقت سمجھی جائے اور ضرور کسانوں خصوصًا ہنود عنود کو اس کا سمجھانا اور ان کا راضی ہونا خالی از دقت نہیں، تو وہی باغ وبہار والی تدبیر کی جائے، لیعنی گاؤں میں چوپال اور مکان سکونت اور افتادہ زمینیں اور کاشت سے خالی کھیت اور وہ کھیت جن کی میعاد پٹہ تمام ہوگئی، اور بنجر غرض جس قدر اراضی کسی کے اجارہ میں نہیں وہ تمام وکمال مستاجر کو سنین معینہ کے لئے اجرت معینہ پر (جتنا زرِ ٹھیکہ رکھنا منظور ہو) زراعت وسکونت وانتفاع کے لئے مباح کردی جائے اور اراضی مزروعہ مقبوضہ مزارعین کی توفیر نقد خواہ بٹائی جو کچھ ہو مستاجر کو اُتنے برسوں کے لئے مباح کردی جائے، یوں بھی دونوں کے مطلب حاصل ہیں، غرض ہے یہ کہ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا[1] (جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ ت) کوئی دشواری نہیں کہ اس شریعت مطہرہ سمحۂ سہلہ غرہ بیضا نے آسان نہ فرمادی ہو، وللہ الحمد۔

(۲) وزن کشی کے ٹھیکہ سے اگر یہ مراد ہے کہ "تولا" کچھ روپے زمیندار کو دے کہ اس سال گاؤں بھر کی "راسیں" وہی تولے دوسرا نہ تولنے پائے، اور وہ ہر کاشتکار سے اپنے تولنے کی اجرت لے، تو یہ محض حرام ہے، اور وُہ روپیہ کہ زمیندار کو دیا نری رشوت ہے، اور دوسرے کو تول سے ممانعت محض ظلم ہے، اس کی نظیر اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ ہے، کہ بیع تو اس میں اور خریداروں میں ہوگی، یہ ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعًا خالص رشوت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ نواب صاحب محلہ بہاری پور بریلی

عالمانِ شرع نے کیا حکم ہے اس میں دیا گر کسی نے ٹھیکہ دکانوں کا مالک سے لیا

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

لے کے ٹھیکہ پھر یہ اس نے انتظام اپنا کیا
سب دکانوں کا کرایہ اس نے زائد کرلیا

پس یہ زائد جو اسے حاصل ہوا ہے اس سے زر
اس کے استعمال میں ہے فائدہ یا کچھ ضرر

اگر اس شخص کو ٹھیکہ سے کم آمد ہوئی
اور پوری کردی اس نے پاس سے اپنے کمی

اس کمی کا لینا کیا مالک کو جائز ہوگیا
اس میں جو حکم شریعت ہو مجھے دیجے بتا

الجواب

جتنی اجرت پر کہ مستاجر نے لی مالک سے شئے
اس سے زائد پر اٹھانا چاہے تو یہ شکل ہے

اپنا کوئی مال جو قابل اجارہ کے ہوئے
اس کو اس شئی سے ملا کر دونوں کو اک ساتھ دے

یا زیادت شئی میں کرلے مثل تعمیر مکاں
کھونٹیا کھگل کنواں چونہ مرمت این و آں

یا بدل دے جنس اجرت جیسے واں ٹھہرے روپے
اس کے یاں آنے میں گو بدلے میں لے انکے رُپے

یا کوئی کام اپنے ذمہ کرلے اس ایجار میں
تا زیادت اس عمل کے بدلے ہو اقرار میں

جیسے جاروب دکاں اصلاح اسبابِ دکاں
اور جو خدمت کہ ہو شایانِ اجرت بے گماں

اور اگر یہ کم پہ دیتا ہے تو دے مختار ہے
مالک اُجرت پُوری لے گا اس سے جو اقرار ہے

یوں ہی خالی ڈال رکھتا جب بھی تو لیتا وہ دام
اب کمی سے کیا اسے واللہ اعلم والسلام

مسئلہ ۲۲۷ مرسلہ نجم الحسین صاحب از تحصیل لسواں ضلع سیتاپور ۱۵ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر وعمرو تینوں سُنّی حنفی پابندِ صوم وصلوٰۃ ہیں، زید زمیندار، بکر تاجر، عمرو نوکری پیشہ، زید کا عمرو قرابت دار ہے، اور بکر کا دوست، عمرو کی معرفت زید وبکر میں یہ معاملہ ہوا کہ زید نے اپنے دوگاؤں پندرہ سو روپے سالانہ پانچ سال کے لئے بکر کو ٹھیکہ دیا، بکر نے پندرہ سو روپے بلا سودی پیشگی زید کو دئے جس کی ادائیگی سال اخیر میں قرار پائی، بکر نے عمرو کو نوکر رکھ لیا، اور گاؤں کی تحصیل وصول سپرد کردی، بروقت ٹھیکہ ہونے کے زید وبکر میں یہ حلف ہُوا کہ ایک دوسرے کے نقصان کا روادار نہ ہوگا، اور کبھی کسی مفسد یا مخالف کی دراندازی پر فریقین عمل نہ کریں گے، دو سال دونوں گاؤں بکر کے ٹھیکہ میں رہے، اور قریب قریب سات سو روپے کے منافع ہوا، عرصہ کے بعد زید وبکر کو عمرو کی چالاکی وبدنیتی عمرو کے افعال واقوال سے ثابت ہوگئی، دونوں کو یقین ہوگیا کہ عمرو نے ضرور نقصان پہنچایا اور پہنچائے گا، زید وبکر میں اتفاق ہے، زید سے بکر نے کہا کہ میں گاؤں کا کام نہیں کرسکتا کیونکہ عمرو سے کام نہیں

لینا چاہتا ہوں، عمرو پر اعتبار نہیں رہا، بہتر یہ ہے کہ میں ٹھیکہ چھوڑ دوں، پیشگی جو پندرہ سو روپیہ میں نے دیا ہے وہ دے دو میں تجارت میں لگا دوں، زید نے کہا کہ میں ٹھیکہ چھڑانا نہیں چاہتا، اور تم جانتے ہو کہ میں نادار ہوں، زر پیشگی بھی یکمشت ادا نہیں کر سکتا، زید و بکر دونوں متردّد و مشوش تھے، ایک رئیس مسلمان سُنّی و حنفی نے بطور ثالث یہ فیصلہ تجویز کیا کہ ٹھیکہ چھڑا لیا جائے، اور پندرہ سو روپے قسط بندی کرکے چار سال میں ادا کر دئے جائیں، بکر کے اطمینان کو دستاویز ہو جائے، اور ایک گاؤں مکفول کر دیا جائے بجز اس کے اس وقت منافع کا کچھ ذکر بکر نے نہیں کیا، ثالث کی تجویز کو زید و بکر دونوں نے بحلف منظور کرلیا، ہفتہ کے بعد ثالث کے رُوبرو زید سے بکر نے دستاویز کا مسوّدہ مانگا، اس وقت زید سے بکر نے کہا اگر اس وقت پندرہ سو روپے دو تو میں لے لُوں اور تجارت میں لگا دوں اور چار سال میں اگر روپیہ ادا ہوا تو منافع لوں گا۔ زید نے کہا منافع کیسا کبھی اس کا ذکر نہیں ہُوا اور نہ ثالث کے رُوبرو ذکر آیا، محض پندرہ سو روپے کی ادائیگی ٹھہری، بکر سود خوار نہیں ہے، مگر جاہل ہے، مفسدوں نے اس کو سمجھا دیا کہ یہ ٹھیکہ کا منافع ہے سُود نہیں ہے۔ بکر نے کہا قبل ٹھیکہ ہونے کے مبلغ ڈھائی سو روپیہ ہم کو چھوٹ دیا گیا ہے، زید نے کہا کہ نہیں میں نے ایک گاؤں میں کل عـــہ ؎ چھوٹ دیا ہے، زید نے بکر سے پوچھا کہ میری تمھاری بالمشافہ گفتگو ہو کر چھوٹ دی گئی ہے، بکر نے کہا کہ نہیں مجھ سے عمرو نے کہا ہے، زید نے کہا کہ عمرو کو یقین تھا کہ ٹھیکہ ہو جانے کے بعد میں ضرور نوکر رکھ لیا جاؤں گا، اس طمع پر بکر نے جھوٹ کہہ دیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ دے کر پندرہ سو روپے ٹھیکہ ہوتا ہے، زید نے عمرو سے دریافت کیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ کیونکر دی گئی، عمرو نے جواب صاف نہ دیا، زید نے چھوٹ کا اقبال نہ کیا، بکر نے کہا ہم منافع ضرور لیں گے، زید نے دستاویز لکھ دی، پندرہ سو روپے اصل اور چار سو منافع ٹھیکہ، زید و بکر پابند شریعت ہیں، بدعہدی اور منہیات شرع سے بچنا چاہتے ہیں نیک نیتی سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ پندرہ سو روپے کے علاوہ جو بنام منافع ٹھیکہ چار سو روپیہ جو درج دستاویز ہوا ہے یہ جائز ہے یا سُود ہے؟ شرح و بسط کے ساتھ جواب عنایت ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں وُہ منافع قطعی سُود اور حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: کل قرض جر منفعة فھو ربا[1] قرض سے جو نفع حاصل کیا جائے وُہ سود ہے، بلکہ اس ٹھیکے کے دو برسوں میں سات سو

---

[1] کنز العمال حدیث نمبر ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

عـــہ: بیاض فی الاصل

روپے جو منافع کے بکر کو ملے وہ بھی حرام ہیں کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے محض حرام ہے، جتنے پر ٹھیکہ دیا گیا اگر اسی قدر نشست ہُوئی اور وُہ مالک کو دے دی گئی، تو اس کے لئے حلال ہے کہ اس کی ملک کا نفع ہے، اور اگر اس سے کم ہوئی اور مستاجر کو وہ رقم اپنے پاس سے پوری کرنی ہوئی، تو یہ زیادت مالک کو حرام ہے، اُس کا حق اُسی قدر ہے جس قدر نشست ہُوئی، مثلاً پندرہ سو کو ٹھیکہ، اور کسی سال ہزار ہی بیٹھے تو یہ ہزار ہی مالک کو حلال ہیں، رقم قرارداد پُوری کرنے کو پانچ سو اگر اور لے گا وہ حرام ہونگے، اور اگر کسی سال دو ہزار بیٹھے اور مستاجر مالک کو صرف پندرہ سو دے گا پانسو خود لے گا، یہ پانسو اس کو حرام ہیں،

فان هذه اجارة علی استهلاك العین و ما الاجارة شرعا الا تملیك المنافع فكل اجارة وردت علی الاعیان فهی باطلة وحرام الا ما خصه النص وهو اجارة الظئر والمسئلة مصرح بها فی كثیر من الاسفار كالفتاوی الخیریة والعقود الدریة والدر المختار ورد المحتار۔ والله تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ عین چیز کے تلف پر اجارہ ہے جبکہ شرعاً صرف منافع کی تملیک پر اجارہ ہوسکتا ہے، تو ہر ایسا اجارہ جو عین چیز کو تلف کرنے پر واقع ہو وہ باطل اور حرام ہے الّا وہ کہ شرع نے اس کو خاص طور پر مشروع کیا ہو جیسے دایہ کو دُودھ پلانے کے لئے اجارہ پر رکھنا، اور یہ مسئلہ بہت سی کتب میں تصریح کردہ ہے جیسے فتاوی خیریہ، عقود دریہ، درمختار اور ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رسالہ ۱۳
کتاب المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر ۱۳۱۱ھ

(خواہشات اور موتیوں کی فراہمی اس کے لئے جس نے منی آرڈر کا قصد کیا)

مسئلہ ۲۲۸: از کیمپ میرٹھ بازار لال کورتی مرسلہ جناب مولوی عبدالسمیع صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

بخدمت شریف مخدوم و مکرم محقق و مدقق جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہٗ و برکاتہٗ وضاعف اجورہ وحسناتہٗ۔

بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفوع رائے خورشید انجلاء باد اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے یہاں سے بعوض مساکین کے تنخواہ کسی کے ۲ دو روپے، کسی کے تین روپے معین ہے ان میں سے پانچ چار آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو ۲ دو روپے کے واسطے سفر کرکے آنا دشوار ہے اور یہ دقت کہ اسی قدر تنخواہ ہے اور اسی قدر کرایہ لگ جائے گا، تم ہم کو منی آرڈر کرکے روانہ کردیا کرو، میں نے یہ دیکھا کہ صیغہ منی آرڈر جابجا جاری ہے مدارس وغیرہ میں، پس ان بیچاروں شکستہ دلوں کا کام کرکے بہتر ہے کہ ثواب حاصل کروں جب نظر جواز و عدم جواز پر گئی تو بنظر سرسری یہ دیکھ لیا کہ ہم جو کچھ زیادہ دیتے ہیں وہ اجرت دیتے ہیں، اس بات کے لئے ڈاک والوں نے مرسل الیہ کے گھر روپیہ پہنچا کر اس کے دستخط کرائے پھر وہ رسید اس سے وصول کرکے ہم تک پہنچاتی، بناءً علیہ یہ ربا نہیں، برسوں سے لوگوں کی کاروائی اسی طرح ہوتی رہی اب بعض علماء[عہ] نے فتوٰی حرمت منی آرڈر کا چھاپ دیا ہے کہ ربا

عہ: یعنی رشید احمد گنگوہی ۱۲

ہے اور حرام۔ میں نے جو تاویل اپنے نزدیک سمجھی تھی اگر یہ درست ہے یا آپ اپنی رائے سے اس میں اور کوئی وجہ شرعی پیدا کرسکیں اس سے مطلع فرمائیں کہ بعض مساکین کا نہایت درجہ حرج ہے، والسلام۔

الجواب

جناب مولانا و بالفضل اولٰنا زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

فقیر چار مہینہ سے اس قریہ میں ہے نامہ نامی بریلی ہوکر یہاں آیا، جواب حسب فہم قاصر حاضر رسید بریلی ارسال فرمائیں، والسلام، وہ فتوٰی مطبوعہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کی نظر سے گزرا ہے، اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ ربا ہے دو آنے دس کے عوض دس ملتے ہیں، مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دو آنے کاہے کے دئے جاتے ہیں، شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اُجرت کھولی گئی ہے دو آنے قطعاً وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اُجرت ہیں جیسے لفافہ پر اور پارسل پر مہر وغیرہ ذالک اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کرسکتا یہ ہرگز نہ اس کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اُس روپیہ کے معاوضہ میں کمی بیشی مقصود،

وھذا من البدیھیات التی لایتوقف فیھا الا امثال المفتین الذین لابصرلھم فی الدین۔

یہ ان بدیہیات میں سے جس میں دینی بصیرت رکھنے والے مفتیوں کے سوا کسی کو توقف نہیں ہے (ت)

ان بزرگوں کے اکثر فتاوٰی فقیر نے ایسے ہی عجائب پر مشتمل پائے، ابھی قریب زمانے میں ان کا ایک فتوٰی دربارہ جواز شہادت ہلال بذریعہ تار برقی نظر سے گزرا جس میں تار کو خط پر قیاس کیا، جامع یہ کہ لکھنا لکھنا ایک سا قلم سے لکھا خواہ بانس طویل سے۔

گویا حضرت کے نزدیک تار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی لمبے بانس سے لکھ دیتے ہیں، پھر لطف یہ کہ خود اصل مقیس علیہ میں حکم غلط، علماء تصریح فرماچکے، ایسے امور شرعیہ میں خطوط کا اعتبار نہیں، ظلم پر ظلم یہ کہ وہ بانس طویل ہی کی تحریر سہی تار بھیجنے والا بیچارہ اس لمبے بانس سے خود نہیں لکھتا بلکہ تار بابو سے کہتا ہے وہ ایک واسطہ ہُوا جہاں کو تار دیا گیا وہ دوسرا واسطہ بیچ میں تار موصول نہ ہوا تو وسائط کی گنتی ہی کیا۔ اور یہ اکثر کفار و فساق ومجہول الحال ہوتے ہیں، اس نفیس سند سے جو خبر آئے اُس پر امور شرعیہ کی بناء کرنی ان مفتیوں کا ادنٰی اجتہاد ہے۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بے اعتباری تار میں ایک مفصل فتوٰی لکھا جس سے اس مسئلہ کی تحقیق تام

کما ینبغی منکشف ہوسکتی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، مسئلہ دائرہ کی طرف رجوع کروں اور توفیقِ الٰہی مساعد فرمائے تو حقیقت منی آرڈر ایسی روشن وجہ پر بیان میں آئے جس سے ان صاحبوں کا شبہہ باذنہ تعالٰی مستاصل ہو جائے۔

فاقول وباللہ التوفیق منشاء غلط منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہے، متبوع نے اجمالاً اس کا دعوٰی کیا، تابع نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں مگر حقیقت امر سے بیگانگی رہی۔ بات یہ ہے کہ منی آرڈر کرنے میں دو قسم کے دام دئے جاتے ہیں، ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسرا محصول مثلاً دس روپے دو آنے اور جس طرح ہر عاقل فقیہ پر واضح کہ یہ پہلے دام اگر بعینہٖ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں، تو یہ خاص اجارہ ہوتا یا یُوں ہوتا کہ مرسل بعینہٖ انھیں کا پہنچانا چاہتا اور ڈاک والے ان داموں کے یہاں رکھ لینے اور وہاں ان کی نظیر دینے کا ضابطہ مقرر نہ کرلیتے بلکہ کبھی بعینہٖ انھیں کو پہنچاتے، کبھی بطورِ خود انھیں یہاں رکھ کر مرسل الیہ کو وہاں کے خزانے سے دیتے، تو بھی محض اجارہ رہتا اور صورتِ خلاف میں ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ تھا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرف امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے،

کما فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ لواستاجر جیسا کہ ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ

لیحمل ھذہ الدراھم الی فلان فانفقھا فی نصف الطریق ثم دفع مثلھا الی فلان فلا اجرلہ لانہ ملکھا باداء الضمان[1]	اگر کسی کو دوسرے تک معینہ دراہم پہنچانے کے لئے اجیر بنایا تو اس نے آدھے راستے میں وُہ دراہم خرچ کرلئے اور مرسل الیہ کو ان دراہم

کی مثل اور دے دیئے تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ خرچ کردہ دراہم کا ضمان دے کر وُہ ان کا خود مالک بن گیا۔ (ت)

مگر جبکہ یہ امساکِ عین و دفعِ مثل ضابطہ معلومہ معہودہ ہے کہ واضعانِ قانون ڈاک نے اپنی آسانی کے لئے وضع کیا اگرچہ مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی اُس کا مطلب بعینہٖ روپیہ بھیجنے میں بھی بداہۃً حاصل تھا تاہم بوجہ ضابطہ وتعارف جبکہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں تحقق معنٰی قرض ماننا غلط نہیں اگرچہ عاقدین بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔

فان العبرۃ للمعانی والمعھود عرفا	کیونکہ معانی کا اعتبار ہے اور عرف میں معین معلوم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

کالمنذکور لفظاً۔ چیز لفظوں میں مذکور کی طرح ہے (ت)

یُونہی ہر ذی عقل نبیہہ پر یہ بھی روشن ہے کہ یہ دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دئے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بیشک ربا ہوتی یا یُوں ہوتا کہ جس کام کے عوض دئے جاتے وہ کوئی منفعت مقصودہ صالح ورود عقد اجارہ نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا مگر حاشا یہاں ہرگز ایسا نہیں بلکہ وہ مثل سائر کاروائیہائے ڈاکخانہ کے یقیناً اُجرت ہیں دینے والے اُجرت ہی سمجھ کر دیتے، لینے والے اجرت ہی جان کر لیتے ہیں، ہرگز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ۲ر سود کے ہیں جو الٹا مدیون دائن سے لیتا ہے ڈاکخانے کی اصل وضع ہی اس قسم کی اجارات کے لئے ہے، تو یہاں عقد اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اُجرت ہونا اصلاً محلِ تردّد نہیں، اگر کہئے کاہے کی اُجرت، ہاں مرسل الیہ کے گھر تک جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور اس سے رسید لانے کی کیا یہ منفعت مقصودہ مباحہ نہیں جس پر شرعاً ایراد عقد اجارہ کی اجازت ہو، اور جب ہے بیشک ہے تو عجب عجب ہزار عجب، کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصداً اجارہ کریں عوض منفعت جو کچھ دیں اور اسے اُجرت ہی کہیں اُجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کر کے اس اجرت کو معاوضۂ قرض و ربا قرار دیں شرع مطہر میں معاذ اللہ اس حکم کی کوئی نظیر ہے، حاشا للہ بلکہ شرع میں مَہما اُمکنَ تصحیح کلام وعقود پر نظر رہتی ہے کمالا یخفی علی من خدم الفقہ (جیسا کہ فقہ کی خدمت کرنیوالے پر مخفی نہیں ہے۔ ت) نہ کہ زبردستی ابطال وافساد و ایقاع فی الفساد، پر کہ صراحۃً عکس مرادِ شرع ہے ایک ہلکی سی مثال پیش پا افتادہ یہی ہے کہ دس روپے دو آنے کے عوض دو رپے دس آنے خریدیں تو مالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملائیے تو وہ عین ربا مگر شرع مطہر جنس کو خلاف جنس کے طرف صرف فرماکر ربا سے بچاتی ہے کما نصوا علیہ قاطبۃ (جیسا کہ سب نے اس پر نص فرمائی ہے۔ ت) پس ثابت ہوا کہ صورتِ منی آرڈر میں اگرچہ اجارہ محضہ نہیں مگر زنہار و زنہار قرض محض بھی نہیں جیسا کہ ان مفتی صاحبان نے توہم کیا اور اسی بناء پر فیس کو اجرت سے نکال کر ربا کر دیا بلکہ یہاں حقیقۃً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حضرات تو یکسر حل ہوگئے، وہ ۲ر ربا کا خیال بدیہی الضلال صرف اسی توہم پر مبنی تھا کہ یہ قرض محض ہے، جب ثابت ہُوا کہ ایسا نہیں بلکہ یہاں اجارہ بھی ہے اور یہ ۲ر اُجرت ہیں نہ فضل خالی عن العوض، تو انھیں ربا کہنا محض جہالت۔

بحمد اللہ اتنی ہی تقریر سے وہ دو دلیلیں بھی کہ یہاں تابع نے انتفائے اجارہ پر قائم کیں ملتفی ہوگئیں:

دلیل اوّل: روپیہ تلف ہوجائے تو بھیجنے والا طالب ضمان اور انگریز ذمہ دار، تو ثابت ہوا کہ اجارہ نہیں کہ محصول کو اُجرت پر محمول کیا جائے۔

اقول اولاً: کیا وجوب ضمان مطلق نافی اجارہ ہے، کتب فقہ مطالعہ کیجئے، صدہا صورتوں میں اجیر پر ایجاب ضمان کا حکم ہے اور خاص یدِ ضمان کی ضرورت ہو تو ذرا اجیرِ مشترک میں اقوالِ ائمہ و اختلافِ فتوی ازمنہ پر نظر ہو۔

ثانیاً: اطلاق نفی ضمان ہی مانئے تو غایت یہ ہے کہ طلب ضمان ناجائز ہو اور انگریزوں کا ذمہ بری، اس سے اصل عقد کیوں بدل گیا، بہت لوگ عاریت پر تاوان لیتے اور جاہل مستعیر ذمہ دار بنتے ہیں، کیا اس سے نفسِ عاریت منتفی ہوجائے گی، ہاں شاید یہ خیال کیا ہو کہ کلامِ مسلم حتی الامکان وجہ صحیح پر حمل کرنا چاہیے جبکہ ہم نے اجارہ میں مطلقاً ضمان بحالت ہلاکت طالب ضمان نہ مانی تو یہ طلب خلافِ شرع ہوگی لہذا اجارہ نہ ٹھہرانا چاہیے، مگر سبحان اللہ مسلمانوں کی اور طرفہ طرفداری کی کہ اسی خیال سے کہ صورت ہلاک میں جو بشدتِ نادر ہے، کہیں طلبِ ضمان نہ کر بیٹھیں جو ایک مختلف فیہ ممنوع ہے، لہذا اصل عقد ہی میں ربا لازم و دائم مان کر مسلمانوں کو مرتکب حرام اجماعی ٹھہرا دیجئے، یعنی کشتن باید تا تپ نیاید فرمن المطر ووقف تحت المیزاب (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہوا۔ ت)

ثالثاً: کس نے کہا کہ اجارۂ محضہ ہے معنی قرض یقیناً متحقق اور ردِ مثل اُس کا خاص حکم، تو یہ تضمین بربنائے اجارہ نہ ہو، بربنائے قرض سہی، اب اسے اجارہ سے کیا تنافی رہی۔

دلیل دوم: اجارہ ہو تو بعینہ اُسی روپے کا پہنچانا لازم ہو، لیکن یہ امر بھیجنے والا ضرور خیال کرتا ہے، نہ ڈاک والے کرتے ہیں۔

اقول قطع نظر اس سے کہ یہ قیاس استثنائی کس اعلیٰ درجۂ نفاست پر ہے، تالی لزوم نفس الامری اور استثنا رفع خیال لزوم یا رفع عمل کیا اگر عاقدین کسی حکم واقعی عقد کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں یا اس پر عمل نہ کریں تو اس سے وُہ عقد عقد ہی نہ رہے گا عدم حکم مستلزم عدم عقد ہے یا عدم اعتقاد و عمل، اصل کلام وہی ہے کہ بیشک لازم ہوتا اگر اجارۂ محضہ ہوتا یہاں تو ڈاکخانہ فلاں جگہ جا کر ادائے زر اور وہاں سے لاکر ایصال رسید پر اجیر اور زر داخل کردہ کا مستقرض و مدیون ہے تو جو چیز وہاں دے گا عین نہیں دین، دین کا بعینہٖ پہنچانا کیونکر متصور، اور اس کا لزوم کہاں کا حکم، بالجملہ ان داموں کی اجرت ہونے سے انکار کرنا اور عوض قرار دے کر ربا ٹھہرانا یونہی صحیح تھا کہ اسے قرض محض خالی عن الاجارہ ثابت کرتے اور دونوں دلیلیں بلغرض تمامی صرف اس قدر پر دال کہ وہ اجارہ محضہ نہیں، تو دلیل کو دعوی سے

اصلاً مس نہیں۔

ثم اقول وباللہ التوفیق، وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق (پھر میں کہتا ہوں، اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے، اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ ت) حقیقت امریہ ہے کہ ڈاکخانہ قطعاً اجیر مشترک اور اس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرت عمل پھر ضوابط ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کیے:

ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار وضمین قرار پاتا ہے، جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ ومنی آرڈر۔

دوسرے وہ جس میں ذمہ ضمان نہیں، جیسے خطوط وپاکٹ بیرنگ وباٹکٹ۔

اور یہیں سے واضح ہوگیا کہ یہ ادائے ضمان بربنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، ولہذا بیمہ میں ضمان دیتے ہیں، حالانکہ وہاں قرض کا اصلاً احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجئے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلاً اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپے جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار داد امساک عین ودفع مثل ڈاکخانہ کو قرض دے رہے ہیں ڈاکخانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقیناً لینے دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقود ڈاکخانہ عقد اجارہ ہی جانتے ہیں، اور خود اسی کیلئے صیغہ ڈاک کی وضع اور فیس کو یقیناً اُجرت جان کر دیتے لیتے اور درصورت تلف تاوان کو مثل بیمہ وغیرہ اسی شرط ذمہ داری کی بناء پر سمجھتے ہیں، نہ یہ کہ لوگ سمجھیں ہم نے قرض دیا تھا اسے ڈاکخانہ سے لینا ہے ڈاکخانہ سمجھے میں ان کا قرضدار تھا مجھے ادا کرنا ہے، ہاں بعد تلف ڈاکخانہ اُسی ذمہ داری کے سبب اُس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لئے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن ومدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہیات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ، تو یہ اقرار ضمان ہرگز بنائے اقراض واستقراض نہیں بلکہ اجیر مشترک پر شرط ضمان ہے، اب یہ مسئلہ مثلثہ بلکہ مربعہ ہے اور سب اقوال مصححہ سب مفتی بہا

قالہ العلامۃ خیرالدین الرملی فی فتاوٰہ وانا اقول بل مخمسۃ بل مسدسۃ عدم الضمان مطلقا، الضمان بشرط الصلح علی النصف، جواز الصلح جبرا، التفصیل بکون الاجیر صالحا فیبرأ، اوغیرہ فیضمن، او مستورا فیصالح۔

یہ علامہ خیرالدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ہے اور میں کہتا ہوں بلکہ پانچ بلکہ چھ صورتیں ہیں: مطلقاً عدم ضمان، نصف پر صلح کی شرط پر ضمان، جبراً صلح کا جواز، اور اجیر کے صالح ہونے پر اس کا بری ہونا، یا غیر صالح ہونے پر ضمان ہونا، یا مستور الحال ہونے پر قابل صلح ہونا۔ (ت)

امامین جلیلین صاحبین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اجیر مشترک ضامن ہے، ولہذا

جو کچھ اُس کے کام کرنے میں ضائع ہو بالاجماع اُس کا تاوان دے گا اگرچہ شئی میں اس کی طرف سے کوئی تعدی و تقصیر نہ واقع ہُوئی ہو بخلاف اجیر خاص کہ امین ہے، ولہذا جب تک تعدی نہ کرے اصلاً ضمان نہیں، اگرچہ اُس کے فعل سے تلف ہو۔ یہ مذہب امیر المومنین فاروق اعظم و مرتضائے اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی اور یہی امام دار الہجرۃ سیدنا امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، بدائع و غایۃ البیان وغیرہما میں قول امام عدم ضمان کو قیاس اور اس قول صاحبین کو استحسان قرار دیا۔ امام اجل فقیہ ابوجعفر ہندوانی اسی طرف میل فرماتے۔ امام زیلعی نے تبیین الحقائق پھر علامہ طوری نے شرح کنز الدقائق میں اسی کو بہ یفتی فرمایا۔ جامع الفصولین وخزانۃ المفتین وفتاوٰی القرویہ وواقعات المفتین میں ہے:

قیل یفتی بقول (ابی حنیفۃ) رحمہ اللہ تعالٰی وقیل قول، قول عطاء وطاؤس وھما من کبار التابعین، وقول (ابی یوسف ومحمد) رحمہما اللہ تعالٰی قول عمر وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہما احتشامًا وصیانۃ لاموال الناس[1]

بعض نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا اور بتایا گیا آپ کے قول کی بنیاد حضرت عطاء اور طاؤس کے قول پر ہے جو کبار تابعین میں سے ہیں، اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول حضرت عمر فاروق اور علی مرتضٰے رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول پر مبنی ہے لوگوں کے مال کے احترام اور حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ (ت)

شرح ہدایہ علامہ اتقانی میں ہے:

قول ابی حنیفۃ قیاس لان المال امانۃ فی یدہ وھلاک الامانۃ من غیر صنع لایوجب الضمان وقولہما استحسان ووجہہ اثر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول قیاس پر مبنی ہے کیونکہ اس کے پاس امانت ہے جبکہ بغیر دخل امانت کی ہلاکت موجب ضمان نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کا قول استحسان ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی عمل کی وجہ سے ہے۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون — اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۱۶۱
فتاوٰی القرویہ کتاب الاجارۃ — دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/۳۲۳
[2] غایۃ البیان

شرح الکنز ملا مسکین میں ہے :

المتاع فی یدہ غیر مضمون عند ابی حنیفۃ و ھو القیاس وقالا علیہ الضمان استحسانا[1] باختصار۔

اس کے ہاتھ میں سامان امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے موجب ضمان نہیں اور یہی قیاس ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اس پر ضمان ہوگا استحسانا، باختصار۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی البدائع لایضمن عندہ وھو القیاس و قالا یضمن الامن حرق غالب او لصوص مکابرین وھو استحسان[2] اھ مختصرین۔

بدائع میں ہے امام صاحب کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہوگا، قیاس یہی ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے ضمان وصول کیا جائیگا الا یہ کہ بے قابو آگ یا سرکش ڈاکو سے ضیاع ہوجائے، یہ استحسان ہے اھ دونوں مذکورہ عبارتیں مختصراً۔ (ت)

تبیین میں ہے :

بقولھما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس و بہ یحصل صیانۃ اموالھم[3]۔

صاحبین کے قول پر آج کل فتوٰی دیا جائے کیونکہ لوگوں کے احوال میں تبدیلی ہوگئی ہے جبکہ اس فتوٰی سے لوگوں کے مال محفوظ ہوں گے۔ (ت)

تکملہ طوری میں ہے :

قد تقدم ان بقولھما یفتی فی ھذا الزمان لتغیر احوال الناس[4]۔

یہ گزرا ہے کہ لوگوں کے حالات بدل جانے کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے :

قال الفقیہ ابوجعفر الضمان علی القصار و

ابوجعفر فقیہ نے فرمایا کہ دھوبی پر ضمان ہوگا اور

---

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲
[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰
[3] تبیین الحقائق " " المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵
[4] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۷

قال الفقیہ ابو اللیث انما قال لانہ کان یمیل فی الاجیر المشترک الی قول ابی یوسف ومحمد[1]۔

فقیہ ابو اللیث نے فرمایا انھوں نے یہ بات مشترک اجیر کے متعلق صاحبین کے قول کی طرف میلان کی وجہ سے فرمائی ہے۔ (ت)

امام اجل فقیہ ابو بکر بلخی فرماتے ہیں خلاف اس صورت میں ہے جبکہ اجیر مشترک پر ضمان ٹھہرا نہ لی جائے ورنہ اگر پہلے سے شرط ہو جائے جب تو بالاجماع اس پر ضمان لازم۔ جامع الفتاوی والنوازل واشباہ والنظائر وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا۔ فتاوی خلاصہ میں ہے:

شرط علیہ الضمان اذا ھلک یضمن فی قولھم جمیعا لان الاجیر المشترک انما لایضمن عند ابی حنیفۃ اذا لم یشترط علیہ الضمان اما اذا شرط یضمن قال الفقیہ ابو اللیث الشرط وعدم الشرط سواء لانہ امین[2]۔

ہلاک ہو جانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا کیونکہ مشترکہ اجیر کے متعلق جب شرط نہ لگائی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضمان نہیں لیا جائے گا لیکن شرط لگانے پر ان کے نزدیک بھی ضمان ہوگا۔ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ وہ امین ہے۔ (ت)

الفرویہ میں شرح مجمع علامہ ابن فرشتہ سے ہے:

ان شرط ان یضمن لو ھلک عندہ یضمن اتفاقا کذا فی الجامع وذکر فی الخانیۃ وتتمۃ الفتوی علی انہ لایضمن[3]۔

اگر اس کے پاس ہلاک ہو جانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا، جامع میں یوں ہے، اور خانیہ اور تتمۃ الفتاوی میں ہے کہ ضمان نہیں لیا جائے گا۔ (ت)

شرح کنز ملا مسکین میں ہے:

قیل اذا شرط الضمان علی الاجیر المشترک یصح عند ابی حنیفۃ وصار کان الاجر فی مقابلۃ العمل والحفظ جمیعا،

بعض نے کہا کہ مشترک اجیر پر ضمان کی شرط لگائی تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صحیح ہے یوں وُہ عمل اور حفاظت دونوں پر اجیر قرار پائے گا،

---

[1] فتاوی قاضیخاں کتاب الاجارات فصل فی القصار نولکشور لکھنؤ ۲/۴۴۴

[2] خلاصۃ الفتاوی " الفصل السادس الجنس الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۱۳۷

[3] فتاوی الفرویۃ کتاب الاجارہ فی ضمان الاجیر المشترک دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/۳۲۳

کذا فی شرح الوقایۃ وھو قول الفقیہ ابی بکر والفقیہ ابو اللیث یفتی بانہ لو شرط علیہ الضمان لایصح۔[1]

شرح وقایہ میں یوں ہے، اور یہ ابوبکر کا قول ہے، اور فقیہ ابو اللیث کا فتوٰی یہ ہے کہ اگر اس پر ضمان کی شرط لگائی تو صحیح نہیں ہے (ت)

وجیز امام کردری نوع فی الحمامی میں نوازل سے ہے:

دخل الحمام و قال للحمامی احفظ ھذہ الثیاب فخرج ولم یجدھا ان شرط علیہ الضمان یضمن اجماعا ان سرق او ضاع والا لا۔[2]

حمام میں داخل ہوا اور حمام والے کو کہا ان کپڑوں کی حفاظت کرنا وہ حمام سے نکلا تو کپڑوں کو غیب پایا اگر اس نے حمام والے پر ضمان کی شرط لگائی تھی تو بالاتفاق ضامن ہوگا اس نے چوری یا ضائع کیے ہوں ورنہ نہیں۔ (ت)

اس کے بعد خود فرمایا:

وقد ذکرنا انہ لاتاثیر للشرط وتاویلہ انہ لما شرط علیہ الضمان فقد قابل الاجر بھما فیکون علی الخلاف فی المشترک۔[3]

ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ شرط کا کوئی اثر نہیں ہے تو اس کی تاویل یوں ہوگی کہ اگر اس نے شرط قبول کرلی تو گویا اس نے دو چیزوں پر اس کو اجیر بنالیا لہٰذا یہ مشترک اجیر کی صورت کے خلاف معاملہ ہوا۔ (ت)

ذخیرہ وخلاصہ وعمادیہ وغمز العیون وغیرہ میں ہے:

وھذا اللفظ للذخیرۃ کان الفقیہ ابوبکر یقول ضمن الحمامی اجماعا وکان یقول انما لایضمن الاجیر المشترک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یشترط علیہ الضمان اما اذا شرط یضمن وکان الفقیہ ابوجعفر یستوی بین شرط الضمان وعدم الشرط

ذخیرہ کے الفاظ میں ہے کہ ابوبکر فقیہ، حمام والے کو بالاجماع ضامن قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشترک اجیر پر جب شرطِ ضمان نہ لگائی تو وہ ضامن نہ ہوگا لیکن اگر شرط لگادی تو ضامن ہوگا اور فقیہ ابوجعفر شرط اور عدم شرط کو مساوی قرار دیتے تھے اور ضمان

---

[1] شرح الکنز لملّا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاجارۃ الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

[3] " " " " " " " " " " " " " " ۵/ ۹۱

وکان یقول بعد م الضمان قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی و بہ ناخذ ونحن نفتی بہ[1] اھ، قلت و معنی ھذا الکلام ان الفقیہ ابا جعفر کان یستوی بینھما علی قول الامام وکان یقول لا یضمن عندہ وان شرط اما ھو بنفسہ فقد کان یمیل الی قولھما کما قدمنا عن الخانیۃ عن الفقیہ ابی اللیث۔

اور ضمان کا قول نہ کرتے۔ اور فقیہ ابو اللیث نے فرمایا ہمارا یہی موقف ہے اور ہم یہی فتوٰی دیں گے اھ، میں کہتا ہوں اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے قول پر دونوں صورتیں مساوی ہیں کہ اگرچہ شرط بھی لگائی ہو ضامن نہ ہوگا، لیکن ان کا اپنا رجحان صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ ہم نے خانیہ سے ابو اللیث کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

قنیہ و اشباہ میں ہے:

محلہ عند عدم اشتراط الضمان علیہ اما معہ فیضمن اتفاقا[2]۔

اس کا محل ضمان کی عدم شرط ہے لیکن شرط کی صورت میں بالاتفاق ضامن ہوگا۔ (ت)

جمہور ائمہ متاخرین نے ائمہ مذہب و صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات دیکھ کر وہ قول فیصل اختیار فرمایا کہ اجیر اگر صلحائے متقین سے ہے تو قولِ امام مختار یا اس کے خلاف ہے تو قول صاحبین وایجاب ضمان اور مستور الحال ہے تو دونوں قول کے لحاظ سے نصف ضمان واجب نصف ساقط، اور شک نہیں کہ یہ قول جامع الاقوال و مراعی احوال وارفق بالناس واحفظ للاموال ہے کہ تغیر حالات زمانہ اس پر حامل ہوا، اور اس میں ارفق واحتیاط دونوں پہلو کا لحاظ رہا۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے یونہی حکم فرماتے، فتاوٰی خیریہ و فتاوٰی اسعدیہ میں ہے:

مسئلۃ الاجیر المشترک فیھا ثلثۃ اقوال بل اربعۃ عدم الضمان مطلقا والضمان مطلقا والصلح علی النصف جبرا عملا بالقولین وفی جامع الفصولین رامزا لفوائد صاحب المحیط لوکان الاجیر صالحا

مشترک اجیر کے مسئلہ میں تین بلکہ چار قول ہیں، مطلقاً عدم ضمان مطلقاً ضمان نصف نقصان پر جبراً ضمان تاکہ دونوں اقوال پر عمل ہو، اور جامع الفصولین میں صاحب محیط کے فوائد کا اشارہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اجیر صالح شخص ہے تو قسم لے کر بری کیا جائیگا

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[2] الاشباہ والنظائر " الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۲

یبرأ بیمینہ ولوکان بخلافہ یضمن، ولو کان مستورا یؤمر بالصلح فھذہ اربعۃ اقوال کلھا مصححۃ مفتی بھا واما احسن التفصیل الاخیر[1] اھ مختصرًا۔

اور غیر صالح ہو تو ضمان لیا جائے اور مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ دیا جائے تو یہ چار قول ہوئے، اور تمام کے تمام پر فتوٰی صحیح ہے اور آخری تفصیل کیا اچھی ہے اھ مختصرًا (ت)

فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

اختار ابوجعفر وابواللیث رحمھما اللہ تعالٰی فیہ ان کان صالحا یبرء بیمینہ وان کان مستورا یؤمر بالصلح وافتی بذٰلک کثیر من المتاخرین وھو اولٰی من غیرہ واسلم وبمثلہ افتی الخیر الرملی[2]۔

ابوجعفر اور ابواللیث کا مختار یہ ہے اگر وہ صالح شخص ہو تو قسم لے کر بری کردیا جائے، اور اگر وہ مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ کیا جائے اس پر بہت سے متاخرین نے فتوٰی دیا ہے اور یہ قول دوسروں کی نسبت اولٰی ہے اور خیر الدین رملی نے اسی طرح فتوٰی دیا ہے (ت)

منح الغفار وطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

ھو فتوی القاضی الامام جلال الدین الزاھدون[3]۔

امام جلال الدین زاہدون کا یہی فتوٰی ہے۔ (ت)

بالجملہ چار قول مفتٰی بہ سے دو قول پر بیمہ ومنی آرڈر وغیرہما میں ڈاکخانہ سے یہ قرارداد ضمان جائز وصحیح ومقبول ہے اور انسان کو عمل ونجات کے لئے ایک ہی قول مفتٰی بہ کافی نہ کہ متعدد نہ کہ جب وہی ارفق وہی استحسان ہونے کے علاوہ حالت زمانہ اسی کے داعی اور وہی حفظ اموال ناس کا مراعی ہو باوصف ان شدتوں سختیوں کے جو قوانین ڈاک میں ضیاع مال بیمہ ومنی آرڈر پر رکھی ہیں کہ نوکریاں جائیں قیدیں اٹھائیں سزائیں پائیں، پھر بھی خائنوں بددیانتوں کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں، عدمِ ذمہ داری کی حالت میں ظاہر ہے جو کچھ ہوتا ہے، توفقیہ نبیہ اس شرط ضمان کے جواز میں اصلًا تردد نہ کرے گا، وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ، باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۲/۱۴۱
الفتاوی الاسعدیۃ " المطبعۃ الخیریۃ مصر ۲/۲۶۹

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۱۴-۱۱۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۶

ثم اقول وبہ استعین، ان مفتیانِ زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ ومہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی، مگر اس تقریر منیر سے بحمد اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ وہ شُبہہ بھی حل ہوگیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادمِ فقہ کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس، ہمارے علمائے کرام نے سفتجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ ہر مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اُس نے حاصل کیا وکل قرض جرمنفعۃ فھو ربا (جو قرض نفع مند ہو وہ ربا ہے۔ ت) بظاہر منی آرڈر وہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکا کھاتی ہے دونوں کا حال ایک ہے حالانکہ اگر ذرا تامل کو کام میں لائیے تو آفتاب روشن کی طرح متجلّی ہو کہ ان میں باہم زمین وآسمان کا فرق ہے، ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اُسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو قرض جر منفعۃ فھو ربا بلا شبہہ صادق، ہنڈوی کرنے والوں کی کوٹھیاں داد وستد ہی کے لئے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لئے مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا فلہذا قرض دیتا ہے اور اس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے، علمائے سفتجہ کی تفسیر یہی فرمائی۔ ہندیہ میں کافی اور ردالمحتار میں کفایہ سے ہے:

واللفظ للشامی صورتھا ان یدفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعہ الی صدیقہ وانما یدفعہ قرضا لا امانۃ لیستفید بہ سقوط خطر الطریق[1]۔

شامی کے الفاظ میں ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تاجر کو قرض دیا کہ وُہ یہ قرض میرے دوست کو پہنچادے اور رقم امانت کی بجائے قرض کی صورت میں دی تاکہ راستے کے خطرہ سے محفوظ رہے۔ (ت)

بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اُجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتی بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کیلئے کافی ووافی، مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اُسی قدر افادہ سقوط خطر کیلئے متکفل، قرض دینے سے اُس کی کوئی غرض اصلاً متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع، فرض کیجئے اگر ڈاک خانہ زرِ منی آرڈر بعینہٖ بھیجا کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اُسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے، اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرار داد یہ ضمان کا مستحق ہوچکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو الٹا نقصان دیتا ہے کہ مصر و عرب و شام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جاکر از انجا کہ وہاں سکۂ سیم نہیں سکۂ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اس پر بہت کچھ بٹا لیا جاتا ہے، غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجرا یعنی اہالی ڈاک نے اپنی آسائش و تحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا، ذمہ داری بیمہ و منی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں اُن ذمہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان۔ لہذا یہ ٹھہرا لیا کہ زر داخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بالفرض غلط اس صورت میں ڈاکخانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں یدفعہ قرضًا یستفید بہ (کسی فائدہ کے حصول کے لئے قرض دیا۔ ت) صادق نہیں بلکہ یاخذہ قرضًا یستفید بہ، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (قرض فائدہ کے لئے لیتا ہے، تحقیق یُوں چاہئے، اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہی ہے۔ ت)

بالجملہ یہ وجوہ تو جواز منی آرڈر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتیں، ہاں یہاں ایک اور امر قابل نظر و غور تھا کہ اذہان مفتیان اگر اُس طرف جاتے تو کہا جاتا کہ طرز فقہی پر کلام کیا وہ یہ کہ بلاشبہہ یہ عقد عقد اجارہ اور فیس اجرت عمل، اور قرض تنہا پر نفع مستقرض اور سفاتج پر قیاس مختل، مگر جبکہ یہ قرض مفروض و داخل ضابطہ ہے تو اجارہ ایسی شرط پر ہُوا جس میں احد العاقدین کا نفع ہے اور مقتضائے عقد نہیں، اسی قدر منع و فساد عقد کے لئے بس ہے ولکنی اقول و بحول اللہ تعالٰی اجول (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہُوں اور اللہ تعالٰی کی دی ہُوئی طاقت سے لکھتا ہُوں۔ ت)

ہنوز بلوغ شرط تا حد افساد میں اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز رہے گی اور صحت و جواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد و امصار و اقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر و سائر ہونا تو محتاج بیان نہیں، مگر فقیر وہ کلمات علماء چند ابحاث میں ایراد کرے جو اس مسئلۂ شرط کو واضح کرکے بعونہٖ تعالٰی مانحن فیہ کا حکم روشن کردیں، بحث اوّل شرط سے اصل نہی منصوص دربارۂ بیع وارد کہ:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من بیع الشرط، رواہ ابوحنیفۃ

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرط والی بیع سے منع فرمایا، اس کو امام ابوحنیفہ

37

قال حدثنی عمرو بن شعیب عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] ومن طریق الامام رواہ الطبرانی فی معجمہ الاوسط[2] والحاکم فی علوم الحدیث ومن جھتہ ذکرہ عبدالحق فی احکامہ وسکت عنہ قال ابن القطان (وھو علی بن محمد الحمیری الفاسی ذاک المتاخر المیت ۶۲۸ھ سنۃ ثمان وعشرین وستمائۃ) فی کتاب الوھم والایھام (ولا اری ھذا الاسم الا بالالھام فانہ وقد وھم فیہ واوھم فی کثیر من المقام) بعد ما ذکر الحدیث المذکور من کتاب الاحکام علتہ ضعف ابی حنیفۃ فی الحدیث[3] اھ اقول عفا اللہ عنک یا ابن القطان الست ذلک المعروف المشہور بالتعنت فی الرجال حتی اخذت تلین ذلک الجبل الشامخ ھشام بن عروۃ ولو اجتمعت انت ومئون من امثالک وامثال شیوخک

رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا، انھوں نے فرمایا مجھے یہ حدیث عمرو بن شعیب نے اپنے دادا سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کی اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی کے طریقہ سے اس کو طبرانی نے معجم الاوسط اور حاکم نے علومِ حدیث میں اور امام صاحب کے طریقہ سے اس کو عبدالحق نے اپنے احکام میں ذکر کیا اور جرح نہ کی، ابن قطان (اور وہ علی بن محمد حمیری فاسی متاخرین میں ہیں ان کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی ہے) نے اپنی کتاب "الوہم والایہام" میں کہا (میری رائے میں کتاب کا یہ نام الہامی ہے کیونکہ ان کو اس کتاب میں بہت سے وہم لاحق ہوئے اور کئی مقامات پر اس نے وہم پیدا کیے ہیں) اس نے اس کتاب میں اس حدیث کو "کتاب الاحکام" سے نقل کرکے کہا کہ اس حدیث میں کمزوری یہ ہے کہ اس کے راوی ابوحنیفہ حدیث میں ضعیف ہیں اھ اقول (میں کہتا ہوں) ابن قطان تجھے اللہ تعالٰی معاف فرمائے کیا آپ وہی نہیں جو رجال حدیث کے متعلق ہٹ دھرمی میں مصروف ہیں، تو نے ایک بلند پہاڑ (ہشام بن عروہ) پر طعن شروع کردیا ہے، اور تو اور تیرے جیسے سیکڑوں اور تیرے مشائخ

---

[1] جامع المسانید الباب التاسع الفصل الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۳۵۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/ ۱۸۴

[3] بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام تحت حدیث ۱۳۰۱ دار طیبہ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۵۲۷

37
37

وشیوخ مشایخك لم تبلغوا جمیعا قوۃ ابی حنیفة ولا قوۃ غلمانه ولا قوۃ ھشام ولا اقرانه فی العلم والحدیث ولکن علتکم انتم ایھا الناس التعنت والتقشف وقلة الدرایة لمسالك التعرف وھذا ابومحمد عبد الحق کان اعرف منك بالحق حیث صحح الحدیث بایرادہ فی الاحکام والسکوت عنه۔

اور مشائخ المشائخ جیسے سیکڑوں بھی جمع ہوجائیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قوت درکنار، ان کے غلاموں اور ہشام اور ان کی ہم مثل علم اور حدیث والوں کو نہیں پہنچ سکتے، لیکن تم نے اپنی ہٹ دھرمی اور پراگندگی اور معرفت ودرایت کے راستوں کی کم علمی کی وجہ کو ذریعہ طعن بنالیا ہے حالانکہ صاحب کتاب الاحکام عبد الحق یہ تجھ سے حق کو بہتر جانتے ہیں جنھوں نے اس حدیث کو ذکر کرکے اس پر سکوت سے اس کی صحت بتادی۔ (ت)

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اجارہ کو اس پر قیاس فرمایا، ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع لانه بمنزلته الاتری انه عقد یقال ویفسخ[1]

اجارہ کو شرطیں فاسد کردیتی ہیں جیسے بیع کو فاسد کرتی ہیں کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے عقد کو اقالہ اور فسخ لاحق ہوتے ہیں (ت)

غایۃ البیان میں ہے:

قال القدوری فی مختصرہ وذلك لانھا عقد معاوضة محضة تقال وتفسخ فکانت کالبیع وکل ما افسد البیع افسدھا[2]

قدوری نے اپنی مختصر میں فرمایا: یہ اس لئے کہ خالص عقد معاوضہ ہے جو اقالہ اور فسخ کے قابل ہوتا ہے تو یہ بیع کی طرح ہے جو چیز بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اس کو بھی فاسد کرے گی۔ (ت)

اور بیع میں شرط افساد یا شرط عدم تعارفِ شرط ہے، ہدایہ میں ہے:

کل شرط لایقتضیه العقد وفیه منفعة لاحد المتعاقدین

ایسی شرط جس میں فریقین میں کسی ایک یا مبیع اگر فائدہ کا اہل ہے تو اس کا فائدہ شرط

---

[1] الہدایۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۹۶

[2] غایۃ البیان

اوللمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ الاان یکون متعارفا لان العرف قاض علی القیاس[1]

کیا جائے تو وہ بیع کو فاسد کر دے گی بشرطیکہ عرف میں وُہ شرط معروف نہ ہو کیونکہ قیاس پر عرف غالب ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط (لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لاحدھما او لمبیع من اھل الاستحقاق و لم یجر العرف بہ ولم یرد الشرع بجوازہ) اما لوجری العرف بہ کبیع نعل مع شرط تشریکہ او ورد الشرع بہ کخیار شرط فلا فساد[2]

کسی شرط کی وجہ سے عقد کے فساد کا سبب قاعدہ کی رُو سے ایسی شرط ہے جس کو نہ تو عقد قبول کرے اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس شرط میں فریقین یا نفع کا مستحق ہو تو مبیع کا فائدہ ہو بشرطیکہ اس شرط پر عرف قائم نہ ہو اور نہ ہی شریعت نے اس کے جواز کو بیان کیا ہو، لیکن اگر عرف میں اس کا جواز مروّج ہو جیسے پیشگی آرڈر پر جوتا سلوانا، یا اس شرط کے جواز پر شریعت وارد ہو جیسا کہ شرط خیار، تو فساد نہ ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ظاہر ہے اور تمام کتب مذہب میں دائر۔ اور مقیس کی طرف وہی حکم متعدی ہوگا جو اصل مقیس علیہ میں تھا نہ کہ زائد لاجرم متن غرر میں فرمایا:

تفسد بالشرط المفسد للبیع[3]

اجارہ، بیع کی فاسد شرطوں سے فاسد ہو جاتا ہے۔ (ت)

متن نقایہ میں فرمایا: یفسدھا شروط تفسد البیع[4] (بیع کو فاسد کرنیوالی شرطیں اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں۔ ت)، متن اصلاح میں تھا، الشرط یفسدھا[5] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ ت) شرح ایضاح میں فرمایا، المراد شرط یفسد البیع[6] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ ت)

بحث ثانی: کیا لازم ہے کہ وہ عرف زمانِ اقدس حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے واقع ہو **اقول** بعض علماء کی تقریر میں ایسا واقع ہُوا لیجعلہ من تقریر

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۱-۱۱۲

[5] اصلاح

[6] شرح ایضاح

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تاکہ عرف اس کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر و تائید بنادے۔ ت) مگر حق یہ کہ یہ ہرگز ضرور نہیں ہزارہا فروعِ مذہب وصدہا کلماتِ ائمہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں، امام برہان الدین ہدایہ اور محقق علی الاطلاق اُس کی شرح فتح میں فرماتے ہیں:

(من اشتری نعلا علی ان یحذ وھا البائع) المراد اشتری ادیما علی ان یجعلہ البائع نعلا لہ ویمکن ان یراد حقیقتہ ای نعل رجل واحدۃ علی ان یحذ وھا ای یجعل لہ شراکا فلابد ان یراد حقیقۃ النعل (فالبیع فاسد) قال المص (ما ذکرہ) یعنی القدوری (جواب القیاس) ووجھہ مابیناہ من انہ شرط لایقتضیہ العقد وفیہ نفع لاحد المتعاقدین وفی الاستحسان یجوز البیع ویلزم الشرط (للتعامل) کذلک ومثلہ فی دیارنا شراء القبقاب علٰی ھذا الوجہ ای علی ان یسمر لہ سیرا ومن انواعہ شراء الصوف المنسوج علی ان یجعلہ البائع قلنسوۃ اوقلنسوۃ بشرط ان یبطن لھا البائع بطانۃ من عندہ[1] اھ مختصرًا۔

جس نے اس شرط پر جُوتا خریدا کہ اس کو بائع سلائی کرکے بنائے، اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار نے چمڑا خریدا کہ اس کا جوتا سلائی کرکے بنا دے، اور ممکن ہے حقیقت مراد لے کر ایک پاؤں کا جوتا کہ ایک ہی پاؤں کی پیمائش کے مطابق تسمہ لگا دے اس صورت میں حقیقتاً ایک ہی مراد ہوگا تو بیع فاسد ہوگی، مصنّف نے فرمایا کہ قدوری نے جو ذکر کیا ہے وہ قیاس پر مبنی جواب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ جو مقتضٰی عقد نہیں ہے اور اس شرط میں ایک فریق کا فائدہ بھی ہے اور جبکہ استحسان کے طور پر یہ جائز ہے اور تعامل کی وجہ سے سلائی کی شرط لازم ہو جائیگی، اور اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑائیں اسی شرط پر خریدنا یعنی ان کو پٹے لگا دے اور اسی قسم سے ہے بُنی ہُوئی اُون ٹوپی بنانے کی شرط پر یا ٹوپی خریدنا استرا اپنے پاس سے لگانے کی شرط پر اھ مختصراً۔ (ت)

ردالمحتار میں اس کا بعض نقل کرکے فرمایا:

وفی البزازیۃ اشتری ثوبا اوخفا خلقا علی ان یرقعہ البائع ویسلمہ

بزازیہ میں ہے کہ کپڑا یا پُرانے موزے اس شرط پر خریدے کہ بائع مرمت کرکے دے تو

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۵

صح اھ ومثله فی الخانیه قال فی النهر بخلاف خیاطة الثوب لعدم التعارف اھ قال فی المنح فان قلت نهی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع وشرط فیلزم ان یکون العرف قاضیا علی الحدیث قلت لیس بقاض علیه بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة والعرف ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الا القیاس والعرف قاض علیه اھ قلت وتدل عبارة البزازیة والخانیة وکذا مسئلة القبقاب علی اعتبار العرف الحادث ومقتضی هذا انه لو حدث عرف فی شرط غیر الشرط فی النعل و الثوب والقبقاب ان یکون معتبرا اذا لم یؤد الی المنازعة۔[1]

صحیح ہے، اور اسی کی مثل خانیہ میں ہے۔ نہر میں فرمایا بخلاف کپڑے کی سلائی، کیونکہ اس میں تعارف نہیں اھ، منح میں فرمایا کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیع اور اس کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے تو اس سے لازم آئیگا کہ عرف حدیث پر غالب ہے۔ میں کہتا ہوں، عرف حدیث پر غالب نہیں بلکہ عرف قیاس پر غالب ہے کیونکہ حدیث میں منع کی علت جھگڑا ہے جس کی وجہ سے عقد بے مقصد بن جاتا ہے جبکہ عقد کا مقصد جھگڑے کو ختم کرنا ہوتا ہے اور عرف اس جھگڑے کو ختم کرتا ہے تو اس طرح عرف حدیث کے موافق ہوا تو اب صرف قیاس مانع ہے جس پر عرف غالب ہوا اھ میں کہتا ہوں، اس پر بزازیہ اور خانیہ کی عبارت دال ہے اور یونہی کھڑاؤں کا مسئلہ جدید عرف پر مبنی ہے تو اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر جوتے، کپڑے اور کھڑاؤں میں مذکورہ شرط کے علاوہ کوئی اور شرط عرف میں جاری ہوجائے تو وہ بھی معتبر ہوگی بشرطیکہ وہ جھگڑے کا باعث نہ ہو۔ (ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

ان اشتری صرما علی ان یخرز البائع له خفا اوقلنسوة بشرط ان یبطن له البائع من عنده فالبیع بهذا الشرط جائز للتعامل۔[2]

اگر چمڑے کا ٹکڑا جوتا بنادینے کی شرط پر خریدا یا ٹوپی استر لگادینے کی شرط پر خریدی کہ بائع اپنے پاس سے لگائے تو تعامل کی وجہ سے اس شرط پر بیع جائز ہوگی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۳۳

اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

وکذا لواشتری خفابہ خرق علی ان یخرزہ البائع او ثوبا من خلقانہ وبہ خرق علی ان یخیطہ ویجعل علیہ الرقعۃ۔[1]

اور یونہی اگر پھٹا ہوا موزہ خریدا اس شرط پر کہ بائع پیوند لگا کر دے یا پرانا پھٹا کپڑا پیوند لگانے کی شرط پر خریدا۔ (ت)

اسی میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

لواشتری کرباسا بشرط القطع والخیاطۃ لایجوز لعدم العرف۔[2]

اگر نیا کپڑا کاٹنے اور سلائی کی شرط پر خریدا تو عرف نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

صح وقف کل (منقول فیہ تعامل) للناس کفأس وقدوم ودراھم ودنانیر وقدر و جنازۃ وثیابھا ومصحف وکتب لان التعامل یترک بہ القیاس لحدیث "مارأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن" بخلاف مالا تعامل فیہ کثیاب متاع وھذا قول محمد وعلیہ الفتوٰی اختیار۔[3] (بالاختصار)

ایسی منقولہ چیز کا وقف جائز ہے جس میں عرف ایسا ہو، مثلاً کلہاڑی، تیشہ، دراہم، دنانیر، ہانڈی، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، قرآن مجید اور کتب، کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس چیز کو مسلمان پسند کریں تو وہ عند اللہ پسندیدہ ہے بخلاف اس کے جس میں تعامل نہ ہو، مثلاً سامان والے کپڑے۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اختیار (بالاختصار)۔ (ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

وقف کرا علٰی شرط ان یقرضہ لمن لابذر لہ لیزرعہ لنفسہ فاذا ادرک اخذ مقدارہ ثم اقرضہ لغیرہ وھکذا

گندم ایک کُر (پیمانہ) وقف کی کہ جس کے پاس بیج نہ ہو اس کو قرض دی جائے تاکہ وہ اپنی زراعت کرلے اور جب گندم کی فصل اترے تو اتنی مقدار واپس کردے، پھر وہ اسی طرح دوسرے کو قرض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۳۴
[2] " " " " " ۳/۱۳۴
[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰

جائز، وقف بقرۃ علی ماخرج من لبنها او سمنها للفقراء ان اعتادوا ذلک رجوت ان یجوز[1]۔

دی جائے، اور یُونہی گائے وقف کی جائے کہ اس کا دُودھ یا گھی فقراء کو دیا جائے، اگر لوگ یہ عادت بنالیں تو مجھے امید ہے کہ جائز ہوگا۔ (ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

رجل وقف بقرۃ علی ان ما یخرج من لبنها و سمنها و شیرازها یعطی ابناء السبیل ان کان ذلک فی موضع تعارفوا ذلک جاز کما یجوز ماء السقایۃ[2]۔

کسی شخص نے گائے وقف کی کہ اس کا دودھ یا گھی اور دہی مسافروں کو دیا جائے اگر کسی علاقہ میں یہ تعارف ہو تو جائز ہے جیسے مشکیزے کا پانی۔ (ت)

اسی میں ہے:

وقف المنقول مقصودا فان کان کراعا او سلاحا یجوز وفیما سوی ذلک ان کان شیئا لم یجر التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان لا یجوز عندنا وان کان متعارفا کالفأس والقدوم والجنازۃ وثیاب الجنازۃ وما یحتاج الیه من الاوانی والقدور فی غسل الموتی و المصاحف قال محمد یجوز والیه ذهب عامۃ المشائخ منهم الامام السرخسی کذا فی الخلاصۃ وهو المختار والفتوی علی قول محمد کذا قال شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی مختار الفتاوی[3]۔

اگر منقول بامقصد چیز کو وقف کیا اگر وہ سواری یا ہتھیار ہو تو جائز ہے ان کے علاوہ اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کو وقف کرنا عرف میں مروج نہیں جیسے عام کپڑے اور حیوانات تو ہمارے نزدیک جائز نہیں اور وہ متعارف ہو جیسے کلہاڑی اور تیشہ، اور جنازہ کی چارپائی اور اس کا کپڑا اور میت کو غسل میں کام آنے والے برتن اور قرآن مجید، تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے، اسی کو عام مشائخ جیسے امام سرخسی وغیرہ نے اپنایا ہے۔ خلاصہ میں ایسے ہی ہے، وہی مختار ہے، اور فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے، امام شمس الائمہ حلوانی نے یوں فرمایا اور فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۰
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۶۲-۳۶۱
[3] " " " " " " ۲/۳۶۱

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے فصل وقف المنقول میں ہے:

جعل فی المسجد بواری او غلق باب او حصیر لم یکن لہ ان یرجع وکذٰلک لو علق فیہ سلسلۃ او حبلا للقندیل لان ھذا یترک فی المسجد دائما عادۃ فیکون للمسجد[1]۔

مسجد میں بچھونا، دروازے کا تالا، چٹائی دی تو واپس لینے کا حق نہیں، اور یونہی اگر قندیل کی زنجیر یا رسّی دی ہو، کیونکہ عادۃً یہ چیزیں دائمی طور پر مسجد میں رکھی جاتی ہیں، لہذا یہ مسجد کے لئے مختص ہوجائیں گی۔ (ت)

غرر و درر میں ہے:

(عن محمد صحتہ فی المتعارف وقفیتہ) کالفأس والمر والقدوم والمنشار والجنازۃ وثیابہا والقدور والمراجل اذا وقف علی المسجد جاز واما وقف الکتب فکان نصیر بن یحیی یجیزہ والفقیہ ابوجعفر یجیزہ وبہ ناخذ خلاصہ[2] اھ مختصرا۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کلہاڑی پھاوڑی، تیشہ آرہ، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، ہنڈیا، دیگ مسجد کے لئے وقف کئے تو جائز ہے، ولیکن کتابوں کو وقف کرنا اسے نصیر بن یحیٰی اور فقیہ ابوجعفر جائز کہتے ہیں، اور ہمارا یہی موقف ہے، خلاصہ، اھ مختصرا۔ (ت)

غنیہ علامہ شرنبلالی میں برہان سے ہے:

زاد محمد ما تعورف وقفہ کالمصاحف والکتب والقدور والقدوم والفاس والمنشار والجنازۃ وثیابہا وما یحتاج الیہ من الاوانی فی غسل الموتٰی وعلیہ عامۃ المشائخ وبہ یفتی[3]۔

جن چیزوں کے وقف پر تعارف ہے ان میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید، کتب، ہنڈیا، تیشہ، کلہاڑی، آرہ، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا اور میّت کے غسل میں ضروری برتن کا اضافہ فرمایا ہے، عام مشائخ کا یہی موقف ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائیگا۔ (ت)

نقایہ وشرح علامہ برجندی میں ہے:

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی المشاع قلمی نسخہ ۱/۲۱۷

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۳۷-۱۳۶

[3] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الحکام ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/۱۳۶

صح عنه (محمد وقف منقول فیه تعامل کالمصحف ونحوہ) من الکتب والطشت والقدوم والقیاس ان لایجوز وھو قول ابی حنیفة لانھا مما لایتأبد لکن القیاس یترک بالتعامل (وعلیه الفتوٰی)[1]، اھ ملتقطاً۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جن منقولہ چیزوں کے وقف میں تعامل ہے جیسے قرآن مجید وغیرہ کتب اور طشت، تیشہ کے وقف کو جائز قرار دیا ہے اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہیں، یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے کیونکہ یہ دائمی چیزیں نہیں ہیں لیکن تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوگیا اور اسی پر فتوٰی ہے اھ ملتقطاً۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال المصنف فی المنح لماجری التعامل فی زماننا فی البلاد الرومیة فی وقف الدراھم والدنانیر دخلت تحت قول محمد المفتی به فی وقف کل منقول فیه تعامل کمالایخفی، وقد افتی مولانا صاحب البحر بجواز وقفھا ولم یحک خلافا اھ، ولاشك فی کونھا من المنقول فحیث جرٰی فیھا تعامل دخلت فیما اجازہ محمد ولھذا لما مثّل محمد باشیاء جرٰی فیھا التعامل فی زمانه قال فی الفتح ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ماذکرہ محمد لما رأوا جریان التعامل فیھا وذکر منھا مسئلة البقرة ومسئلة الدراھم والمکیل حیث

مصنف نے منح میں فرمایا رومی علاقہ میں ہمارے زمانہ میں دراہم و دنانیر کا وقف عرف میں جاری ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول جس میں منقول کا وقف جائز ہے میں داخل ہوگا جیساکہ مخفی نہیں ہے، اور مولانا صاحب بحر نے اس کے جواز کا فتوٰی دیا اور کوئی مخالف قول نقل نہ فرمایا اھ اور اس منقول میں تعامل کے جاری ہونے میں شک نہیں ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ کے جواز میں داخل ہوگا، اسی لئے جب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے زمانہ میں تعامل والی اشیاء کی مثال بیان فرمائی تو فتح میں کہا کہ بعض مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ذکر کردہ اشیاء پر کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا جن میں تعامل دیکھا انہی چیزوں میں گائے، دراہم اور کیلی چیز کے مسئلہ کو ذکر فرمایا

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایۃ کتاب الوقف نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹
شرح النقایۃ للبرجندی فصل الوقف نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۷۲

قال ففی الخلاصة وقف بقرة علی ان ما یخرج من لبنها وسمنها یعطی لابناء السبیل قال ان کان ذلک فی موضع غلب ذلک فی اوقافهم رجوت[ع] ان یکون جائزا، قال فعلی هذا القیاس اذا وقف کرا من الحنطة علی شرط ان یقرض للفقراء ثم یؤخذ منهم ثم یقرض لغیرهم ان یکون جائزا قال ومثل هذا کثیر فی الری وناحیة دماوند اھ وبهذا ظهر صحة ما ذکره المص من الحاقها بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی به وانما خصوها بالنقل عن زفر لانها لم تکن متعارفة اذ ذاک ء قال فی النهر ومقتضی ما مر عن محمد عدم جواز ذلک ای وقف الحنطة فی الاقطار المصریة لعدم تعارفه بالکلیة نعم وقف الدراهم

اور کہا خلاصہ میں ہے کہ گائے وقف کی کہ اس کا دودھ اور گھی مسافروں کو دیا جائے، اور فرمایا کہ اگر کسی مقام میں لوگوں نے وقف میں یہ تعامل بنایا ہو تو مجھے امید ہے کہ یہ جائز ہوگا، اور فرمایا اس پر قیاس ہوگا جب کوئی شخص گندم کا کُر (پیمانہ) اس شرط پر وقف کرے کہ ضرورتمند فقیر کو یہ قرض دیا جائے اور پھر واپس ملنے پر دوسرے فقیر کو قرض دیا جائے تو لازماً جائز ہوگا اور کہا کہ رے اور دماوند کے علاقہ میں اس قسم کا کثیر رواج ہے اھ اس سے مصنف کا مذکورہ کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول متعارف مفتی بہ کے ساتھ الحاق کی صحت معلوم ہوگئی۔ امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول کے ساتھ گندم مذکور کے مسئلہ کو فقہاء کا مختص کرنا اس لئے ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے زمانہ میں یہ معاملہ متعارف نہ ہوا تھا، اور نہر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول شدہ کا مقتضٰی اس گندم کو وقف کرنے کا عدم جواز ہے کیونکہ مصری علاقہ میں ابھی اس کا بالکل تعارف

ع قلت هذه نسخة کتبها فی نسختی الخلاصة علی الهامش والذی فی متنها جاز ان کان تعارفوا ذلک کما فی النقایة اھ کما هو عبارة الظهیریة الآتیة ۱۲ منه۔

میں کہتا ہوں یہ نسخہ میرے پاس خلاصہ کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے اور اس کے متن میں ہے کہ اگر لوگوں کا اس پر تعارف ہو تو جائز ہے جیسا کہ نقایہ میں ہے اھ، جیسا کہ ظہیریہ کی آئندہ عبارت میں ہے ۱۲ منہ (ت)

والدنانير تعورف فی الدیار الرومیة اھ قوله لان التعامل یترك به القیاس فی البحر عن التحریر ھو الاکثر استعمالا وفی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اھ، فظاھر ما قدمناہ انفا من زیادۃ بعض المشائخ اشیاء جری التعامل فیھا وعلی ھذا فالظاھر اعتبار العرف فی الموضع او الزمان الذی اشتھر فیه دون غیرہ فوقف الدراھم متعارف فی بلاد الروم دون بلادنا ووقف الفاس والقدوم کان متعارفا فی زمن المتقدمین ولم نسمع به فی زماننا فالظاھر انه لایصح الآن ولئن وجد نادرا لایعتبر لما علمت من ان التعامل ھو الاکثر استعمالا فتامل[1] اھ ملخصًا۔

نہیں ہے ہاں دراہم ودنانیر کے وقف رومی علاقہ میں موجود ہے اھ، اس کا قول کہ، کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوجاتا ہے، بحر میں تحریر سے منقول ہے کہ یہ استعمال کثیر ہے اور شرح بیری میں مبسوط سے منقول ہے کہ عرف سے ثابت شدہ نص کی طرح ہے اھ، تو اس سے ابھی ہمارا بیان کردہ ظاہر ہوا کہ مشائخ کا بعض چیزوں کو شامل کرنا تعامل کی بنا پر ہے، اور اس بنیاد پر ظاہر ہوا کہ جس علاقہ یا زمانہ میں عرف مشہور ہُوا وہی معتبر ہے دوسروں کے لئے معتبر نہیں، تو دراہم کا وقف روم کے علاقہ میں متعارف ہے ہمارے علاقہ میں یہ معروف نہیں ہے اور کلہاڑی اور تیشہ کا وقف متقدمین کے زمانہ میں تھا اپنے زمانہ میں ہم نے یہ نہیں سنا تو ظاہر یہ ہے کہ اب یہ جائز نہیں اگر کہیں نادر طور پر موجود ہو تو معتبر نہ ہوگا کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ تعامل وُہ ہوتا ہے جس کا استعمال زیادہ ہو، تو غور کرو، اھ، ملخصًا۔ (ت)

اسی میں تتارخانیہ سے ہے:

عن ابی یوسف یجوز بیع الدقیق واستقراضه وزنا اذا تعارف الناس ذلك استحسن فیه[2]

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ آٹے کی بیع اور اس کو قرض بطور وزن دینا اگر عرف بن جائے تو استحسانًا جائز ہوگا (ت)

اسی میں بحوالہ طحطاوی فتاوٰی غیاثیہ سے ہے: وعلیه الفتوٰی[3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۷۵-۳۷۴

[2] و [3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا " " " " " ۴/۱۸۲

تنویر و در میں ہے :

(یستقرض الخبزوزنا وعددا) عند محمد وعلیه الفتوٰی ابن الملك و استحسنه الکمال واختارہ المصنف تیسیرا، اختیار[1]

روٹی کو گنتی اور وزن دونوں طرح قرض دینا لینا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے، اور اسی پر فتوٰی ابن الملک ہے۔ اس کو کمال نے پسند کیا اور مصنف نے آسانی کی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔ (ت)

اختیار پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے :

ھو المختار لتعامل الناس وحاجاتھم الیه[2]

لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی بنا پر یہی مختار ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے :

(ما نص) الشارع (علی کونه کیلیا) کبر وشعیر او تمر وملح (او وزنا) کذھب وفضة (فھو کذلك) لایتغیر (ابدا فلا یصح بیع حنطة بحنطة وزنا کما لو باع ذھبا بذھب او فضة بفضة کیلا) ولو (مع التساوی) لان النص اقوٰی من العرف فلا یترك الاقوٰی بالادنٰی (وما لم ینص علیه حمل علی العرف) وعن الثانی اعتبار العرف مطلقا ورجحه الکمال (وخرج علیه سعدی افندی

شارع نے جس چیز کے کیلی ہونے پر نص فرمائی مثلاً گندم، جَو، کھجور اور نمک وہ کیلی اور جس کے وزنی ہونے پر نص فرمائی وہ وزنی ہوگی جیسے سونا اور چاندی، یہ تبدیل نہ ہوسکیں گی، تو گندم کی خرید و فروخت وزن کے طور پر اور سونے چاندی کی کیل کے طور جائز نہ ہوگی اگرچہ ہم جنس کے ساتھ مساوی لین دین ہو، کیونکہ نص اقوٰی ہے عرف سے تو اقوٰی کو ادنٰی کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے گا، اور وہ اشیاء جن پر نص وارد نہ ہوئی ان کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عرف کا مطلقاً اعتبار ہوگا، اس کو کمال نے ترجیح دی ہے اور اسی پر سعدی آفندی نے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] ردالمحتار 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۷

حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار 〃 〃 دارالمعرفة بیروت ۳/ ۱۱۲

استقراض الدراهم عددا وبیع الدقیق وزنا فی زماننا یعنی بمثله وفی الکافی الفتوی علی عادۃ الناس بحر واقرہ المصنف[1] اھ ونقلہ عن العلامۃ سعدی فی النھر واقرہ۔

دراہم کو عدد کے طور قرض لینا اور آٹے کو وزن کے ساتھ ہم جنس سے لین دین کرنا متفرع کیا ہے اور کافی میں ہے کہ فتوٰی لوگوں کی عادت پر ہوگا' بحر' اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ' اور اس کو انھوں نے علامہ سعدی آفندی سے نہر میں نقل کیا اور ثابت رکھا۔(ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود کتاب البیوع فصل سادس میں ہے:

اذا اشتری ثمار بستان وبعضھا قد خرج وبعضھا لم یخرج فھل یجوز ھذا البیع' ظاھر المذھب انہ لایجوز وکان شمس الائمۃ الحلوانی یفتی بجوازہ فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیر ذلک وکان یزعم انہ مروی عن اصحابنا[2]۔

جب باغ اس حالت میں خریدا کہ اس کا کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ نہ ظاہر ہوا تو کیا یہ جائز ہوگا' تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ ناجائز ہے، حالانکہ شمس الائمہ حلوانی پھلوں، بینگن، تربوز وغیرہا میں اس کے جواز کا فتوٰی دیا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ جواز ہمارے اصحاب سے مروی ہے(ت)

بحرالرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل فضلی سے ہے:

استحسن فیہ لتعامل الناس فانھم تعاطوا بیع ثمار الکرم بھذہ الصفۃ ولھم فی ذلک عادۃ ظاھرۃ وفی نزع الناس عن عاداتھم حرج[3]۔

انھوں نے اس کو پسند کیا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے کیونکہ وہ انگوروں کے پھل کا اسی حالت میں لین دین کرتے ہیں، اور لوگوں کی یہ عادت معروف ہے جبکہ لوگوں کی عادت چھڑانا حرج کی بات ہے(ت)

فتح القدیر میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

[2] نشر العرف بحوالہ الذخیرۃ البرہانیۃ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۳۹-۴۰

[3] بحرالرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۱

قد رأیت روایة فی نحو هذا عن محمد فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق ثم جوّز البیع فی الکل وھو قول مالك[1]۔

میں نے امام محمد رحمہ اللہ سے اس طرح کی روایت پودوں پر گلاب کے بارے میں دیکھی ہے حالانکہ گلاب یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے ہیں پھر انہوں نے تمام گلابوں میں بیع کو جائز فرمایا ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الزیلعی قال شمس الائمة السرخسی والاصح انه لا یجوز لان المصیر الی مثل هذه الطریقة عند تحقق الضرورة ولاضرورة ھنا لانه یمکنه ان یبیع الاصول او یؤخر العقد فی الباقی الی وجوده او یبیح له الانتفاع بما یحدث فلاضرورة الی تجویز العقد فی المعدوم مصادما للنص قلت لکن لایخفٰی تحقق الضرورة فی زماننا لاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورة وان امکن بالنسبة الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبة الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج کما علمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی هذه البلدان اذلا تباع الا کذلك والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

زیلعی نے کہا کہ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت کو ضرورت کی بناء پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پودا خریدلینا یا باقی گلاب کی بیع کو ان کے ظاہر ہوجانے تک موخر کردیا جائے یا آئندہ ظاہر ہونے والے گلاب سے انتفاع کو مباح کردے اس گنجائش کے باوجود معدوم گلاب کی بیع کو جائز کرنا نص سے متصادم ہوگا اھ، میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا تحقق مخفی نہیں خصوصًا دمشق کے علاقہ میں جو کثیر باغات اور پھلوں کا علاقہ ہے تو لوگوں پر جہالت کے غلبے کی وجہ سے ان کو مذکورہ طرق پر پابند کرنا اگرچہ بعض لوگوں کو ممکن ہے لیکن عوام کے لئے یہ ممکن نہیں جبکہ ان کو عادت چھڑانے پر حرج لاحق ہوگا جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا ہے، اور لازم آئے گا کہ اس علاقہ میں لوگ حرام پھل کھاتے ہیں کیونکہ باغات کے پھل فروخت کرنے کا وہاں یہی رواج ہے حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع فصل لما ذکر ما ینعقد بہ البیع الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۹۲

انما رخص فی السلم للضرورۃ مع انہ بیع المعدوم فحیث تحققت ھنا ایضا امکن الحاقہ بطریق الدلالۃ فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان وظاھر کلام الفتح المیل الی الجواز ولذا اورد لہ الروایۃ عن محمد بل تقدم ان الحلوانی رواہ عن اصحابنا وما ضاق الامر الا اتسع ولا یخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ[1] اھ بتلخیص۔

نے ایک ضرورت کے تحت معدوم چیز کی بیع کو بیع سلم کے طور جائز فرمایا تو جب یہاں بھی یہ ضرورت متحقق ہے تو اس کو بھی بیع سلم کے ساتھ بطریقہ دلالۃ النص ملحق کرنا ممکن ہے تو اس طرح یہ نص سے متصادم نہ ہوگا، فقہاء کرام نے استحسان میں اس لئے اسکو اختیار فرمایا ہے اور فتح کا ظاہر کلام جواز کی طرف مائل ہے اسی لئے انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ سے یہاں روایت نقل فرمائی بلکہ پہلے گزرا کہ امام حلوانی نے یہ بات ہمارے اصحاب سے نقل فرمائی، اور جب معاملہ میں تنگی آتی ہے تو صرف وسعت ہی لاتی ہے، تو مخفی نہ رہا کہ ظاہر روایت سے عدول کا یہ جواز ہے اھ ملخصاً (ت)

یہ سر دست تیس کتابوں سے تیئیس متون میں کتب: قدوری[1]، ہدایہ[2]، فتح القدیر[3]، ردالمحتار[4]، وجیز کردری[5]، فتاوی امام قاضیخاں[6]، منح الغفار[7]، ہندیہ[8]، تاتارخانیہ[9]، محیط امام برہان الاسلام سرخسی[10]، فتاوی امام ظہیر الدین مرغینانی[11]، تنویر الابصار[12]، درمختار[13]، خلاصہ[14]، مختار الفتاوی[15]، خزانۃ المفتین[16]، فتاوی کبری[17]، درر الحکام[18]، غنیہ ذوی الاحکام[19]، برہان شرح مواہب الرحمن[20]، متن نقایہ[21]، شرح برجندی[22]، بحر الرائق[23]، نہر الفائق[24]، طحطاوی[25]، فتاوی غیاثیہ[26]، جامع المضمرات[27]، شرح نقایہ للقہستانی[28]، شرح المجمع لابن فرشتہ[29]، اختیار شرح مختار[30]۔

مسائل: بیع نعل[1] اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے، اس[2] میں تسمہ لگادے، بیع چرم[3] بشرطیکہ جوتا سی دے، کھڑاؤں[4] کی بیع میں پھٹے لگا دینے کی شرط، بُنی[5] ہوئی اون کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کردے، ٹوپی[6] اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، پھٹے[7] پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، کھال[8] اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے، جنازے[9] کے لئے چارپائی، چادروں[10] غسل میت[11] کے لئے گھڑوں لوٹوں کا وقف، اہل حاجت کے لئے کلہاڑی[12] بسولے[13] آرے[14] پھاوڑوں[15] کا وقف، مسافروں[16] کے لئے طشت، ہانڈی[17]، بڑی[18] دیگ کا وقف، مساجد کے لئے قندیل[19]

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

کی رسی زنجیر کا وقف، قرآن[20] مجید و کتب[21] و غلہ[22] و کاؤ[23] و دراہم[24] و دنانیر کا وقف آٹے سے آٹا تول کر بیچنا نہ کہ ناپ سے، تول[25] پر آٹا قرض لینا، روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے، روٹیوں کا گن کر قرض لینا اموال ستہ ربویہ میں کیل و وزن کا عرف بدلنے پر امام ابو یوسف کا اعتبار عرف فرمانا بیڑوں میں کچھ پھل آئے کچھ آنے کو ہیں ایسی حالت میں موجودہ و آئندہ کل بہار کی بیع کو امام حلوانی و امام فضل وغیرہما کا جائز فرمانا اور خود شمار کتب کا محل ہی کیا ہے، قطع نظر ادر مسائل سے یہی مسئلے اگر دیکھیں تو مذہب کے عامۂ متون و شروح و فتاوے سے کوئی کتاب ان سے خالی نہ پائیے یہ اور ان کے امثال کثیرہ جن کے خرمن سے خوشہ ابحاث آتیہ بھی ان شاء اللہ العزیز آتا ہے سب برخلاف اصل و قیاس ہیں جنھیں ائمہ کرام و علمائے اعلام نے تعامل و عرف پر مبنی فرمایا اب کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ ان باتوں کا تعامل زمانۂ اقدس حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے:

حاشا اللہ ثم حاشا اللہ وان طلب کل طلب لاعیاہ۔

ہرگز نہیں اگرچہ پوری محنت سے طلب کرے عاجز رہے گا۔ (ت)

بھلا کھڑاؤں کا پہننا ہی زمانۂ اقدس سے ثابت کرے مصحف و کتب کہاں تھیں کہ وقف ہوتے آٹے میں تول کب تھی اور مساجد میں قندیلیں لٹکانے کی زنجیریں کب تھیں۔

تبدیل کیل و وزن تو خود عرف حادث ہی میں کلام ہے جس کا غیر ستہ میں اعتبار تو مجمع علیہ اور ستہ میں امام ثانی کے نزدیک جسے محقق علی الاطلاق نے ترجیح دی، اور دربارۂ مسائل اوقاف تو عبارات مذکورہ درمختار و خلاصہ و فتح القدیر و عالمگیریہ و فتاوٰی ظہیریہ و نہر الفائق و منح الغفار وغیرہ نص صریح ہیں کہ سب عرف حادث ہیں، یہاں تک کہ ان میں بہت باتیں زمانۂ امام محمد کے بعد پیدا ہوئیں، بالجملہ ان جزئیات میں دلیل قائم ہے تو حدوث پر قدم تو کوئی ثابت کر ہی نہیں سکتا،

ومن ادعی فعلیہ البیان وعلینا ردہ بابین تبیان ان شاء اللہ العزیز المنان۔

اور جو دعوٰی کرے اس پر بیان لازم ہے اور ہم پر اس کا رَد بہت واضح انداز پر لازم ہے ان شاء اللہ العزیز المنان۔ (ت)

بحث ثالث: کیا ضرور ہے کہ وہ عرف تمام جہان کے تمام مسلمانوں کو محیط و شامل ہو

اقول بعض علماء کے کلام سے ایسا مترشح لیجعلہ من باب الاجماع (تاکہ اجماع کے باب میں شامل کرے) مگر حق یہ ہے کہ نہ یہ اصلاً لازم نہ کلمات سائر ائمہ کرام سلف خلف علمائے اعلام اس کے ملائم بلکہ

صراحۃً اس کے خلاف پر قاضی وحاکم،

اوّلاً ابھی تحریر الاصول امام ابن الہمام وبحرالرائق وردالمحتار سے گزرا: التعامل ھو الاکثر استعمالا[1] (تعامل وہ ہے جس کا استعمال کثیر ہو۔ ت) الاشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادۃ اذا اطردت او غلبت[2]۔ عادت وُہ معتبر ہے جب وہ عام اور غالب ہوجائے۔ (ت)

ثانیاً انھیں مسائل مذکورہ کو دیکھئے جن میں علمائے مذہب نے محل عرف وتعامل مانا کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ تمام بلاد کے تمام عباد کا یہی عرف ہے، بھلا کھڑاؤں کہاں کہاں پہنی جاتی ہے' پٹھے دار کہاں کہاں ہوتی ہے، اُون کی ٹوپی کہاں کہاں بُنی جاتی ہے، ایک دے کر دوسری اس کے ساتھ کی کہاں کہاں بنی ہے، کلہاڑی، بسولا، آرا، پھاوڑا، چارپائی، چادر، گھڑے، لوٹے، دیگ' دیگچی، طشت۔ دودھ، دہی کے لئے گائے، بیج لے کے غلّہ قرض کے لئے روپیہ کہاں کہاں وقف ہوتے ہیں الی غیر ذٰلک مما لایخفی۔

ثالثاً حاشا ﷲ یہ اگر عرف وتعامل حقیقتاً اجماع کل مسلمانانِ ہند درکنار اتفاق اکثر مومنین جمیع بلاد ہی مراد علماء ہوتا تو مسئلہ کالمستحیل ہوجاتا اور اس کی بناء پر حکم ناممکن رہتا، زمانۂ مشائخ کرام میں بحمد ﷲ تعالٰی اسلام مغارب ارض سے مشارق تک پھیل چکا تھا، مسلمان اقطار وآفاق میں آباد تھے، کوئی شخص ان بلاد وقُریٰ وشعاب وجبال کی گنتی بھی نہ بتا سکتا جہاں جہاں لا الٰہ الا ﷲ محمد رسول ﷲ پکارا جاتا تھا جل جلالہ وصلی ﷲ تعالٰی علیہ وسلم، چہ جائے آنکہ مسلمانوں کا شمار چہ جائے آنکہ اُن سب کے عمل وعرف پر اطلاع اور بغیر اس کے کسی کام میں حکم لگانا کہ عامۂ بقاع کے جمہور مسلمین کا عرف یُوں ہے قطعاً محال تو کسی مسئلہ کو عرف وتعامل پر بنا کرنا ہی ممتنع ہوتا، دُور کیوں جائیے اب تو ریل بھی آگبوٹ بھی ہے تار بھی ہے' اخبار بھی ہیں، ڈاک کے سلسلے بھی منتظم ہیں، مہینوں کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار وامصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں، مدتہا مدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں، کروڑوں روپے کے صرف سے مشرق ومغرب کی پیمائشیں ہوتی ہیں، بلاد وبقاع کے طول وعرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلسیں بنتی رہتی ہیں، غرض جس قدر دین کا انحطاط وتنزل ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر عن التحریر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں جسے دنیا پرست عبید النفس ترقی ترقی گا رہے ہیں زمانہ مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی اب اس تیسّر اسباب و تفتح ابواب ہی کے زمانے میں کوئی شخص ٹھیک ٹھیک طور پر بتادے کہ آفاق و اقطار، شرق و غرب و جنوب و شمال کے بلاد و قُریٰ و صحارٰی و جزائر و جبال میں حقیقی مسلمان جن کا عرف شرعاً ملحوظ و مقصود ہو نہ نیچری وغیرہم کفار مدعیانِ اسلام کہ اُن جیسے کروڑوں کا تعامل ہو تو مطلقاً مردود ہو کہاں کہاں آباد ہیں، ہر جگہ کے سچے مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کیا ہے کسی معاملہ خاص میں اُن میں ہر ایک کا عرف و عمل کس طور پر رہا ہے، حصر بلاد و شمار عباد جو کچھ بیان کرے اس پر دلیل معقول قابل قبول دکھائے نہ یہ کہ فلاں سال کی مردم شماری میں اُسی قدر معدود، فلاں اطلس میں اتنے ہی موجود کہ اس حصر اور اس کے جامع و مانع ہونے کی جو قعت ہے ہر ذی عقل و انصاف کو معلوم و مشہود، مردم شماری تو محض مہمل و مختل اٹکل ہے، اطلسیں جن کے محکمے مقرر ہیں اور بڑے بڑے انتظام کروڑوں کے صرف ہیں اور ہزاروں اہتمام حصر و شمار بقاع درکنار جو آنکھوں دیکھی اور قواعد مضبوطہ ہیأت پر مبنی بات ہے یعنی عرض و طول بلاد، اس میں اختلافات دیکھئے کبھی دو اطلسیں متفق نہ پایئے گا ع

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت

(ہر آنے والا نئی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ ت)

سبحان اللہ! اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمہ مجتہدین پر نظر تھی، علمائے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع و انتشار علماء فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلّم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علی امر (فھو کاذب والجواب انہ محمول علی حدوثہ الاٰن) فان کثرۃ العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقھم[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو کسی معاملہ میں اجماع کا دعوٰی کرے تو جھوٹا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات موجودہ دور کے واقعہ پر محمول ہے، کیونکہ علماء کی کثرت اور غیر معروف علاقوں میں ان کا متفرق ہوجانا ان کے اتفاق کو نقل کرنے میں شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۱۲

نیز فواتح میں ہے:

تحقیق المقام ان فی القرون الثلثة لاسیما القرن الاول قرن الصحابة رضی الله تعالٰی عنھم کان المجتھدون معلومین باسمائھم واعیانھم وامکنتھم خصوصا بعد وفاة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وآله واصحابه وسلم زمانا قلیلا ویمکن معرفة اقوالھم واحوالھم للجاد فی الطلب، نعم لایمکن معرفة الاجماع ولا النقل الآن لتفرق العلماء شرقا وغربا ولا یحیط بھم علم احد[1] ملخصین۔

مقام کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے تین قرن خصوصًا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قرن (زمانہ) جو اول قرن ہے اس میں مجتہدین حضرات اپنے ناموں ذاتوں اور مقامات کے اعتبار سے خصوصًا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد قلیل زمانہ تک معروف تھے اور ان کے اقوال واحوال کی معرفت کے لئے جدوجہد کرنا ممکن تھا، ہاں آج اجماع کی معرفت ممکن نہیں اور نہ ہی اس کو نقل کرنا ممکن رہا کیونکہ علماء کرام شرقًا غربًا متفرق ہوچکے ہیں جن کو کسی ایک شخص کا علم احاطہ نہیں کرسکتا، اھ۔ مذکور دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔ (ت)

جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہوسکتا تو عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکنار نہیں، علماء وجہلاء سب کا عملدر آمد ملحوظ ہے، اس میں اتفاق کل کیا معنی، اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجۂ اولٰی محال وناممکن ہے کہ آخر اکثر کل کل علماء سے ضرور اکثر ہے۔

رابعًا کیا کوئی ایک بار کا بھی نشان دے سکتا ہے کہ ائمہ کرام ومشائخ اعلام نے جب ایک امر میں بربنائے عرف وتعامل حکم فرمانا چاہا ہو تمام بلاد وبقاع عالم کے تمام مسلمین کے عرف وعمل کی خبر معلوم فرمالی، ہر ہر شہر وقریہ ودرۂ کوہ وجزیرہ وبادیہ میں تحقیق تعارف کے لئے شہود عدل بھیجے ہوں، تمام اسلامی جہان کی مردم شماری منقح کی ہو، پھر بعد ثبوت حصر وشمار بلحاظ کل نہیں بلحاظ اکثر ہی حکم دیا ہو، یا بلا تفتیش خود ہی پیش از حکم ان تمام امور کے پرچے ان کی خدماتِ عالیہ میں گزرتے ہوں، حاشا للہ ہرگز نہیں، نہ کبھی اس کا قصد فرمایا، نہ اصلًا اس کی طرف راہ تھی، نہ یہ امور تعامل مسائل عقائد تھے جن پر سوادِ اعظم کا اتفاق دلائل وبراہین شرع سے خود ہی معلوم ہے، نہ یہ

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۳-۲۱۲

حسنِ عدل، قبحِ ظلم و تقدیم قاطع علی المظنون کی طرح امور ضروریہ ہیں، جن پر اتفاق عقلاء کی عقل خود شہادت دے، نہ ایسے مسائل نزاعیہ تھے جن کی نفی واثبات و رَد واحقاق میں فرقے بن گئے ہوں، نہ سالہا سال تحصیل فتاوٰی فقہائے امصار و علمائے اقطار میں سخت و بلیغ کوششیں ہوئی ہوں، بعد مرورِ دہور و کرّ عصور قرائنِ خارجیہ سے اتفاق اکثر کا علم حاصل ہولیا، اس کے بعد ائمہ نے بربنائے تعامل فتوٰی دیا ہو، ہمیشہ لاجرم اپنے ہی قطر کے بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف و تعامل رکھا اور اسی کو مبنائے احکام قرار دیا ہے، انصاف کیجئے تو امر واضح ہے اور انکار مکابرہ اور تشکک بے معنی کی راہ کب بند، مگر عند الانصاف جب صبح مُسفِر ہو تو تشکک ناپسند، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (اللہ تعالٰی کا قول ہی حق ہے اور وہی راستہ بتاتا ہے۔ ت)

خامساً این و آں پر کیوں نظر کیجئے خود حضرات علمائے کرام ہی سے نہ پُوچھ لیجئے کہ عرف و تعامل سے مرادِ حضرات کیا ہوتی ہے، صدہا جگہ علمائے مستدلین استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے انھیں مسائل مذکورہ میں دیکھیں محقق حیث اطلق مسئلہ سوم میں فرماتے ہیں:

مثلہ فی دیارنا شراء القبقاب[1] اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑاؤں کو خریدنا۔ (ت)

حاوی پھر خلاصہ پھر فتح پھر ردالمحتار مسئلہ بست و دوم میں: مثل ھذا کثیر فی الری وناحیۃ دماوند[2] (رے اور دماوند کے علاقہ میں ایسا کثیر ہے۔ ت)، ظہیریہ و ہندیہ بست و سوم

عہ ذکر مسألۃ وقف الکر والاکسیۃ نقلھا سند موفی فی الخلاصۃ ثم قال المسائل الثلث فی الحاوی وانما لم نعدہ فیما مر لان الشامی نقلھا عن الفتح والفتح عنھا ولم یذکر العزو للحاوی ۱۲۔

پیمانہ کُر اور کپڑوں کے وقف کا مسئلہ سند موفی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے پھر کہا تینوں مسائل حاوی میں ہیں اور میں نے گزشتہ مقام پر اس کو صرف اسی لئے شمار نہ کیا کیونکہ علامہ شامی نے فتح سے اور اس میں خلاصہ سے نقل کیا اور انھوں نے حاوی کی طرف منسوب نہ کیا (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸۵/۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۷۴/۳

ہیں: ان کان ذٰلک بہ فی موضع تعارفوا[1] (اگر یہ ایسے مقام میں ہے جہاں اس پر تعارف ہو۔ت) امام طاہر بن عبدالرشید پھر امام ابن الہمام پھر علامہ شامی ان کان ذٰلک فی موضع غلب ذٰلک فی اوقافھم[2] (اگر یہ ایسے مقام میں ہو جہاں لوگوں میں اس کا وقف مروج ہو۔ت)، علامہ عمر بن نجیم مسئلہ بست وچہارم میں تعورف فی الدیار الرومیۃ[3] (روم کے علاقہ میں یہ متعارف ہے۔ت) افندی ابن عابدین: دون بلادنا[4] (ہمارے علاقہ میں نہیں۔ت) خادمِ فقہ ادنٰی تتبع میں اس کے نظائر عزیزہ نکال سکتا ہے۔

ثم اقول وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کرکے علمائے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتبارات عرف میں ذکر فرمایا بنظرِ نبیہ مطالعہ کیجئے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ عرف عام سے اُن کی مراد نہ ہرگز مستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، نہ عرف محیط اجماعی، نہ عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد وعالم کہ اول قطعاً مثل نص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے

لکونہ تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتقریرہ کقولہ اوجب من فعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان الفعل یحتمل ان یکون خصوصیۃ لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر (تائید) ہے اور آپ کی تقریر آپ کے عمل سے زیادہ موجب ہے کیونکہ عمل میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہے۔(ت)

تو اگر نص اس کے خلاف پایا جائے ضرور صالح تعارض ہوگا اور بجہالت تاریخ اُسے فسخ کردے گا نہ یہ کہ قول اقدس کے مطابق تقریر اقدس کو مطلقاً رَد کردیں۔ علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری فصول البدائع فی اصول الشرائع بیان ضرورت میں فرماتے ہیں:

اقسام اربعۃ (۱) ماھو فی حکم المنطوق لزومہ منہ عرفا (۲) ما بینہ حال

اس کی چار قسمیں ہیں: (۱) وہ جو عرفاً لزوم میں منطوق کے حکم میں ہے (۲) وہ جس کو سکوت

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۶۱
[2] ردالمحتار ” دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۷۴
[3] ” بحوالہ النہر ” ” ” ” ۳/۳۷۴
[4] ” ” ” ” ” ۳/۳۷۵

الساكت القادر كسكوت النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم عن تغيير ما يعاينه من قول او فعل من مسلم حتى لو سكت عما سبق نهيه كان نسخا لان تقريره على منكر منكر[1]

کرنے والے کا حال بیان کرے حالانکہ وہ بیان پر قادر تھا، جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مسلمان کا قول یا فعل دیکھ کر اس کو تبدیل کرنے سے خاموشی اختیار فرمائیں حتی کہ ایسی چیز جس پر پہلے نہی وارد ہوچکی ہو تو یہ خاموشی اس کے لئے ناسخ قرار پائے گی کیونکہ برائی پر خاموشی خود برائی ہے۔(ت)

علامہ اجل مولٰی خسرو صاحبِ درر وغرر مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول میں فرماتے ہیں:

(ما قرره) صلى الله تعالٰى عليه وسلم (ان كان مما علم انكاره كذهاب كافر الى كنيسة فلا اثر لسكوته والا دل على الجواز) اى جواز ذلك الفعل من فاعله ومن غيره اذا ثبت ان حكمه على الواحد حكمه على الجماعة فان كان ما سبق تحريمه فهذا نسخ لتحريمه[2]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس چیز پر تقریر فرمائی اگر وُہ چیز ایسی ہے جس کا بُرا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جیسے کافر کا اپنے عبادت خانہ میں جانا، تو یہ تقریر وخاموشی موثر نہ ہوگی ورنہ وُہ خاموشی اور تقریر اس چیز کے جواز پر دال ہوگی خواہ وہی فاعل کرے یا کوئی اور کرے بشرطیکہ وہاں ایک پر حکم سب پر حکم کے طور پر ثابت ہو تو اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس کی تحریم پہلے ہوچکی ہو تو یہ تقریر اس حرمت کے لئے ناسخ ہوگی۔(ت)

فاضل محمد ازمیری اُس کے حاشیہ میں شرح مختصر الاصول للعلامۃ اکمل الدین سے ناقل:

اذا علم رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فعل مكلف ولم ينكره قادرا عليه فان كان الفعل قابلا للنسخ فان لم يسبق تحريمه دل سكوته على جوازه وان سبق كان سكوته ناسخا

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مسلمان مکلف کا عمل دیکھیں اور آپ منع پر قدرت کے باوجود منع نہ فرمائیں تو اگر وہ فعل قابلِ نسخ ہو جس کی تحریم پہلے نہ ہوچکی ہو تو آپ کا سکوت اس عمل کے جواز پر دال ہوگا اور اگر پہلے اس عمل کی تحریم ہوچکی ہو تو آپ کا یہ سکوت اس تحریم کیلئے ناسخ قرار

---

[1] فصول البدائع فی اصول الشرائع

[2] مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول

لتحریمہ[۱] اھ مختصرات۔ | پائے گا اھ مختصرات۔ (ت)

اور دوم یعنی اجماع تو نص آحاد سے اقوی اور قطعاً مظہر ناسخ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال تو اس کا حقیقۃً معارض نص واقع ہونا معقول ہی نہیں، اور بظاہر ہو تو ہرگز مردود نہ ہوگا، بلکہ وہی مرجح ہوگا اور نص ناسخ کا بتانے والا،

وھذا معنی قولھم ان الاجماع لاینسخ اما کونہ کاشفا عن ناسخ فاجماع یظھر ذٰلک لمن راجع مطارحاتھم فی المسئلۃ۔

ان کے قول کہ "اجماع منسوخ نہیں ہوتا" کا یہی معنٰی ہے، لیکن اجماع کا کسی ناسخ کے لئے کاشف ہونا یہ اتفاقی مسئلہ ہے یہ بات اس شخص پر ظاہر جو اس مسئلہ میں فقہاء کی ابحاث پر مراجعت رکھتا ہے (ت)

مسلم و فواتح فصل ترجیح میں ہے:

الاجماع یترجح علی النص[۲]۔

اجماع نص پر ترجیح پاتا ہے۔ (ت)

فواتح فصل تعارض میں ہے:

الاجماع مرجح ومقدم علی الکل عند معارضتہ ایاھا لانہ لایکون منسوخا بکتاب او سنۃ ولایکون باطلا فتعین ان یکون الکتاب والسنۃ ولو کانت متواترۃ منسوخۃ والاجماع کاشف عن النسخ[۳]۔

اجماع تمام دلائل پر ترجیح یافتہ اور مقدم ہوتا ہے جس کا ان دلائل سے تعارض ہو، کیونکہ اجماع کتاب یا سنت سے منسوخ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ باطل ہوسکتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اجماع کتاب و سنت کا مظہر ہے جو کسی کتاب و سنت کا ناسخ ہے اگرچہ یہ متواتر کیوں نہ ہو۔ (ت)

اور سوم کی حجیت مطلقہ تامہ وافیہ پر نصوص صریحہ ناطقہ، تو اس کا اضمحلال معاذ اللہ سواد اعظم کا وقوع فی الضلال، اور وہ شرعاً محال ہے،

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ[۴]، وقولہ صلی اللہ

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی، اور، کہ جماعت پر

---

[۱] حاشیہ مرآۃ الاصول للفاضل محمد ازمیری

[۲] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی فصل فی الترجیح منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۰۴

[۳] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ فصل فی التعارض ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۹۱

[۴] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹
المستدرک للحاکم کتاب العلم لایجمع اللہ ھذہ الامۃ علی الضلالۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

تعالٰی علیہ وسلم ید اللہ علی الجماعۃ[1]، وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بالجماعۃ والعامۃ[2] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم[3] الٰی غیر ذالک مما بلغ مجموعہ حد التواتر وقد سردناھا وتخاریجھا فی رسالتنا "فیح السرین بجواب الاسئلۃ العشرین"۔

اللہ کا ید ہے، اور کہ، تم پر جماعت اور عوام کا ساتھ لازم ہے، اور یہ کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو وغیرہ ذٰلک، آپ کے ارشادات کا مجموعہ تواتر کی حد تک ہے، ان احادیث اور ان کی تخریج کو ہم نے اپنے رسالہ "فیح السرین بجواب الاسئلۃ العشرین" میں جمع کر دیا ہے۔ (ت)

فصول البدائع میں ہے:

لو ندر المخالف مع کثرۃ المتفقین کان قول الاکثر حجۃ وان لم یکن اجماعا[4]۔

اگر مخالفت میں کوئی نادر قول ہو تو اکثریت کا قول حجت ہوتا ہے اگرچہ وہ اجماع نہ ہو۔ (ت)

بالجملہ مقابلہ نص میں ثانی تو مطلقاً مضمحل نہیں اعنی اطلاق العدم (میری مراد عدم کا اطلاق ہے۔ ت) اور اول بھی مطلقاً مضمحل نہیں اعنی عدم الاطلاق (میری مراد اطلاق کا عدم ہے۔ ت) اور ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی وان قیل وقیل (اگرچہ خلاف میں قیل قیل ہے۔ ت) بعض نظائر لیجئے قرآن کریم پر اجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد، یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے: تعلیم قرآن پر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی، انھوں نے خیال کیا یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، فرمایا:

ان اردت ان یطوقک اللہ طوقا من

اگر تُو چاہے کہ اللہ تعالٰی تیرے گلے میں آگ کا

---

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹
المستدرک للحاکم کتاب العلم لایجمع اللہ ھذہ الامۃ علی الضلالۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵-۱۱۶
[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۳
[3] المستدرک للحاکم کتاب العلم لایجمع اللہ ہذہ الامۃ علی الضلالۃ " ۱/ ۱۱۵
[4] فصول البدائع فی اصول الشرائع

نار فاقبلها[1] رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وفی الباب عن عبد الرحمٰن بن شبل وابی ھریرۃ وعبد الرحمٰن بن عوف وابی کعب وابن بریدۃ وابی الدرداء وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

طوق ڈالے تو اسے لے لے (اسے ابوداؤد و ابن ماجہ نے اور اس باب میں عبدالرحمٰن بن شبل اور ابوہریرہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابی کعب اور ابن بریدہ اور ابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا۔ت)

اور قیاس بھی اسی پر شاہد،

لان القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل ولھذا یعتبر اھلیتہ فلا یجوز لہ اخذ الاجرۃ من غیرہ کالصوم والصلوٰۃ کما فی الھدایۃ۔

کیونکہ قربت جب حاصل ہو تو وہ عامل سے واقع ہوتی ہے اس لئے عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہذا اسے اس پر غیر سے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً نماز و روزہ عبادات، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔(ت)

اور ہمارے علماء کرام کا مذہب بھی تحریم اور صدر اول میں قطعاً رواج معدوم بایں ہمہ عرف حادث و ضرورت کے سبب جواز پر فتوٰی ہوا۔ بستان فقیہ امام ابی اللیث میں ہے:

اما اذا اعلم بالاجرۃ فقد اختلف الناس فقال اصحابنا المتقدمون لایجوز اخذ الاجرۃ وقال جماعۃ من العلماء المتاخرین یجوز فالافضل ان یشارط للحفظ وتعلیم الھجاء والکتابۃ فلو شرط لتعلیم القراٰن ارجوان لاباس بہ لان المسلمین قد توارثوا ذٰلک

اگر اجرت پر تعلیم دی تو اس میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب متقدمین نے فرمایا اجرت وصول کرنا جائز نہیں ہے اور متاخرین کی ایک جماعت نے فرمایا جائز ہے، تو افضل یہ ہے حفظِ قرآن، تلفظ حروف اور لکھائی کی تعلیم پر اجرت کی شرط کرے، تو اگر تعلیم قرآن پر اجرت کی شرط کی تو مجھے امید ہے اس پر حرج نہ ہوگا کیونکہ مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں اور

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۹
سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الاجر علی تعلیم القرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۷
مسند احمد بن حنبل حدیث عبادۃ بن الصامت مکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۱۵

واحتاجوا الیہ[1] اھ مختصراً۔

اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اھ مختصراً (ت)

بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا:

من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ و رسولہ[2] رواہ ابوداؤد والطحاوی وفی الباب عن رافع بن خدیج و ثابت بن الضحاک و زید بن ثابت و انس بن مالک و ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کرے۔ (اسے ابوداؤد اور طحاوی نے روایت کیا اور اس باب میں رافع بن خدیج اور ثابت بن ضحاک اور زید بن ثابت اور انس بن مالک اور ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے روایت کیا۔ (ت)

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد، ولہذا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ باتباع جماعت صحابہ و تابعین محرمین مانعین حرام و فاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتوٰی قرار پایا۔ ہدایہ میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ و قالا جائزۃ، لہ ماروی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن المخابرۃ وھی المزارعۃ ولانہ استیجار ببعض ما یخرج من عملہ فیکون فی معنی قفیز الطحان ولان الاجر مجھول او معدوم وکل ذلک مفسد و معاملۃ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زمین کا تہائی یا چوتھائی بٹائی حصہ پر دینا باطل ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخابرہ یعنی مزارعۃ سے منع فرمایا، اور یہ مزارع کے عمل سے حاصل شدہ کے کچھ حصہ کو اُجرت بنانا ہے تو یہ آٹا پسائی کی اجرت آٹا کو بنانے کی طرح ہے، اور یہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اور یہ تمام امور عقد کے لئے مفسد ہیں، اور

---

[1] بستان العارفین للامام ابی اللیث سمرقندی علی ہامش تنبیہ الغافلین، الباب السابع عشر دار احیاء الکتب مصر ص ۲۹۔۲۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی المخابرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۷

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل خیبر کان خراج مقاسمۃ بطریق الامن والصلح وھو جائز، الا ان الفتوٰی علٰی قولھما لحاجۃ الناس الیھا ولظھور تعامل الامۃ بھا والقیاس یترك بالتعامل کمافی الاستصناع[1] اھ مختصرًا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ خیبر سے زمین کا معاملہ تو وُہ امن کے عوض خراج کی وصولی تھی جو کہ جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور امت کا تعامل پائے جانے کی وجہ سے جبکہ قیاس کو تعامل کے مقابلہ میں ترک کیا جاتا ہے جیسا کہ ساز کی چیز بنوانا اھ مختصراً۔ (ت)

غرض ایسے تعاملات ضرور جج مطلقہ ہیں انھیں مطلقاً مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ عرف وتعامل جس میں اُن کا کلام ہے معارضہ نص کی اصلاً طاقت نہیں رکھتا جب خلاف کرے گا رَد کردیا جائے گا۔ اشباہ میں ہے:

انما العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ[2]۔

منصوص علیہ معاملہ میں عرف معتبر نہیں ہے (ت)

پھر فتاوٰی ظہیریہ سے نقل کیا:

محمد بن الفضل یقول السرۃ الی موضع نبات الشعر من العانۃ لیست بعورۃ لتعامل العمال فی الابداء عن ذٰلك الموضع عند الاتزار وفی النزع عن العادۃ الظاھرۃ نوع حرج ھذا ضعیف وبعید لان التعامل بخلاف النص لا یعتبر انتھٰی بلفظہ[3] اھ۔

محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ ناف سے نیچے بالوں کی جگہ تک عورت نہیں ہے کیونکہ تہبند باندھتے کے وقت اس حصہ کو برہنہ کرنا لوگوں کا تعامل ہے اور لوگوں کی غالب عادت سے ان کو روکنا حرج کی بات ہے، اور یہ قول ضعیف اور بعید ہے کیونکہ نص کے خلاف تعامل معتبر نہیں ہے، اس کے الفاظ ختم ہوئے اھ (ت)

اسی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

فی اجارۃ الاصل استاجرہ لیحمل

مبسوط کی بحث اجارہ میں ہے کہ کسی کو غلّہ

---

[1] الہدایۃ کتاب المزارعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۲۲-۲۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] " " " " " " ۱/ ۱۲۸

طعامہ بقفیز منہ فالاجارۃ فاسدۃ، و کذا اذا دفع الی حائك غزلا علی ان ینسجہ بالثلث و مشائخ بلخ وخوارزم افتوا بجواز اجارۃ الحائك للعرف وبہ افتی ابوعلی النسفی ایضا والفتوٰی علی جواب الکتاب لانہ منصوص علیہ فیلزم ابطال النص[1] اھ باختصار۔

اٹھانے کی مزدوری میں اس غلّہ میں سے قفیز دینا ٹھہرایا تو اجارہ فاسد ہوگا، اور یُوں ہی جولاہے کو بُنائی کے لئے دئے ہوئے سُوت کا تہائی حصہ بُنائی سے دینا، اور بلخ اور خوارزم کے مشائخ نے جولاہے کی مذکورہ اجرت کے جواز کا فتوٰی دیا ہے کہ یہ عرف ہے، اور ابوعلی نسفی نے بھی یہ فتوٰی دیا، جبکہ صحیح فتوٰی وہی ہے جو کتاب میں ہے کیونکہ ایسی اجرت کا عدمِ جواز منصوص ہے تو اس کے جواز سے نص کا ابطال لازم آئے گا اھ مختصراً (ت)

قدوری وغیرہ متون باب الربا میں ہے:

مالم ینص علیہ فھو محمول علی عادات الناس[2] اھ قلت فدل بمفھومہ ان ما نص علیہ لم یحمل علیھا۔

جس میں نص موجود نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوگا اھ، میں کہتا ہوں، تو اس کے مفہوم کی دلالت یہ ہے کہ جس میں نص وارد ہو وہ عادت پر محمول نہ ہوگا۔ (ت)

ہدایہ کتاب الاجارہ میں ہے:

ھو المعتبر فیما لم ینص علیہ[3]

وہ عرف معتبر ہے جہاں نص نہ ہو۔ (ت)

کفایہ شرح ہدایہ باب الربا میں ہے:

تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاھم علی ما تعارفوا فی ذٰلك بمنزلۃ النص منہ فلا یتغیر بالعرف لانہ لایعارض النص[4]

لوگوں کے تعارف پر جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر ہو تو وہ تقریر نص کی طرح ہے تو وہ عرف سے تبدیل نہ ہوگی کیونکہ عرف نص کا مقابل نہیں بن سکتا۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] المختصر للقدوری باب الربٰو مطبع مجیدی کانپور ص ۹۴

[3] الہدایۃ کتاب الاجارات باب الاجر متی یستحق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۳

[4] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۸-۱۵۷

غایۃ البیان کتاب الاجارہ میں فتاوٰی صغرٰی کتاب المزارعۃ سے ہے:

فرع الحاکم عبدالرحمٰن فی الجامع الصغیر بین ھٰذا[عہ] و بین قفیز الطحان بان قفیز الطحان منصوص علیہ فلا یمکن تغییرہ بالتعامل اما ھذا فلیس منصوصا علیہ فیعتبر فیہ التعامل[1]

حاکم عبدالرحمٰن نے جامع الصغیر میں زمین کی نصف بٹائی اور آٹا پسائی کے عوض آٹے کے قفیز میں فرق بیان کیا ہے کہ پسائی میں آٹا دینے کی ممانعت پر نص ہے اس لئے اس میں تبدیلی تعامل کی وجہ سے ممکن نہیں لیکن حصہ بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت پر نص نہیں ہے اس لئے اس میں تعامل معتبر ہے۔ (ت)

نشر العرف میں امام ابن الہمام سے ہے:

لا اعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یکون علٰی باطل بخلاف النص[2]

نص کے مخالف عرف کا اعتبار نہیں کیونکہ عرف باطل چیز پر بھی ہوسکتا ہے بخلاف نص کے۔ (ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

ھذا بخلاف مالو تعامل اھل بلدۃ قفیز الطحان فانہ لا یجوز ولا تکون معاملتھم معتبرۃ لانا لو اعتبرنا معاملتھم کان ترکا للنص اصلا وبالتعامل لا یجوز ترک النص اصلا[3] الخ۔

یہ برخلاف ہے اس عرف کے جس میں علاقہ کے لوگ پسائی میں آٹے کو اجرت بنائیں کیونکہ یہ ناجائز ہے اور ان کا یہ معاملہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہم ان کا یہ تعامل معتبر مان لیں تو نص کا ترک لازم آئے گا جبکہ تعامل کے ساتھ نص کا ترک ہرگز جائز نہیں ہے۔ (ت)

ردالمحتار کتاب الوصایا میں ہے:

العرف اذا خالف النص یرد بالاتفاق[4]

جب عرف نص کے مخالف ہو تو مردود ہوگا بالاتفاق۔ (ت)

عہ: ای المزارعۃ بالنصف والربع ۱۲ الفقیر المجیب۔

---

[1] غایۃ البیان

[2] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۵

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۱۱۶

[4] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۲

بالجملہ بحمداللہ تعالٰی بدلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرف عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اُس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہوسکتا ہے وہ یہی عرفِ حادث شائع ہے کہ بلادِ کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرفِ قدیم زمانِ رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ' نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عرف اعم سواد اعظم کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکانًا یا وجوبًا مقدم علی النص ہیں' نہ زمان مشائخ میں ثانیین کی طرف متقابل' نہ واقع ونفس الامر اُن کا گواہ' نہ راہ فروع ان پر ملتئم' نہ کلام اُن پر حاکم' ہاں عرف خاص کہ صرف وہ ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص وترک قیاس نہیں اور عرف نادر کہ معدود دین کا عمل ہو، بالاجماع اس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورتِ حکم بتانے کے لئے جس میں کسی حکم شرعی منصوص یا مقیس کی اصلًا مخالفت یا تغیر نہ ہو نہ کُلیۃً نہ تخصیصًا' ہر عرفِ مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عرف فرد ہوا عیان ونذور واوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر ادارہ اسی باب اخیر سے ہے ولہٰذا فتاوٰی علامہ قاسم میں فرمایا:

التحقیق ان لفظ الواقف والموصی والحالف والناذر وکل عاقد یحمل علٰی عادتہ فی خطابہ ولغتہ التی یتکلم بہا وافقت لغۃ العرب ولغۃ الشارع اولا۔[1]

تحقیق یہ ہے کہ وقف کرنے والے، وصیت کرنے والے، قسم اٹھانے والے اور نذر والے اور ہر ایسے عقد کو اس کے تخاطب اور لغت جس میں وہ بات کرتا ہے اسی عادت پر محمول کیا جائے گا وہ لغت عرب کے موافق یا شرع کی لغت کے موافق ہو یا نہ ہو۔ (ت)

یہ ہے بحمد اللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ وہ تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علماء کرام کا عطر ومحصل کہئے اور بفضلہ تعالٰی کسی تقریر و تاصیل وتفریع کو اُس کے مخالف نہ دیکھئے،

وقد کنت اری فی الباب مباحث الاشباہ وکلمات ردالمحتار من مواضع عدیدۃ فلا اجد فیہا ما یفید الضبط ویزول بہ الاضطراب والخبط وکان العلامۃ الشامی کثیرا ما یحیل المسئلۃ علٰی رسالتہ نشر العرف فکنت تواقا الیہا شاق جمیل الٰی بثینۃ

میں اس مسئلہ میں الاشباہ کے مباحث اور ردالمحتار کے متعدد مقامات کو دیکھتا تو ان میں کوئی ضبط والی اور اضطراب وپراگندگی کو دُور کرنے والی چیز نہ پائی، اور علامہ شامی مسئلہ کو اپنے رسالہ "نشر العرف" کے حوالے کردیتے تو میں اس رسالہ کا اس طرح مشتاق ہوا جیسے اونٹنی اپنے

---

[1] نشر العرف بحوالہ فتاوٰی العلامۃ قاسم رسالہ من مجموعۃ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۳۳

فلما رأیتها وجدتها ایضا لم یتحرر لها ما یکفی ویشفی ولم یتخلص فیها ما ترتبط بہ الفروع وتاخذ کلمات الائمة بعضها حجز بعض ولکن ببرکة مطالعتها فی تلک الجلسة فتح۔

(رسالہ نا مکمل ملا)

بچّے کی، توجب میں نے وُہ رسالہ دیکھا تو اس میں بھی کفایت دینے والی کوئی شافی چیز اور صاف نہ ملی اور فروعات میں ربط اور ائمہ کے کلام میں تطبیق والی کوئی چیز نہ ملی جبکہ ائمہ کے کلمات ایکدوسرے کے موافق نہ تھے، لیکن اس مجلس میں اس کے مطالعہ کی برکت سے کُھلا۔ (ت)

کتاب الاکراہ

(اکراہ کا بیان)

مسئلہ ۲۲۹ تا ۲۳۱: از بریلی ساہوکارہ مرسلہ شیام سندر لال چیئرمین ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر تصدیق کرادیا نقل شاملِ سوال ہے مگر زرِ ثمن کالین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے، مگر اُس کے بعد ایک دعوٰی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعوٰی اور جواب دعوٰی بھی شاملِ سوال ہے تو:

(۱) کیا حسبِ بیان مدعی مندرجہ دعوٰی بصورتِ بیع مکرہ کی ہے، اگر ہے تو کیا حکم ہے؟

(۲) مکرہ ہونے کے واسطے بالفعل رجسٹری کے وقت داب ناجائز کا موجود ہونا ضرور ہے یا پیشتر سے تخویف اور آئندہ کے لئے ضرر شدید کا اندیشہ صحیح کافی ہے؟

(۳) ایسی صورت میں جبکہ رجسٹری میں زرِ ثمن نہیں دیا گیا تو مشتری کے ذمہ حوالگی زرِ ثمن کا بارِ ثبوت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) عرضی دعوٰی میں مدعا علیہ کا مدعی کو مدتِ طویل تک اپنے مکان میں محبوس رکھنا اور کسی سے نہ ملنے دینا اور ناجائز داب کا ذکر ہے داب کا بیان نہیں اور زبانی بیان سائلان یہ ہُوا کہ قتل کی تخویف کی اور مدعی اُسے باور کرتا تھا، یہ بیانات اگر واقعی ہیں تو وہ بلاشبہہ بیع مکرہ اور فاسد ہے اور

بائع کو اس کے فسخ کا اختیار ہے، تخویف قتل تو اعلیٰ درجہ کا اکراہ ہے بیع میں مجرد حبس مدید بھی ثبوت اکراہ کو بس ہے، درمختار میں ہے:

لو اکرہ بحبس او قید مدیدین حتی باع او اشتری او اقر او اٰجر فسخ او امضی لان اکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضا شرط صحۃ ھذہ العقود والاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ او الامضاء[1]، باختصار۔

اگر کوئی لمبی قید اور یرغمالی کے ذریعہ بیع یا شراء یا اقرار یا اجارہ پر مجبور کرے اور اس نے کر دی تو بعد میں اُسے اختیار ہے کہ فسخ کر دے یا اس کو قائم رہے کیونکہ جان کے خطرے اور اس سے کم ہر طرح جبر رضا کو ختم کرتا ہے جبکہ ان عقود اور اقرار میں رضا شرطِ صحت ہے اس لئے اس کو فسخ کا اختیار ہے، باختصار۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی مجمع الفتاوی منع امرأتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویھا الا ان تھبہ مھرھا فوھبتہ بعض المھر فالھبۃ باطلۃ لانھا کالمکرھۃ ویؤخذ منہ جواب حادثۃ الفتوی زوج بنتہ فلما ارادت الزفاف منعھا الاب الا ان یشھد علیھا انھا استوفت منہ میراث امھا فاقرت لا یصح اقرارھا لکونھا فی معنی المکرھۃ وبہ افتی ابو السعود مفتی الروم قالہ المصنف فی شرح منظومتہ تحفۃ الاقران[2]۔

مجمع الفتاوی میں ہے کسی نے اپنی بیوی مریضہ کو اپنے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا تو مجھے مہر ہبہ کرے تو جانے دوں گا تو بیوی نے مہر ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ مجبور کی طرح ہے اور اس سے ایک درپیش مسئلہ کا جواب معلوم ہو گیا کہ بیٹی کا نکاح کر دیا جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی تو باپ نے روک لیا اور کہا تو یہ گواہی بنا دے کہ میں نے والدہ سے اپنی والدہ کی وراثت کا حصہ وصول کر لیا ہے، بیٹی نے مجبورًا اپنے اقرار پر گواہ بنا دئے تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور کی طرح تھی، اور مفتی روم ابو السعود نے یہی فتوٰی دیا مصنف نے شرح منظومہ تحفۃ الاقران میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۹۵
[2] ؂ ؂ ؂ ۲/۱۹۶

ردالمحتار میں ہے:

وبه افتى الرملى وغيره ونظمه فى فتاواه بقوله:

ومانع زوجته عن اهلها
تهب المهر يكون مكرها
كذاك منع والد لبنته
خروجها لبعلها من بيته

ثم قال وانت تعلم ان البيع والشراء والاجارة كالاقرار والهبة وان كل من يقدر على المنع من الاولياء كالاب للعلة الشاملة فليس قيدا۔[1]

خیرالدین رملی وغیرہ نے یہی فتوٰی دیا ہے اور انہوں نے اپنے فتاوٰی میں اس کو نظم کے طور پر یوں ذکر کیا ہے:
(ترجمہ) "بیوی کو اپنے والدین سے روکا کہ مہر ہبہ کرے تو یہ مکرہ ہوگا یونہی والد نے بیٹی کو اپنے خاوند کے پاس جانے سے روکا۔"
پھر فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بیع وشراء اور اجارہ۔ اقرار اور ہبہ کی طرح ہیں اور بیشک باپ جیسا کوئی ولی جو کسی عام وجہ سے روک نے پر قادر ہو وہ قید نہیں ہے۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

قال علماؤنا منع الزوج زوجته من اهلها حتى تهب له المهر تكون مكرهة والهبة باطلة قال فى مجمع الفتاوٰى وفى ملتقط السيد الامام عن الفقيه ابى جعفر من منع امرأته عن المسير الى ابويها الا ان تهب مهرها فوهبت فالهبة باطلة ومثل ذٰلك فى الخلاصة والبزازية وكذٰلك ذكر فى التاتارخانية نقلا عن الينابيع[2]۔ والله تعالٰى اعلم۔

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے منع کرنا تاکہ مہر ہبہ کرنے پر آمادہ ہو تو یہ مجبوری ہوگی، اور بیوی نے ہبہ کردیا تو باطل ہوگا۔ اور مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ سید امام کی ملتقط میں فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ جس نے مہر ہبہ کئے بغیر بیوی کو اس کے والدین سے روک رکھا ہو اور اس نے ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہوگا۔ اور اسی طرح خلاصہ اور بزازیہ میں ہے اور یونہی تاتارخانیہ میں ینابیع سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ دار احیاء التراث العربی بیروت ٥/٨٨
[2] فتاوٰی خیریہ " دارالمعرفۃ بیروت ٢/١٤٤

(۲) اکراہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس وقت مکرہ وہ فعل کرے گلے پر چھری یا قید وضرب فی الحال موجود ہو بلکہ اکراہ کنندہ کی طرف سے وعید وتہدید سابق اور اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ لاحق اور مکرَہ کا مکرِہ کے قابو میں ہونا تحقق اکراہ کے لئے بس ہے، خیریہ میں ہے:

الاکراہ یعدم الاختیار فلا صحۃ للاقرار مع الاکراہ والاکراہ فیہ یکون باشیاء منہا اذا قال المتغلب لرجل امان تقرلی بکذا او الا اقول للظالم الفلانی لقی مالا ووجد کنزا اونحو ذلك فاذا کان الرجل لہ جرأۃ وھددہ بمن یسمع کلام الغماز وقال ان لم تقرلی بکذا اسعی بك الی من یاخذك بمجرد کلامی وغلب علی ظن المھدد ذلك فاقر کاذبا لایلزمہ ما اقربہ کما ھو صریح کلام ائمتنا۔[1]

جبر، اختیار کو معدوم بنا دیتا ہے لہذا جبر کے ساتھ حاصل کردہ اقرار کی صحت نہ ہوگی، اور جبر واکراہ کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی غالب آدمی دوسرے شخص کو کہے کہ تُو میرے حق میں فلاں اقرار کر ورنہ میں فلاں ظالم کو کہوں گا کہ اس کو مال ملا یا خزانہ ملا یا ایسی ہی کوئی بات، اگر یہ شخص جری ہے اور ایسے ظالم کی دھمکی دے جو اس کی بات مانتا ہو اور کہا کہ اگر تُو میرے حق میں فلاں اقرار نہ کرے گا تو میں تجھے فلاں کے پاس لے جاؤں گا جو صرف میرے کہہ دینے پر تجھے پکڑلے گا اور دھمکی سننے والے کو ظن غالب ہے کہ یہ ایسا کردے گا تو اس نے جھوٹا اقرار کردیا تو اس اقرار سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی جیسا کہ ہمارے ائمہ کا صریح کلام ہے۔ (ت)

ہاں اگر اس نے تہدید کی اور اب یہ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس اندیشہ سے کہ پھر اسے قابو ملے تو ایذا پہنچائے گا، کوئی کام کیا تو یہ اکراہ سے نہیں کہ اکراہ سابق زائل ہوچکا اور لاحق معدوم و موہوم ہے، ردالمحتار میں ہے:

فی الھندیۃ عن المبسوط ارسلہ لیفعل فخاف ان یقتلہ ان ظفر بہ ان لم یفعل لم یحل۔[2]

ہندیہ میں مبسوط سے منقول ہے اگر کسی نے دوسرے کو کام کرنے کے لئے بھیجا تو اس کو خطرہ ہے کہ اگر میں نے اس کا یہ ناجائز کام نہ کیا تو مجھے قتل کردے گا تو اس اندیشہ پر اس کو ناجائز کام کرنا حلال نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الاکراہ — دارالمعرفۃ بیروت — ۲/۱۴۳

[2] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۵/۸۸

لزوال القدرة بالبعد لکن یخاف عوده وبه لایتحقق الاکراہ، بزازیۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

کیونکہ دونوں میں بُعد فیصلہ کی وجہ سے قتل کی قدرت نہیں ہے، لیکن واپسی پرخوف ہو تو اس سے اکراہ متحقق نہیں ہوتا، بزازیہ (ت)

(۳) ہاں صورتِ مذکورہ میں تسلیم وقبضہ ثمن کا بارِ ثبوت ذمہ مشتری ہے کہ حاکم حکم نہیں کرسکتا مگر حجتِ شرعیہ اقرار ہے یا بیّنہ یا نکول۔ فتاوٰی امام قاضیخاں پھر اشباہ میں ہے:

القاضی لایقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار والنکول[2]۔

قاضی صرف حجت قائم ہونے پر فیصلہ دیتا ہے اور حجت گواہی، اقرار اور قسم سے انکار کا نام ہے۔ (ت)

اور مکرہ کا اقرار باطل ہے، ابھی خیریہ سے گزرا، لاصحۃ للاقرار مع الاکراہ[3] (اکراہ سے اقرار کی صحت نہیں ہوتی۔ ت)، اشباہ میں ہے، اقرار المکرہ باطل[4] (مجبور شدہ شخص کا اقرار باطل ہے۔ ت)، یونہی معتوہ غیر ماذون کا اقرار۔ عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان معتوھا فاقرارہ غیر صحیح[5]۔

پاگل کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور جبکہ اقرار با معتوہ ہونا شہادتِ عادلہ سے ثابت ہو تو دستاویز میں معمولی عبارت (بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع ورغبت بلاجبر واکراہ) لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں۔ خیریہ میں ہے:

سئل فی ذی ولایۃ علی قریۃ قادر علی ایقاع ضرب وحبس ملجئین باھلھا طلب من رجل منھا بیع عقار لہ بھا فباع خائفا منہ ایقاع ذٰلک بہ واقر

ان سے گاؤں کے والی کے متعلق سوال ہوا کہ اس نے قریہ میں زمین والے شخص کو ضرب لگانے اور قید کرنے کی دھمکی دے کر کہا کہ اپنی یہ زمین میرے پاس فروخت کرے تو اس نے دھمکی پر عمل کے خوف سے زمین فروخت کردی کیونکہ دھمکی پر عملی قدرت رکھتا ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳
[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱
[5] العقود الدریۃ کتاب الحجر والماذون ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۵۹

انه قبض ثمنه كذلك مع ان قيمة المبيع اضعاف الثمن هل ينفذ هذا البيع على هذا الوجه ام لا وان كتب صك لدى قاض على صفة الطوع والاختيار وعدم المفسد يكون الاعتبار لما فى نفس الامر لا لما كتب اجاب حيث علم بدلالة الحال انه لو لم يبعه يوقع به ضربا شديدا او حبسا مديدا فالبيع غير نافذ والاقرار غير صحيح فللمكره فسخه والاعتبار لما فى نفس الامر لا لما كتب فى الصك[1]

اور اقرار کیا کہ میں نے زمین کی رقم اس سے وصول کرلی ہے ________ حالانکہ وصول کردہ رقم سے اصل قیمت کئی گنا زیادہ ہے، تو کیا یہ بیع نافذ ہوگی یا نہیں، اور اگر قاضی کے ہاں اشٹام لکھ دے کہ میں نے خوشی اور اختیار سے فروخت کی اور بیع صحیح کی ہے تو اس تحریر کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ واقعی حال کا اعتبار ہوگا، تو جواب دیا، کہ جب معلوم ہے دلالت حال سے کہ اگر وہ فروخت نہ کرتا تو اس کو ضرب شدید اور قید مدید کرتا تو بیع نافذ ہوگی اور اقرار بھی صحیح نہ ہوگا تو مجبور زمیندار کو اختیار ہے کہ فسخ کردے اور اشٹام میں لکھے کا اعتبار نہیں بلکہ نفس الامر واقع کا اعتبار ہے۔ (ت)

لاجرم بار ثبوت مشتری پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاکراہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

کتاب الحجر

(حجر کا بیان)

مسئلہ ۲۳۲: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ مولٰنا مولوی محب احمد صاحب ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ایک عورت عرصہ چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا ہے کہ کبھی کبھی اس کی عقل میں اختلال آجاتا ہے اور خیال پردہ وستر پوشی کا نہیں رہتا ہے حتی کہ مکان کی چھت سے جو بازار میں واقع ہے سرِ بازار کھڑی ہوجاتی ہے، ایک مرتبہ چھت سے نیچے گر پڑی اور اکثری حالت یہ ہے کہ ہر قسم کا خیال ستر پوشی و حجاب رہتا ہے، سب قرابت دارانِ مادری و پدری وصہری کو بتخصیص قرابت جانتی پہچانتی ہے کام متعلق عورات جو خانہ داری کو چاہئیں کرتی ہے، ایسی حالت میں اس کا اپنی جائداد کسی کو بطور ہبہ دے دینا یا معاف کرنا یا کسی بارہ میں اس کی شہادت مثل رضاعت وغیرہ مقبول و جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت مجنونہ ومعتوہہ ہے یا کیا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایام دورہ میں زن مذکورہ کا آفت معترضہ علی العقل میں مبتلا ہونا واضح و بدیہی ہے، قلتِ فہم وفسادِ تدبیر تو ظاہر، اور اختلاطِ کلام اختلاطِ عقل کو لازم، تو اسی قدر سے معتوہہ ہونا تو صراحۃً ثابت، اور اس کے ساتھ لوگوں کو مارنا گالیاں دینا بھی ہو تو مجنونہ ہے، بہرحال تبرعات مثل ہبۂ مال و بخششِ مہر وغیرہ کی اہلیت ہرگز نہیں، اگر ایسے تصرفات کرے گی محض باطل ہوں گے اور رضاعت وغیرہ

کسی امر میں اس کی شہادت اصلاً قابل قبول نہیں، پھر اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معلوم و معروف نہیں تو یہ احکام حجر تصرفات و ابطال تبرعات والغائے شہادت دائمی ہیں کہ جب افاقہ معہود نہیں تو کسی وقت اطمینان نہیں ہوسکتا، ہر وقت محتمل کہ حالت اختلال میں ہو، صرف عاقلانہ باتیں کرنی موجب اطمینان نہیں کہ معتوہ بلکہ مجنون لبسا اوقات ٹھیک ٹھیک عقل کی باتیں کرتے ہیں، یہاں تک کہ ناواقف سُنے تو ہرگز احتمال اختلال نہ کرے، ہاں اگر وقت افاقہ معلوم و معہود ہے تو اس وقت اس کا حکم مثل حکم عقلاء ہے، اس کے تبرعات بھی نافذ ہونگے اور شہادات بھی مسموع۔ درمختار میں ہے:

المعتوہ من العتہ وھو اختلال فی العقل[1]

المعتوہ 'عتہ' سے ماخوذ ہے، اور عقل میں خلل واقع ہوجانے کا نام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا ذکرہ فی البحر تعریفا للجنون وقال ویدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوہ ھو القلیل الفھم المختلط الکلام الفاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم بخلاف المجنون اھ وصرح الاصولیون بان حکمہ کالصبی[2]

بحر میں یہ تعریف جنون کی لکھی ہے اور کہا کہ معتوہ بھی اس تعریف میں داخل ہے، اور دونوں میں فرق کے لئے یوں کہنا بہتر ہے کہ معتوہ وہ ہے جو قلیل فہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا جو لوگوں کو ضرب وشتم نہ کرے، اور مجنون وہ ہے جو ضرب وشتم کرے اھ، اور اصول والوں نے تصریح کی ہے کہ اس کا حکم بچوں والا ہے (ت)

درمختار میں ہے:

تصرف المعتوہ ان کان نافعا محضا کالاسلام والاتھاب صح بلا اذن، وان کان ضارا کالطلاق والعتاق والصدقۃ والقرض (والھبۃ ش)

معتوہ کا تصرف اگر فائدہ مند ہو جیسے اسلام اور ہبہ قبول کرنا تو یہ نافذ العمل ہوگا ولی کی اجازت ضروری نہ ہوگی اور اگر وہ عمل مضر ہو تو ولی کی اجازت کے باوجود نافذ نہ ہوگا جیسے طلاق، عتاق، صدقہ اور قرض، اس پر شامی نے ہبہ

---

[1] درمختار | کتاب الطلاق | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۱۸

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۲۶

لاوان اذن به ولیھما ، وما تردد من العقود بین نفع وضر کالبیع و الشراء توقف علی الاذن۔[1]

دینے کا اضافہ کیا، اور اس کا ایسا عمل جو نفع اور نقصان والے دونوں پہلو رکھتا ہو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہونگے جیسے بیع و شراء۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لاتقبل شھادۃ الصبیان والمجانین والمعتوہ بمنزلۃ المجنون۔[2]

بچّوں اور مجنون کی شہادت مقبول نہیں اور معتوہ بچّوں کا حکم رکھتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وکذا شھادۃ الصبیان بعضھم علی بعض فیما یقع فی الملاعب، وشھادۃ النساء فیما یقع فی الحمامات لاتقبل، وان مست الحاجۃ الیھا کذا فی الذخیرۃ۔[3]

یونہی بچّوں کی کھیل کے متعلق اور عورتوں کے حمام کے متعلق شہادت مقبول نہیں اگرچہ یہاں ضرورت بھی ہے، ذخیرہ میں یوں ہے۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

قال الشلبی فی حاشیۃ الزیلعی الحق التفصیل فان کان لافاقتہ وقت معلوم فعقد فی ذٰلک الوقت فالحکم فیہ کالعاقل، وان لم یکن لافاقتہ وقت معلوم فعقد فی حال الافاقۃ فالحکم فیہ کالصبی اھ والفرق بین الافاقۃ المعلومۃ وغیرھا انہ فی المعلومۃ تحقق صحوہ بحسب

زیلعی کے حاشیہ میں شلبی نے کہا حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر معتوہ کے افاقہ کا وقت معلوم ہے اور اس وقت اس سے عقد صادر ہوا تو اس وقت میں عاقل والا حکم ہوگا، اور اگر اس کے افاقہ کا وقت معلوم نہ ہو تو افاقہ کی حالت میں کیا ہوا عقد بچّوں والا حکم رکھتا ہے اھ، اور افاقہ معلوم ہونے نہ ہونے کا فرق یہ ہے کہ معلوم کی صورت میں اس کی صحت حسب معمول ہوتی

---

[1] درمختار | کتاب الماذون | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۰۳
ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/ ۱۱۰
[2] فتاوٰی ہندیۃ | کتاب الشہادات | الباب الرابع | نورانی کتب خانہ پشاور | ۳/ ۴۶۵
[3] " | " | " | " | ۳/ ۴۶۵

عادته، اما غیرھا فیحتمل انه حال جنونه تکلم بکلام العقلاء[1] اھ مختصرًا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ہے اور غیر معلوم میں ہو سکتا ہے کہ وہ جنون کی حالت میں عقلمندوں جیسی گفتگو کر رہا ہو۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم (ت)

مسئلہ ۲۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج کہ مرض دماغی ہے، اسے اختلالِ عقل وعدمِ ثبات حواس لازم ہے یا نہیں، اور اگر کسی عالم کو چند سال مرض رہے طولِ مرض کے سبب گھبرائے تو دل بہلانے کو شطرنج یا اسی قسم کے کھیل میں کبھی مشغول ہو تو آیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ عالم مجنون یا مسلوب الحواس قرار دیا جائے اور اس کے تصرفات بیع وہبہ وغیرہ باطل کرئے جائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

فالج اگرچہ مرض دماغی ہے مگر اس سے اختلال عقل وعدمِ ثبات حواس ہرگز لازم نہیں، آخر عامہ کتبِ فقہ میں تصریح ہے کہ جب یہ مرض سال بھر سے متجاوز ہو مزمن ہو جائے تو مریض شرعًا صحیح گنا جائے گا، اور اس کے سب تصرفات نافذ قرار پائیں گے، اگر اس مرض کو بدحواسی لازم ہوتی تو یہ حکم فقہاء کا کیونکر صحیح ہوتا، نہ شطرنج گنجفہ چوسر یا اور اسی قسم کے ہزاروں کھیلوں سے مسلوب الحواسی ثابت ہو، بلکہ خیال کیجئے تو یہ سب کام عقل وحواس چاہتے ہیں، اور یہ بات جُدا رہی کہ ایسے افعال عالم کے شان سے بعید ہوں، اوّل عالم کیلئے معصوم ہونا شرط نہیں، ثانیًا بالفرض شطرنج مطلقًا گناہ ہو تو کسی گناہ سے شرع شریف بطلانِ تصرفات کا حکم نہیں دیتی اور امام عامر شعبی کہ اکابر ائمہ محدثین سے ہیں شطرنج کھیلا کرتے اب کیا اس بنا پر معاذ اللہ کوئی انھیں مسلوب الحواس کہہ سکتا ہے، اور بعض جاہل جو کہنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے عالم ہیں جو ایسے فعل کرتے ہیں یا ان کی عقل کدھر گئی کہ عالم ہو کر ایسی باتوں میں مشغول ہیں قطع نظر اس سے کہ جہلاء کو کسی کے افعال سے تعرض اور ان پر طعن وتشنیع روا نہیں۔ حدیث میں ہے:

"عالم بے عمل مثل شمع کے ہے کہ خود جلتا ہے اور تمھیں روشنی پہنچاتا ہے[2]۔"

یہ محاورہ ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنی جانوں کو

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

[2] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۴۲۰۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۳

وانتم تتلون الکتٰب افلا تعقلون[1]

بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو کیا سمجھتے نہیں۔ (ت)

یا اس سے بڑھ کر ارشاد ہوا:

او لوکان اٰباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون[2]

کیا اگر ان کے آباء واجداد کسی چیز کی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی راہ یافتہ ہوں (ت)

اب کیا قرآن عظیم نے ان لوگوں کو بے عقل کہہ کر ان کی بیع وشراء واجارہ وغیرہا تصرف کو باطل ٹھہرایا ہے، حاشا وکلا کوئی عاقل ایسا گمان نہیں کرسکتا ومن ادعٰی فعلیہ البیان (جو یہ دعوٰی کرے تو اس پر بیان لازم ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اختلالِ عقل کا شرعًا موجب منع نفاذ تصرف کا ہونا ہے، اس کے کیا معنٰی ہیں، اور کیا کیا باتیں اس کے واسطے درکار ہیں، اور اگر کوئی چار سال سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا ہے، ابتدا میں مرض شاید کہ دست وپا وزبان سب پر آفت ہو، پھر تھوڑے عرصہ بعد ہاتھ پاؤں بخوبی تمام کھل جائیں، اور زبان بھی اتنی صاف ہوجائے کہ ادائے مطلب میں عاجز نہ ہو اگرچہ تکلم میں قدرے تکلف رہے، یہاں تک کہ ایسی حالت میں حج کرے، اور وہاں طواف وسعی صفا مروہ ووقوف وعمرہ وزیارت مدینہ طیبہ وحاضری مشاہدہ متبرکہ میں اپنے پاؤں سے مثل اصحا نہایت سرگرم رہے، اور اس کے اور افعال بھی مثل عقلاء کے ہوں، دیہات کی تحصیل وتشخیص کرے، بات سنے سمجھے جواب دینے میں فرق نہ ہو، اور بالفرض اس زمانہ ممتد میں دو تین باتیں اس سے ایسی بھی صادر ہوجائیں جو غفلت وبیخودی پر دلالت کریں، تو آیا انھیں باتوں پر مدار کار رکھ کر اُسے مجنون یا معتوہ ٹھہرادیں گے یا شاذ ونادر کا اعتبار کریں گے، جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ بار بار بتکرار اکثر افعال وحرکات اُس سے اس قسم کے ہوتے اور ہوش کی باتیں کم کرتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسلوب الحواسی کی اعلٰی قسم تو جنون ہے، والعیاذ باللہ منہ، اور ادنٰی قسم عتہ، جس کے صاحب کو

---

[1] القرآن الحکیم ۲/ ۴۴

[2] " ۲/ ۱۷۰

معتوہ کہتے ہیں، اس میں بھی اسی قدر ضرور ہے کہ تدبیریں اس کی ٹھیک نہ رہیں، سمجھ اس کی درست نہ ہو، باتوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہے، ابھی بیٹھا ہے خوب ہوش وحواس کی باتیں کر رہا ہے، ابھی خرافات و ہذیانات بکنے لگا، سودائیوں کی طرح مہمل و بے معنی بکنے لگا یہاں تک کہ شریعت مطہرہ اس کے اوپر سے اپنی تکلیفیں اٹھالیتی ہے، اور نماز و روزہ تک اس کے اوپر فرض نہیں رہتا،

فی الفتاوی الخیریۃ العتہ قلۃ الفھم واختلاط الکلام وفساد التدبیر وذلك بسبب اختلال العقل فیشبہ مرۃ کلامہ کلام العقلاء ومرۃ کلام المجانین[1]، وفی ردالمحتار حکم المعتوہ کالصبی العاقل فی تصرفاتہ، وفی رفع التکلیف عنہ زیلعی[2]۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے عتہ قلتِ فہم، کلام کا اختلاط اور فسادِ تدبیر ہے اور یہ عقل میں خلل کی وجہ سے ہوتا ہے تو کبھی اس کا کلام عقلاء کے کلام اور کبھی مجانین کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ معتوہ کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے تصرفات اور غیر مکلف ہونے میں نابالغ عاقل جیسا ہوتا ہے، زیلعی۔ (ت)

اب چاہے زوالِ عقل اتنی اعلٰی درجہ کی حد کو پہنچ جائے، یعنی مثلاً اتنی بات کی بھی خبر نہ رہے کہ چیز بیچتے ہیں تو اپنی ملک سے نکل جاتی ہے، خریدتے ہیں تو اپنے پاس آجاتی ہے، خرید و فروخت میں نفع کا ارادہ چاہئے، خواہ اس حد کو نہ پہنچا ہو، اور ان باتوں کی ہنوز گونہ تمیز باقی ہو، مگر وہ امور جو ہم نے اوپر ذکر کئے اس میں پائے جانے ضرور ہوں کہ وہ تو معتوہ کی نفس تفسیر میں واقع ہیں، پھر جب تک اس کیفیت کا ثبوت نہ ہو، ہرگز مسلوب الحواس شرعاً ثابت نہیں ہوسکتی، نہ یہاں شاذ و نادر کا اعتبار کریں بلکہ اکثر افعال وحرکات فسادِ عقل و اختلالِ ہوش کے ہونے چاہئیں،

وفی ردالمحتار ویؤید ما قلنا قول بعضھم العاقل من یستقیم کلامہ وافعالہ الا نادرا[3]۔

ردالمحتار میں ہے، ہماری بات کی بعض کے اس قول سے تائید ہوتی ہے کہ عاقل وہ ہے جس کی کلام اور افعال درست ہوتے ہیں ماسوائے نادر مواقع کے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریۃ | کتاب الطلاق | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۴۰

[2] ردالمحتار | کتاب الحجر | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۹۰

[3] ردالمحتار | کتاب الطلاق | 〃 〃 〃 | ۲/۴۲۷

دیکھو تصریح کرتے ہیں کہ اگر نادرًا بعض کلمات وحرکات قانونِ عقل سے خارج بھی صادر ہوں، تو عاقل ہی کہا جائے گا ۔ آگے چل کر فرماتے ہیں :

فالذی ینبغی التعویل علیہ فی المدھوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادتہ[1] الخ۔

قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ مدہوش اور اس جیسوں کا حکم اس کے اقوال وافعال میں خلل کا غلبہ اور عادت سے خارج ہونے پر لگے گا الخ (ت)

ہر عاقل جانتا ہے کہ بعض اوقات کسی خیال کے استغراق یا تکلیف کی شدت یا فرحت کی کثرت یا اور کسی صورت سے وہ بات بیخودی کی اس سے صادر ہوجاتی ہے کہ جب خیال کرتا ہے تو خود ہی اسے تعجب ہوتا ہے، پھر کیا اس سے یہ لازم آسکتا ہے کہ اُسے مسلوب الحواس ٹھہرادیں' اور اس کے تصرفات کا نفاذ نہ مانیں، اور یہاں طول عہد مرض ایک قرینۂ قویہ بھی ہے کہ اس کی پریشانی میں اگر نادرًا کسی ایسے فعل کا وقوع ہوجائے تو کچھ جائے تعجب نہیں ،

فی ردالمحتار نقل عن ھشام ابن کلبی قال حفظت مالم یحفظہ احد ونسیت مالم ینسہ احد حفظت القرأن فی ثلثۃ ایام واردت ان اقطع من لحیتی مازاد علی القبضۃ فنسیت فقطعت من اعلاھا[2]۔

ردالمحتار میں ہشام ابن کلبی سے منقول ہے اس نے کہا میں نے حفظ کیا جو کسی نے نہ کیا اور میں بھولا اس طرح کوئی نہ بھولا میں نے قرآن پاک تین دن میں حفظ کرلیا اور میں قبضہ سے زائد اپنی داڑھی سے کاٹنا چاہتا تھا تو بھول کر میں نے قبضہ کے اوپر سے کاٹ دی ۔ (ت)

دیکھو ایسا صحیح الضبط قوی الدماغ آدمی جس نے روزانہ دس دس پارہ قرآن مجید کے یاد کرکے تین روز میں کلام اللہ شریف پورا حفظ کرلیا، اس سے ایسی خطائے عظیم واقع ہُوئی کہ جس پر وہ خود کہتے ہیں مجھ سے وہ بھول ہُوئی جو کسی سے نہ ہوئی، اب کیا اس نادر بات پر اُن کی قوتِ عقل بالکل زائل اور مسلوب الحواسی حاصل پائی جائے گی ۔ بالجملہ جب تک غالب افعال واقوال ایسے ہی نہ ثابت کئے جائیں ہرگز بکار آمد نہیں کہ فقہائے کرام عدم اعتبار نادر کی تصریح فرما چکے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۵ یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے، دونوں کا مہر

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع " " " ۵/ ۲۶۱

اُس پر واجب ہے اور اپنی کُل جائداد کو بطور ہبہ یا دین مہر میں ایک زوجہ کے نام یا کسی غیر کو ہبۃً دینا چاہتا ہے تاکہ دوسری زوجہ محروم رہ جائے، اس صورت میں یہ زوجہ قاضی و مفتی کے یہاں استغاثہ کرسکتی ہے یا نہیں، اور زوج کو ان امور سے روک سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگرچہ ایک زوجہ کی محرومی چاہنا خلافِ عدل اور دیانۃً بُرا ہے، مگر جبکہ جائداد اس عورت کے مہر میں مرہون نہیں، تو یہ اسے کسی طرح کے تصرف و انتقال سے نہیں روک سکتی چاہے وُہ دوسری زوجہ کے مہر میں دے دے، خواہ اسے کسی راہ چلتے کو ہبہ کردے، یا جو چاہے کرے،

فان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ لایقول بالحجر بالدین اصلا، وصاحباہ وان قالا بہ فبعد قضاء القاضی بالحجر، فحیث لاقضاء لاحجر اجماعًا، قال فی الھندیۃ من باب الحجر للفساد لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لایثبت الا بقضاء القاضی[1] اھ وقال فی الحجر بسبب الدین عند ابی حنیفۃ لایحجر علیہ ولا یعمل حجرہ حتی تصح منہ ھذہ التصرفات کذا فی المحیط[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ قرض کی بنا پر کسی کو مجبور ہرگز نہ کرتے، اور آپ کے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی اگرچہ تصرفات سے منع (حجر) کا قول کرتے ہیں لیکن قاضی کے اس فیصلہ کے بعد، تو جہاں قاضی کا فیصلہ نہ ہو وہاں وہ حجر کا حکم نہیں کرتے۔ ہندیہ نے "باب الحجر للفساد" میں کہا کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بلاخلاف قضاء قاضی سے ہی قرض کی وجہ سے حجر نافذ ہوتا ہے اھ، اور "الحجر بسبب الدین" کے باب میں فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر حجر کا حکم نہ کیا جائے گا، اور نہ حجر مؤثر ہوگا حتی کہ اس کے یہ تصرفات صحیح قرار پائیں گے' محیط میں یُوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۶ ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ احمد حسن نے انتقال کیا، ایک لڑکا وزارت حسن نابالغ اور ایک زوجہ اور ایک دختر اور ایک برادر خالہ زاد اور ایک حقیقی ماموں زاد بھائی چھوڑا تو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب الثالث " " ۵/ ۶۱

اس صورت میں شرعاً لڑکے نابالغ اور نیز جائداد غیر منقولہ کا کون ولی مقرر ہوسکتا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جب کوئی عصبہ نہیں، تو صرف ولایتِ نکاح ماں کو ہے، نابالغ پر ولایت مال اور جائداد پر اختیار، ماں بہن خواہ ان رشتہ کے چچاؤں کسی کو نہیں، جب تک مورث نے ان میں سے کسی کو وصی نہ کیا ہو کہ باپ کے بعد ولایتِ مال اس کے وصی کو ہے، یعنی جسے اس نے وصیت کی ہو کہ تو میرے بعد میری جائداد یا اولاد کی غور پرداخت کرنا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو اسکا وصی، وہ نہ ہو تو اسکے وصی کا وصی، وہ نہ ہو تو پردادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، پھر وصی الوصی، وعلیٰ ہذا القیاس، پھر ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام یا اس کا وصی۔ ان کے سوا کوئی ولیِ مال نہیں،

فی الدر المختار ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم جدہ الصحیح، وان علا، ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم القاضی او وصیہ ایہما تصرف صح دون الام او وصیہا[1] ھذا فی المال بخلاف النکاح اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے، اس کا ولی ترتیب وار، باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی، پھر حقیقی دادا اوپر تک پھر اسکا وصی پھر اسکے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی دونوں میں کوئی بھی تصرف کرے صحیح ہوگا، ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہیں، یہ ملل کے معاملہ میں ہے بخلاف نکاح کے اھ ملخصاً واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳ (نوٹ) اصل میں سوال نہیں ہے، لیکن جواب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فاتر العقل کے تصرفاتِ نکاح وعقدِ بیع سے متعلق تھا جس کو بعد میں ایسے ولی نے جائز کر دیا تھا، جو باپ اور دادا کے علاوہ تھا۔ (عبدالمنان)

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مدارِ صحت ونفاذ تصرفات وترتیب احکام میں تو یہ عقل ہے، یہ جو محض بے عقل ہے اس کے تصرفات رأساً باطل، کہ اجازت اولیاء کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، اور جو نفع وضرر میں قدرے تمیز حاصل، اور عقل سے کچھ بہرہ ہے، مثلاً بیع وشراء کو سالب وجالب ملک، اور غبن قلیل وکثیر میں تفرقہ اور مقصود تجارت حصول منفعت جانتا ہے، یا مسلوب الحواسی

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

اس کی دائمی نہیں، نہ ہوش میں آنے کا وقت معین، گاہے عقل سے بیگانہ گاہے بالکل ہوشیار و فرزانہ، تو اس صورت میں امثال نکاح و بیع و شراء وغیرہا تصرفات اس کے نفع و ضرر دونوں کو محتمل، اُس ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے، جسے اُن تصرفات کا اُس کے نفس و مال میں خود اختیار حاصل ہو، اگر ولی نہیں یا ولی کو ایسے تصرف کی خود پروانگی نہیں یا ہے مگر وہ جائز نہ رکھے، تو یہ باطل ہوجائیں گے۔

وفی حاشیۃ الدر المختار للعلامۃ احمد الطحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، واما ذاهب العقل اصلا فان تصرفہ لاتلحقہ الاجازۃ[1] اھ وفی الدر (ومن عقد) عقدا یدور بین نفع وضرر کما سیجیئ فی الماذون (منھم) من ھؤلاء المحجورین (وھو یعقلہ) یعرف ان البیع سالب للملك والشراء جالب (اجازولیہ اورد) وان لم یعقلہ فباطل نھایۃ[2] اھ فی الطحطاویۃ قولہ یعرف ان البیع سالب الخ ویعرف الغبن الیسیر من الفاحش، ویقصد تحصیل الربح والزیادۃ اھ زیلعی، قولہ اجاز ولیہ جعل فی الدرایۃ الولی شاملا للعصبات وخصہ ابن فرشتہ فی شرح المجمع بالقاضی ومن

علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی کے حاشیہ درمختار میں ہے، لیکن وہ جس کی عقل بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کے کسی تصرف کو اجازت نہیں مل سکتی اھ، اور درمختار میں ہے ان مجبور لوگوں میں سے اگر کوئی ایسا تصرف جس میں اس کے لئے نفع و نقصان کے دونوں پہلو ہوں، جیسا کہ عنقریب ان میں سے ماذون حضرات کے لئے بیان ہوگا وُہ عقد بیع میں یہ جانتا ہے کہ اس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور شراء میں ملکیت حاصل ہوتی ہے ایسے میں اس کے ولی کو اختیار ہے کہ عقد کو جائز کرے یا رَد کرے، اور اگر وہ یہ نہیں سمجھتا تو عقد باطل ہوگا اھ، اور طحطاوی میں ہے کہ ماتن کا قول کہ بیع سے ملکیت کا زوال ہونا جانتا ہے الخ، اور یہ بھی جانتا ہو کہ تھوڑا غبن اور زیادہ کیا ہوتا ہے اور نفع اور مال کو زائد بنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہو اھ، زیلعی۔ ماتن کا قول کہ "ولی اجازت دے" درایہ میں ولی میں عصبات بھی شامل کئے ہیں اور ابن فرشتہ نے مجمع کی شرح میں صرف قاضی کو ولی قرار دیا ہے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحجر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

له ولایة التجارة فی مال الصغیر کالاب والجد والوصی، فلا یجوز باذن الاخ والعم والام واجاب المقدسی بحمل هذا التعمیم علی مالولی فعله کالنکاح فتصح اجازته من الاخ والعم حموی[1] اھ۔

اور ساتھ ہی اس کو جو نابالغ کے مال میں تجارت کا ولی بنتا ہے جیسے باپ، دادا، اور وصی، تو بھائی، چچا اور ماں کی اجازت صحیح نہ ہوگی، اور مقدسی نے اس کے جواب میں ولایت کو عام کرکے ولی کے اختیاری فعل مثلاً نکاح کو شامل کیا تو بھائی اور چچا کی اجازت صحیح ہوگی، حموی اھ۔ (ت)

ہاں اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معین ہو کہ اس وقت خاص بالکل ہوش میں آجانے کا عادی ہے تو اس حالت افاقہ میں جو تصرف اس سے صادر ہوگا وہ اس میں مثل سائر عقلاء کے ہے کما ذکرہ الزیلعی وفسرہ الشلبی نقلہ الطحطاوی (جیسا کہ زیلعی نے اسے ذکر کیا اور شلبی نے تفصیل کے ساتھ اسے بیان کیا طحطاوی نے اسے نقل کیا۔ ت) لیکن یہ صورت یہاں معدوم، کہ سائل کہتا ہے مسلوب الحواسی اس کی دائمی تھی جس سے کبھی افاقہ نہ ہوتا، اور اس کے اظہار سے یہ بھی ثابت کہ یہ مہر جو زن مذکورہ کا باندھا گیا اس کے مہر مثل سے کہیں زائد ہے، پس صورت مستفسرہ میں یہ نکاح و بیع بہر تقدیر راساً باطل محض ہیں جن کی صحت و نفاذ کی کوئی سبیل نہیں، خواہ زید بالکل ذاہب العقل ہو، اور کسی طرح کی تمیز نہ رکھتا ہو، جیسا کہ تقریر سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے یا مجوروں کی دوسری قسم میں داخل ہو جن کے تصرفات کذائیہ اجازتِ اولیاء پر موقوف رہتے ہیں، تقدیر اول پر بطلان نہایت واضح کہ لایعقل محض کے تصرفات کو اجازت اولیاء بھی کام نہیں آتی، کما ذکرنا، اور دوسری شق پر جب تقرر مہر میں غبنِ فاحش ہوا، اور مہر مثل سے بہت زیادہ بندھا، تو ایسا نکاح خود اب وجد کے سوا اور اولیاء کے ہاتھ کا کیا ہوا اصلاً صحیح نہیں ہوتا، پھر انھیں اجازت کا کیا اختیار ہوگا، اور قاعدۂ مقررہ فقہیہ ہے کہ:

کل تصرف صدر وما لہ مجیز حالۃ العقد لاینعقد اصلاً۔

ایسا تصرف جس کے انعقاد کے وقت اس کو جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ عقد منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان کان المزوج غیرھما ای

اگر نکاح کرکے دینے والا باپ اور دادا کا غیر

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحجر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

غیرالاب وابیه ولو الام او القاضی لایصح النکاح من غیرکفوء او بغبن فاحش اصلا[1] اھ ملخصًا۔

خواہ ماں یا قاضی ہو تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا، یا بہت زیادہ گراں مہر پر ہو تو بھی اصلاً جائز نہ ہوگا اھ ملخصًا۔ (ت)

اسی طرح بیع کہ جب قیمت میں کمی فاحش ہوگی، اجازت ولی سے بھی اصلاح ناممکن، تو یہ وہی تصرف ہوا جس کا حالِ صدور کوئی مجیز نہیں، اور ایسا تصرف باطل ہوتا ہے،

فی رد المحتار علی الدرالمختار للعلامۃ السید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ **قولہ** اجازولیه ای ان لم یکن فیه غبن فاحش فان کان لایصح وان اجازہ الولی بخلاف الیسیر جوهرة[2] عہ

درمختار کے حاشیہ ردالمحتار علامہ ابن عابدین میں ہے، ماتن کا قول کہ "ولی جائز کردے" یعنی جب غبن فاحش مہر میں نہ ہو اور غبن فاحش ہو تو ولی کے جائز کرنے پر بھی جائز نہ ہوگا بخلاف غبن یسیر کے، جوہرہ۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۸: از گلشن آباد عرف جاورہ ملک مالوہ محلہ نظر باغ متصل مکان عالمگیر خاں مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی، اُس کا ایک لڑکا نوسال کا اور ایک زوج، اور ایک پدر، اور دو برادر وارث رہے، عرصہ ہوا کہ مسماۃ ہندہ کا پدر فوت ہوگیا، اب ان وارثوں میں پسر کے رکھنے اور تعلیم کرانے کا اُس وقت کون مستحق ہے، اور جو ترکہ ہندہ کا زیور وغیرہ رہا ہے اس میں تصرف کا واسطے تربیت پسر متوفیہ کے کون مستحق ہے، اور کس کے پاس رہے گا؟ بیّنوا توجروا۔

مرشدِ دین، ہادیِ راہِ متین جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیضکم، بعد تسلیم بصد تعظیم

عہ لیس فی هذا الجواب علامة الاختتام وظنی انه کامل۔ (عبدالمنان الاعظمی)

اس جواب کے اختتام پر علامت نہیں ہے تاہم میرے گمان میں یہ تام ہے۔ (ت) (عبدالمنان الاعظمی)

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۱

تکریم عرض پرداز خدمت سامی ہے، استفتاء ارسال خدمت سامی ہے، یہاں کے بعض علماء ایسا فرماتے ہیں کہ زوجِ ہندہ کل ترکہ ہندہ کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ اس میں تصرف واسطے تعلیم وتربیت پسر کرسکتا ہے، صرف اپنے حصہ چہارم وحصۂ پسر ہندہ میں اس کو حق تصرف کا ہے، ترکہ ہندہ سے چہارم اس کے پدر متوفی کا ہے وچہارم ہندہ کے برادران کو ملنا چاہئے، اندریں باب جیسا حکمِ شرع ہو اُس سے نیازمند کو آگاہی بخشیں، فقط۔

الجواب

لڑکا جبکہ سات سال سے زیادہ عمر کا ہے اپنے باپ کے پاس رہے گا، اور متروکۂ ہندہ سے جو حصہ پسر کو ملا یعنی بارہ[12] سہام سے سات سہم، اس میں تصرف شرعی کا اختیار بھی پسر کے باپ ہی کو ہوگا، ماموؤں کو کوئی تعلق نہیں، جس طرح چھٹا حصہ کہ ترکۂ ہندہ سے پدرِ ہندہ کو پہنچا، وہ وارثان پدرِ ہندہ کا ہے، اُس سے شوہر کو کچھ علاقہ نہیں،

فی الشامیۃ عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائہ عن الام، لان نفقتہ وصیانتہ علیہ بالاجماع[1] اھ، وفی الدر المختار ولیہ ابوہ ثم وصیہ، ثم جدہ ثم وصیہ، ثم القاضی او وصیہ، دون الام او وصیہا، ھذا فی المال[2] اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

فتاوٰی شامی میں فتح سے ہے جب بچہ ماں کی پرورش سے مستغنی ہوجائے تو باپ کو بیٹا واپس لینے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ بچے کا خرچہ اور تربیت والد کے ذمہ بالاجماع ہے اھ، اور درمختار میں ہے بچے کا ولی اس کا باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا پھر اس کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی ہے، ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہے، یہ ترتیب مالی ولایت میں ہے اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)۔

مسئلہ ۲۳۹: از لشکر گوالیار نیا بازار مکان حکیم شریف حسین خاں مرسلہ علی حسین خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

تسلیمات نیازمندی معروض خدمت، عرض حال یہ ہے کہ یہاں کچہری صاحب جج یک مقدمہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۰

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

سرپرستی دائر ہے اس کی کیفیت خلاصہ تحریر کرتا ہوں: میرے دادا حکیم ولایت علی خاں مرحوم نے تین شادیاں کیں، اول زوجہ سے دو پسر اور ایک دختر تولد ہوئے، اول بی بی کی اولاد سے جو کہ دو پسر تھے ان میں سے ایک پسر کلاں لاولد فوت ہوا، دوسرا پسر خورد بعارضۂ جسمانی ہاتھ پاؤں سے معذور ہنوز بحیات موجود ہے۔ دوسری بی بی کی اولاد سے والد حکیم شریف حسین خاں مرحوم۔ تیسری بی بی کی اولاد سے ایک پسر مفلوج الاعضا مخبوط الحواس ہنوز موجود ہے، دادا صاحب نے قبل از وفات ایک درخواست عرضی بایں مضمون سرکار میں پیش کی کہ بعد وفات میری تنخواہ سالانہ ۔۔ وجاگیر جو سرکار سے مقرر ہے بجائے اسم میرے نام شریف حسین خاں معہ تنخواہ وجاگیر کے مقرر فرمایا جائے، بعد از چندے دادا صاحب کا انتقال ہوگیا، ایک عرصہ بعد ۲۷ نومبر ۱۸۹۴ء کو تقرری اسم والدم سرکار مقرر فرمایا گیا، بعد تقرری اسم والدم تنخواہ خود سے بطور پرورش برادر خورد مفلوج مخبوط الحواس کو ۱۲ روپے ماہوار، اور والدہ مخبوط الحواس کو ۲۰ جملہ ۳۲ روپیہ ماہوار تادم مرگ دیئے گئے، اور مکان سکونتی دادا صاحب میں مقیم رکھا، اثنائے حال میں والدم حکیم شریف حسین خاں کا بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ماہ جون تاریخ ۱۵ سنہ ۱۸۹۷ء کو انتقال ہوگیا، اور ۱۷ جون ۱۸۹۷ء کو والدۂ مخبوط الحواس بھی بعارضۂ ہیضہ علیل ہوئیں، اس وقت مکان سکونتی سے والدۂ مخبوط الحواس یعنی میری دادی صاحبہ کو دونوں برادر حقیقی مولوی عبدالغفار و عبدالستار آکر اپنے مکان پر لے گئے، ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو بخانۂ برادران مذکور میری دادی صاحبہ فوت ہوگئیں، بعد فوت ہوجانے میری دادی صاحبہ کے ہر دو برادران دادی صاحبہ نے مکان سکونتی و دکانات پر آکر میرے قفل لگائے ہوئے توڑ کر اپنے قفل از راہِ مداخلت بیجا کے لگادیئے، جب میں نے فوجداری میں استغاثہ کیا تو مولوی عبدالغفار ملزمان نے اپنی سرپرستی بہ نسبت اُس مخبوط الحواس یعنی ہمشیرہ زادہ خود ظاہر کیا، چنانچہ یہ مقدمہ درجہ بدرجہ کچہری صاحب جج تک پہنچ گیا ہے صاحب جج نے فتویٰ شرع شریف بہ نسبت سرپرستی ملزمان مذکور طلب کیا ہے، لہٰذا خدمت عالی میں عرض کرکے طلبگار فتویٰ کا ہوں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق پرستی مخبوط الحواس کی میری جائز ہے یا بمقابلہ میرے ہر دو ماموں مخبوط الحواس کی سرپرستی درست ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مخبوط ناعاقل یا صغیر نابالغ کی سرپرستی دو امر میں ہے، ایک نکاح، دوسرے مال۔
اس مخبوط کی ولایتِ نکاح تو اس کے بھائی کو ہے جو حکیم ولایت علی خاں کی زوجہ اولیٰ سے ہے، اور

اس کا ہاتھ پاؤں سے معذور رہنا مانع ولایت نہیں بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، ورنہ سائل کہ اس مخبوط کا بھتیجا ہے، اس کا ولی ہے، اس کے ہوتے ماموں کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریۃ وتکلیف، فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، ثم الاخت، ثم ولد الام، ثم ذوی الارحام، العمات، ثم الاخوال[1] الخ باختصار۔

نکاح میں ولی، عصبہ بنفسہ وراثت اور وراثت سے مانع بننے (حجب) کی ترتیب پر بشرطیکہ وہ آزاد اور مکلف ہوں، اور اگر عصبات نہ ہوں تو ماں کو ولایت ہوگی پھر بہن پھر ماں کی اولاد پھر ذوالارحام پھوپھیوں کو، پھر ماموں کو، الخ باختصار (ت)

اور ولایتِ مال صرف اس شخص کو ہے جسے حکیم ولایت علی خاں اپنے بعد اپنی اولاد و جائداد کی غور پرداخت سپرد کر گئے، اپنا وصی بنا گئے ہوں وہ نہ رہا ہو تو وہ شخص جسے وصی مذکور اسی طرح اپنا وصی کر گیا ہو، وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے مخبوط کے دادا نے اپنا وصی کیا ہو، وہ بھی نہ رہا ہو تو وہ جسے دادا کا وصی اپنا وصی کر گیا، ان کے سوا کسی کو اس مخبوط کی ولایتِ مال نہیں پہنچتی۔ درمختار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ بعد موتہ ثم وصی وصیہ، ثم بعدھم جدہ الصحیح، وان علا ثم وصیہ، ثم وصی وصیہ، ثم القاضی او وصیہ ھذا فی المال بخلاف النکاح، کما مر فی بابہ[2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اس کا ولی باپ، اس کی موت کے بعد اس کا وصی، پھر وصی کا وصی، پھر ان کے بعد حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی۔ یہ مالی ولایت ہے اور نکاح کی ولایت اس کے خلاف ہے، جیسا کہ نکاح کے باب میں گزرا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لئے حدِ بلوغ کیا ہے، مرد ہوں یا عورت۔

---

[1] درمختار کتاب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الماذون " ۲/ ۲۰۳

الجواب

لڑکا بارہ[۱۲] سال اور لڑکی نو[۹] برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے، اور لڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگرچہ آثارِ بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی[عــہ۱] سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کردے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ و بالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو، تو بھی بالغ و بالغہ سمجھے جائینگے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، اور اگر[عــہ۲] داڑھی مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔ درمختار میں ہے:

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل، فان لم یوجد فیھما حتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ، ولھا تسع سنین[۱]۔

لڑکے کا بلوغ احتلام یا بیوی کو حاملہ کرنا یا انزال سے معلوم ہوگا، اور لڑکی کا بلوغ حاملہ ہونے حیض اور احتلام سے ظاہر ہوگا۔ اگر دونوں میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق دونوں کی عمر پندرہ سال ہو جانے پر، اور کم از کم مدت بلوغ لڑکے میں بارہ سال اور لڑکی کی نو سال عمر ہے (ت)

اسی میں ہے:

فان راھقا فقالا بلغنا صدقا، ان لم یکذبھما الظاھر، فیشترط لصحۃ اقرارہ ان یکون یحتلم مثلہ والا لا یقبل قولہ، شرح وھبانیۃ، وھما حینئذ کبالغ حکما فلا یقبل جحودہ البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال

دونوں مراہق تھے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم بالغ ہیں، تو تسلیم کیا جائے گا بشرطیکہ ان کا ظاہر حال ان کو جھوٹا نہ بنائے تو اس کے اقرار کی صحت کیلئے اس جیسوں کا بالغ ہونا ممکن ہو ورنہ اس کی بات قبول نہ ہوگی، وہبانیہ۔ تو اقرار کے بعد وہ بالغ کے حکم میں ہونگے لہذا اب ان کا انکار قابل قبول نہ ہوگا

عــہ۱: لفظ لڑکی کے بعد "کو" ہونا چاہئے۔ عــہ۲: یہاں "اگر" زلۂ قلم ناسخ سے ہے۔ عبدالمنان الاعظمی

---

[۱] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۶

حالہ[1] اھ باختصار۔

بشرطیکہ حال موافق ہو، اھ مختصراً۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

ولا یحکم بالبلوغ ان ادعی وھو مادون اثنتا عشرۃ سنۃ فی الغلام وتسع سنین فی الجاریۃ کذا فی المعدن[2]۔

بلوغ کا حکم لڑکے میں بارہ سال سے کم اور لڑکی میں نو سال سے کم پر نہ دیا جائے۔ معدن میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لا اعتبار لنبات العانۃ ولا اللحی، واما نھود الثدی ففی الحموی انہ لایحکم بہ فی ظاھر روایۃ، وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی ابوالسعود، وکذا شعر الساق والابط والشارب[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

زیرناف بالوں اور داڑھی کا اعتبار نہیں ہے، اور لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا تو حموی میں کہا ظاہر روایت میں بلوغ کا حکم نہ ہوگا، اور یوں ہی آواز بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیسا کہ ہاملی کی نظم کی شرح میں ہے ابوالسعود۔ اور یونہی پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بال بھی معتبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۱: ۲۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مجنون ہوگیا، اور اس کے ورثاء میں اس کی ایک بیوی (ہندہ) اور اس کے چند لڑکی لڑکا اور اس کا ایک برادر حقیقی خورد عمرو موجود ہے، زید نے بزمانۂ صحت وثبات عقل اپنے مکان مسکونہ کے علاوہ اپنی مملوکہ ایک دوسرے مکان میں عمرو کو بود وباش کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ عمرو تخمیناً دس سال سے مکان مذکور میں سکونت پذیر ہے، عمرو کا چونکہ اب یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ ڈیڑھ دو سال کے بعد بارہ سال گزرنے پر وہ زید کے مکان پر حق موروثیت قائم کرے گا، اس واسطے ہندہ عمرو سے کہتی ہے کہ اگر میری تم کفالت نہ کرو، اور مکان کا کرایہ بھی مطلق نہ دو، تو زید کے مکان کا کرایہ نامہ ہی لکھ دو، مگر عمرو اس سے قطعاً انکار کرتا ہے، شرعاً اس میں کیا حکم ہے، آیا ہندہ کا عمرو سے کرایہ نامہ مکان کے تحریر کردینے کے واسطے کہنا شرعاً بجا

---

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱
[3] ردالمحتار 〃 فصل فی بلوغ الغلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

ہے یا نہیں؟ اور عمرو کا کرایہ نامہ لکھنے سے انکار کرنا شرعاً روا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ہندہ مذکور کی ایک لڑکی قریب بلوغ ہے اور ہندہ اس کا عقد کرکے اپنا وارث بنانا چاہتی ہے مگر عمرو مذکور اس امر سے سخت مانع ہے تاکہ ہندہ اپنا کسی کو وارث بنا کر مملوکہ مکان سے بے دخل نہ کرا دے، لہذا شرعاً ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور ہندہ کو شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ بینوا بالدلیل وتوجروا الجزیل۔

الجواب

جبکہ زید اُس دوسرے مکان کا بھی مالک تھا اور اس نے عمرو کو احساناً سکونت کے لئے دیا تھا تو زید کے مجنون ہوتے ہی وہ عاریت جاتی رہی، اور عمرو کو کوئی اختیار اس میں مفت سکونت کا نہ رہا لان المجنون لاتصرف لہ ولاعلیہ لاحد ولایۃ التبرع من مالہ (کیونکہ مجنون کا کوئی تصرف معتبر نہیں اور اس کے مال کو تبرع میں دینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ت) عمرو پر لازم ہے کہ وہ مکان کو خالی کردے، ورنہ کرایہ نامہ باضابطہ لکھ کر معقول کرایہ جو ایسے مکان کے لئے ہوتا ہے ادا کرے، ورنہ سخت گنہگار ہوگا، خالی کرایہ نامہ لکھ دینا کافی نہ ہوگا، لڑکی کا عقد کسی کفو سے خود کر دے، اور وہ نہ مانے تو اس کی ماں کہیں معقول جگہ کردے۔ ولی اگرچہ عمرو ہے، مگر جب وہ بدنیتی سے انکار کرے تو ماں باختیارِ خود اس کا نکاح کرسکتی ہے حسبِ بیان سائل اور کوئی لڑکی کا ولی نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲ از پیلی بھیت سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منجملہ چند ورثاء کے صرف ایک وارث کے نام جائداد بذریعہ بیعنامہ جس کا زرِ ثمن مشتری نے ادا نہیں کیا لکھ دی، اس کے چوتھے روز یعنی تحریر بیعنامہ سے بائع فوت ہوگیا بائع کے مرض کی طرف سے غالب گمان اس کے فوت ہونے کا تھا، اور بہت ضعیف گمان اس کے صحت یاب ہونے کا تھا، اب اس صورت میں یہ تحریر مرض الموت میں تصور کی جاسکتی ہے، اور مرض الموت کتنی مدت تک مانا جاسکتا ہے؟

الجواب

ہاں یہ تحریر مرض الموت میں ہُوئی جب تک مرض سے خوفِ ہلاک غالب ہو مرض الموت ہے، جب مرض مزمن ہوجائے خوفِ ہلاک غالب نہ رہے اُس وقت وہ مرض الموت نہیں رہتا، جب تک اس میں نئی ترقی ہو کر پھر خوفِ ہلاک کا غلبہ نہ ہوجائے، درمختار میں ہے:

المختار انہ ماکان الغالب منہ مختار قول یہ ہے کہ اتنی مدت جس میں موت

الموت وان لم یکن صاحب فراش[1]۔ عادتاً واقع ہوتی ہے اگر وہ صاحبِ فراش نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں نور العین سے اس میں محیط سے ہے:

ذکر محمد فی الاصل مسائل تدل علی ان الشرط خوف الهلاك غالباً، لاکونه صاحب فراش[2]۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں فرمایا بہت سے مسائل اس پر دال ہیں کہ غالب طور موت واقع ہوسکتی ہو، صاحبِ فراش ہونا شرط نہیں (ت)

اسی میں زیلعی سے ہے:

لانه فی ابتدائه یخاف منه الموت، ولهذا یتداوی فیکون مرض الموت، وان صار صاحب فراش بعد التطاول فهو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاته من الثلث[3]۔ کیونکہ اس کے ابتداء میں ہی موت کا خطرہ ہوتا ہے اس کا علاج بھی ہو تو اس کو مرض موت کہا جائیگا اور لمبی مدت کے بعد وہ صاحبِ فراش بنے تو نیا مریض قرار پائے گا حتی کہ صاحبِ فراش ہونے سے قبل کے تصرفات ثلث میں معتبر ہونگے (ت)

اور مرض الموت میں ایک وارث کے ہاتھ بیع اگرچہ مناسب قیمت کو بھی ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے ہاں اگر وہ جائز کردیں جائز ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے:

وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی[4]۔ مریض کا اپنے وارث کو مال فروخت کرنا دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان مات منه ولم تجز الورثة بطل، فتح[5]، واللّٰه تعالٰی اعلم۔ اگر اس مرض میں فوت ہوگیا اور باقی ورثاء نے جائز نہ کیا ہو تو بیع باطل ہوجائے گی، فتح۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | کتاب الوصایا | مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار | کتاب الطلاق باب طلاق المریض | داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰

[3] ردالمحتار | کتاب الوصایا | " " " ۵/ ۴۲۳

[4] درمختار | کتاب البیوع فصل فی الفضولی | مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[5] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

مسئلہ ۲۴۳ مستفسرہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم بہاری بروز چہار شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اور زید کے لڑکے دونوں نے مل کر ایک بقال سے اپنے مکان ذاتی پر روپیہ قرض لیا، بعد چند عرصہ کے اس بقال نے کہ جس کا قرض ہے نالش عدالت میں دائر کر دی، اب وہ نیلام ہونے لگا، اور اس بقال کی ڈگری ہوگئی، تو زید کے پوتے حقیقی نے کہ جو زید اور زید کے لڑکے سے ہمیشہ علیحدہ رہتا تھا، اپنی بذات خاص سے وہ روپیہ قرضدار کا ادا کر دیا، اور نیلام اپنے نام سے چھڑا لیا، اُس وقت میں جب یہ قرض ادا کیا گیا تھا اور نیلام چھڑایا گیا زید زندہ تھا اور زید کا لڑکا بھی زندہ تھا، اب زید فوت ہوگیا اور زید کا لڑکا حیات ہے، مگر مثل پیشتر کے اب بھی اپنے باپ سے علیحدہ ہے، اب اس وقت میں زید کا لڑکا یعنی اس نیلام چھڑانے والے کا باپ اپنے اُس لڑکے کو اس مکان سے نکالتا ہے کہ جس نے قرض ادا کیا تھا اور نیلام چھڑایا تھا اور بوجہ نیلام چھڑانے کے وہ مکان زید کا زید کے پوتے کے نام ہے، زید کے پوتے کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور زید کے لڑکے نے اپنی دوسری شادی کر لی، زید کے پوتے کو اس والدہ دوسری سے کچھ تعلق نہیں ہے، لہذا زید کا پوتا اپنا روپیہ جو نیلام میں دیا ہے پا سکتا ہے یا اُس مکان کو پا سکتا ہے؟ مطابق شرع شریف کے جواب تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زرِ ڈگری کم تھا اور نیلام زیادہ کو ہوا، اور قرض دے کر باقی روپیہ مالکانِ مکان کو دیا گیا اگرچہ ایک ہی روپیہ یا اس سے بھی کم ہو، اور مالکان نے وہ بقیہ لے لیا، تو زید کا پوتا اس مکان کا مالک ہوگیا، زید کا بیٹا اسے نہیں نکال سکتا، اور اگر مالکان مکان نے زرِ نیلام کچھ نہ پایا تو شریعت میں زید کا پوتا اس مکان کا مالک نہ ہوا، نہ وہ شرعاً مکان کا مستحق ہے، نہ پسرِ زید سے زرِ نیلام کا دعوٰی کر سکتا ہے، مکان پسرِ زید و وارثانِ زید کا ہے، زید کا پوتا اپنے روپے کا مطالبہ عند الشرع اُس بنیے سے کر سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دنیا میں اس سے نہیں لے سکتا، لہذا صبر کرے کہ اس نے خود اپنا مال ضائع کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۴ تا ۲۵۱ مسئولہ عبدالوحید محلہ سمرا باغ الہ آباد بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

(۱) شریعت میں مجنون کی کیا تعریف ہے؟

(۲) مجنون کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۳) مجنون کا حق شرعی جو اُس کے مورث کے مال سے اس کو پہنچا ہو مجنون کی حالتِ جنون میں اس کے

حصہ کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۴) شرعاً مجنون وصبی ایک حکم میں ہیں یا علیحدہ علیحدہ؟

(۵) مجنون کی حالت جنون میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۶) ہندہ کے ورثا زید سے ایسی حالت میں کہ زید مجنون ہے ڈر کر لفظ طلاق کہلوائیں تو طلاق واقع ہوجائیگی یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں اس کا کوئی ولی اس موقع پر موجود نہ ہو۔

(۷) مسلوب العقل ہونے کی حیثیت سے صبی اور مجنون کا ایک حکم ہے یا علیحدہ؟

(۸) صبی کی طلاق حالت صبا میں واقع ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب الملفوظ

(۱) جس کی عقل زائل ہوگئی ہو بلاوجہ لوگوں کو مارے، گالیاں دے، شریعت نے اس میں کوئی اپنی اصطلاح جدید مقرر نہیں فرمائی، وہی ہے جسے فارسی میں دیوانہ، اردو میں پاگل کہتے ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

(۲) مجنون کی ولایت عصبہ کو ہے، سب میں مقدم اس کا بیٹا عاقل بالغ، وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا الیٰ آخر العصبات۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ولایت مال صرف سات کو ہے، بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب، اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، واللہ تعالےٰ اعلم۔

(۴) شرعاً مجنون وصبی غیر عاقل ایک حکم میں ہیں، اور صبی عاقل کا حکم اس سے جدا ہے، وہ خرید وفروخت باجازت ولی کرسکتا ہے اور مجنون نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(۵) مجنون کی طلاق نہیں واقع ہوسکتی۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(۶) ڈرائیں یا نہیں، ولی موجود ہو یا نہیں، مجنون کے دئے طلاق نہیں ہوسکتی جبکہ اس کا جنون ثابت ہو۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(۷) اس کا جواب گزرا کہ صبی لا یعقل اور مجنون کا ایک حکم ہے، واللہ تعالےٰ اعلم

(۸) نہیں واقع ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۵۲

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر

تصدیق کرادیا، نقل شامل سوال ہے، مگر زرثمن کا لین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے، مگر اس کے بعد ایک دعوٰی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعوٰی اور جواب دعوٰی بھی شامل سوال ہے، تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جبکہ حواس صحیح نہ ہوں اس کی بیع مذکور بغبن فاحش ہے، اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

جو شخص کم سمجھ ہو تدبیر ٹھیک نہ ہو، کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے کبھی مدہوشوں کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا گالیاں دیتا نہ ہو، وہ معتوہ کہلاتا ہے، شرعًا اس کا حکم سمجھ وال بچّے کی مثل ہے، اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں، اگر یہ ولی رد کر دے گا باطل ہو جائے گی، اور غبن فاحش کے ساتھ جس طرح حسب بیان سائل صورت سوال میں ہے کہ پچاس ہزار کی جائداد بیس ہزار کو بیع کی۔ ایسی بیع تو باطل محض ہے، کہ ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہو سکتی حتی کہ اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کرے جائز نہ ہوگی،

فان الاجازۃ انما تلحق الموقوف وھذا باطل لصدورہ ولا مجیز۔ کیونکہ اجازت تو موقوف کو ملتی ہے جبکہ یہ باطل ہے کیونکہ جب اس کا صدور ہوا تو کوئی اجازت دینے والا نہ تھا۔ (ت)

درمختار میں ہے، المعتوہ حکمہ کممیز[1] (معتوہ کا حکم تمیز رکھنے والے کی طرح ہے۔ ت)۔

ردالمحتار میں ہے:

احسن ماقیل فیہ من کان قلیل الفہم مختلط الکلام فاسد التدبیر الا انہ لا یضرب ولا یشتم کما یفعل المجنون، درر[2]۔ معتوہ کی تعریف بہتر قول یہ ہے کہ وہ قلیل الفہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا ہے صرف یہ کہ وہ ضرب وشتم نہیں کرتا جیسے مجنون کرتا ہے، درر۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع بچّے اور معتوہ جو بیع شراء کی سمجھ رکھتا ہے ان کا

---

[1] درمختار | کتاب الحجر | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۹۸
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/ ۹۰

والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتھاب صح بلا اذن، وان ضارا کالطلاق والقرض لا، وان اذن بہ ولیھما، وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع والشراء توقف علی الاذن[1] (باختصار)۔

وہ تصرف جو محض نافع ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر صحیح ہے مثلاً اسلام قبول کرنا اور ہبہ قبول کرنا، اور وہ تصرف جو نفع وضرر دونوں پہلو رکھتا ہو تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے بیع وشراء، (باختصار)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ کالبیع ای ولو بضعف القیمۃ[2]

اس کا قول "بیع" یعنی اگر وہ دُگنی قیمت پر بھی ہو۔ (ت)

جامع الصغار میں ہے:

لوان الصبی طلق او وھب اوتصدق او باع بمحاباۃ فاحشۃ او اشتری باکثر من قیمتہ قدر ما لایتغابن الناس فی مثلہ او غیرذلک من العقود فما لو فعلہ ولیہ فی صغرہ لایجوز علیہ، فھٰذہ العقود کلھا باطلۃ لاتتوقف، وان اجازھا الصبی بعد البلوغ لاتجوز[3]

اگر بچّے نے طلاق دی یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا سستا فروخت کیا یا زیادہ قیمت پر خریدا جو بازار کی کمی بیشی سے زائد ہو وغیرہ تو یہ امور بچّے کے لئے ولی اس کی نابالغی میں کرے تو جائز نہ ہوں گے، لہٰذا خود بچّے نے کئے تو باطل ہوں گے اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ رہیں گے، اور اگر خود بھی بالغ ہونے کے بعد جائز کرنا چاہے تو جائز نہ ہونگے۔ (ت)

ہاں اگر معتوہ یا نابالغ کو اس کے ولی مال یعنی باپ نے، اور وہ نہ ہو تو باپ کے وصی اور وہ نہ ہو تو دادا، اور وہ نہ ہو تو اس کے وصی، اور وہ نہ ہو تو حاکم وقاضی نے تجارت کا اذن دے دیا ہے، تو اس کی بیع جائز ہے اگرچہ غبن فاحش سے ہو۔ درمختار میں ہے:

فان اذن لھما الولی فھما فی شراء وبیع کعبد ماذون فی کل

اور بچّہ اور معتوہ کو بیع وشراء میں ولی کی اجازت ہو تو ماذون غلام کی طرح اس کے تمام احکام

---

[1] درمختار　کتاب الماذون　مطبع مجتبائی دہلی　۲/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار　"　داراحیاء التراث العربی بیروت　۵/ ۱۱۰

[3] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین　فی مسائل البیوع　اسلامی کتب خانہ کراچی　۱/ ۱۸۵

احکامہ۔[1]

ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیجوز بیعہ بالغبن الفاحش عندہ خلافا لھما۔[2]

تو غبن فاحش کے ساتھ اس کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگی، صاحبین اس کے خلاف ہیں۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتوہ الذی یعقل البیع والشراء بمنزلۃ الصبی یصیر ماذونا باذن الاب والوصی والجد دون غیرھم، خزانۃ المفتین، ولو اذن للمعتوہ ابنہ کان باطلا، وعلی ھذا لواذن لہ اخوہ اوعمہ او واحد من اقربائہ سوی الاب والجد فاذنہ باطل، مبسوط (باختصار)[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتا ہے وہ بچے کی طرح ہے باپ دادا اور ان کی اجازت سے ماذون ہوسکے گا غیر کی اجازت نہیں، خزانۃ المفتین۔ اور اگر معتوہ کو بیٹا اجازت دے تو باطل ہوگا، اس بنا پر اگر بھائی یا چچا یا کوئی اور قریبی اجازت دے جو باپ دادا کا غیر ہو تو یہ اجازت باطل ہوگی، مبسوط (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۳: از پروچڑان، موضع کوٹلہ مدھو، ڈاکخانہ غوث پور، ریاست بہاولپور، تحصیل خان پور
مرسلہ ابو المنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق صبی کے متعلق جو اصول فقہ میں لکھتے ہیں کہ عند الحاجۃ واقع ہوجاتی ہے، حاجت کی کون کون صورتیں ہیں، آیا یہ صورت ذیل عند الحاجۃ میں داخل ہوسکتی ہے کہ ایک ناکح لبعمر ۱۲ سال ہے اور منکوحہ اس کی لبعمر ۲۸ سال، مگر اعمال اس عورت کے فاحشہ ہیں، حاملہ من الزنا ہو جاتی ہے اور اسقاط کرا دیتی ہے، اور ایسا معاملہ اس سے بار بار ہوا ہے اور بوجہ غیر بلوغ ناکح و عدم بیتوتت کے نان نفقہ سے از حد تنگ ہے، تو ایک گونہ فعل حرام مذکور اس کا باخذ اجرت حرام اضطراری تصور ہوتا ہے، بر آں التماس ہے کہ بندہ گرداور قاضی علاقہ کا ہے،

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الماذون الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۱۱۲

ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں بڑی تفصیل وکافی جواب سے ممتاز فرمائیں۔

الجواب

صبی ہرگز اہلِ طلاق نہیں، نہ اس کے دیے طلاق واقع ہو، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے، اگر دے ہرگز واقع نہ ہوگی، اصول میں کہ ذکر حاجت ہے صرف دو صورتوں میں منحصر ہے:

اوّل یہ کہ صبی عاقل کافر کی زوجہ اسلام لائی، حاکم شرع نے صبی پر اسلام پیش کیا، اس نے انکار کردیا، تفریق ہوگی، اور یہ مذہب صحیح میں طلاق قرار پائے گی۔

دوم یہ کہ صبی آلت بریدہ تھا، عورت نے دعوٰی کیا، قاضی نے تفریق کردی، یہ بھی علی الصحیح طلاق ہے وبس۔

تیسری صورت ایک قولِ ضعیف پر ہے کہ صبی عاقل معاذ اللہ مرتد ہوگیا، جو اسے طلاق جانتے ہیں طلاق کہیں گے، اور صحیح یہ کہ ردت سے نکاح فسخ ہوتا ہے اگرچہ شوہر ارتداد کرے، تو یہ طلاق نہیں۔ اس مسئلہ کی اعلٰی تحقیق معاذ الاجلہ او ہام فتاوٰی فقیر کتاب الطلاق میں ہے۔ اشباہ احکام الصبیان میں ہے:

لا یقع طلاقہ ولا عتقہ الا حکما فی مسائل ذکرناھا فی النوع الثانی من الفوائد[1]

اس کی طلاق وعتاق واقع نہ ہونگی، مگر چند وہ مسائل جن کو ہم نے فوائد نوع ثانی میں بیان کیا ہے میں حکماً صحت ہوگی۔ (ت)

قواعد میں فرمایا:

الصبی لایقع طلاقہ الا اذا اسلمت فعرض علیہ ممیزا فابٰی وقع الطلاق علی الصحیح وفیما اذا مجبوبا وفرق بینھما فھو طلاق علی الصحیح[2]

بچے کی طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب بیوی مسلمان ہوجائے اور قابلِ تمیز بچہ ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اور وہ انکار کردے توصحیح قول کے مطابق اس کی طلاق صحیح ہوجائیگی، اور ذکر کٹا ہو اور قاضی تفریق کردے تو صحیح قول کے مطابق وہ طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۴۶
[2] " " " الفن الثانی " " " ۱/۵۵-۲۵۴

ظاہر ہے کہ صورتِ سوال ان صورتوں میں نہیں، تو اس میں وہی حکم ہے کہ لا یصح طلاقہ (اس کی طلاق صحیح نہ ہوگی۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، وصل علی سیدنا ونبینا واٰلہ وصحبہ وسلم، الٰی جناب الفاضل العالم مفتی بلد بانس بریلی السید احمد رضا القادری سلمہ اٰمین، سیدنا، ماقولکم دام فضلکم فی رجل کان مرتب سبیل لہ بمکۃ علی یدنا فی کل عام ثلاثین ربیۃ، واعطانا فی حیاتہ مدۃ اعوام، ثم توفی الی رحمۃ اللہ، ولنا فی ذمتہ باقی کم سنۃ حق السبیل، ثم اتینا الٰی وارثہ واطلعناہ علی ما بیدنا فاجاب المذکور بانی سأودی عن المیت ما ھو محرر بموجب الدفتر وما رضی بربیۃ عشرۃ، وحررفیہ سندا بارسال المبلغ فی وقت معلوم، ثم لم یرسل فاتینا الیہ ثانیا وطلبنا منہ فاجاب، ان کان شرعا یجب علینا فانا اعطی افتونا ھل یجب علیہ اداء المبلغ الذی علی المیت بموجب اقرارنامۃ سندہ املا ولکم الاجر والثواب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و نبینا واٰلہٖ وصحبہٖ وسلم، بریلی کے فاضل عالم مفتی الشاہ احمد رضا قادری سلمہ آمین کے نام استفتاء، ہمارے آقا آپ کی فضیلت دائم ہو آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے متعلق کہ وہ ہماری جگہ میں سالانہ تیس روپے کرایہ پر سبیل لگاتا رہا وہ اپنی زندگی میں کچھ سال ہمیں تیس روپے دیتا رہا پھر فوت ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ، جبکہ کئی سال کی رقم ہمارا حق اس کے ذمہ باقی ہے، پھر ہم اس کے ورثاء کے پاس آئے اور ان کو اطلاع دی کہ ہمارا حق مرحوم کے ذمہ ہے، تو اس کے وارث نے جواب دیا کہ مرحوم کے نام رجسٹر میں تحریر شدہ جو رقم ہوگی میں ادا کردوں گا، اور وہ صرف دس روپے دینے پر راضی ہوا اور ادائیگی کے لئے یادداشت لکھ دی کہ فلاں وقت یہ مبلغ تمہیں ارسال کردوں گا، مگر اس نے ارسال نہ کئے۔ تو ہم دوبارہ اس کے پاس آئے اور مطالبہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ اگر شرعاً یہ ادائیگی ہمارے ذمہ ہو تو ادا کروں گا، لہٰذا آپ فتوٰی جاری فرمائیں کہ کیا میت کے ذمہ اس کے اقرار نامہ کے مطابق جو رقم ہے وہ اس کے وارث پر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں، آپ کو اجر و ثواب ہوگا۔(ت)

الجواب

نعم یجب علی وارثه القابض بعدہ علی امواله ان یؤدی ما علیه قال تعالٰی "من بعد وصیة یوصی بھا او دین[1]" وان کان قد ابقاہ ھذا جاریا فیجب علیه ایضا اداء ما علی نفسه الی الأن قال تعالٰی "یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود[2]" وھذا اوقع العقد بحسب الشرع و وفی به صاحبه کما ھو المرجو۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

ہاں میّت کا وارث جس نے میّت کے مال کو قبضہ میں لیا ہے اس پر میّت کے ذمہ قرض کو ادا کرنا واجب ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا وصیت شدہ یا قرضہ کو ادا کرنے کے بعد' اور اگر وہ معاہدہ پر تاحال عمل پیرا ہوا اور وارث نے اسے باقی رکھا ہے تو وارث پر اپنی طرف سے بھی اس مدت کی یہ ادائیگی واجب ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا "اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو" تو اس نے شریعت کی رُو سے یہ عقد واقع کیا ہے اور دوسرے فریق کیلئے اپنے ذمہ کو پورا کردے جیسا کہ امید ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الحکیم ۴/ ۱۱

[2] " " ۵/ ۱

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

مسئلہ ۲۵۵ یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید غنی نے اپنے جوان پسر کی آمدنی یہ کہہ کر لینی شروع کی کہ ہم جمع رکھیں گے تاکہ تمھاری شادی میں خرچ کریں، اور واقع میں اس کے خلاف کیا، بلکہ وہ مال اپنے مصارف میں اٹھالیا، تو اس صورت میں زید پر اس کا تاوان آئے گا، یا مالِ پسر کا مالک سمجھا جائے گا' بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیشک تاوان دے گا، اور ہرگز رضائے پسر نہ تھی تو گناہ علاوہ۔

قال تعالٰی ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا، آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ (ت)

باپ بیٹے کے مال کا اس کی زندگی میں ہرگز مالک نہیں،

وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انت و	اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تُو اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

مالك لابيك[1] من باب البر۔

تیرا مال تیرے باپ کا ہے تو یہ بھلائی کے باب میں ہے قانون نہیں ہے (ت)

فتح القدیر کے باب الوطی الذی یوجب الحد میں ہے :

لم تكن له ولاية تملك مال ابنه حال قيام ابنه[2]

اس کو یہ ولایت نہیں ہے جو بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا باپ کو مالک بنادے (ت)

نہ باپ کو بے رضا و اجازت پسر اس کے مال سے ایک حبہ لینے کا اختیار،

قال تعالٰى الا ان تكون تجارة عن تراض منكم[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا : بغیر اس کے کہ تمہاری رضامندی سے تجارت ہو۔ (ت)

مگر جبکہ باپ فقیر محتاج ہو اور بیٹا غنی، تو صرف بقدر نفقہ کے بلا اطلاع پسر بھی لے سکتا ہے اگرچہ بیٹا راضی نہ ہو،

وهو محمل قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان اطيب مااكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه[4]، قال في الفتح اخرجه اصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضي الله تعالٰى عنها صح قلت والدارمي والبخاري في التاريخ قال حسنه

اور یہی محمل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا کہ آدمی کا اپنے کسب سے کھانا نہایت پسندیدہ ہے اور بیٹا اس کا کسب ہے، فتح میں فرمایا اس کو سنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) کے اصحاب نے تخریج کیا ہے، اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں، اور دارمی

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۵۴۷۱ و ۴۵۹۲۷ و ۴۵۹۲۸ و ۴۵۹۳۲ و ۴۵۹۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۹
سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات دار الفکر بیروت ۷/ ۴۸۰ تا ۴۸۱
سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب ماللرجل من مال ولدہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷

[2] فتح القدیر کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الحث علی المکاسب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵
سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات باب نفقۃ الابوین دار صادر بیروت ۷/ ۴۸۰

الترمذی **قلت** وصححہ ابوحاتم **قال** قدس سرہ فان قیل ھذا یقتضی ان لہ ملکا اجزا فی مالہ، قلنا نعم لو لم یقیدہ حدیث رواہ الحاکم وصححہ البیھقی عنھا مرفوعا ان اولادکم ھبۃ لکم یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور، واموالھم لکم اذا احتجتم الیھا، ومما یقطع بانہ مؤول، انہ تعالٰی ورث الاب من ابنہ السدس مع ولد ولدہ، فلوکان الکل ملکہ لم یکن لغیرہ شیئ مع وجودہ[1] اھ۔

اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ میں کہتا ہوں اور اس کو ابوحاتم نے صحیح قرار دیا ہے، اور ابن ہمام قدس سرہ نے بیان کیا کہ اگر اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کا مقتضٰی یہ ہے کہ بیٹے کا مال باپ کی قطعی ملکیت بن جائے، ہم جواب میں کہتے ہیں ہاں اگر حاکم کی روایت کردہ اور بیہقی کی تصحیح کردہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث کہ تمہاری اولاد تمہارے لئے ہبہ ہے اللہ تعالٰی جس کو چاہے لڑکے ہبہ کرتا ہے اور جس کو چاہے لڑکیاں ہبہ کرتا ہے، اور ان کا مال تمہارا ہے جب تمہیں اس کی احتیاج ہو۔ پہلی حدیث کو مقید نہ کیا ہو (حالانکہ وہ اس سے مقید ہے) اور اس کے مؤول ہونے کی قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے باپ کو بیٹے کے مال میں اس کی اولاد کی موجودگی میں چھٹے حصے کا وارث بنایا ہے اگر بیٹے کے کل مال کا مالک باپ ہو تو پھر باپ کی موجودگی کے باوجود غیر کو کچھ نہ ملے، اھ (ت)

درمختار میں ہے:

فی المبتغٰی للفقیر ان یسرق من ابنہ الموسر مایکفیہ ان ابی ولاقاضی ثمہ والا اثم[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مبتغٰی میں ہے، فقیر باپ کو اپنے امیر بیٹے کے مال سے کفایت کے مطابق چرا لینے کا حق ہے جب بیٹا دینے سے انکار کر دے اور وہاں قاضی نہ ہو ورنہ باپ گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۶: ۲۸ رجمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول ہے کہ سود کا روپیہ اور چوری کا روپیہ اور جُوئے کا روپیہ اور غصب کا روپیہ اور جو تجارت سُودی روپیہ سے ہو اور وکالت یا مختارکاری کا پیسہ

---

[1] فتح القدیر باب النفقۃ فصل وعلی الرجل ان ینفق علٰی ابویہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۲۳

[2] درمختار کتاب الطلاق باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۴

اور منصفی اور صدر صدوری اور فوج کی تنخواہ کا روپیہ، یہ سب حرام ہیں، اگر اس روپیہ سے کھانا تیار کیا جائے یا کپڑا بنایا جائے تو حرام ہے کھانا، ایسا کھانا حرام ہے، اور اس کھانا پر تسمیہ کرنا کفر ہے، اور عمرو کا یہ قول ہے کہ یہ پیسہ حرام نہیں ہے بلکہ مالکِ مال چور کو بعد چرا لے جانے مال کے بخش دے اگرچہ چور کو اس کے بخشنے کی خبر ہی نہ ہو، یعنی مالکِ مال یہ کہہ دے کہ جو میرا مال چور لے گیا ہے میں نے بخشا اور معاف کیا تو وہ مال چور کی ملک ہوگیا، وہ حرام نہیں ہے، اسی طرح جوئے وغیرہ اور وکالت اور سود کا بھی یہ حکم ہے' اب زید کو جستجو اُس مال کی ہے جو از روئے شرع حرام ہے کہ اس سے بچنا اور احتراز کرنا بہتر ہے مسلمانوں کو، امید ہے کہ جو پیسہ حرام ہے اُس سے آگاہی فرمائی جائے تاکہ اُس پیسہ سے بچنا موجب خیرات و برکات کا ہو، اور حرام کے مال سے صدقہ اور خیرات کرکے امید ثواب کی رکھنا یہ درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا من اللہ تعالٰی۔

الجواب

سُود اور چوری اور غصب اور جُوئے کا روپیہ قطعی حرام ہے، اور اسی طرح وکالت و مختارکاری جس طرح اس زمانہ میں رائج قطعاً حرام ہے اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، اور ہر وہ نوکری جس میں خلافِ حکمِ خدا و رسول فیصلہ یا حکم کرنا پڑے خواہ ریاست اسلامی کی ہو یا غیر کی قطعاً حرام، اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، یونہی ہر معصیت کی اجرت حرام ہے،

كل ذٰلك ثابت بالقراٰن العظيم والحديث والفقه، ومعروف معلوم عند اهل العلم وكل من رزق صحبتهم۔

یہ سب قرآن، حدیث اور فقہ سے ثابت ہے اور اہل علم اور ان کی مجلس میں رہنے والے حضرات کے ہاں معروف ہے (ت)

اور بے ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے كما فصلناه فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ت) مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے،

فان الخبث فيما اعطى لا فيما اخذ وهذا ظاهر جدا۔

کیونکہ خبث دیے ہوئے مال میں ہے جو نفع میں لیا اس میں نہیں ہے اور نہایت ظاہر ہے (ت)

اور حرام مال مثل زرِ غصب و رشوت و سرقہ و اجرت معاصی وغیرہ سے جو چیز خریدی جائے اس کی

چند صورتیں ہیں :

ایک[1] مثلاً غلہ فروش کے سامنے روپیہ ڈال دیا کہ اس کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے یا بزاز کو روپیہ پہلے دے دیا کہ اس کا کپڑا دے دے، یہ گیہوں اور کپڑا حرام ہے۔

دوسرے[2] یہ کہ روپیہ پہلے تو نہ دیا مگر عقد و نقد دونوں اس روپیہ پر جمع کئے، یعنی خاص اس حرام روپیہ کی تعیین سے اُس کے عوض خریدا، اور یہی روپیہ قیمت میں ادا کیا، مثلاً غلہ فروش کو یہ حرام روپیہ دکھا کر کہا اس روپیہ کے گیہوں دے دے، اُس نے دے دئے، اس نے یہی روپیہ اسے دے دیا۔ اس صورت میں یہ گیہوں حرام ہیں۔

تیسرے[3] یہ کہ نہ روپیہ پہلے سے دیا، نہ اس پر عقد و نقد جمع کئے۔ اس کی پھر تین شکلیں ہیں :

اول یہ کہ اس سے کہا ایک روپیہ کے گیہوں دے دے، کچھ اس روپیہ کی تخصیص نہ کی کہ اس کے بدلے دے، جب اس نے تول دئے اس نے زرِ ثمن میں جو بعوض گندم اس کے ذمہ واجب ہوا تھا، یہ حرام روپیہ دے دیا، اس صورت میں نقد تو زرِ حرام کا ہوا، مگر عقد کسی خاص روپیہ پر نہ ہوا۔

دوم یہ کہ پہلے اُسے حلال روپیہ دکھا کر اس کے بدلے گیہوں لئے، جب اُس نے دے دئے اس نے وہ حلال روپیہ اٹھا لیا اور قیمت میں زرِ حرام دے دیا، اس صورت میں عقد زرِ حلال پر ہوا، اور نقد حرام کا۔

سوم یہ کہ اُس کا عکس یعنی پہلے اسے حرام روپیہ دکھا کر کہا، اس کے گیہوں دے، پھر دیتے وقت حلال روپیہ دیا، اس صورت میں عقد زرِ حرام پر ہوا اور نقد حلال کا۔

بہر حال تینوں صورتوں میں عقد و نقد دونوں زرِ حرام پر جمع نہ ہوئے نہ پہلے سے زرِ حرام دے کر چیز خریدی کہ حقیقۃً یہ بھی اجتماعِ عقد و نقد کی صورت تھی، ان تینوں صورتوں میں بھی بڑا قوی مذہب ہمارے ائمہ کا یہ ہے کہ وہ گیہوں حرام ہو گئے، مگر زمانہ کا حال دیکھ کر ائمہ متاخرین نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول اختیار کیا کہ ان شکلوں میں وہ چیز حرام نہ ہو گی اور اس کا کھانا کھلانا، پہننا پہنانا، تصرف میں لانا جائز ہو گا۔ اس آسان فتوے کی بنا پر ان حرام روپیہ والوں کے یہاں کا کھانا یا پان وغیرہ کھانا پینا مسلمانوں کو روا ہے کہ وجہِ حرام سے ان لوگوں کو بعینہٖ یہ کھانا نہیں آتا، بلکہ روپیہ آتا ہے یہ اُس کے عوض اشیاء خرید کر کھانا تیار کراتے ہیں اور خریداری میں عام طریقہ شائعہ کے طور پر عقد و نقد کا اجتماع نہیں ہوتا، بلکہ غالب بیع و شراء صورت ثالثہ کی شکل اول پر واقع ہوتی ہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت)، ردالمحتار میں ہے :

فی التاتارخانیة رجل اکتسب مالا من حرام، ثم اشتری، فهذا علی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراھم الی البائع اولاً ثم اشتری منه بها، او اشتری قبل الدفع بها ودفعها، او اشتری قبل الدفع بها ودفع غیرها، او اشتری مطلقا ودفع تلك الدراھم، او اشتری بدراھم اخر ودفع تلك الدراھم، قال ابونصر یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول، والیه ذھب الفقیه ابواللیث لکن ھذا خلاف ظاھر الروایة فانه نص فی الجامع الصغیر، اذا غصب الفا فاشتری بها جاریة، وباعها بالفین تصدق بالربح، وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لایطیب، وفی الثلاث الاخیرة یطیب، وقال ابوبکر لایطیب فی الکل، لکن الفتوی الاٰن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ، وفی الولوالجیة وقال بعضھم لایطیب فی الوجوہ کلها وھو المختار، ولکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرة الحرام اھ، وعلی ھذا مشی المصنف فی کتاب الغصب

تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے حرام مال حاصل کیا اور پھر اس کو خریداری میں صرف کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں، پہلی یہ کہ یہ حرام دراہم بائع کو دے کر پھر اس کے عوض خریدا۔ دوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض میں دے دیا۔ سوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض اور مال دیا۔ چہارم یہ کہ مطلق خریداری کی ادائیگی میں یہ مال دیا۔ پنجم یہ کہ دوسرے دراہم سے خریدا اور ادائیگی میں یہ دراہم دئے۔ ابونصر نے فرمایا پہلی صورت کے بغیر باقی تمام صورتوں میں خریدا ہوا مال طیب ہے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہیں، اور اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے کیونکہ جامع الصغیر میں نص ہے کہ اگر کسی نے ہزار غصب کیا ہو اور اس کے عوض لونڈی خریدی اور دو ہزار میں فروخت کی تو نفع کو صدقہ کرے۔ اور امام کرخی نے فرمایا کہ اول اور ثانی صورت میں طیب نہ ہوگا اور آخری تین صورتوں میں طیب ہے۔ اور ابوبکر نے فرمایا تمام صورتوں میں طیب نہیں ہے لیکن آجکل فتوٰی امام کرخی کے قول پر ہے تاکہ لوگوں سے حرج کا ازالہ ہوسکے اھ، اور ولوالجیہ میں ہے کہ بعض نے فرمایا سب صورتوں میں طیب نہیں وہ مختار ہے لیکن فتوٰی آج کل امام کرخی کے قول پر ہے حرام کی کثرت کی وجہ سے حرج کو ختم کیا جاسکے اھ، اور مصنف نے درمختار وغیرہ کی اتباع

تبعا للدر وغیرہ[1]۔ ‏ کرتے ہوئے اسی کو اپنایا ہے۔(ت)

پھر جن صورتوں میں وہ کھانا ان دونوں مذہب پر حرام ہے یعنی دو صورت پیشیں، اُن میں اگر بسم اللہ کہہ کر کھایا بُرا کیا، مگر کافر ہرگز نہ کہا جائے گا، اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے ہونا درکنار اجماعی بھی نہیں،

فان من العلماء من قال یحل ابدال مالایتعین مطلقا، لعدم تعلق العقد بعینه بل بالذمة، فلایسری الخبث وھوالقیاس، وعلیه یبتنی علی مافی فتاوی العلامة الطوری عن المحیط اشتری بالدراھم المغصوبة طعاما حل التناول۔

علماء کرام میں سے بعض نے فرمایا کہ غیر متعین طور پر بدلنا حلال ہے کیونکہ عقد حرام متعین پر نہ ہوا بلکہ عقد کا تعلق ذمہ داری سے ہے لہذا خبث دوسرے مال میں سرایت نہ کرے گا یہی قیاس ہے اور اسی پر علامہ طوری کے فتوٰی کی بنا ہے۔ محیط سے منقول کہ غصب کردہ دراہم کے عوض طعام خریدا تو کھانا حلال ہے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی التتمة من قال عند ابتداء شرب الخمر والزنا واکل الحرام ببسم اللّٰه کفر، وفیه، انه ینبغی ان یکون محمولا علی الحرام المحض المتفق علیه وان یکون عالما بنسبة التحریم الیه، بان تکون حرمته مما علم من الدین بالضرورة کشرب الخمر[2]۔

تتمہ میں ہے کہ جس نے شراب پینے، زنا اور حرام کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھی تو اس میں اس نے کفر کیا تو اس قول کو خالص متفق علیہ حرام پر محمول کرنا چاہئے اور یہ جانتے ہوئے کہ بسم اللہ سے حرام کی ابتداء کررہا ہے اور وُہ حرمت بھی ایسی ہو جس کا علم ضروریاتِ دین میں سے ہو جیسے شراب پینے کی۔(ت)

اور حرام مال کو صدقہ کرکے امیدِ ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں، اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زرِ حرام کے معاوضہ میں خریدی، جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں۔ اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا خواہ اس وجہ سے کہ اُسے مالک یاد نہ رہا یا یہ سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں،

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۹

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۹

مثلاً اس کے مورث نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغصوب کو جانتا ہے، اور مغصوب منہ سے محض ناواقف، یا یُوں کہ مالک مرگیا اور کوئی وارث نہ رہا، تو ان سب صورتوں میں شرع مطہر اُسے تصدق کا حکم دیتی ہے، جب اس نے صدقہ کیا حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر اُمیدِ ثواب رکھنا محذور نہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی المحیط من تصدق علی فقیر بشیئ من الحرام یرجوا الثواب کفر، و فیہ بحث لان من کان عندہ مال حرام فھو مامور بالتصدق بہ علی الفقراء، فینبغی ان یکون ماجوراً بفعلہ حیث قام بطاعۃ اللّٰہ وامرہ، فلعل المسئلۃ موضوعۃ فی مال حرام لیعرف صاحبہ، ویعدل عنہ الی غیرہ فی عطائہ لاجل سُمعتہ وریائہ کما کثرھذا فی ظلمۃ الزمان وامرائہ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

محیط میں ہے جس نے حرام کا صدقہ کرکے ثواب کی اُمید کی وُہ کافر ہوا، اور اس میں بحث یہ ہے کہ جس کے پاس حرام مال ہو اس کو صدقہ کرنے کا حکم ہے فقراء کو صدقہ کرے تو اللہ تعالٰی کے حکم اطاعت کرنے پر ثواب کی امید جائز ہے، ہوسکتا ہے یہ مسئلہ اس صورت میں ہو جس میں حرام مال کو جانتے ہُوئے دوسرے کو محض ریاکاری اور شہرت کیلئے دے جیسا کہ آجکل جابر بادشاہ اور امراء حضرات میں کثیر الوقوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۷

۲۸ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسبی یا وہ شخص کہ جس کا مال حرام کا ہو مثل سودخوار وغیرہ کے، اگر وہ کوئی شے مثل لوٹا یا چٹائی یا دری وغیرہ مسجد میں ڈال دے تاکہ نمازی اس سے وضو کریں یا اس پر نماز پڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے اس کے مال کی حرمت آتی ہے یا نہیں؟ اور اُس کی خرید بھی دست بدست اور تعین ثمن کے ساتھ نہیں بلکہ چیز کو خرید کر ثمن بعد کو ادا کرتے ہیں۔

الجواب

اگر رنڈی نے کچھ روپیہ کسی سے قرض لیا اور کسی وجہ سے کوئی حلال مال حاصل کیا اور ان چیزوں کی قیمت میں یہی حلال مال دیا، اور خریدتے وقت بھی مال حرام کی طرف اشارہ نہ کیا تھا، یعنی حرام روپیہ دکھا کر یہ نہ کہا تھا کہ اس کے عوض دے دے، جب تو یہ چیزیں بالاجماع اُس رنڈی کی ملک طیب و

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۹

حلال ہیں جن میں کوئی شبہۂ حرمت نہیں کہ اس صورت میں مال حرام کو ان اشیاء کی خریداری سے اصلاً تعلق نہ ہوا، اور اگر مال حرام دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حلال دیا، یا مال حلال دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حرام دیا، یا خریدتے وقت کوئی مال نہ دکھایا تھا صرف مطلق خریداری کر لی، مثلاً یوں کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے، جب اس نے دے دی تو اس کی قیمت مالِ حرام سے ادا کر دی۔ ان تینوں صورتوں میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے، مگر فتوٰی امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر دیا گیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ اشیاء اس رنڈی کے لئے حلال ہوں گی، ان وجوہ پر خرید کر مسجد میں لوٹے چٹائی وغیرہ رکھے گی تو ان لوٹوں سے وضو اور اس چٹائی پر نماز کے جواز کا حکم دیں گے، اگرچہ رنڈی پر اس کے حرام فعلوں کا وبال الگ، ان کے بدلے اُجرت لینے کا عذاب جدا، اور اس حرام مال کو خرچ میں لانے کا مؤاخذہ علاوہ، ہاں اگر عقد و نقد دونوں مال حرام میں جمع ہوں، یعنی حرام ہی روپیہ دکھا کر کہے کہ اس کے عوض دے دے، اور قیمت میں دے بھی وہی حرام روپیہ، تو اس قول مفتٰی بہ پر بھی وہ شے حرام و خبیث رہے گی، اور اس میں تصرف ناجائز ہوگا، مگر آج کل بیع و شراء میں غالباً یہ صورت واقع نہیں ہوتی۔ تنویر الابصار میں ہے،

تصدق اذا کان متعینا او شری بدراھم الودیعۃ او الغصب ونقدھا وان اشار الیھا ونقد غیرھا او اطلق ونقدھا لا وبہ یفتی[1] اھ بتلخیص، واللہ تعالٰی اعلم۔

جب خاص متعین حرام ہو، یا امانت کے مال سے یا غصب کے مال سے کوئی چیز خریدی اور وہی نقد دیا ہو تو صدقہ کرے، اور اگر سودے کے وقت حرام دکھایا اور ادائیگی میں دوسرا دیا، یا مطلق سودا کیا اور ادائیگی حرام سے کی تو صدقہ لازم نہ ہوگا۔ اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۸: از سیلی بھیت مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب مدرس تحصیلی اسکول ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ

زید نے جوئے میں روپیہ کمایا، اور اسی روپیہ سے اس نے اپنے گھر کا اثاثہ اور اسباب درست کیا ہے، اب زید تائب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنا ذمہ بری کرے، اور جو مال حرام کا اس کے پاس ہے اس کو جدا، تو کیا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جس قدر مال جوئے میں کمایا محض حرام ہے،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۰۶-۲۰۵

فی الدرمن السحت ما یأخذ مقامر[1] (باختصار)۔ | درمختار میں ہے: جُوئے میں حاصل کیا ہوا مال حرام ہے۔ (باختصار) (ت)

اور اس سے برأت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا جتنا مال جیتا ہے اُسے واپس دے، یا جیسے بنے اُسے راضی کرکے معاف کرالے، وُہ نہ ہو تو اُس کے وارثوں کو واپس دے، یا ان میں جو عاقل بالغ ہوں اُن کا حصہ اُن کی رضامندی سے معاف کرالے، باقیوں کا حصّہ ضرور انھیں دے کہ اُس کی معافی ممکن نہیں، اور جن لوگوں کا پتہ کسی طرح نہ چلے نہ اُن کا، نہ اُن کے ورثہ کا، اُن سے جس قدر جیتا تھا اُن کی نیت سے خیرات کردے، اگرچہ اپنے محتاج بہن بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دے دے، اس کے بعد جو بچ رہے گا وہ اس کے لئے حلال ہے۔ عالمگیری میں ہے:

کان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھا، وذٰلک ھٰھنا برد الماخوذ ان تمکن من ردہ، بان عرف صاحبہ وبالتصدق بہ ان لم یعرفہ[2] | لینا گناہ ہے اور گناہ کے ازالہ کی صورت اس کو واپس کرنا ہے اور یہاں لئے ہوئے کو رَد کرنا ہوگا جب واپس کرنا ممکن ہو کہ اس کے مالک کو جانتا ہو یا پھر معلوم نہ ہو تو صدقہ کرنا ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان علمت اصحابہ او ورثتھم وجب ردہ علیھم، والا وجب التصدق بہ[3] | اگر اس کے مالک یا مالک کے ورثا کو جانتا ہے تو واپس کرنا واجب ہے ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ت)

غرض جہاں جہاں جس قدر یاد ہو سکے کہ اتنا مال فلاں سے بار جیت میں زیادہ پڑا تھا اُتنا تو اُنھیں یا اُن کے وارثوں کو دے، یہ نہ ہوں تو ان کی نیت سے تصدق کرے، اور زیادہ پڑنے کے یہ معنی کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جُوا کھیلا، کبھی یہ جیتا کبھی یہ، اُس کے جیتنے کی مقدار مثلاً سَو روپے کو پہنچی، اور یہ سب دفعہ کے ملا کر سوا سو جیتا، تو سَو سَو برابر ہو گئے، پچیس اس کے دینے رہے، اُتنے ہی اُسے واپس دے، وعلٰی ہذا القیاس، اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جُوئے سے کمایا ہوگا، اُتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کرے، عاقبت یونہی پاک ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۹

چہ فرمایند علمائے ومفتیانِ شرع متین در حق کسیکہ بحیلہ ومکر از دوست خود زر گرفت، و گفت کہ اگر نہ دہی ایں مضرت بتو رسانم، یا برائے رنجانیدن خلق اللہ و اظہار غلبہ وصولت خود باشخصے بزرگ ومعزز دوستی کرد، تاکہ خلائق ازیں کس بہ تعلق آں شخص بزرگ بترسند۔ بیّنوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو حیلہ اور مکر کے ساتھ دوست سے مال وصول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر نہ دے گا تو تجھے فلاں پریشانی میں مبتلا کروں گا، یا وہ شخص اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تنگ کرتا ہے اپنا غلبہ اور دبدبہ قائم کرنے کے لئے کسی معزز اور بڑے آدمی سے دوستی بناتا ہے تاکہ اس کے تعلق سے لوگ اس سے مرعوب رہیں۔ بیّنوا توجروا (ت)

الجواب

بمکر وحیلہ و وعید و تہدید بناحق زر از کسے گرفتن حرام قطعی ست، باز اگر ایں بزور ستاند غصب باشد، واگر آں بترس مضرت خویش دہد رشوت بود ہر دو حرام و فی النار، ومستوجب غضب جبّار قہار ست، والعیاذ باللہ تعالٰی، قال تعالٰی لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1] الاٰیۃ، و رنجانیدن وترسانیدن خلق اللہ تجبّر و تکبّر ہمہ محرمات قطعیہ است، درحدیث ست حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایند شَرُّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَخَافُ لِسَانَہٗ

مکر وفریب اور ڈرا دھمکا کر کسی سے مال لینا قطعی حرام ہے، پھر اگر طاقت کے ذریعہ لیتا ہے تو یہ غصب ہے، اور اگر اپنے شر سے ڈرا کر لیتا ہے تو رشوت ہوگی جبکہ دونوں طریقے حرام، جہنم اور اللہ تعالٰی کے غضب کے مستوجب ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، الاٰیۃ، اور اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تکلیف دینا، ڈرانا اور ان پر اپنا جبر اور تکبر ظاہر کرنا قطعی محرمات میں سے ہے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بدترین مرتبے کا وہ آدمی ہے کہ لوگ اس کی زبان سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اَوْ یخَافُ شَرَّہٗ بدترین مردم در منزلت روزِ قیامت کسے باشد کہ بندگانِ خدا از زبان و زبان او خائف و ترساں باشند۔ اخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الغیبۃ[1] عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وخود فرمودہ سید الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلٰوۃ والسلام لاینبغی علی الناس الاولد بغی والامن فیہ عرق منہ ستم وتعدی بر مرداں نکند مگر زنازادہ یا کسیکہ ورئے رگے از زناست رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی الھادی۔

اور اس کے زبان سے خوف زدہ ہوں، اس کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبت میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہوئے تخریج کیا، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود فرمایا کہ لوگوں پر ظلم وتعدی نہ کرے گا مگر وہ شخص جو زنازادہ ہے یا اس میں زنا کا دخل ہے، اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی الھادی (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از بلگرام شریف محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ گاذر کے یہاں گیا، اور اس کے یہاں سے دوسرے شخص کا بمعاوضہ اُس کے آیا، وہ کپڑا استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر پھر گم شدہ پارچہ اُس کے بدلے نہ ملے تو وہ کپڑا جو غیر کا اس کے پاس آیا ہے وہ گاذر کو دے دے یا کسی محتاج کو؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر لینے سے پہلے معلوم ہو کہ یہ کپڑا غیر کا ہے، تو سرے سے لینا ہی درست نہیں، اور دھوکے میں لے لیا پھر معلوم ہوا تو استعمال میں لانا حلال نہیں،

کما نصوا علیہ فی مسئلۃ تبدیل الملاءۃ والمکعب بملاءۃ غیرہ او مکعبہ

جیسا کہ فقہائے نے کپڑے اور جوتے کے مسئلہ میں نص فرمائی کہ اگر ایک دوسرے کے کپڑوں اور جوتوں

---

[1] موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ذم الغیبۃ والنمیمۃ حدیث ۳ ۸ کتاب الصمت ۲۲۰ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۲/ ۸۶ و ۵/ ۱۵۱

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب الخلافۃ باب فی عمال السوء دار الکتاب بیروت ۵/ ۲۳۳

" " کتاب الحدود والدیات باب فی اولاد الزنا " " ۶/ ۲۵۸

کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۱۳۰۹۳ ۵/ ۳۳۳ وحدیث ۳۰۴۵۰ ۱۱/ ۱۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت

کما فی الخانیۃ والھندیۃ وغیرھما وقد قال اللہ تعالٰی الّا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ، قال ذٰلک لشدۃ ماحرم اللہ من مال المسلم علی المسلم، رواہ ابن حبان[2] فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفی الخانیۃ والھندیۃ والبزازیۃ، واللفظ لھذہ، اذا قال القصار ھذا ثوبك وقال المالك لیس ھذا ثوبی فاخذہ رب الثوب عوضا عن ثوبہ لایحل لبسہ ولابیعہ، فھذا نص المسئلۃ اما ما ذکروا عقیبہ من الاستثناء بقولھم الا ان یقول ربہ اخذتہ عوضا عنہ ویقول القصار نعم[3] اھ،

فاقول یجب حملہ علٰی ما اذا علم اوساغ ان یکون الثوب للقصار، وقد ذکر فی الخانیۃ وخزانۃ المفتین فروعا، فصلوا فیھا بین ما یکون الثوب للقصار اولغیرہ، اما اذا علم

میں تبدیل ہوجائیں، جیسا کہ خانیہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے، اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا: تجارت صرف رضامندی سے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کی چھڑی اس کی رضامندی کے بغیر لے لے۔ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی مسلم کا مال مسلمان پر شدید حرام ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور خانیہ، ہندیہ اور بزازیہ میں بزازیہ کے الفاظ میں، جب دھوبی نے کہا یہ تیرا کپڑا ہے اور مالک کہے یہ میرا نہیں ہے پھر مالک اپنے کپڑے کے عوض اس کپڑے کو لے تو اس کا استعمال اور فروخت کرنا اس کو جائز نہ ہوگا اور یہ مسئلہ میں نص ہے، لیکن فقہاء کرام نے اس کے بعد یہ جو فرمایا کہ اگر مالک کپڑے لیتے وقت دھوبی سے پُوچھے کہ یہ کپڑا میرے کپڑے کے عوض میں ہے اور وہ جواب میں ہاں کہے تو جائز ہوگا اھ، تو میں کہتا ہوں، یہ ان کی بات اس صورت پر محمول ہے جب مالک کو یقین ہو یا دھوبی یقین دلائے کہ دھوبی کا کپڑا ہے۔ خانیہ اور خزانۃ المفتین میں مذکور تفصیل ہے تو انھوں نے دھوبی اور غیر کے کپڑے میں فرق کیا ہے لیکن معلوم ہو کہ یہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] موارد الظمأن الٰی زوائد ابن حبان حدیث ۱۱۶۶ کتاب البیوع المطبعۃ السلفیۃ مدینۃ المنورۃ ص ۲۸۳

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاجارات الفصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۲۹

ان الثوب لغيرہ فكيف يحل لك لبسه و تملكه بمعاوضة جرت بينك و بين من لا يملك من دون اجازة من المالك ، هذا مما لا يتصور ، فليتأمل و ليحرر۔

غیر کا کپڑا ہے تو پھر تجھے کیسے پہننا اور فروخت کرنا جائز ہو سکتا ہے جبکہ تیرے اور غیر مالک کے درمیان جو معاوضہ طے ہوا ہے وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ہوا ہے ، یہ غیر متصور معاملہ ہے غور کرو اور واضح کرو۔ (ت)

اور جبکہ اس نے دھوبی سے لیا اور دھوبی کا قبضہ باذنِ مالک ہوتا ہے ، تو اس کے لئے گری پڑی بے وارث چیز کا حکم نہیں ہو سکتا کہ محتاج کو دے سکے ، بلکہ گا ذرہی کو واپس دے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۱ از اوجین مکان میر خادم علی اسٹنٹ مرسلہ ملا حاجی یعقوب علی خاں ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نزدیک تمام و کمال روپیہ از قسم سود و رشوت ہے ، تو اس قسم کے اموال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے یا نہیں ؟ اور ایسے مال وزر سے اقسام نیازِ بزرگان و ادائے حج درست ہے یا ممنوع ؟ اور اس روپیہ کی تبدیل کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔

الجواب

سُود و رشوت اور اسی قسم کے حرام وخبیث مال پر زکوٰۃ نہیں کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں تو انھیں واپس دینا واجب ہے ، اور اگر معلوم نہ رہے تو کل کا تصدق کرنا واجب ہے ، چالیسواں حصہ دینے سے وُہ مال کیا پاک ہو سکتا ہے جس کے باقی انتالیس حصے بھی ناپاک ہیں ۔ درمختار میں ہے :

لا زکوٰۃ لو کان الکل خبیثا کما فی النہر عن الحواشی السعدیۃ۔[1]

اگر تمام مال خبیث ہو تو اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی جیسا کہ نہر میں حواشی سعدیہ سے منقول ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

مثلہ فی الشرنبلالیۃ و ذکرہ فی شرح الوھبانیۃ بحثا ، و فی الفصل العاشر من التاترخانیۃ عن فتاوی الحجۃ ، من ملك اموالا غیر طیبۃ لا زکوٰۃ علیہ

ایسا ہی شرنبلالی میں ہے ، اس کو شرح وہبانیہ میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے اور تاتارخانیہ کی دسویں فصل میں فتاوی الحجہ سے منقول ہے کہ جو شخص غیر حلال مال کا مالک بنا اس پر اس مال

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

فیہا[۱] اھ ملخصاً۔

کی زکوٰۃ نہیں ہے اھ ملخصاً (ت)

اسی میں ہے:

فی القنیۃ لوکان الخبیث نصابا لاتلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلایفید ایجاب التصدق ببعضہ اھ، ومثلہ فی البزازیۃ[۲]۔

قنیہ میں ہے اگر خبیث مال نصاب زکوٰۃ ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ تمام صدقہ کردینے کے قابل ہے لہٰذا اس میں سے بعض کا صدقہ کافی نہ ہو، اھ، اور بزازیہ میں بھی ایسا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لان المغصوب ان علمت اصحابہ اوورثتھم وجب ردہ علیھم، والاوجب التصدق بہ[۳]۔

مغصوبہ مال کے مالک یا اس کے وارثوں کو تُو جانتا ہے تو ان کو واپس دینا واجب ہے ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے (ت)

اور ایسے مال سے نیاز بزرگاں کرنا بھی جائز نہیں، نہ ہرگز اُس سے کچھ حاصل، کہ نیاز کا مطلب ایصالِ ثواب ہے، اور ثواب ثمرۂ قبول ہے، اور قبول مشروط بپاکی، حدیث میں ہے:

ان اللہ طیّبٌ لایقبل الا الطیّب[۴]۔

اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ (ت)

خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

ولاتیمموا الخبیث منہ تنفقون[۵]۔

قصد نہ کرو خبیث کا کہ اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ (ت)

---

[۱] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[۲] " " " " " " ۲/ ۲۵

[۳] " " " " " " ۲/ ۲۶

[۴] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ صلوٰۃ الاستسقاء دارصادر بیروت ۳/ ۳۴۶

کشف الخفاء حدیث ۶۸۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۶۰

[۵] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

علماء فرماتے ہیں: جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھے اس پر کفر عائد ہو۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

فتاوٰی ظہیریہ میں ہے:

رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجوا به الثواب یکفر[1]۔

ایک شخص نے فقیر کو حرام مال دیا اور اس پر اس نے ثواب کی امید رکھی تو کافر ہوجائے گا۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ اگر اس نے اس مال حرام کو اپنی ملک خاص جان کر بطور تبرع تصدق کیا جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بہ نیت نفل وتطوع تقربًا الی اللہ صدقہ کرتا اور اس پر اپنے رب کریم سے امیدِ ثواب رکھتا ہے کہ بے ایجاب شرع اس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصہ اپنے رب کی رضا کے لئے صرف کیا، جب تو یہ تصرف حکم شرع سے جدا اور یہ خیال شرع مطہر کے خلاف ہے، اور اس پر ہرگز اس کے لئے ثواب نہیں، اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکم تکفیر کیا، اور اگر یُوں نہ تھا بلکہ اس مال کو خبیث وناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادم ہو کر تائب ہُوا، اور بحکم شرع اپنے تصرف میں لانا ناجائز سمجھا اور اپنے نفس کو اس میں تصرف سے روکا اور از انجا کہ اُس کے ارباب معلوم نہ رہے بجاآوری حکم شرع کے لئے اسے تصدق کیا، اور اُسی بجاآوری فرمان پر امیدوارِ ثواب ہوا، تو بیشک اس میں اصلًا حرج نہیں، بلکہ اُسی کا اُسے شرعًا حکم تھا، اور اس تصدق پر اگرچہ ثوابِ صدقہ نہیں، مگر اس امتثال حکم کا ثواب بیشک ہے، بلکہ یہ فعل اس کی توبہ کا تتمہ ہے، اور توبہ قطعًا موجب رضائے الٰہی وثواب اُخروی ہے، پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچا سکتا ہے لعموم قولھم ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ (ان کے اس قول کے عموم کی وجہ سے کہ انسان کو اپنے عمل کا ثواب غیر کے لئے کرنے کا حق ہے۔ ت) تو اس توبہ و بجاآوری حکم کا ثواب اگر نذرِ بزرگان کریں کچھ مضائقہ نہیں،

ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق اتقن ھذا فلعلك لاتجدہ فی غیر ھذہ السطور۔

یہ تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے، اس کو مضبوط کر، ہوسکتا ہے تجھے ان سطور کے غیر میں نہ ملے (ت)

اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں کہ اسے حکم تو یہ تھا کہ جن سے لیا انھیں واپس دے، وہ

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الظہیریہ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

نہ معلوم ہوں تو تصدق کر دے اس کے سوا جس کام میں صرف کیا جائے گا خلافِ حکمِ شرع و موجبِ گناہ ہوگا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذمّہ سے اتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا فان الخبث انما ھو فی المجاور فلا یمنع الصحۃ (کیونکہ خبث یہاں بعد میں لاحق ہوا جو صحت کو مانع نہیں ہے۔ ت) پھر بھی اس پر امید ثواب کا محل نہیں بلکہ اسے کہا جائے گا لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک حتی ترد ما فی یدیک نہ تیرے لبیک قبول نہ خدمت قبول اور تیرا حج تیرے منہ پر مارا گیا یہاں تک کہ تو یہ ناپاک مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس دے۔

نسأل اللہ العفو والعافیۃ ھذا ما جزمت بہ لظھورہ ظھورا بیّنا ثم اتفق مراجعۃ ردالمحتار فرأیت فیہ التصریح بذلک کلہ حیث قال فی بیان الحج بمال حرام، الحج نفسہ لیس حراما بل الحرام ھو انفاق المال الحرام ولا تلازم بینھما کما ان الصلٰوۃ فی الارض المغصوبۃ تقع فرضا، وانما الحرام شغل المکان المغصوب، وقال فی البحر یجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام، کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض عنہ معھا ولا تنافی بین سقوطہ وعدم قبولہ فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارک الحج[1] اھ مختصرًا۔

ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، اس کے بالکل ظاہر ہونے پر مجھے جزم حاصل ہوا، پھر مجھے اتفاقًا ردالمحتار پر مراجعت ہوئی تو میں نے اس میں اس تمام پر تصریح پائی انھوں نے مالِ حرام سے حج کے متعلق فرمایا حج فی نفسہٖ حرام نہیں بلکہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے جبکہ ان دونوں باتوں میں تلازم نہیں ہے، جیسا کہ مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنے سے فرض ادا ہوجائے گا حرام صرف مغصوب زمین کا استعمال کرنا ہے۔ اور بحر میں فرمایا حلال نفقہ میں کوشش ضروری ہے کیونکہ حرام نفقہ سے حج قبول نہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اس کے باوجود فرض ادا ہوجائے گا، اور فرض کی ادائیگی اور عدم قبولیت منافات نہیں ہے، تو قبول نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہ پائے گا، اور فرض ادا ہوجانے کی وجہ سے حج کا تارک ہوکر عذاب کا مستحق نہ ہوگا اھ مختصراً (ت)

اور تبدیل اس طرح ہے کہ کسی سے قرض لے کر اپنے خرچ میں لائے، خواہ حج و تصدق و نذر و نیاز و

---

[1] ردالمحتار کتاب الحج دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۰

تعمیر مساجد وغیرہا میں اٹھائے، اور قرض اس ناپاک مال سے ادا کر دے اگرچہ یہ صورت اُن تصرفات کے جائز ہونے میں تو بکار آمد ہے کہ اب یہ روپیہ جو ان کاموں میں اٹھا رہا ہے ناپاک نہیں،

فی الھندیۃ عن الملتقط اٰکل الربٰو او کاسب الحرام اھدی الیہ او اضافہ و غالب مالہ حرام لایقبل ولا یاکل مالم یخبرہ ان ذٰلک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ[1] اھ، مثلہ عن الینابیع۔

ہندیہ میں ملتقط سے منقول ہے کہ حرام کمانے والا یا سُود خور ہدیہ دے یا دعوت کرے تو قبول نہ کرے جبکہ اس کا غالب مال حرام ہو، اور کھائے نہیں جب تک وہ وضاحت نہ کرے کہ یہ اصل مال میں نے وراثت یا قرض میں حلال حاصل کیا ہے اھ، اس کی مثل ینابیع میں ہے (ت)

مگر اس حیلہ سے نہ وہ گناہ اس سے زائل ہو نہ اس ناپاک مال کا وبال سر سے اُترے، نہ اُس سے فرض ادا کرنا روا، بلکہ یہ دُوسرا گناہ ہوا کہ حکمِ شرع تو اصحابِ حقوق کو واپس دینا یا تصدق کرنا تھا، اس نے کچھ نہ کیا بلکہ اپنی ادائے قرض میں لگا دیا، تو ثابت ہُوا کہ خبیث مال والوں کو یہ حیلہ نافع نہیں بلکہ مضر و موجبِ گناہ ہے،

فان قلت الیس قال فی الھندیۃ الحیلۃ فی ھذہ المسائل ان یشتری نسیئۃ ثم ینقد ثمنہ من ای مال شاء، وقال ابو یوسف سألت اباحنیفۃ عن الحیلۃ فی مثل ھذا فاجابنی بما ذکرنا کذا فی الخلاصۃ[2] اھ، و انما الحیلۃ لتحصیل الجواز، قلت انما قال فی اموال الشبھۃ کالجوائز السلطانیۃ ای حیث

اگر تُو اعتراض کرے کہ کیا ہندیہ میں یہ بیان نہیں ہے کہ ان مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ مال ادھار خریدے اور پھر بعد میں معاوضہ کسی بھی مال سے چاہے دیدے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان مسائل کے متعلق حیلہ پُوچھا تو انھوں نے جواب میں وہی فرمایا جو ہم نے ذکر کیا، خلاصہ میں یوں ہے اھ، اور جبکہ حیلہ صرف جواز کو طلب کرنے کیلئے ہوتا ہے، جواب کے طور پر میں کہتا ہوں، یہ مذکور قول انھوں نے مشتبہ مال میں فرمایا ہے جیسے سرکاری عطیات

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۳

[2] ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ۵/۳۴۲

لو یعلم کونہا عین الحرام، فانہ لا یجوز اخذہ حتی للفقیر کما نص علیہ فی الھندیۃ ایضا وغیرھا، ونص عبارتہ قبل ھذا فی شرح حیل الخصاف لشمس الائمۃ رحمہ اللہ تعالٰی ان الشیخ ابا القاسم الحکیم کان یاخذ جائزۃ السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجہ ومایاخذ من الجائزۃ یقضی بہا دیونہ، والحیلۃ فی ھذہ المسائل[1] الی اخر ما مر فھذا انما ھو فی امثال ھذا، لا فی المال الخبیث الواجب التصدق فان فیہ مناقضۃ لما امر بہ الشرع کما علمت فاعلم ذٰلک وتفھم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

جن کے متعلق عین حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا، لیکن وُہ مال جو عین حرام ہونا معلوم ہو تو اس کو لینا فقیر تک کو جائز نہیں ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے، اور شمس الائمہ خصاف کی حیل کی شرح میں اس سے قبل ان کی عبارت یہ ہے کہ شیخ ابوالقاسم حکیم سرکاری عطیہ لیا کرتے تھے اور آپ اپنی ضروریات کے لئے قرض لیتے اور وہ قرض سرکاری عطیات سے ادا کرتے اور حیلہ ان مسائل کا یہ ہے الی آخرہ۔ تو مذکور قول ان مشتبہ اموال میں ہے نہ کہ خبیث مال میں ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ خبیث میں حیلہ شرعی حکم کے منافی ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے، اسے جان اور سمجھ لو۔ واللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم (ت)

مسئلہ ۲۶۲

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کی نمبرداری میں عمرو کی جزوی حقیت شامل ہے، پٹی جداگانہ زید نے صرف اپنی جائداد کا ٹھیکہ بکر کو دے دیا اور خود ترکِ وطن کیا، بکر اور عمرو باہم اپنے اپنے حاصلات لیتے رہے، آخر سال کا حاصل بوجہ تکرار باہمی عمرو وبکر کے عمرو کو وصول نہیں ہوا، تب عمرو نے نالش زید وبکر دونوں پر دائر کی، بالآخر زید پر ڈگری ہوگئی، بحالتِ اجراء اُس ڈگری کے وُہ ڈگری بمقابلہ زید کے تمادی ایام میں خارج ہوگئی، تو اس ڈگری کا روپیہ ذمہ زید کے واجب الادا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۲

الجواب

سائل مظہر کہ زید وعمرو کی پٹیاں جدا جدا ہیں، اور عمرو نے اپنی پٹی کے پٹے اسامیوں کو خود دیے، اور آپ تحصیل کرتا رہا، چند سال سے بکر ٹھیکہ دار حقیقت زید نے اپنے دباؤ کے سبب عمرو کی پٹی بھی تحصیل لی، اس صورت میں عمرو کا مطالبہ حقیقۃً اپنے اسامیوں پر ہے کہ انھوں نے غیر شخص کو اس کا آتا ہوا کیوں دے دیا، اور بکر نے بوجہ اس زیادہ ستانی کے ظلم کیا مگر زید کی طرف سے کوئی تعدی نہیں، نہ اس پر عمرو کا مطالبہ تھا، نہ اس نے اسامیوں سے اس کا حق تحصیل لیا، نہ عمرو کے کوئی خاص معین روپے اسامیوں کے پاس رکھے تھے کہ وہ بکر نے ان سے لے کر زید کو دے دیے، تو زید اس مطالبہ سے بالکل بری ہے، اس کی ڈگری محض بیجا ہوئی، عمرو کو اس سے کچھ لینا جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۳ از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک موضع کا مالک ہے، اور بکر زید کی رعایا، گاؤں میں زمین جوتتا ہے اور لگان زید کو دیتا ہے، اور کچھ زمین اور اس گاؤں میں بے لگانی ہے، اس میں بکر نے چند درخت لگائے ہیں اور پھل کھاتا ہے، اور ان درختوں پر زید اس سے کچھ لگان نہیں لیتا ہے، اور حاکم وقت نے بھی یہی حکم جاری کر رکھا ہے کہ زمین کا مالک جو ہے وہی درختوں کا مالک ہے، صرف پھل پھول کھانے کا بکر کو اختیار ہے، اور بکر نے بلا اجازت زید کے مخالفانہ اُن درختوں کو خالد کے ہاتھ فروخت کر دیا، زید نے بکر اور خالد پر نالش کی کہ بکر کو بیچنے کا منصب نہیں تھا، اور یہ بموجب حکم حاکم فاسد ہے، حاکم نے وہ درخت زید کو دلا دیے، اور یہ بھی حکم دیا کہ خالد اپنے روپے کا دعوٰی بکر پر کرے، تو اس صورت میں دراصل وہ درخت حق زید کے ہیں یا بکر کے یا خالد کے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہاں دو صورتیں ہیں: ایک[1] یہ کہ درخت بکر نے باذن واجازت زید لگائے، خواہ یوں کہ زید نے صراحۃً خاص بکر یا سب سکانِ دیہہ کو عام اذن دیا، خواہ یوں کہ حسب عرف ورواج دیہہ مالک کی طرف سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

مزارعین کو اذنِ عرفی تھا۔

دوسرے یہ کہ محض بلا اذن بطور خود بکر نے لگا لئے۔

پہلی صورت میں درخت مطلقاً زید کی ملک ہوں گے مگر یہ کہ خود اذنِ مذکور کا مطلب ہی یہ ہوا کہ لگانے والا مالک ہو، مثلاً اذنِ عرفی میں عرف ہی یُوں تھا یا اذن صریح میں لفظ یہ تھے کہ اپنے لئے لگا لو، تو اس صورت میں درخت ملکِ بکر ہونگے، اور زمین عاریت، یا یہ کہ بکر نے برخلاف مطلب اذن لگاتے وقت یہ کہہ لیا کہ میں خود اپنے لئے لگاتا ہوں اس صورت میں درخت ملکِ بکر ہوں گے، اور وُہ بوجہ مخالفت اذن ظالم غاصب کہ فوراً درخت اکھیڑ کر زمین خالی کر دینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ بے اذن مالک رکھے گئے، درخت مطلقاً ملکِ بکر ہوں گے، اور وُہ غاصب قرار پائے گا، مگر یہ کہ رکھتے وقت اُس نے کہہ دیا ہو کہ زید کے لئے لگاتا ہوں، اس صورت میں ملکِ زید ہوں گے، اور بکر کا کوئی دعوٰی نہیں،

هذا جملة الحكم فی ذٰلك وتعرف تفاصيل المسألة من شتى التنوير، والدر، وحواشيه، ووقف الاشباه، وشروحه، وغصب الهندية وغيرها من الكتب المعتمدة۔ والله تعالٰی اعلم۔

اس کا یہ خلاصہ حکم ہے، اور تنویر الابصار کے مسائل شتّی، درمختار اور اس کے حواشی، اور الاشباہ کے وقف اور اس کی شروح، اور ہندیہ کے باب غصب وغیرہ معتبر کتب میں اس کی تفاصیل تجھے معلوم ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۴ ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اراضی مسجد کی جو اُس کے پیچھے بھی اپنے مکان میں ڈال لی ہے اور دیوار بنوالی، اور تاج محراب مسجد و مینار مسجد دبا کر اپنی دیوار بلند کرلی ایسے شخص کے واسطے کیا حکم شرع شریف ہے؟ فقط۔

الجواب

فاسق، فاجر، ظالم، جائر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب النار و غضب الجبار ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایاخذ احد شبرا من الارض بغیر حقه الا طوقه الله الی سبع ارضین الی یوم

جو شخص ایک بالشت بھر زمین ناحق لے گا اللہ تعالٰی وہ زمین زمین کے ساتوں طبقوں تک اس کے گلے میں قیامت کے دن تک طوق

القیمة - رواہ مسلم[1] عن ابی ھریرة والشیخان عن ام المؤمنین وعن سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

بنا کر ڈالے گا (اس کو مسلم نے ابوہریرہ اور شیخین نے ام المومنین عائشہ اور سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھم سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیمة الٰی سبع ارضین[2]۔ رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

جو شخص کسی قدر زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا (اس کو بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ اٰخر سبع ارضین، ثم یطوقہ یوم القیمة حتی یقضی بین الناس[3]۔ رواہ احمد والطبرانی وابن حبان فی صحیحہ بسند جید عن یعلی بن مرة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو شخص ایک بالشت زمین ناحق لے لے اللہ تعالٰی اسے تکلیف دے کہ اس زمین کو کھودے یہاں تک کہ ساتویں طبقے کے ختم تک پہنچے، پھر قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالے یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب کتاب ختم ہو کر فیصلہ فرما دیا جائے (اس کو طبرانی، احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ شیئا من الارض بغیر حلہ طوقہ اللہ من سبع ارضین

جو کسی قدر زمین ناجائز طور پر لے اللہ تعالٰی ساتوں زمینوں سے اُس کے گلے میں طوق ڈالے

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاة باب تحریم الظلم وغصب الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض " " " ۱/ ۳۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث یعلی بن مرة المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۷۳

لا یقبل اللّٰہ منہ صرف ولا عدل[1]۔ رواہ احمد والطبرانی عن سعد بن مالک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔ نہ اس کا فرض قبول ہو نہ نفل (اس کو احمد و طبرانی نے سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

حدیثیں اس باب میں متواتر ہیں، اُس شخص پر فرض ہے کہ مسجد کی زمین وعمارت فوراً فوراً خالی کردے اور اپنی ناپاک تعمیر جو اُن پر کرلی ہے ڈھاکر دُور کرے، اللہ قہار وجبار کے غضب سے ڈرے، ذرا من دو من نہیں بیس پچیس ہی سیر مٹی کے ڈھیلے گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی لئے پھرے، اُس وقت قیاس کرے کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہے یا زمین کے ساتوں طبقوں تک کھود کر قیامت کے دن تمام جہان کا حساب پورا ہونے تک گلے میں معاذ اللہ یہ کروڑوں من کا طوق پڑنا اور ساتویں زمین تک دھنسا دیا جانا، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵ رجب ۱۳۱۵ھ از شہر کہنہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کی زوجہ سے بلا طلاق دیئے خالد کے نکاح کرلیا، اور خالد بعد معلوم ہوجانے نکاح اپنی زوجہ کے زوجہ کے ساتھ سرکار میں جاکر کے عرضی دی اور زوجہ خالد نے بھی اپنے نان ونفقہ اور مہر کی عرضی خالد پر دی، اور ہنوز دونوں کا مقدمہ دائر ہے، لیکن اس عرصہ میں پنچوں نے جمع ہوکر دونوں کو راضی اپنے فیصلہ پر کرلیا، اور فیصلہ پنچوں کا اس طور پر ہوا کہ زید کو بوجہ مرتکب ہونے اس امر ناجائز کے مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ اور مبلغ دس روپیہ صرفہ خالد ادا کئے، اور خالد نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور مبلغ مذکور بھی پنچوں نے زید سے ادا کئے، اور اب روپیہ موصوف پنچوں کے تحت میں ہے، جب زید نے دیکھا کہ یہ روپیہ بیکار ہاتھ سے جاتا ہے کہ یہ لوگ شیرینی وغیرہ میں صرف کریں گے، تو اس نے مجبور ہوکر کے کہا کہ تم لوگ اس روپیہ سے ایک مسجد کی تعمیر یا مرمت کرو، تو پنچوں نے راضی ہوکر خالد سے بھی روپیہ صرفہ کا لے لیا، یعنی اس کو بھی تعمیر مسجد یا مرمت مسجد میں صرف کریں گے، بعد اس کے پنچوں میں سے ایک شخص نے پنچوں سے روپیہ لے کر زید کو دے دیا اور کہا کہ ایسا جائز نہیں ہے، پھر بعد تھوڑی دیر کے زید سے روپیہ مذکور واپس لے لیا، آیا اس روپیہ کو مرمت مسجد یا تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والطبرانی الترہیب من اخذ الارض حدیث ۳ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۶

الجواب

اول یہ مال حرام تھا کہ جرمانہ جو پنچ لیتے ہیں ناجائز ہے،

فان المصادرة بالمال منسوخة عندنا وان کانت فالی الامام دون العوام۔

کیونکہ مالی جرمانہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے، اگر ہو بھی تو صرف امام تک جواز ہے عوام کو جائز نہیں۔ (ت)

اور جو صرف خالد کو زید سے دلایا وہ بھی ناجائز تھا فانہ تضمین باطل لم یرد بمثلہ الشرع (کیونکہ یہ ضمان لگانا باطل ہے شرع میں اس کی مثال نہیں ہے۔ ت) مگر جب زید نے اپنی رضا اور خوشی سے اُس مسجد میں صرف کی اجازت دے دی اور اُس کی تحمیل یُوں کرلی گئی کہ وُہ روپیہ اس کو واپس کردیا اور پھر اُس سے تعمیرِ مسجد کے لئے مانگا اور اس نے بخوشی دیا جیسا کہ بیانِ سائل سے معلوم ہوا، تو اب اس کے جواز میں شبہ نہیں کما لایخفی فان الباطل قد زال بالرد (جیسا کہ مخفی نہیں کہ باطل کا زوال واپس کردینے سے ہوگیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۶ از مولوی مرزا خاں پیشاوری ۱۵ محرم ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی ایک چیز رکھی ہوئی تھی، وہ چیز لاٹھی فرض کیجئے، دُوسرے شخص نے آکر اٹھالی اور اس سے کھیل شروع کیا اور اس کو حرکت جوالہ دی، وہ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور ٹوٹ گئی، اب اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حوالہ کتاب دیجئے، اور اگر نہیں ہے تو حوالہ کتاب دیجئے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ بے اذنِ مالک اُس نے وُہ چیز اٹھالی اور اس کے کھیلنے میں گر کر ٹوٹ گئی، تو اُس پر بلاشبہہ ضمان واجب ہے۔ فتاوٰی خانیہ پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے،

اذا دخل الرجل دار انسان واخذ متاعا وجحد فھو ضامن، وان لم یحوله ولم یجحد فلا ضمان علیہ الا ان یھلك بفعلہ او یخرجہ من الدار[1]

جب کوئی کسی شخص کے گھر داخل ہوا اور سامان لیا اور بعد میں انکار کردیا تو ضامن ہوگا اگرچہ اگر سامان کو جگہ سے تبدیل نہ کیا اور انکار نہ کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا مگر جبکہ اپنے عمل سے ضائع کرے یا سامان گھر سے باہر لے جائے تو ضامن ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۸
فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب فصل فیما یصیر بہ المرء غاصبًا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹-۴۸۰

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

دخل رجل علی صاحب الدکان باذنہ فتعلق بثوبہ شیئ مما فی دکانہ فسقط لایضمن لکن تاویلہ اذا لم یکن السقوط بفعلہ و یدہ وکذٰلک اذا اخذ شیئا بغیر اذنہ مما فی دکانہ لینظر الیہ فسقط لایضمن، ویجب ان یضمن الا اذا اخذ باذنہ اما صریحا او دلالۃ[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ایک شخص دکاندار کی دکان میں اجازت سے داخل ہوا اور اس کے کپڑے سے لٹک کر کوئی چیز گر کر ضائع ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا اس صورت میں کہ وُہ چیز اس کے عمل اور ہاتھ سے نہ گری ہو، اور یُونہی جبکہ دیکھنے کے لئے دکان سے کوئی چیز بغیر اجازت اٹھائی اور گر کر ٹوٹ گئی تو ضامن نہ ہوگا مگر صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر اٹھائے تو ضمان واجب ہوگا الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۷: از پیلی بھیت قاضی محلہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۱ھ

زید کا مال عمرو نے چُرایا، چوری کے بعد زید مرگیا، اُس نے لڑکا بکر وارث چھوڑا، اب بکر بھی مرگیا، کوئی اس کی نسل میں نہ رہا جو ترکہ ان دونوں کا پائے، اب عقبٰی میں اُس مال مسروق کے معاف کرنے کا مجاز زید ہے یا بکر؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو شخص کسی کا مال چرائے یا جبراً چھین لے یا دبا کر رشوت میں لے، یا ظلماً تلف کردے، تو ان صورتوں میں علاوہ جُرم شرعی کے جس میں خود سرکار مدعی ہے، (یعنی حقیقی سرکار ابد قرار شریعت نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس ظالم پر مظلوم کے دو مطالبے عائد ہوتے ہیں، ایک مطالبہ ظلم کہ اُسے ستایا آزار پہنچایا، دوسرا مطالبہ مال۔ مطالبہ ظلم تو مطلقاً اُسی مظلوم کے لئے ہے تو اس کی معافی کا اختیار بھی اُسی کو ہے۔ رہا مطالبہ مال، اس میں دو صورتیں ہیں: اگر حیات مظلوم میں وُہ مطالبہ مُردہ ہوگیا جس کے وصول کی اصلاً توقع نہ رہی، مثلاً ظالم مرگیا اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا کہ دَین جب مُردہ ہوجائے اس میں توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہو تو بعد انتقال مظلوم پسر مظلوم کی طرف منتقل ہوگا، اور صورتِ مسئولہ میں مطالبہ مال کے معاف کرنے کا اختیار بکر کو ہوگا،

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۹

اور مطالبہ ظلم سے درگزر کا مجاز زید۔ ہندیہ میں ہے:

لومات وترك عينا ودينا وغصبا فی ایدی الناس ولم يصل شئ من ذلك الى الورثة، فالقياس ان يكون الثواب بذلك فی الأخرة للورثة لانهم ورثوا منه وفی الاستحسان ان توی الدين وتمت التوی قبل الموت فالثواب له لان التاوی لا يجری فيه الارث، فان توی بعدہ فالثواب للوارث لانه لا يجری الارث فيه لقيامه وقت الموت، كذا فی الفتاوى العتابية۔[1]

اگر کسی نے فوت ہونے کے بعد لوگوں کے ذمہ قرض، عین چیز یا غصب چھوڑا اور ترکہ میں ورثاء کو وصول نہ ہوئی ہوں تو قیاس یہ ہے کہ ظلم برداشت کرنے کا ثواب ورثاء کو ملے کیونکہ یہ اس میت کے بعد ان اموال کے وارث بنے اور جبکہ استحسان یہ ہے اگر ان اموال کا نقصان مرنے والے کی موت سے پہلے مکمل طور پر واضح ہوگیا تو ثواب میت کو ملے گا کیونکہ نقصان میں وراثت نہیں ہے، اگر نقصان موت کے بعد تام ہوا تو پھر ثواب ورثاء کو ملے گا کیونکہ ان میں وراثت جاری ہوتی ہے اس لئے کہ موت کے وقت یہ اموال میت کی ملکیت تھے۔ فتاوٰی عتابیہ میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سرق شيئا من ابيه ثم مات ابوه لم يؤاخذ به فی الأخرة لان الدين وهو ضمان المسروق انتقل اليه واثم بالسرقة لانه جنى على المسروق منه كذا فی الفتاوى العتابية، رجل له على رجل دين فتقاضاه فمنعه ظلما حتى مات صاحب الدين وانتقل الى الوارث، تكلموا فيه، قال اكثر المشائخ لايكون حق الخصومة للاول، لكن المختار ان

کسی نے اپنے والد کی کوئی چیز چرائی پھر والد فوت ہوگیا تو آخرت میں اس پر ضمان کا مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ چیز مسروقہ جس کا ضمان تھا وہ وراثت میں بیٹے کو منتقل ہوچکی ہے اور چوری پر گنہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے وقت کے مالک کا جرم کیا ہے، یہ فتاوٰی عتابیہ میں ہے، ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا تو مالک نے کسی کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیجا تو مقروض نے ادائیگی سے انکار کردیا پھر وہ مالک فوت ہوگیا اور وہ قرض ورثاء کو منتقل ہوگیا، تو اس مسئلہ میں فقہاء کا کلام ہے، اکثر مشائخ نے فرمایا ہے کہ مالک کے مقرر کردہ پہلے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۵۷

الدین للوارث ، والخصومۃ فی الظلم بالمنع للاول ، لا فی الدین اذا الدین اشتقل الی الوارث ، کذا فی الظھیریۃ۔[1]

شخص کو قرض میں فریق بننے کا حق نہیں ہے، لیکن مختار یہ ہے کہ قرض وارثوں کا ہے اور قرض کی ادائیگی سے انکار کے ظلم کا دفاع پہلے مقررشدہ کے ذمہ ہوگا، نہ قرض میں اس لئے کہ قرض وارث کو منتقل ہوچکا ہے۔ ظہیریہ میں یوں ہے (ت)

اسی طرح فتاوٰی خانیہ وغیرہا میں ہے۔ نیز فتاوٰی خانیہ میں ہے:

رجل مات ولہ علی رجل حق ، ولم یخلف وارثا ، قالوا یتصدق المدیون بما علیہ من المیت ، لیکون ذٰلك ودیعۃ عند اللہ تعالٰی ، فیوصلہ الی خصمہ یوم القیٰمۃ[2] ، **قلت** فافادان من مات لاعن وارث فان الخصومۃ تنتھی الیہ ، ولاینتقل عنہ الی بیت المال وکانہ الفقہ فی ذٰلك ان الوضع فی بیت المال لیس علی جھۃ الارث ، بل لان الضوائع تصیرفیأ للمسلمین ، کما نص علیہ فی الدرالمختار واوضحہ فی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ایک شخص فوت ہوا اس کا دوسرے پر دَین ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء نے فرمایا کہ مقروض اس میّت کی طرف سے مال کو صدقہ کرے تاکہ عنداللہ قیامت میں یہ صدقہ امانت بن کر مستحق تک پہنچ جائے **قلت** (میں کہتا ہوں) اس کا یہ فائدہ ہوا کہ جو وارث چھوڑے بغیر فوت ہوجائے تو اس کے حق میں مطالبہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ مطالبہ بیت المال کو منتقل نہیں ہوگا، اس میں نکتہ فہم یہ ہے کہ بیت المال کو لاوارث کا مال بطریقہ وراثت منتقل نہیں ہوتا بلکہ لاوارث باقی ماندہ اشیاء مسلمانوں کےلئے ترکہ بنتی ہیں جیسا کہ درمختار میں اس پر نص ہے اور اس کی وضاحت ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۸: ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان خام کو پختہ بنوایا، اور کچھ اراضی بکر کی اپنے مکان میں ڈال لی، اس پر بکر نے منع کیا، اس کے منع کرنے پر زید کا بھائی عمرو نے مل کر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

[2] فتاوٰی قاضیخان ؍؍ فصل فی براءۃ الغاصب والمدیون نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۳

مارپیٹ کی۔ اس پر بکر نے اپنا سر جھکایا تاہم وہ باز نہ آئے، اور عمرو اپنے آپ کو متقی تصور کرتا ہے اور اہلِ محلہ کے لوگ بھی ایسا ہی قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے یہ سوال قائم کرکے علمائے دین کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ شاید حکمِ شریعت کو سُن کر عمرو اپنے کیے ہوئے فعل پر نادم ہو، اور بکر کے ساتھ آئندہ کچھ زیادتی نہ کرے، اور حکم شرعی زید و عمرو و ہمراہیان کے مع تفصیل علیحدہ علیحدہ تحریر فرمائیے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عمرو اور اُس کے ساتھی سب ظالم اور مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب شدید ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیٰمۃ الی سبع ارضین۔ رواہ البخاری[1] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

جو شخص زمین میں سے کچھ ٹکڑا ناحق دبا لے قیامت کے دن وہ ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائیگا۔ (اسے بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

تیسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام۔[3] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے کو چلے، اور اُسے معلوم ہو کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا (اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۳

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی ترجمہ اوس بن شرحبیل حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۲۲۷

زید پر فرض ہے کہ بکر کی زمین اسے واپس دے، اور زید وعمرو اور اس کے سب معاون پر فرض ہے کہ بکر کو راضی کریں اور اس سے اپنا قصور معاف کرائیں، ورنہ روزِ قیامت اس کے مستحق ہوں گے کہ ان کی نیکیاں بکر کو دی جائیں، بکر کے گناہ اُن کے سر پر رکھے جائیں اور یہ جہنم میں ڈال دے جائیں والعیاذ باللہ، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۹ ازمراد آباد ۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، خالد، ولید، عمرو پسران۔ عابدہ، ساجدہ دختران۔ حامدہ زوجہ چھوڑے۔ ترکہ زید پر صرف خالد قابض رہا، اس نے ترکہ کو بموجب شرع تقسیم کیا، مگر عابدہ کو زرِ نقد سے اس کے حصے کا نصف ادا کیا اور نصف دینے کا وعدہ کیا، بعدہٗ عابدہ نے انتقال کیا، ایک پسر، ایک دختر اور شوہر چھوڑا۔ وارثانِ متوفاۃ نے خالد سے باقی نصف جو زرِ نقد تھا طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا، اسی طرح خالد پر تقاضے ہوتے رہے، اور وہ ہفتہ وعشرہ میں ادا کا وعدہ کرتا رہا، آخر کار خالد نے کہہ دیا کہ میرے یہاں چوری ہوگئی اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ جو میرے پاس باقی تھا چوری ہوگیا، بعدہٗ خالد نے اپنے لئے جائداد خریدی اب یہ دریافت طلب ہے کہ نصف حصہ عابدہ جو خالد کے پاس رہ گیا ہے ازروئے شرع شریف خالد کے ذمے واجب الادا ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بقیہ زرِ نقد حصہ عابدہ کہ خالد کے پاس رہا تھا خالد پر وارثانِ عابدہ کے لئے واجب الادا ہے، اور چوری ہوجانے کا عذر نامسموع، ترکہ مورث میں ورثاء کی شرکت شرکتِ ملک ہوتی ہے، اور شرکتِ ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے، بے وجہ شرعی مثل وصایت وولایت وغیرہما ایک کو دوسرے کے حصہ پر قبضہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

شرکۃ ملک ان یملک متعدد عینا او دینا بارث او بیع او غیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبہ[1] (ملتقطا)

شرکتِ ملک یہ ہے کہ متعدد حضرات کسی عین چیز یا دین میں وراثت، بیع وغیرہ کے ذریعہ مالک بنیں، اور یہ تمام حضرات ایک دوسرے کے مال میں اجنبی متصور ہوں گے (ملتقطا)۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۰

خالد نے اگر بے اذن عابدہ قبضہ کیا جب تو ظاہر ہے کہ وہ قبضہ ناجائز تھا، اور بعد تقاضا ہر بار اس سے روکے رہنا ظلم بر ظلم، اور اگر ابتداءً قبضہ باذن بھی تھا، تو طلب ٹالے بالے حیلے حوالے نے اُسے قبضۂ ظلم و تعدی کر دیا، بہر حال اب چوری جانا یا خود خرچ کر لینا، دونوں کا حکم یکساں ہو گیا کہ تاوان لازم ہے۔

ہدایہ میں ہے:

الودیعۃ امانۃ فی ید المودع اذا ھلکت لم یضمنھا، فان طلبھا صاحبھا فمنعھا وھو یقدر علی تسلیمھا، ضمنھا، لانہ متعد بالمنع، وھذا لانہ لما طالبہ لم یکن راضیا بامساکہ بعدہ فیضمنھا بحبسہ عنہ[1] اھ ملتقطاً۔

ودیعت مودع کے پاس امانت ہوتی جب ہلاک ہو جائے تو ضمان نہ ہوگا، ہاں اگر مالک نے واپس لینے کا مطالبہ کیا اور مودع نے دینے سے انکار کیا حالانکہ دینے پر قادر تھا تو ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا کیونکہ انکار پر وہ ذمہ دار ٹھہرا یہ اس لئے کہ جب مالک نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس کے بعد وہ اس کے پاس رکھنے پر راضی نہ تھا تو وہ روکنے پر ضامن ہو جائے گا اھ ملتقطاً۔ (ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ،

فان قلت ھذا ظاھر فیما اذا کان قبض خالد باذن عابدۃ، فانہ حینئذ تکون یدہ یدھا، فاذا منعھا فقد ازال یدا محقۃ واثبت مبطلۃ ولو حکما، فکان غاصبا، والغصب یضمن ھالکا او مستھلکا، اما اذا قبض ابتداء بعد موت المورث من دون اذن الورثۃ، ولا سبق قبض لھم فلم یوجد ازالۃ ید محقۃ، وان ثبت اثبات مبطلۃ، ولا غصب

اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ یہ اس وقت ظاہر ہے جب خالد نے عابدہ کی اجازت سے قبضہ کیا تو خالد کا قبضہ عابدہ کا قبضہ قرار پایا تو جب خالد نے عابدہ کو دینے سے انکار کر دیا تو اب یہ قبضہ حق نہ رہا بلکہ ناحق ہو گیا اگرچہ ناحق ہونا حکماً ہے تو یوں وہ غاصب بن گیا جبکہ غاصب خود ہلاک کرے یا اس سے ہلاک ہو جائے، دونوں صورتوں میں ضمان واجب ہوتا ہے، لیکن موت کے بعد قبضہ کو ورثاء کی اجازت حاصل نہیں، اور نہ ہی ان کو پہلے قبضہ حاصل تھا، تو اب موت کے بعد قبضہ سے رہنا برحق قبضہ زائل نہ ہوا، اگرچہ یہ ناحق قبضہ ہے

---

[1] الہدایۃ کتاب الودیعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۷۱

الا بعد اجتماعہما ففیم یضمن، **قلت یضمن** ضمان التعدی وان لم یعد غاصبا، قال السید العلامۃ الازھری فی فتح اللّٰہ المعین، فان قیل وجد الضمان فی مواضع ولم تتحقق العلۃ المذکورۃ کغاصب الغاصب فانہ یضمن، وان لم یزل ید المالك بل ازال ید الغاصب، والملتقط اذا لم یشھد مع القدرۃ علی الاشہاد مع انہ لم یزل یدا، وتضمن الاموال بالاتلاف تسبیبا کحفر البیر فی غیر الملك ولیس ثمۃ ازالۃ ید احد و لا اثباتہا، فالجواب ان الضمان فی ھذہ المسائل لا من حیث تحقق الغصب بل من حیث وجود التعدی کما فی العنایۃ الخ۔[1]

توضمان تب واجب ہوتا جب حق کا زوال اور ناحق کا اثبات دونوں جمع ہوں، توصرف ناحق قبضہ پر ضمان کیونکر لازم ہوگا۔ جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہاں ادائیگی سے منع پر ضمان ہے اگرچہ یہ غصب نہیں ہے۔ سید علامہ ازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ کئی مقامات پر ضمان واجب ہوتا ہے حالانکہ وہاں مذکورہ علت نہیں پائی جاتی، مثلاً غاصب کا غاصب ضامن ہوتا ہے اگرچہ اس نے مالک کا قبضہ زائل نہ کیا بلکہ اس نے غاصب کا قبضہ توڑا ہے، اور یونہی گری ہوئی چیز اٹھانے والا جب اس پر گواہ بنا سکتا تھا اور گواہ نہ بنائے حالانکہ اس نے بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا اور یوں ہی ہلاکت کا سبب بنانے پر بھی مال کی ہلاکت کا ضامن بنایا جاتا ہے مثلاً غیر کی ملک میں کنواں کھودنا، اس میں بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا اور نہ ہی باطل قبضہ ثابت ہوا، تو جواب یہ ہے کہ ان مسائل میں اگرچہ غصب متحقق نہ ہوا اس کے باوجود ضمان اس لئے ہے کہ یہاں تعدی پائی گئی ہے، جیسا کہ عنایہ میں ہے الخ۔ (ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

سئل ابو حامد عن مسافر حمل امتعتہ علی سفینۃ لیذھب الی بلدۃ، ثم مات ومعہ ابنہ فاخرج الابن تلك الامتعۃ من تلك السفینۃ الی سفینۃ اخری لیذھب لیسلمہا الی سائر الورثۃ،

ابوحامد سے سوال ہوا کہ مسافر نے سامان ایک کشتی میں رکھا وہ کشتی والا مسافر فوت ہوگیا اس کے بیٹے نے جو ہمراہ تھا دوسری کشتی میں سامان لادا تاکہ باقی وارثوں کو سامان پہنچائے، لیکن اس نے اپنے والد کے طے کردہ راستہ کو چھوڑ کر

---

[1] فتح المعین کتاب الغصب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۳

واخذ طریقا یسلکه الناس غیر الطریق الذی کان المیت علی عزم ان یذهب فیه، ثم غرقت السفینۃ ومات الابن وضاعت الامتعۃ، ھل یضمن الابن نصیب سائر الورثۃ، فقال لا وسئل عنها مرۃ اخری فقال ان کان اخرجھا الی سفینۃ اخری ومضی بھا الی مکان اٰخر سوی وطن الورثۃ ضمن[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

لوگوں کے عام معروف راستے پر کشتی کو چلایا اور کشتی بمعہ سامان اور لڑکے غرق ہوگئی، تو کیا اس صورت میں بیٹے پر ضمان عائد ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا ضمان نہ ہوگا۔ پھران سے ایک مرتبہ یہی سوال ہُوا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر بیٹا وُہ سامان دوسری کشتی میں لاد کر سامان کے مالکوں کے وطن کی بجائے دوسرے مقام کی طرف لے گیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجاں موضع بھرا مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلاً زید چند پسران خود یعنی خالد وبکر وغیرہ واموال منقولہ وغیر منقولہ را گذاشتہ ازسرائے فانی بدار باقی رحلت فرمود، اکنوں از خالد اموال مذکورہ پدر متوفی خود را بزور بازو و حسب فرائض اللہ تقسیم مستقیم نمودہ و بکر وغیرہ ندادہ، بقبضۂ تصرف خود آوردن از قبیل غصب ست یا نہ، وخود خوردن بل دیگراں را کہ خارج از ورثہ باشد خورانیدن، ومہمانی ایشاں نمودن، وخود میزبان گردیدن، وبجانب مستحقان اموال مقبوضہ وامتعہ موصوفہ التفات نہ کردن، ایں فعل شرعاً صحیح است یا نہ، و غاصب از اشیائے مغصوبہ ضیافت ومہمانی

علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص مثلاً زید نے اپنی وفات کے بعد منقولہ اور غیر منقولہ مال ترکہ چھوڑا اور ورثاء میں اپنے چند بیٹے خالد اور بکر وغیرہ چھوڑے، اب خالد نے بزورِ بازو اپنے مرحوم والد کے تمام مال پر قبضہ کرلیا ہے اور اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق ورثاء میں تقسیم نہ کیا اور بھائی بکر وغیرہ کو کچھ نہ دیا بلکہ اپنے تصرف میں لایا، کیا اس کی یہ کارروائی غصب ہے یا نہیں اور خود کھانا بلکہ غیر وارثوں' مہمانوں کو میزبان کے طور پر کھلانا اور مستحق حضرات کی طرف کوئی التفات نہ کرنا شرعاً فعل صحیح ہے یا نہیں' اور غاصب کو مغصوبہ مال میں سے ضیافت کرنا نیز مہمانوں اور دیگر حضرات کو یہ کھانا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۶-۱۵۷

کردن، ونیز مہمانان وخورندگان را ازاں خوردن شرعًا نافذ است یا نہ، واگر غاصب بر فعل غصب اصرار کند وآں تعامل او معلوم می شود کہ غصب را غصب نہ فہمد، بلکہ فعل غصب را نوعے از حرفت وپیشہ شمرد۔ حسب شرع شریف بروجہ تعزیر واجب خواہد شد۔ بیّنوا بسند الکتاب وتؤجروا الی ملك الوهاب۔

شرعًا جائز ہے یا نہیں، اور غاصب اپنے غاصبانہ عمل پر اصرار کرے اور اس کو معمول کی کارروائی سمجھے اور غصب نہ سمجھے بلکہ غاصبانہ کارروائی کو وہ پیشہ بنالے تو کیا شرعًا وہ تعزیر کا مستحق ہے۔ کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور ملک الوہاب سے اجر پائیے۔ (ت)

الجواب

حرکت مذکورہ بالیقین غصب وحرام ست، قال اللہ تعالٰی لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1] وغاصب اگر از عین مغصوب کسے را ہبہ کند یا ہدیہ دہد یا ضیافت خوراند یا باجرت وتنخواہ یا قیمت چیزے دہد، بہر صورت مردماں را گرفتن وخوردنش حرام ست وقد تناول الکل الاٰیۃ المتلوۃ کمالایخفی و باصرار بغصب جز زیادت در وبال عذاب واستحقاق نار جہنم چیزے فزوں نشود، و مجرد ایں تعامل دلیل بیش ازیں نباشد، آرے اگر ثابت شود کہ غصب حرام شرعی را حلال می دارند، آنگاہ البتہ لزوم کفر ست بلکہ عند التحقیق بلاشبہہ کفر باشد لان المدار علی کون ما انکرہ من ضروریات الدین، ولا شك ان حرمۃ الغصب من دون حیلۃ شرعیۃ کمن یرید اخذ حقہ من المنکر ولا ضرورۃ ملجئۃ تمکن

مذکورہ عمل یقینًا غصب اور حرام ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا، آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ اور غاصب اگر عین مغصوبہ چیز کسی کو دے یا ہدیہ، ضیافت، اُجرت، تنخواہ یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر دے تو لوگوں کو لینا اور کھانا حرام ہے اور آیۂ کریمہ مذکورہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور غصب پر اصرار سے عذاب اور وبال اور استحقاق جہنم کے علاوہ کیا زائد ہوگا اور اس کو معمول بنالینا اس سے زائد پر دلیل نہیں ہے ہاں اگر معلوم ہوجائے کہ اس نے حرام کو حلال جانا تو اس وقت لزومِ کفر ہوگا بلکہ عند التحقیق بلاشبہہ کفر ہوگا، کیونکہ کفر کا دارومدار ضروریاتِ دین کے انکار پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ بغیر حیلہ شرعیہ مثلًا کسی سے اپنے حق کے بدلے لینا جبکہ وہ منکر ہو اور بغیر ایسی ضرورت جو اس کو مخمصہ میں مبتلا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

فی المخصصة من ضروریات الدین و بعد هذا لا یتجه الفرق بکون الحرمة لعینہٖ او لغیرہٖ، کما وقع عن بعض العلماء۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کر دے غصب کی حرمت ضروریاتِ دین میں سے ہے تو ایسی صورت میں حرمت لعینہٖ اور لغیرہٖ کا فرق کام نہ دے گا جیسا کہ بعض علماء سے یہ سرزد ہوا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۱

چہ می فرمایند فقہائے دین و فضلائے شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلاً زید چہار پسر یعنی عمرو و خالد و بکر و ہاشم و اموال منقولہ و غیر منقولہ را متروک داشتہ از سرائے فانی بسرائے باقی رحلت فرمود، لعدہٗ خالد و بکر و ہاشم از اراضی پدر متوفی ہر یک حسب خرچ خور و پوش بگیرند، وما بقی نزد عمرو موجود است، اما از بہر اوشاں قدر زائدا ست لکن عمرو از قدر زائدا اخراجات جمیع اراضی خود و برادران را انجام می دہد، تاکہ جہت آں را دفتران سرکاری خوف وتلف بر کل مال پیش نیابند، پس درایں صورت عمرو را غاصب و کافر خوانده و مہمانی و دعوات خوردند و قبول نمودند حسب شرع شریف صحیح است یا نہ، و نیز زمین کہ عمرو از کسب خود خریدا ست باز بوقتِ قسمت صحیح خالد وغیرہ از شیئ مکسوب عمرو طلبیدن شرعاً جائز است یا نہ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص مثلاً زید فوت ہوا اس نے منقولہ و غیر منقولہ مال اور چار بیٹے عمرو، خالد، بکر اور ہاشم وارث چھوڑے۔ خالد، بکر اور ہاشم نے اپنے مرحوم والد کی زمین سے خوراک و لباس کے اخراجات کے مطابق حصہ وصول کر لیا اور باقی جو بچا ہے وہ عمرو کے پاس موجود ہے تاہم دوسروں کی نسبت اس کے پاس زیادہ ہے لیکن اس زائد سے اپنی اور بھائیوں کی تمام زمین کے جملہ اخراجات پورے کرتا ہے تاکہ سرکاری دفاتر سے ضرر رسانی کے خطرے کو پورے مال پہ سے ختم کیا جائے، تو کیا اس صورت میں عمرو کو غاصب و کافر کہنا اور اس کی دعوت مہمانی کھانا اور قبول کرنا شریعت کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز عمرو نے اپنی کمائی سے جو زمین خریدی ہے اس کو تقسیم سے الگ رکھنا صحیح ہے اور خالد وغیرہ کا عمرو کی کمائی کو طلب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب

اگر عمرو برضائے دیگر ورثہ براں اراضی حصۂ دیگراں قابض ست، و خزانہ از جانب ایشاں می دہد، و ہرچہ زیادت حاصل بود

اگر عمرو باقی وارثوں کی رضامندی سے ان کے حصہ پر قابض ہے اور اخراجات سرکاری ان کی طرف سے ادا کر کے باقی آمدن کو مساوی

بعدل قسمت می کند، یا از منافع آناں را بقدر خورد و پوشش می دہد، و باقی را برضائے آناں پیش خود جمع می دارد، دریں صورت عمرو ہرگز غاصب نیست لوجود الاذن من الملاك فی القبض وعدم تصرف باطل فی خراج الارض واگر نہ چناں ست بلکہ بے رضائے آناں برحصص آناں قبضہ کردہ است و در حقوق آناں تصرفات بیجا برائے خود می کند، ضرور غاصب بود، واما کافر نیست لانہ لایخرج الانسان من الاسلام الاجحود ما ادخلہ فیہ درصورت اولیٰ دعوت زید قبول کردن بلادغدغہ رواست، و نیز درصورت ثانیہ اگر دعوت از مال خودش کند، واگر از مال غصب میکند خوردن مغصوب روانیست، بلکہ درصورت ثانیہ چوں غاصب ومصر علی الغصب باشد باو اختلاط نشاید کرد، ودعوتش از مال خودش ہم نباید خورد لیکون زجرا لہ ولامۃ لہ، زمین کہ عمرو از کسب خود خریداست، خالد وغیرہ را از وحصہ خواستن روانیست، فان سہم الوارث فی المورث دون مملوك وارث اخر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تقسیم کرتا ہے یا منافع میں سے ان کے خورد ونوش و پوشش کے اخراجات ان کو دیتا ہے اور باقیماندہ کو ان کی رضامندی سے اپنے پاس جمع رکھتا ہے اس صورت میں عمرو ہرگز غاصب نہیں ہے کیونکہ مالکوں کی طرف سے قبضہ کی اجازت ہے اور زمین کی آمدن میں کوئی باطل تصرف نہیں ہے، اور اگر ایسا نہیں بلکہ ان کی رضامندی کے بغیر ان کے حصوں پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ان کے حقوق میں بے جا اپنی مداخلت کرتا ہے تو ضرور غاصب ہے لیکن وہ کافر نہیں ہے کیونکہ جو چیز اسلام میں داخل کرتی ہے اسی کے انکار سے اسلام سے خارج ہوتا ہے، اور پہلی صورت میں اس کی دعوت قبول کرنا بلاشبہہ جائز ہے لیکن دوسری صورت میں اگر اپنے مال سے دعوت کرے تو بھی قبول کرنا جائز ہے اور اگر مغصوبہ مال سے دعوت کرے تو وہ ناجائز ہے اور اگر دوسری صورت میں وہ غاصبانہ کارروائی پر اصرار کرے اس سے میل جول منع ہے اور اس کے اپنے مال کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہئے تاکہ اس کو زجر وملامت ہوسکے عمرو کی اپنی کمائی سے خریدکردہ زمین سے خالد وغیرہ کو حصہ طلب کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وارث کا حصہ مورث کے مال میں ہے دوسرے وارث کی ملکیت میں نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲ از مجیب نگر ڈاک خانہ مونڈا سواراں ضلع کھیری مرسلہ مجیب رحمان خاں ۴ رشعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا،

عجلت تیاری میں غلطی سے ایک چٹائی مسجد کی بانی مسجد نے یہ سمجھ کر کہ ایک چٹائی ایسے تنگ وقت دستیاب نہ ہو سکے گی، اور مسجد میں دوسری چٹائی بجائے اس کے رکھ دی جائے گی، لے کر میت کے تختوں پر جو قبر میں بچھائی گئی تھی اس لئے کہ مٹی قبر کی درازِ تختہ سے نہ چھنے، ڈال دی، اور وہ قبر میں کام آگئی، تو ایسی حالت میں ایسے شخص کے لئے جس نے نیت معروضہ سے مسجد کی چٹائی ضرورت مذکورہ میں بحالت عجلت بکار مسطورہ اٹھائی، شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور اس کا کفارہ کچھ ہو سکتا ہے یا کیا؟ فقط۔

الجواب

وُہ گنہ گار اور مجرم خاص حقیقی سرکار ہوا لغصبہ الوقف فلیس فی تاثیمہ وقف (اس کے وقف کو غصب کرنے میں گناہ میں کوئی شک نہیں ہے۔ ت) اس کا کفارہ صدق دل سے توبہ ہے' ویتوب اللہ علی من تاب (اللہ تعالٰی توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ ت) اور ویسی ہی چٹائی یا اس سے بہتر مسجد میں ڈالنا، اور وسعت رکھتا ہے تو خدمتِ مسجد و حاجت روائی مصلیاء و مساکین میں بقدرِ قدرت پاک نیت سے صرف کرے کہ اس کی خدمت پسند سرکار ہو' اور رحمت توجہ فرما کر گناہ دھوئے' قال اللہ تعالٰی ان الحسنٰت یذھبن السیّئات ذٰلک ذکرٰی للذاکرین[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکیاں ختم کردیتی ہیں برائیوں کو، یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۳

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا اور اس نے مال تجارتی اور دیگر جائداد زرخرید اپنی بشراکت اپنے برادر حقیقی عبدالرحیم کے چھوڑی اور اس مال میں سے نفع جائداد سے کرایہ تخمیناً بارہ سال کے عبدالرحیم حاصل کرتا ہے، اور دوسرا مال اور جائداد موروثی جو والدین سے پایا وُہ بھی چھوڑا، اب مال اپنا زرخرید اور جائداد موروثی کس طرح پر تقسیم ہوگا، وارث اپنے چھوڑے، ایک زوجہ، دو بھائی، ایک بھتیجا اور دو ہمشیریں اور تین بیٹیاں اپنی، اور قرضہ عبدالغفور فوت شدہ نے بشراکت عبدالرحیم کے دین مہر اپنی زوجہ دینا چھوڑا، اب اس میں سے کون سا قرضہ ادا کیا جائے گا، اور از روئے شرع شریف کے وہ مال کس طرح پر تقسیم ہوگا؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴

الجواب

حسب شرائط فرائض عبدالغفور کا جو کچھ ترکہ ہے خواہ موروثی، خواہ خرید کردہ، اس سب سے عبدالغفور پر جو کچھ دین ہے تقسیم ترکہ سے پہلے اسے ادا کریں، دین مہر زوجہ اور دوسرا قرضہ جو عبدالرحیم کی شرکت میں تھا سب برابر ہے، اگرچہ جاءِ اداس مہر و قرضہ کے مجموعہ سے کم یا برابر ہو، توسب ترکہ مہر و قرض میں حصہ رسد دیا جائے خواہ کسی وارث کو وراثۃً کچھ نہ ملے، اور اگر ترکہ زیادہ ہے تو مہر و قرض جس جس قدر واجب ہے تمام وکمال ادا کر کے اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی سے عبدالغفور کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کی جائے، باقی کے ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) حصے ہو کر اٹھارہ سہم زوجہ اور تینتیس تینتیس سہم ہر دختر، اور دس دس سہم ہر برادر، اور پانچ پانچ سہم ہر خواہر کو دیں، اور بھتیجا کچھ نہ پائے گا، اور بعد موت عبدالغفور جو نفع مال مشترک سے عبدالرحیم نے حاصل کیا اسے چاہئے کہ عبدالغفور کے حصے کا نفع اس میں سے اپنا حصہ یعنی بہتر حصّوں سے پانچ حصے نکال کر باقی دیگر ورثہ عبدالغفور کو دے

لانہ حصلہ بوجہ خبیث، وکان علیہ اخراجہ، اما صدقۃ او ردا علی المالک، وھو الافضل کما فی الخیریۃ والھندیۃ وغیرھما۔

کیونکہ اس نے خبیث طریقہ سے حاصل کیا ہے اس پر اپنی ملکیت سے باہر کرنا لازم ہے یا صدقہ کرے یا مالک کو واپس کرے اور یہ افضل ہے جیسا کہ خیریہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس صورت میں کہ مہر و قرض مل کر جملہ ترکہ عبدالغفور سے زائد یا برابر نہ ہو، لان الدین اذا لم یستغرق ینتقل الملك الی الورثۃ (کیونکہ اگر میّت کا قرضہ ترکہ پر حاوی نہ ہو تو ورثاء کی ملک ہوگا۔ ت) اور اگر زائد یا برابر تھا تو جو نفع حصہ عبدالغفور سے حاصل کیا ہے تمام وکمال فقیروں پر صدقہ کردینا اس پر واجب ہے نہ کرے گا تو گنہ گار رہو گا،

لان الدین المستغرق یمنع ملك الورثۃ کما فی الاشباہ[1]، وحق الدائن فی المالیۃ فلا مالك یرد علیہ فتعین التصدق وجوبا۔

کیونکہ ترکہ پر اگر قرض حاوی ہو تو ورثاء کی ملک نہ ہوگا، جیسا کہ الاشباہ میں ہے، اور مالیت پر قرض خواہ کا حق ہے تو اس کا کوئی مالک نہیں ہے، جس پر واپس کیا جائے لہذا لازماً صدقہ کرنا متعین ہوگا۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

رہا وہ کرایہ جو جائداد مشترک سے عبدالرحیم نے بعد موت عبدالغفور حاصل کیا، اس کی نسبت سائل کا بیان ہے کہ وہ جائداد ایک زمین ہے جسے دونوں بھائیوں نے شرکت میں خریدا کہ اس میں کچھ مکان بنوائے یا کرایہ پر چلوائے خاص کرایہ پر دینے کی نیت نہ تھی، اور وہ زمین حیاتِ عبدالغفور میں کبھی پڑی رہتی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا کرایہ پر رہتا فلم تدخل فی المعد للاستغلال (تو وہ زمین اجارہ کے لئے تیار میں نہ داخل ہوئی۔ ت) تینوں بیٹیوں میں موتِ عبدالغفور کے وقت ایک جوان تھی دوسری دس برس کی، تیسری دو برس کی، تو اگر مہر و قرض سب مل کر تمام متروکہ سے کم مقدار پر ہیں تو یہ مشترک زمین کہ بعد عبدالغفور کے عبدالرحیم نے خاص اپنے قبضہ مالکانہ میں رکھی اور کرایہ پر چلائی، موتِ عبدالغفور سے اس وقت کہ یہ دونوں نابالغہ لڑکیاں بالغہ ہوگئیں، ان کے حصہ کا کرایہ جو بازار بھاؤ سے ہو ان دونوں کو دینا واجب ہے چاہے عبدالرحیم نے کم کرائے پر اٹھائی ہو یا زیادہ پر ڈال رکھی ہو، مثلاً دونوں لڑکیاں چودہ چودہ برس کی عمر میں بالغہ ہوئی ہوں، تو پہلی لڑکی کے حصے کا چار سال کا کرایہ اور دوسری کے حصے کا بارہ برس کا کرایہ عبدالرحیم پر واجب ہے، وعلٰی ھذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاھا او عطلھا لا تضمن الا فی ثلث فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا او مال یتیم وعلی المعتمد تجب الاجرۃ علی الشریک[1] اھ مختصرًا۔

غصب کے منافع حاصل ہوں یا معطل چھوڑے ہوں تو تین صورتوں کے علاوہ ان کا ضمان نہ ہوگا، تین صورتیں یہ ہیں، مغصوبہ چیز وقف ہو یا یتیم کا مال ہو تو باعتماد قول کے مطابق شریک پر بھی مثلی اُجرت لازم ہوگی اھ مختصرًا (ت)

اور باقی جو وارثوں کے حصص کا کرایہ دار سے حاصل کیا ہو جس صورت میں مہر و قرض تمام متروکہ سے کم ہوں، تو زمین میں سارے حصہ عبدالغفور پر جو کرایہ عبدالرحیم نے وصول کیا ہو سب فقیروں کو دینا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باغوائے نفس امارہ ایک دستاویز اس مضمون کی کہ جو مکان اس کی والدہ ہندہ کا ہے اس کو دو نابرابر حصوں میں بطور خود بلا اطلاع ورثار جائز کے اس طرح تقسیم کیا کہ چھوٹے بھائی عمرو کے واسطے چوتھائی سے کم، اور بڑے بھائی زید یعنی اپنے واسطے تین چوتھائی

---

[1] درمختار کتاب الغصب فصل مسائل آخر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸

سے زائد، اور خفیہ طور سے اپنی والدہ ہندہ کو کاغذ مذکور اس طرح پڑھ کر سُنا دیا کہ مکان مملوکہ ومقبوضہ ہمارا میں نے دو برابر حصوں میں تقسیم کرلیا ہے، چنانچہ ایسے ہی باور کرادیا، پھر کہا کہ اس پر عدالت میں چل کر خفیہ طور سے رجسٹری کرا دو۔ ہندہ نے کہا کہ اس کی خبر میرے چھوٹے لڑکے عمرو کو تو کردو، تو کہا کہ تم میرے اعتبار پر اس کی رجسٹری کرا دو اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں، اس پر ہندہ نے قطعی انکار کردیا لہذا دستاویز نامکمل اور بلا دستخطی رہی جبکہ عمرو کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کی شکایت اپنی والدہ ہندہ سے کی، ہندہ نے کہا کہ مجھے تو دو برابر حصوں میں بانٹنا باور کرایا ہے، بربنا اس ناخوشی وحکم کے ہندہ نے زید سے اس دیوار کو جو زید کے بلارضامندی فریق ثانی کے بطور خود قائم کرلی منہدم کرنے کو کہا، تو زید نے اپنی روباہ بازیوں سے اسے ٹالا اور ایک کرایہ نامہ اپنے نام سے فریق ثانی کی حق تلفی کے واسطے لکھ کر اس میں کرایہ دار بسایا اس کے روکنے کے واسطے جبکہ عمرو نے زید کو تنبیہ تحریری کی تو اس کو خیال میں نہ لایا بلکہ اپنی بدمعاملگی اور دغابازی پر اب تک مصر ہے، اور نہ مکان مذکور کا نصف کرایہ دیتا ہے، نہ کرایہ نامہ میں شرکت کرتا ہے، نہ دیوار منہدم کراتا ہے، بلکہ ہر طریقہ سے فریق ثانی کی حق تلفی پر آمادہ ہے، اور کوئی شرعی فہمائش کسی کی اس کو بوجہ طمع نفسانی کے مفید نہیں ہوتی، دیگر یہ کہ یہ شخص وعظ بھی کہتا ہے حالانکہ اس کی تحصیل علم قطعی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، نہ کسی مستند معتبر اُستاد سے کبھی پڑھا، نہ فقہ، نہ تفسیر، نہ حدیث، بلکہ صرف اردو کی چند کتابوں کے ذریعہ سے وعظ گوئی کرتا ہے، تو شرع شریف ایسے شخص کی نسبت کیا حکم فرماتی ہے؟ آیا اس کا ایمان سالم رہا یا نہیں؟ آیا تقسیم مذکور جائز ہوئی یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اسے وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وہ تقسیم باطل محض ہے، اور زید سخت ظالم، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب نار وغضب جبار ہے، مسلمانوں کو اس سے وہی برتاؤ چاہئے جو ظالموں موذیوں سے چاہئے۔

قال اللہ تعالٰی، واِمّا ینسینّک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا، اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اسے وعظ کہنا حرام ہے، اس کا وعظ سُننا جائز نہیں، وہ اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہزار بار شہادت دے شرعاً مردود ہے، جو اس کی گواہی قبول کرے گا گنہگار ہوگا۔ یہ سب اس بنا پر ہے جو سائل

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اظہار کیا، اور واقع کا علم عالم الغیب جلّ وعلا کو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۵ مرسلہ بخش اللہ ساکن بریلی محلہ گندہ نالہ مورخہ یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو۲ مکان دو۲ شخصوں کے خرید کردہ ہیں، ایک شخص کی خریداری قریب پچیس۲۵ تیس۳۰ سال کی اور دوسرے شخص کی خریداری قریب دس۱۰ سال کے ہے، جس شخص کا مکان خریدا ہوا قریب پچیس۲۵ سال کے ہے اُس کی کڑیاں دوسرے شخص کی دیوار پر رکھی ہیں، اب وہ یہ کہتا ہے کہ میری دیوار پر سے کڑیاں علیحدہ کرلو، یہ کہتا ہے کہ میں نے اسی حیثیت سے خریدا ہے، اس کا بیان یہ ہے اور اس شخص کا گمان ہے کہ اس نے خود بعد خرید نے مکان کے یہ کڑیاں رکھوائی ہیں، ایسی حالت میں مستحق ہٹوانے کا ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ اس شخص کو اقرار ہے کہ یہ دیوار جس پر میری کڑیاں رکھی ہیں میری نہیں، اس صورت میں اُسے کڑیاں رکھنے کا کوئی حق نہیں، اگر غصباً رکھی ہیں جب تو ظاہر، اور اگر سابق کے مالک کی اجازت سے رکھی تھیں تو اُس کی اجازت اُس کی ملک ختم ہونے سے ختم ہوگئی، اب بے اجازتِ مالک اس کا اختیار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، دو۲ مکان کی دو۲ دیواریں ملی ہوئی ہیں، ایک خام ایک پختہ تھی، اس نے اپنی دیوار میں الماری لگائی ہوئی تھی، اس میں سے کچھ خام دیوار میں سے کٹی، قریب ا۔ گرہ کے لیکن مالک دیوار کو نہیں معلوم ہُوا، اب اُس نے اُس مکان کو فروخت کیا، ایسی حالت میں خریدار مواخذہ دار کس کا ہے، یعنی مالک قبل کا ہے یا مالک حال کا حصّہ ہے۔

الجواب

پہلے مالک سابق کا مواخذہ تھا، اب مالک حال کا، یا تو اس کی رضامندی سے اس قدر زمین کی قیمت اس کو دے دے یا یہ ا۔ گرہ زمین کا ٹکڑا خالی کردے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لیس لعرق ظالم حق[1] (ظالم کا دخل حق نہیں۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱
جامع الترمذی ابواب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶
السنن الکبریٰ کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹

مسئلہ ۲۷۷ مرسلہ شیخ حاجی عبدالعزیز صاحب ۲۲ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دیوار میں تیس برس سے ایک طاق عمرو کے غسلخانہ کا تھا، زید نے جس وقت اپنے مکان کی دیوار کھودی تو عمرو کا تیس برس کا طاق بند کردیا، باوجود منت و سماجت بسیار کے بھی نہ مانا، دیگر یہ کہ عمرو کے غسل خانہ کے دو کڑی کے زید کی دیوار میں اور چار پائخانہ کی کڑیوں کے ٹکڑے زید مذکور کی دیوار میں رکھے ہوئے ہیں، غدر کے قبل کے ہیں، زید نے بارہا اُن کو دیکھا ہے، کیونکہ ایام قربانی زید مذکور کا کئی گھنٹہ اس مکان میں قیام رہتا ہے، زید نے ہمیشہ اُن ٹکڑوں کو دیکھا ہے مگر کبھی کچھ نہیں کہا، اور اب ان کو نکلوا دینے کو کہتا ہے، دیگر یہ کہ جس وقت وہ طاق بند کیا تھا اُسی وقت یہ چیزیں بھی اگر ناراضامندی بھی نکلوا دیتا، عمرو نے ایک خام مکان خرید کر تعمیر کرانا چاہا اور دیواریں کھدوائیں تو زید کی طرف کی دیوار میں دو الماریاں اور ایک آتش خانہ نمودار ہوا، بلکہ دیوار بھی بڑھی ہوئی ہے، عمرو نے جب زید سے کہا کہ اس کو درست کرا دو، تو زید نے جواب دیا کہ تمھاری پائخانہ کے ٹکڑے جو ہماری دیوار میں رکھے ہیں نکلوا دو تو ہم بھی الماریاں بند کرا دیں گے۔ اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب

الماریاں اور آتش خانہ جو زید نے بے اجازت مالک بنالیا ہے، اُس کا بند کردینا اُس پر فوراً لازم ہے، اور اگر ثابت ہو کہ دیوار اُس کی زمین میں بڑھالی ہے، تو اُتنی دیوار گرا کر زمین خالی کردینی لازم ہے۔ رہیں عمرو کی کڑیاں[عہ] اور طاق، تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ دوسرے کی دیوار میں باجازت مالک بطور عاریت تھے، نہ کسی حق لازم سے، اور زید کا اب تک سکوت وہ بھی عاریت پر راضی ہونا تھا، اور عاریت کی چیز کا ہر وقت واپس لینے کا اختیار ہے، اب کہ زید راضی نہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ کڑیاں نکال لے، مگر ایک کا دوسرے پر ٹالنا کہ تم یہ کردو تو ہم یُوں کریں، جائز نہیں، کہ ظلم فوراً دُور کرنا فرض ہے، دونوں معًا دوسرے کی ملک خالی کردیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

البائع یؤمر برفع خشب علی حائط المبیعۃ ولو کان الخشب لاجنبی بحق لازم بملک واجارۃ فھو عیب لانہ

مبیع کی دیوار پر سے کڑیاں اتارنے کا حکم بائع کو دیا جائیگا اور اگر وہ کڑیاں اجنبی شخص کی ملکیت یا اجارہ پر ہوں تو یہ عیب شمار ہوگا کیونکہ اس میں

عہ لفظ "کڑیاں" اصل میں نہیں ہے شاید قلم ناسخ سے چھوٹ گیا ہے۔ عبدالمنان اعظمی

لیس لہ ان یمنعہ ، وان کان باجازۃ لاخیار لہ لانہ لیس بلازم کذا فی تاتارخانیۃ[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم

اس کو منع کا حق نہیں اور اگر اجازت سے ہوں تو اس کو اختیار نہیں کیونکہ وہ لازم نہیں، تاتارخانیہ میں یُوں ہے اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۸ از بریلی محلہ شاہ آباد مرسلہ حکیم نذیرالدین صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد غاصبانہ طریقہ سے حاصل کی اور تخمینًا پچاس سال تک اس کی آمدنی کو تصرف کرتا رہا، اور اس میں سے قریب نصف جائداد کے فروخت کردی، زید فوت ہوگیا اور اس نے جائداد بقیہ مغصوبہ کے چھوڑی، اور ورثائے غاصب صرف جائداد مغصوبہ موجودہ کو ورثاء حقدار کو دیتے ہیں جو جائداد فروخت ہوچکی اور نیز محاصل کل جائداد مغصوبہ کا دینے سے منکر ہیں حالانکہ غاصب نے جائداد کثیر المالیت اس تعداد کی چھوڑی ہے کہ اس سے مطالبہ جائداد مغصوبہ کا ادا ہوکر جائداد کثیر المالیت ورثائے غاصب کے لئے باقی رہتی ہے ایسی حالت میں حقدار جائداد مغصوبہ کو ورثائے غاصب سے بمقابلہ جائداد یہ حق حاصل ہے کہ وُہ اپنی جائداد مغصوبہ موجودہ اور بیع شدہ اور اس کے محاصل کو جس طرح اس کا حصول ممکن ہو حاصل کرلے، اور بحالت ہونے جائداد غاصب کے اُس کے ورثاء پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق مذکورہ بالا کو ادا کردیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع وُہ جائداد زید نے جس سے غصب کی تھی اسے اور اس کے بعد اُس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس قدر جائداد اُس میں سے موجود ہے اُسے بعینہٖ واپس لیں، اور جو زید نے بیع کردی اس کی قیمت جتنی روزِ غصب تھی دیگر جائداد مملوکہ زید سے جس طرح ممکن ہو وصول کریں، اور اگر وہ جائداد دیہات یا کرائے پر چلانے کے مکان دکان تھے کہ اصل مالک نے اس لئے بنائے یا خریدے، اور زید نے اس سے غصب کرلئے تو جائداد باقیماندہ کے محاصل آج تک کے، اور جائداد بیع شدہ کے محاصل اُس دن تک جب تک وُہ زید کے پاس رہی جائداد مملوک زید سے وصول کریں، ورثائے زید پر ان تمام حقوق کا ترکہ زید سے ادا کرنا لازم ہے اور ممانعت کرنا حرام، نیز مالک اور اُس کے وارث چاہیں تو یہ بھی کرسکتے ہیں کہ جائداد موجود میں تو وہی کارروائی کریں، اور جائداد بیع شدہ کے محاصل کا بشرط مذکور روز قبضہ زید تک ترکہ زید سے تاوان لیں، اور اس کی قیمت کا تاوان اور روزِ قبضہ مشتری سے آج تک اس کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ

محاصل کا تاوان مشتری سے وصول کریں، مشتری نے جو قیمت زید کو دی تھی ترکہ زید سے وصول کرے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوباعه الغاصب وسلمه فالمالك بالخیار ان شاء ضمن الغاصب، وجاز بیعه والثمن له، وان ضمن المشتری رجع علی الغاصب ویبطل البیع ولایرجع بما ضمن، وان باع ولم یسلم لایضمن کذا فی الوجیز للکردری[1] واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

اگر غاصب نے اسے فروخت کر کے سونپ دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے ضمان لے اب غاصب فروخت کرے رقم اس کی ہوگی اور اگر مالک نے مشتری کو ضامن بنایا تو وہ غاصب سے وصول کرے اور بیع باطل ہوجائیگی اور غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا، اور اگر غاصب نے فروخت کیا مگر ابھی قبضہ نہ دیا تو ضامن نہ ہوگا۔ وجیز کردری میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۷۹: مسئولہ حافظ محمد سعید صاحب از قصبہ راندیر ضلع سورت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

ماقولکم دام فضلکم ایھا العلماء العظام والفقھاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیما لدیہ (تمہارا کیا ارشاد ہے اے علماء عظام وفقہاء کرام، اللہ تعالٰی کے ہاں تمہاری فضیلت وتعظیم زیادہ ہو۔ت) اس صورت میں زید تاجر نے بلقانی چندہ میں مثلاً ایک سو روپیہ لکھ دئے، اور جب اس چندہ وصول کرنیوالے سکتر نے زید سے روپے چندہ کے وصول کرنے کو گیا تو زید نے چندہ وصول کرنے والے بکر نام کو کہا کہ میرے روپے فلاں بینک میں جمع ہیں میں تم کو یہ چیک یعنی حکم بینک پر لکھ دیتا ہوں تم بینک سے روپیہ وصول کرلو، اور تم چاہو تو میں میرے نزدیک سے نقد دوں، اس کے جواب میں بکر نام کے سکتر نے کہا کہ چیک دو، زید نے بموجب طلب کرنے کے بکر کو بینک (کہ مسمی پیپل بینک ہے) اس پر حکم یعنی چیک لکھ دیا، مگر بکر مذکور نے روپے وصول کرنے پیپل بنک سے تکاسل اور غفلت کی، اور اندازہ چوبیس روز کے اس چیک کو اپنے پاس بکر نے ڈال رکھے، اس درمیان میں زید نے دوسری چیک اپنے کام کی بینک کو دی ہے، وہ برابر بینک والے روپیہ ادا کر دئے ہیں، اور یہ بھی بکر تکاسل اور کاہلی نہ کرتا، اور بینک میں چیک روانہ کر کے طلب کرتا تو ضرور یہ روپیہ وصول ہوتے، چونکہ زید کے روپیہ جمع تھے اور اب وہ بینک دیوالیہ بن گئے،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۹

اور وُہ روپے جاتے رہے، اور بکر تکاسل اس قدر نہ کرتا تو یہ روپے ضائع نہ ہوتے، لہذا صورتِ مذکورہ میں یہ روپیہ کس کے ذمہ پر آتے ہیں اور کس کے یہ روپے گئے زید کے یا بکر کے، یا چندہ بلقان کے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دیوالیہ بننا بینک والے کا ظلم ہے، بکر پر اُس کا کچھ الزام نہیں آسکتا، لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ت) اور چوبیس روز کے تساہل میں بھی اُس پر الزام نہیں، وہ کیا جانتا تھا کہ اتنی مدت میں بینک دیوالیہ ہوجائے گا وما کنّا للغیب حٰفظین[2] (ہم غائب پر حفاظت کرنے والے نہیں۔ت) اور بالفرض اگر وُہ جانتا بھی اور بالقصد تکاسل کرتا، جب بھی روپے کا الزام اس پر آنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ وہ نہ سبب ہے نہ مباشر، قاعدہ شرعیہ تو یہ ہے کہ:

اذا اجتمع السبب والمباشر اضیف الحکم الی المباشر۔ جب سبب اور ارتکاب کرنیوالے ہیں معاملہ دائر ہو تو حکم ارتکاب والے کی طرف منسوب ہوگا (ت)

دُوسرا قاعدہ ہے:

تخلل فعل الفاعل المختار یقطع النسبۃ۔ مختار کا فعل حائل ہوجائے تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے۔ (ت)

تو بکر کے روپیہ جانے کی کوئی وجہ نہیں، روپے زید کے گئے، رہا چندہ، زید اس میں متبرع تھا، لاجبر علی المتبرع (مفت میں دینے والے پر جبر نہیں ہوتا۔ت) تو اس سے بھی مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اس میں اس کا کوئی قصور ہے کہ اس نے تو چیک لکھ دیا تھا، اور اگر نہ بھی لکھتا اور وعدہ کرکے پھر جاتا جب بھی شرعاً بُرا تھا، مگر جبر کا اختیار کسی کو نہ تھا، اشباہ میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[3] وعدہ کے وفا پر جبر نہیں ہوسکتا۔ (ت)

ہاں اگر زید اپنی طرف سے دوبارہ دے تو یہ اس کا تطوّع ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] 〃 ۱۲/ ۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰
العقود الدریۃ بحوالہ الاشباہ والنظائر مسائل وفوائد من الحظر الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم[1]۔ جو شخص مفت میں بھلائی کرے تو اللہ تعالٰی قبول فرمانے اور جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۲۸۰ از سہسرام محلہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عبدالجلیل ۱۶ شوال ۱۳۳۳ھ یوم شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو کا مال مسلمان زبردستی کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

زبردستی مال کھانے والے ایک دن بڑا گھر دیکھتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۱ تا ۲۸۳ از شہر کہنہ بریلی مسئولہ سید نور اللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید کا ایک بیٹا جوان بالغ ذی علم صاحبِ نصیب تھا، وہ جب مرا تو تجارت بند ہوگئی اور کچھ جائداد دونوں کے کسب سے تھی اب باقی ہے، زید کی اب دو زوجہ ہیں ایک قدیم کفو کی، دوسری جدید غیر کفو کی، زید نے لبعوض مہر دو مکان زوجہ کفو کے نام حسبِ قانون لکھے اور ایک مکان اپنے بیٹے بکر کے نام لکھے، لیکن کل جائداد پر قابض اور ماحصل سے متمتع زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد رہی، جبرًا وقہرًا، پس یہ قبضہ وتمتع شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زوجہ کفو کی دو لڑکیاں ہیں، پس اپنے نام کی جائداد برضائے زوج خود یعنی زید کے، بذریعہ عدالت لڑکیوں کے نام کر دی ہے، بذریعہ عدالت رجسٹری شدہ کاغذ موجود ہے، اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ قبضہ کرکے اس سے منتفع ہوں، لیکن زید اور اس کی زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد فساد پر آمادہ ہیں، اور قبضہ نہیں دیتے، اور کسی کی نصیحت نہیں مانتے، پس یہ امر ان کو شرعًا کیا زیبا ہے، اور اس فعل کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیا شرعًا ان کو اس جائداد میں کچھ حق ہے یا شرعًا وہ ظالم اور یہ فعل فسق ہے؟ فقط۔

الجواب

(۱) مالِ غیر سے بے رضا، غیر تمتع اور اس پر مخالفانہ قبضہ حرام وحرام خوری ہے۔

قال اللہ تعالٰی لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (ت)

(۲) یہ فعل بھی ظلم اور ظلم کی جزا نار۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۸

[2] ؍؍ ۲/ ۱۸۸

(۳) شرعاً زید[عــہ] کا اس میں کچھ حق نہیں، اور یہ فعل ضرور ظلم وفسق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۴ از پیلی بھیت محلہ شیر محمد نمبر مکان ۳۵۰۱ مسئولہ حبیب احمد بروز یکشنبہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بقال کے یہاں ملازم ہے، اور پوری تنخواہ نہ دے، تو وہ اس سے چھپا کر اس کے مال سے یعنی جو اس کے یعنی بقال کا تعلق ہو خود لے لے۔ یعنی بنیے بقال اہل ہنود کا مال چھپا کر مسلمان ملازم کو کھانا روا ہے یا نہیں؟

الجواب

تنخواہ پوری نہ دینے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جس قدر قرار پائی ہے اس سے کم دیتا ہے، اس صورت میں جتنی کمی رہتی ہے اُتنی مقدار تک اس کے مال سے بے اُس کی اجازت کے لے سکتا ہے مثلاً دس روپیہ تنخواہ ٹھہرے ہیں اور اُس نے کسی مہینے میں ظلماً پانچ روپے کاٹ لئے تو یہ پانچ روپے کی قدر اُس کے مال سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔

دوسرے یہ کہ تنخواہ جتنی ہونی چاہیے تھی اُتنی نہیں دیتا، مثلاً وہ کام دس روپے ماہواری کے قابل تھا، اور اس نے اسے حاجتمند پاکر دبا کر پانچ روپے ماہوار پر نوکر رکھا اور اس نے قبول کرلیا، تو اب نہیں لے سکتا کہ اتنے سے زیادہ میں اس کا حق نہیں، اور مال جو اس کی سپردگی میں ہے امانت ہے، اور بذریعہ عقد اجارہ اِس کا اُس کا معاہدہ ہوچکا ہے اور امانت میں خیانت اور معاہدہ میں غدر کسی کے ساتھ جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود[۱] اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۵ تا ۲۸۶ از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور، راجپوتانہ مسئولہ عبدالکریم بروز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) شئی مشترکہ کو کہ ہر ایک شریک استعمال کرتا ہے تو بروقت ٹوٹنے یا ضائع ہونے کے اُس شئی کا تاوان کس پر ہوگا؟

عــہ اصل میں یونہی ہے، سوال کی روشنی میں "زید" کے بجائے "ان کا" ہونا چاہیے۔

---

[۱] القرآن الکریم ۵/ ۱

(۲) زید نے بجر کا مال ناجائز طریق مثلاً غصب یا چوری یا خیانت یا ظلم سے لے لیا تو کیا بجر کو جائز ہے کہ جب زید کے مال پر قابو پائے تو بمقدار اپنے مال کے اُس کے مال میں سے بلا رضامندی زید کے لے لے۔ بیّنوا توجروا۔

4

الجواب

(۱) اگر بلا تعدی ٹوٹی یا ضائع ہوئی تو کسی پر نہیں، اور اگر ایک شریک نے قصداً توڑ دیا یا ضائع کر دیا تو دوسروں کے حصوں کا تاوان دے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اپنے حق تک لینا جائز ہے کہ وہ زید کا مال نہیں اس کا ہے، اصل مذہب میں جنس مال کی اجازت ہے، مثلاً سَو روپے اس کے اُس نے ظلماً لے لئے اسے اس کے روپے ہوں عـــہ اور فتوٰی اس پر ہے کہ اپنے حق کی جنس نہ ملے تو غیر جنس سے بھی مقدار حق تک لے سکتا ہے لان الضمان ضمان العقود ولیس الضمان ضمان الحقوق کما فصلہ فی ردالمحتار (کیونکہ یہ ضمان عقود والا ہے حقوق والا ضمان نہیں جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۸۷: مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب بازار صندل خاں بریلی بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ

امام مسجد سابق جو بغداد شریف وغیرہ کہہ کر باہر شہر کے گیا ہو تو اُس کے اسباب کو حجرہ مسجد سے بلا ضرورت لے کر جس کو چاہے اور اپنے صرف میں لائے بلا رائے اہل محلہ کے، پس صرف کرنیوالے پر کیا حکم شرع ہے؟ فقط۔

الجواب

اسباب اگر اُس کی ملک ہے تو اس میں یہ تصرفات حرام ہیں اگرچہ اہل محلہ کی رائے سے ہوں، اور اگر مسجد کا مال ہے کہ امام کے صرف میں رہتا تھا تو جس لئے وقف تھا اسی میں صرف ہو سکتا ہے، اپنے صرف میں لانا یا جسے چاہے دے دینا اب بھی حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۸۸ تا ۲۹۲: از علی گڈھ محلہ بالائے قلعہ مسئولہ محمد عبدالمجید معرفت عبدالرحیم وکیل یکشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم کو ضرورتاً قومی چندہ یومیہ جمع کرکے ایک چاہ بنانے کا شوق ہُوا اور کل قوم نے یومیہ چندہ متفق ہو کر جمع کرنا شروع کیا، اس چندہ میں امیر وغریب سب شریک تھے، تقریباً دوسو روپیہ ہوجانے پر قوم نے ایک برادری کے شخص کو معتبر سمجھ کر وہ رقم

عـــہ اصل میں ایسے ہی ہے لیکن شاید یہ عبارت اس طرح ہو "اِسے اُس کے روپے ہی لینے ہونگے"۔ عبدالمنان اعظمی

امانۃً اس کے سپرد کر دی، اور یومیہ چندہ بدستور جاری رکھا اور اس سے کہہ دیا کہ جب یہ قوم چاہ بنانے کے قابل ہوجائے گی تو تم سے یہ روپیہ لے کر چاہ بنایا جائے گا، کچھ عرصہ کے بعد اُس امانت دار نے بغیر مشورہ قوم کے اپنی رائے سے ضرورت والے لوگوں کو وہ روپیہ قرض بلا سُود قوم ہی کے لوگوں کو دینا شروع کر کے انھیں مقروض آدمیوں کو اپنا طرفدار بنالیا، جب قوم کو یہ حال معلوم ہوا تو اکثر نے چندہ دینا بند کر دیا اور قوم کے اعتراض پر امین نے یہ جواب دیا کہ میں نے اس روپیہ کا نام خزانہ بیت المال رکھ دیا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ روپیہ جو قوم نے ایک خاص کام یعنی چاہ بنانے کے لئے جمع کیا تھا اب اس امانتدار نے بلا رضامندی ورائے قوم کے خزانہ بیت المال بنالیا ہے، یہ فعل اس کا شرعاً درست ہے یا نہیں اور اس کا نام خزانہ بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) اب وہ امین قرض روپیہ حیثیت داروں کو دیتا ہے غریب لوگوں کو نہیں دیتا، اور دیتا ہے تو کسی امیر کی ضمانت پر، اکثر تو غریبوں کو یہ جواب دیتا ہے کہ تم کو دے کر واپس کہاں سے لیں گے، کیا شرعاً یہ درست ہے کہ خزانہ بیت المال جو عام چندہ ہے، اس میں سوائے امیروں کے غریبوں کو قرض نہ دیا جائے؟

(۳) جو شخص روپیہ قرض لینے کی غرض سے چندہ دے، اور پھر قرض بھی لے، تو یہ چندہ دینے والا مستحقِ ثواب ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک شخص کچھ روپیہ قرض لیتا ہے، جب تک قرض لیا ہوا روپیہ ادا نہ ہو تب تک وہ چندہ دیتا ہے بعد کو بند کر دیتا ہے۔

(۴) قوم امانت دار سے حساب روپیہ کا مانگتی ہے، اب وہ امین حساب پیش نہیں کرتا، کیا شرعاً اس پر حساب پیش کرنا ضروری نہیں؟

(۵) جو لوگ روپیہ قرض نہیں لیتے اور اس امانت دار کی رائے کے شریک نہیں ہوتے، ان سے وہ امین یہ کہتا ہے کہ تم اس بیت المال کے خلاف نہیں ہو بلکہ کلام پاک کے خلاف ہو، کیا خزانہ بیت المال کا یہ طریقہ ہے، اس صورت سے کلام پاک سے ثابت ہے؟ فقط۔

الجواب

یہ فعل اس کا حرام ہے اور اس کا یہ نام حدیث سے ثابت نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ کی ایجاد ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ غرض یہ ساری کارروائی حرام ہے، اُسے کلام اللہ کے خلاف کہنا شیطنت ہے، اور وہ جو قرض ادا ہونے تک چندہ دیتا ہے، وہ معنی سود ہے، اور یہ شخص امانت دار نہیں غاصب ہے، اور اس کے ذمہ تفہیمِ حساب لازم نہیں بلکہ جس قدر جمع تھا سب کا واپس دینا اُس پر فرض ہے، اور اگر اُس پر اُس نے

کچھ نفع حاصل کیا ہو تو وہ اس پر حرام ہے، یا تو انھیں اہل چندہ کو واپس دے جن کے روپے سے نفع حاصل کیا ہے، اور یہی بہتر ہے، ورنہ جتنا نفع لیا ہے فقراء پر تصدق کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۳ از کلکتہ شہر ۲۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کتب فروش نے میرے ملک میں آکے بطور نذرانہ کے ایک جلد کلام اللہ پیش کیا اور چند کتب اور بھی۔ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ جس نے نذرانہ دیا ہے وُہ ایک دوسرے شخص کی دکان پر ملازم ہے، اور ان کتابوں کا وُہ مالک نہیں ہے، بغیر حکم اپنے مالک کے وہ کتابیں دی ہیں، اس صورت کو ہم کو کیا لازم ہے، کتابوں کو اس شخص کو واپس کردوں یا مالکِ کتاب کو دے دوں، مگر اس صورت میں رُسوائی کا خیال ہے، اور ممکن ہے کہ اپنی تنخواہ میں حساب کرلیا ہو، مگر مجھے کیا حکم شرعًا ہے؟

الجواب

وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں کیف وقیل، نہ مالک دُکان کو دی جائیں کہ کتب فروش کے غصب یا سرقہ پر یقین نہ ہُوا، اور مسلمان کا حال حتی الامکان صلاح پر حمل کرنا واجب، بلکہ اسی کتب فروش کو واپس دی جائیں کہ اگر واقع میں اسی کی تھیں فبہا، ورنہ اُسے دینے سے بری الذمہ ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

رد غاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول یبرأ عن ضمانہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غاصب سے غصب کرنیوالے نے مغصوب کو پہلے غاصب پر واپس کردیا تو اس سے ضمان ساقط ہوجائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض موسم میں زید کا مکان قیام گاہ مردمانِ ہر شہر و دیار ہوتا ہے، دُور دُور سے لوگ آتے اور اس کے مکان کی کوٹھری میں اقامت کرتے ہیں، جو شخص جس میں ٹھہرتا ہے اُسے زید وہ مکان سپرد کردیتا ہے کہ اس میں رہے اور اپنا مال و اسباب رکھے اور اس کی حفاظت کرے، انھیں لوگوں میں عمرو نے بھی ایک مسکن میں قیام کیا اور حسبِ دستور وہ مسکن زید نے اسے سپرد کردیا اور بنظرِ خیر خواہی عمرو کو آگاہ کردیا کہ اس موسم میں لکھوکھا آدمی آتے ہیں، اپنے مال کی خوب نگرانی کرو، عمرو باوجود اس اطلاع کے ایک دن اس مسکن کو تنہا بے قفل چھوڑ کر باہر گیا، جب آیا اس کا مال

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۶

چوری ہوگیا تھا، اس صورت میں شرعاً عمرو زید سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً جب تک کسی شخص پر سرقہ کا ثبوت کافی نہ پہنچے اس پر نادیدہ حکم روا نہیں، خصوصاً جبکہ اس کی حفاظت بھی ذمہ زید نہ تھی، اور ایسا مجمع عام اور اس میں خود عمرو کی یہ بے احتیاطی، پس اس صورت میں ہرگز عمرو کو زید پر دعوٰی نہیں پہنچتا، اور اس سے مطالبہ تاوان صریح مخالفت شرع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

انیسویں جلد کتاب الغصب پر ختم ہوئی،

بیسویں جلد کا آغاز کتاب الشفعہ سے ہوگا۔